بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

جولائی 2017

عید نمبر

WWW.PAKISTANIPOINT.COM
PP
پاکستانی پوائنٹ

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

بانی و مدیر اعلیٰ — محمود ریاض

مدیرہ — رضیہ جمیل

مدیرہ منتظمہ — اقدس ریاض

مدیرہ اعزازی — امت الصبور

فلم ایڈیٹر — شاہین رشید

اشتہارات — خالدہ جیلانی

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ شعاع

37 - اردو بازار کراچی

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

پہلی شعاع — رضیہ جمیل — 10
حمد — یاسمین کنول — 11
نعت — نسیم سحر — 11
نبیؐ کی باتیں — ادارہ — 12

انٹرویو

عید خوشیوں کی نوید — ادارہ — 17
بندھن — زاہد احمد — 23
دستک — شاہین رشید — 278
جب تجھ سے ناتا — س۔ س — 27
جب تجھ سے ناتا — ن۔ ص — 30

ناول

شہرزاد — صائمہ اکرم — 34
خواب شیشے کا — عفت سحر لاہر — 248

مکمل ناول

سنہری دھوپ — سلمیٰ سیفی الدین — 138
شہر محبت کی خیر — سارہ عرفان — 174
پیا ملن کی رت — ام طیفور — 216

ناولٹ

اتنا یقین تھا — مقدس شکیل — 88
یہ عید کتنی سعید — سحرش بانو — 128

افسانے

میرا راج دلارا — مصباح علی — 67
تیرگی میں روشنی — صدف آصف — 80
عیدی میں لے کر — مہناز نعیم — 112
پیا کے رنگ — افشین نعیم — 212

نظمیں، غزلیں

غزل — قتیل شفائی — 263
نظم — عبدالاحد ساز — 262
غزل — رمزی آثم — 263
غزل — حسن عباسی — 262

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 7000 روپے

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے۔ نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔

خط آپ کے	رضیہ جمیل	270
مسکراہٹیں	ادارہ	264
آئینہ خانے میں	واصفہ سہیل	281
بالوں سے خوشبو آئے	شگفتہ جاہ	266
کھلتا کسی پہ	خالدہ جیلانی	269
تاریخ کے جھروکے	امت الصبور	286
موسم کے پکوان	خالدہ جیلانی	283
خوبصورت بنیے	ادارہ	289

جولائی 2017
ط 31 ، ن 11
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل نے حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شارع کیا - مقام: ۲۰ بی، سی ایچ ایس سوسائٹی، کراچی
Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

یہ ہے شعاع

شعاع جولائی کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ہر قوم، ہر مذہب کے کچھ خاص دن، خاص تہوار ہوتے ہیں۔ دُنیا بھر کی قومیں اور مذاہب کے لوگ اپنے اپنے انداز سے تہوار اور جشن مناتے ہیں۔

مسلمانوں کے تہوار عید کی منفرد اور علیحدہ ہی شان ہے۔ اس میں جو پاکیزگی، روحانیت اور عبودیت کا رنگ نظر آتا ہے۔ وہ دُنیا بھر میں کسی قوم یا مذہب کے تہواروں میں نظر نہیں آتا۔

عید کے دن پورا ماحول ہی بدلا ہوتا ہے۔ ہر طرف ایک نور کی چادر، ایک خوشی کا رنگ چھایا ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پورے ماہ کی عبادت کے انعام میں یہ دن عطا کیا ہے۔

عید کا یہ سہ حرفی لفظ اپنے اندر خوشیوں کا ایک جہاں سمیٹے ہوئے ہے۔ عید کی خوبصورت روایتیں اپنے اندر بڑا حسن رکھتی ہیں۔ چوڑیوں کی کھنک، مہندی، رنگا رنگ ملبوسات اور کچن سے اُٹھتی مزے دار کھانوں کی خوشبوئیں اور سب سے بڑھ کر وہ روحانی خوشی جو فرض کی ادائیگی سے ملتی ہے۔

عید نام ہے خوشیوں کا، محبتوں کا، مسکراہٹوں کا۔ یہ خوشیاں تب ہی مکمل ہو سکتی ہیں جب سب کے دل مسرور ہوں۔ جو روٹھے ہوئے ہیں، انہیں منالیں، جن سے ناراض ہیں، تمام گلے شکوے بھلا کر انہیں گلے لگالیں۔ جو لوگ عید کی خوشیاں خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے، انہیں اپنی خوشیوں میں شریک کرلیں۔ آپ کی عید کے رنگ نکھر آئیں گے اور اس دفعہ تو ویسے بھی ہماری کرکٹ ٹیم نے قوم کو جو تحفہ دیا ہے اس نے عید کی خوشیوں کو دوبالا کر دیا ہے۔

قارئین کو ادارہ شعاع کی جانب سے عید مبارک۔

رب عید آپ کے آنگن میں خوشیوں کی بہار لے کر اُترے۔ آمین۔

سالگرہ نمبر

اللہ تعالیٰ کا کرم اور احسان ہے کہ شعاع نے اپنی عمر عزیز کے 32 سال مکمل کر لیے ہیں۔ جو شمع محمود ریاض صاحب نے روشن کی تھی اس کا اُجالا دُور دُور تک پھیل رہا ہے۔ آج شعاع کا شمار قارئین کے پسندیدہ ترین پرچوں میں ہوتا ہے۔

شعاع کا اگست کا شمارہ سالگرہ نمبر ہوگا۔ مصنفین سے درخواست ہے کہ اپنی تحریریں جلد از جلد بھجوا دیں تاکہ سالگرہ نمبر میں شامل ہو سکیں۔

اس شمارے میں

- سارہ عرفان کا مکمل ناول ۔ شہر محبت کی خیر، ، اُمِّ طیفور کا مکمل ناول ۔ پیا ملن کی رُت،
- سلویٰ علی بٹ کا مکمل ناول ۔ سُنہری دُھوپ ، مقدس مشعل اور سحرش بانو کے ناولٹ،
- مصباح علی سید، صدف آصف، مہناز نعیم اور افشین نعیم کے افسانے،
- صائمہ اکرم اور عفت سحر طاہر کے سلسلے وار ناول،
- دستک ۔ معروف شخصیات سے گفتگو، ، زاہد افتخار احمد اور آمنہ زاہد کا بندھن،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں، خط آپ کے اور دیگر سلسلے شامل ہیں۔

جولائی کا شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ خطوط کے ذریعے اپنی رائے سے ضرور نوازیے گا۔

حمد باری تعالیٰ

ساری زمیں ہے تیری، سب آسمان تیرے
کون و مکاں کے مالک دونوں جہان تیرے

واحد ہے ذات تیری، کوئی نہیں ہے تجھ سا
شمس و قمر ستارے، سب ہیں نشان تیرے

آئے کئی پیمبر دُنیا کی رہبری کو
سب میں تھا نور تیرا سب ترجماں تیرے

کلیوں میں تیری خوشبو، پھولوں میں رنگ تیرا
دِکھلائے ہیں نظر نے، کیا کیا نشان تیرے

دل ہو کہ کوئی گھر ہو، موجود ہے وہاں تو
تُو ہر جگہ ہے رہتا، سارے مکان تیرے

کر رحمتوں کی بارش کرتی دُعا کنول ہے
رحمت کے میرے سر پر، سب سائبان تیرے

یاسمین کنول

کیوں کر نہ ہوں فضا سے نچھاور تجلیاں
کرتا ہے منعکس رُخِ انور تجلیاں

تاروں بھرے فلک سی مدینے کی سرزمیں
اور اُس کی ہر گلی میں منور تجلیاں

ہوتی ہے اُس میں بارشِ انوار ہر گھڑی
شہرِ نبی کے ہیں سبھی منظر تجلیاں

ربِّ کریم کی ہے عنایت حضور پر
در پر کھڑی ہیں بن کے گداگر تجلیاں

جب بھی درود بھیجا ہے اُس ذاتِ پاک پر
اُتری ہیں جیسے روح کے اندر تجلیاں

صورت اگر قیامِ مدینہ کی بن سکے
آنکھوں کا مستقل ہوں مقدر تجلیاں

مجھ پر ہو گر عنایتِ خیر البشرؐ نسیم
دیکھوں ورائے روضۂ اطہر تجلیاں

نسیم سحر

ادارہ

بیاضِ حدیث

اللہ کے لیے محبت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤ گے جب تک ایمان نہیں لاؤ گے اور تم مومن نہیں ہوسکتے۔ جب تک تم ایک دوسرے سے (صرف اللہ کے لیے) محبت نہیں کرو گے۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ جب تم اسے اختیار کرو گے تو باہم محبت کرنے لگ جاؤ گے؟ (وہ یہ کہ) تم آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔" (مسلم)

فوائد مسائل

1۔ اس میں سلام کو باہمی محبت کا ذریعہ بتلایا گیا ہے۔ اسی لیے تاکید کی گئی ہے کہ تم ہر مسلمان کو سلام کرو' چاہے تم اس سے شناسائی رکھتے ہو یا نہیں رکھتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سلام کرنے ہی سے تم مومن اور جنت کے مستحق قرار پا جاؤ گے' بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایمان اسی وقت مفید ہوگا جب اس کے ساتھ عمل بھی ہوگا۔

2۔ سلام۔ اسلام کا ایک شعار اور ایمان کا ایک عملی مظاہرہ ہے ایمان اور عمل کا اجتماع ایک مومن کو جنت میں لے جائے گا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بارے میں فرمایا۔

"ان سے محبت مومن ہی کرے گا اور ان سے بغض منافق ہی رکھے گا۔ جو ان (انصار) سے محبت کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ بھی اس سے بغض رکھے گا (یعنی ناپسند کرے گا)" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل

1۔ انصار نے اسلام' مسلمانوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس طرح وفاداری کا حق ادا کیا' وہ اسلامی تاریخ کا روشن ترین باب اور ان کے اخلاص و کردار کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ اللہ نے ان کے اس عمل و کردار کا یہ صلہ دیا کہ ان کی محبت کو ایمان کی علامت اور اپنی محبت کا ذریعہ اور ان سے بغض و نفرت کو نفاق کی علامت اور اپنے ہاں بھی ناپسندیدہ ہونے کا ذریعہ بتلایا۔

2۔ مدینے میں اوس اور خزرج دو مشہور قبیلے تھے۔ اسلام سے قبل یہ دونوں قبیلے باہم برسرپیکار رہتے تھے۔ اسلام نے ان کو نہ صرف باہم شیر و شکر کر دیا بلکہ ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کے لیے بھی انہوں نے اپنے دیدہ و دل فرش راہ کر دیے اور ان کے ساتھ ہر طرح سے تعاون کیا۔ اسی لیے ان کا نام ہی انصار رکھا گیا۔

قیامت کے دن

(قیامت والے دن) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میری جلالت و عظمت کی خاطر باہم محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ ان کے لیے نور کے منبر ہیں۔ (جس پر وہ بیٹھیں گے) ان پر انبیا اور شہدا بھی رشک کریں گے۔ (اس مقام کی آرزو کریں گے) (اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے۔ (یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

محبت واجب

حضرت ابو ادریس خولانی رحمۃ اللہ بیان کرتے

ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں گیا تو دیکھا کہ ایک جوان آدمی ہے جس کے اگلے دانت خوب چمکیلے ہیں اور اس کے پاس لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب وہ آپس میں کسی چیز کی بابت اختلاف کرتے ہیں تو اس کے (حل کے) لیے اس سے سوال کرتے ہیں اور اپنی رائے سے رجوع کر کے اس کی رائے کو قبول کرتے ہیں۔

چنانچہ میں نے اس نوجوان کے متعلق پوچھا۔ (کہ یہ کون ہے؟) تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ (صحابی رسول) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔

جب اگلا دن ہوا تو میں صبح سویرے ہی مسجد میں آگیا' لیکن میں نے دیکھا کہ جلدی آنے میں بھی وہ مجھ سے سبقت لے گئے ہیں اور میں نے انہیں (وہاں) نماز پڑھتے ہوئے پایا' تو میں ان کا انتظار کرتا رہا' یہاں تک کہ وہ اپنی نماز سے فارغ ہو گئے۔ میں ان کے سامنے کی طرف سے ان کے پاس آیا' انہیں سلام عرض کیا اور پھر کہا۔

"اللہ کی قسم! میں آپ سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔"

انہوں نے کہا۔ "کیا واقعی؟" میں نے کہا۔ (ہاں' اللہ کی قسم۔) "واقعی" انہوں نے کہا۔ "کیا واقعی اللہ کی قسم!" چنانچہ انہوں نے مجھے میری چادر کی گوٹ (کنارے) سے پکڑا اور مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا۔

"خوش ہو جا' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میری محبت واجب ہو گئی ہے' ان کے لیے جو میرے لیے آپس میں محبت کرتے' میرے لیے ایک دوسرے کی ہم نشینی کرتے اور میرے لیے ایک دوسرے سے ملاقاتیں کرتے اور میرے لیے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔ (یہ حدیث صحیح ہے۔ امام مالک نے اسے موطا میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل

1۔ اس میں اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت' ایک دوسرے سے میل ملاقات اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی فضیلت کے علاوہ یہ مسئلہ بھی بیان ہوا ہے کہ انسان جس شخص سے اللہ کے لیے محبت رکھے اس کو بتلا دے۔

2۔ اس میں ایک ادب یہ بھی بیان ہوا ہے کہ جب انسان عبادت یا ورد (وظیفے) میں مشغول ہو تو ملاقاتی اس کے سامنے جا کر نہ بیٹھے' تاکہ اس کا انہماک اور خشوع نہ ٹوٹے' بلکہ اس کے پیچھے بیٹھ کر اس کا انتظار کرے اور فراغت کے بعد اس کے سامنے آئے۔

3۔ قرآن و حدیث کا علم حاصل کرنے والے کا چہرہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے چمکتا ہے۔

محبت کا اظہار

"جب آدمی اپنے بھائی سے محبت کرے تو اسے چاہیے کہ اسے بتلا دے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔" (اسے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں' یہ حدیث حسن ہے۔)

فائدہ

اطلاع دینے میں حکمت یہ ہے کہ وہ دوسرا شخص بھی آگاہ ہو جائے' تاکہ یہ محبت دو طرفہ ہو جائے اور دونوں ایک دوسرے سے محبت اور تعاون کریں' کیونکہ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس سے کئی طرح کی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں' اگر اسے بتا دیا جائے تو وہ بھی اس کی رعایت رکھے گا۔

وصیت

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا۔

اے معاذ! اللہ کی قسم! میں تم سے محبت کرتا ہوں' پھر اے معاذ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ کلمات کہنا ہرگز نہ چھوڑنا۔

اللہ میری مدد فرما اس بات پر کہ تیرا ذکر' شکر اور تیری

اچھی عبادت کروں۔" (یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے ابو داؤد اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

فائدہ

اس حدیث میں اس امر کی ترغیب ہے کہ جس سے محبت ہو' اس کی دینی رہنمائی کا اہتمام کیا جائے۔ اور اس کی ہر ممکن اصلاح اور خیر خواہی کی جائے۔

اظہار کی تاکید

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اور آدمی وہاں سے گزرا۔ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے شخص نے کہا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں یقیناً" اس گزرنے والے شخص سے محبت کرتا ہوں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا۔ "کیا تو نے اس کو بتلایا ہے؟"

اس نے کہا۔ "نہیں"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اس کو بتلا۔"

"چنانچہ وہ شخص (تیزی سے) اس کے پاس گیا اور اس سے کہا۔ میں تجھ سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔"

اس نے جواب میں کہا۔ "وہ اللہ تجھ سے محبت کرے' جس کے لیے تو نے مجھ سے محبت کی ہے۔"

(اسے ابو داؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

فائدہ

انسان اگر کسی شخص سے محبت کرتا ہو تو اس کا اظہار کسی تیسرے فرد سے بھی کر سکتا ہے اور یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ کسی شخص سے محبت کے بارے میں کسی صاحب علم و فضل کی رائے بھی لے لینی چاہیے' تاکہ وہ صحیح رہنمائی کر سکے۔

اللہ کی بندے سے محبت کرنے کی علامات

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اے پیغمبر! کہہ دیجیے۔ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگ جائے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

(آل عمران۔ 31)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین (اسلام سے پھر جائے مرتد ہو جائے) تو (اس کی جگہ) اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا فرما دے گا جن سے وہ محبت کرتا ہو گا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے۔ اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور (دین کے معاملے میں) کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کشائش والا' جاننے والا ہے۔"

(المائدہ۔ 54)

فوائد و سائل

1۔ پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ سے محبت کرنے والے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں۔ اتباع رسول کے بغیر اللہ کی محبت کا دعویٰ بے حقیقت اور کھوکھلا ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا مطلب بھی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے نہ کہ اتباع کے بغیر محبت کے کھوکھلے دعوے۔

دوسری آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جن سے اللہ محبت فرماتا ہے یا جو لوگ اللہ سے محبت کرتے ہیں' ان کی وہ صفات ہوتی ہیں جو آیت میں مذکور ہیں۔ اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جو اللہ کے محبوب اور اس کے مقرب بننا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ان صفات

حسنہ سے آراستہ اور ان کو حاصل کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ ان صفات کو اختیار کیے بغیر وہ اللہ کے محبوب و مقرب نہیں بن سکتے۔

اعلان جنگ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا۔

"بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ جو میرے کسی دوست سے دشمنی کرے' یقیناً" میرا اس سے اعلان جنگ ہے اور میرے بندے کا میرے عائد کردہ فرائض کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرنا' مجھے باقی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ (علاوہ ازیں) میرا بندہ (مزید) نوافل کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے' حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں' جس سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھ بن جاتا ہوں' جس سے وہ دیکھتا ہے' اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں' جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر بن جاتا ہوں' جس سے وہ چلتا ہے۔ اور مجھ سے کوئی سوال کرتا ہے تو میں اسے وہ دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے (کسی چیز سے) پناہ مانگے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں۔" (بخاری)

فوائد و مسائل

1۔ اس میں اولیا اللہ کا مقام اور ان کی پہچان بیان کی گئی ہے۔ کمال ایمان و تقویٰ کا نام ولایت ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اولیا اللہ کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

"(اللہ کے ولی) وہ ہیں جو ایمان دار متقی ہیں۔" اس لحاظ سے ہر مومن و متقی ولی اللہ ہے۔ گویا اولیا اللہ کوئی مخصوص قسم کے افراد یا ایمان و تقویٰ کے علاوہ کسی خاص علامات کے حامل نہیں ہوتے' جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں' حتیٰ کہ وہ فرائض و سنن کے تارک بلکہ طہارت تک سے غافل' پاگل یا نیم پاگل لوگوں کو ولی اللہ سمجھتے ہیں۔ درست بات یہ ہے کہ ولی اللہ فرائض و سنن کا پابند اور ورع و تقویٰ (پرہیزگاری) کا پیکر ہوتا ہے۔

2۔ اللہ کے ولی سے دشمنی' اللہ سے دشمنی ہے' کیونکہ مسلمہ بات ہے' دوست کا دوست بھی دوست اور دوست کا دشمن' دشمن ہوتا ہے' اس لیے اللہ کے ولیوں سے دوستی اور محبت' اللہ سے دوستی ہے اور اللہ کے ولیوں سے دشمنی' اللہ سے دشمنی ہے۔ یہ ایک مومن کامل (ولی اللہ کا وہ مقام ہے جو عنہ اللہ سے حاصل ہوتا ہے۔)

3۔ جب ایک مومن بندہ فرائض کی ادائیگی اور نوافل کے اہتمام سے اللہ کے ہاں قربت اور محبوبیت کا مقام حاصل کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا خاص مددگار بن جاتا ہے' اس کے اعضا اور جوارح کی حفاظت فرماتا ہے اور انہیں اپنی نافرمانی کے لیے استعمال ہونے نہیں دیتا۔ وہ اپنے کانوں سے وہی باتیں سنتا' اپنی آنکھوں سے وہی چیز دیکھتا' اپنے ہاتھوں سے وہی چیز پکڑتا اور اپنے قدموں سے اسی چیز کی طرف چل کر جاتا ہے' جو اللہ کو پسند ہے۔ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کی طرف وہ کان لگاتا ہے' نہ آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے۔ اسے ہاتھ لگاتا ہے' نہ اس کی طرف اس کے قدم اٹھتے ہیں۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے جو بعض گمراہ اور مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے لوگ اس سے اخذ کرنے کی مذموم سعی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولیا اللہ کی آنکھ' کان' ہاتھ' پیر وغیرہ بن جاتا ہے' یعنی وہ اللہ کے وجود اور اس کی قدرت کا مظہر بن جاتے ہیں' یا اللہ تعالیٰ ان کے اندر حلول کر جاتا ہے' اب اللہ سے یا ان سے مانگنا ایک ہی بات ہے' کیونکہ وہ دو نہیں ایک ہی ہیں۔

یاد رکھیں یہ صریحاً" گمراہی بلکہ شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس گمراہی اور شرک سے بچائے۔ حدیث کا صحیح مطلب وہی ہے جو پہلے بیان ہوا ہے' جس کی رو سے اللہ کا ولی اسی چیز کو پسند اور اختیار کرتا ہے جو اللہ کو پسند ہے اور ان چیزوں سے اجتناب کرتا ہے جو اللہ کو ناپسند

ہیں۔

4۔ فرائض کی ادائیگی سب سے مقدم ہے اور ان کی ادائیگی کے ذریعے ہی سے اللہ کا قرب حاصل کرنا اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے' کیونکہ یہی اصل بنیاد ہے۔ جس طرح بنیاد کے بغیر عمارت کی کوئی حیثیت نہیں' اسی طرح فرائض کے بغیر نوافل کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ فرائض کا تارک سرے سے مسلمان ہی نہیں رہتا' کیونکہ ان کے ترک پر سخت وعیدیں ہیں' جبکہ نوافل کے ترک پر کوئی وعید نہیں۔ البتہ فرائض کے ساتھ نوافل کا اہتمام سونے پر سہاگہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ نوافل سے انسان کو اللہ کا خصوصی قرب اور وہ مقام محبوبیت حاصل ہوتا ہے۔ جس کے بعد اسے اللہ کی خاص مدد حاصل ہوتی ہے۔

5۔ اللہ تعالیٰ اپنے ان محبوب بندوں کی دعائیں ضرور قبول فرماتا ہے' تاہم قبولیت کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا ظہور فوری طور پر ہو یا اللہ قبول کرنے پر مجبور ہو۔ اس قبولیت میں تاخیر بھی ممکن ہے یعنی دعا تو ضرور قبول کی جاتی ہے' تاہم اس کا ظہور جلد ہو یا بہ دیر' یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔

بندے سے محبت

مسلم کی ایک روایت میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلاتا اور اس سے فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں' تو بھی اس سے محبت کر' تو جبریل اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔

پھر جبریل آسمان میں منادی کرتے اور کہتے ہیں۔

"بے شک اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے' تم بھی اس سے محبت کرو' تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔

پھر اس کے لیے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔"

اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے دشمنی کرتا ہے تو جبریل کو بلا کر فرماتا ہے۔ میں فلاں سے دشمنی کرتا ہوں' تو بھی اس سے دشمنی کر' تو جبریل بھی اس سے دشمنی کرنے لگ جاتے ہیں۔

پھر وہ آسمان والوں میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے دشمنی کرتا ہے' تم بھی اس سے دشمنی کرو' تو آسمان والے اس سے دشمنی کرنے لگ جاتے ہیں۔

پھر اس کے لیے زمین میں دشمنی رکھ دی جاتی ہے۔" (یعنی اہل زمین بھی اس سے بغض و عناد رکھتے ہیں۔)

فوائد و مسائل

1۔ اس حدیث میں عند اللہ محبوبیت کا صلہ بیان کیا گیا ہے کہ ایسا شخص پھر اللہ ہی کا محبوب نہیں رہتا بلکہ اس کے ساتھ اہل آسمان و اہل زمین سب ہی کا محبوب بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس اللہ کے ہاں مغبوض اور ناپسندیدہ افراد کو دنیا اور آسمان والے سب ہی ناپسند کرتے ہیں۔

2۔ یاد رہے کہ ۔ یہ محبوبیت ان لوگوں میں رہتی ہے جن کی فطرت صحیح ہوتی ہے جو معروف کو معروف اور منکر کو منکر ہی سمجھتے ہیں۔ تاہم ارتکاب معصیت کے تسلسل سے جن کی فطرت مسخ ہو جاتی ہے اور ان کے ہاں معروف منکر اور منکر معروف ہو جاتا ہے' ان کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں' کیونکہ ایسے لوگ تو بالعموم نیک لوگوں کو ناپسند ہی کرتے ہیں' کیونکہ ہر جنس کو اپنی ہی جنس پیاری ہوتی ہے اور اچھی لگتی ہے۔

عید خوشیوں کی نوید

لفظ عید ذہن میں آتے ہی پہلا خیال چوڑیوں' لباس' مزے دار پکوان اور عیدی کا آتا ہے۔ بدلتے وقت نے جہاں روایتوں کو تبدیل کیا ہے' وہیں تہواروں کو منانے کے انداز بھی بدل گئے ہیں۔ پھر بچپن کی عید کے تو کیا ہی کہنے۔ بے فکری' شوخی' سادگی اور معصومیت سے سجی عیدیں اپنے اندر زمانے بھر کی رنگینی رکھتی تھیں۔ ہم نے بھی ماضی کے دریچوں سے جھانکتی عیدوں کی یادوں سے سجی تصویروں کو ایک بار پھر دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس بار ــــ آپ یقیناً "سروے کو قدرے مختلف پائیں گی۔ آیئے دیکھتے ہیں قارئین نے کیا جوابات دیئے ہیں۔

عید خوشیوں کی نوید

ادارہ

شازیہ الطاف ہاشمی

س : بچپن کی عید اور آج کی عید میں کیا فرق محسوس کرتی ہیں؟

ن : نوے کی دہائی میں جب میرا بچپن تھا اس وقت کی عید اور آج کی عید میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ نہ نوڈلز' نہ کیچپ' نہ پیزا اور رنگ رنگ کے پکوان نہ برانڈڈ جوڑے۔ سادے سے پکوان اور سادے سے گھر کے سلے کپڑے' رنگ برنگی لیسیں اور کرتے شلواریں اور خرچے بھی کم ہوا کرتے تھے۔ امی سویوں کا زردہ یا چاولوں کا زردہ بناتی تھیں جسے محلے میں بھی دیا جاتا اور خود بھی کھا کر منہ میٹھا کر کے عید کا آغاز کیا جاتا تھا۔

ابو (اللہ' کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے) ایک ہی ریڑھی سے ہم چاروں بہنوں کو مکمل شاپنگ کروا لاتے تھے۔ گولڈن کلر کے موٹے موٹے ہار' نیل پالش' سرخیاں (جو سب کی علیحدہ علیحدہ ہوتیں) ہار' کلپ' سوئیاں' ہیئر کیچر سب شوق سے خریدا کرتے تھے۔ امی اور ابو خود بازار جاتے اور اپنی پسند کا کپڑا لا کر گھر پہ امی سب کی فراکیں سی لیتیں اور ہم ساری بہنیں ہواؤں میں اڑتی پھرتیں۔ اپنے اپنے شاپروں میں سرخیاں پاؤڈر کریمیں لیے خوش خوش ہوا کرتیں۔ اور جب ابو عیدی کے دس دس روپے دیتے تو خوشی کی انتہا نہ رہتی۔ امی ہمارے چہروں پہ ہماری پسند کی کریم کیلے کپڑے سے اتارتی جاتیں اور چومتی جاتیں اور اپنے اپنے کلپ' امی خود بال بنا کر لگاتیں اور باقی سرخی اور کریم سے منہ ہم خود لیپ لیتے۔ ہونٹوں کے باہر اور دانتوں پہ لگی لپ اسٹک دیکھ کر ابو ہنستے اور ہمیں اٹھا لیا کرتے تھے امی بڑی محنت اور محبت سے ہمارے لیے زردہ تیار کرتی تھیں۔ اس کے بعد سہیلیوں کے ساتھ گھومنا پھرنا۔ گلی کی نکڑ پر بننے والے سموسے پکوڑے کھا کر نہ فوڈ پوائزن ہوا نہ کبھی صحت خراب ہوئی۔ جیسے آج کل بچے ذرا سی دھوپ' ذرا سی گرمی برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم گرمی سے سرخ چہرہ لیے سارا سارا دن پھرتے رہتے۔ کبھی

بیمار نہ پڑے تھے۔

دوپہر میں امی ہمارے لیے گوشت والے چاول پکاتیں۔ ساتھ کسی کے گلاس جو ٹاہلی کی چھاؤں تلے بیٹھ کر پیے جاتے۔ اور عید خوشی سے ہی گزر جاتی۔ اس دن عام دنوں سے بڑھ کر یہی اہتمام ہوتا۔ لوگ بساط کے مطابق کپڑے

پہنتے اور گاؤں میں گائے یا بھینس ذبح ہوتی۔ جس کا گوشت خریدنا ہر کسی کی پہنچ میں ہوتا اور شکر زیادہ تھا۔ ہفتے میں ایک آدھ بار گوشت پکتا لیکن شکر گزاری کا رواج تھا۔ اب نعمتیں زیادہ ہیں' دسترخوان بھرے ہیں مگر خوش کوئی نہیں ہوتا۔

اب چاند رات سے کھانے پکنا شروع ہوتے ہیں اور عید کا دن بھی کچن کی نذر ہوتا ہے۔ کیک' رس ملائی' مٹھائیاں' سموسے' پکوڑے' قورمے بریانیاں اور اللہ جانے کیا کیا۔

اور اس سب سے بڑھ کر مہنگائی بہت ہو گئی ہے۔ بچوں کے ملبوسات بے حد مہنگے ہیں۔ جتنے پیسوں میں پہلے پورے گھر کے کپڑے آتے تھے۔ اب ایک ہی بچے کی فرمائش پوری ہوتی ہے اور اب بچے بھی پہلے والے بچوں جیسے نہیں' کپڑوں سے لے کر جیولری تک میچنگ برانڈڈ اور پتا نہیں کیسے کیسے نخرے۔ جو ہم نے سوچے بھی نہ ہوں گے۔

میری دونوں بیٹیاں' فاطمہ زہرہ سات سال کی ہے اور آمنہ چار سال کی ہے۔ دونوں اپنی پسند سے کپڑے شوز وغیرہ لیتی ہیں اور کوشش ہوتی ہے کہ کوئی کمی نہ رہے۔ میرے بچپن اور ان کے بچپن میں بہت فرق ہے۔ بھئی زمانہ بدلا ہے تو رنگ ڈھنگ تو بدلیں گے ہی نا۔ بس پہلے جیسا احساس اور مروت نہیں رہی۔ سب اپنی اپنی تیاری دکھاوے میں لگے رہتے ہیں جو میرے خیال میں نہیں ہونا چاہیے۔ عید صرف خود ہی نہیں منانی چاہیے بلکہ دوسروں کو بھی اس میں شامل کر لینا ضروری ہے۔

بچپن کی عید کا سوال کیا ہے آپ نے تو بچپن کا ہی ایک شعر بھی پیش خدمت ہے جو تقریباً" ہر عید کارڈ کی زینت ہوا کرتا تھا۔ ہم سہیلیاں ایک دوسرے کو کارڈز لکھتیں تو یہ شعر ازراہ مذاق ضرور شامل ہوتا آپ بھی پڑھیے اور جانیے کہ کتنے پرانے ہیں ہم۔

عید آئی کسی زمانے میں
رابعہ گر پڑی غسل خانے میں

نادیہ علی کراچی

س : آپ عید کیسے مناتی ہیں؟

ج : میری عید کے رنگ میرے کچن کے سنگ کے مصداق' چاند رات سے عید کے تینوں دن کچن کی نذر

ہوتے ہیں۔ پہلے دن عید کی صبح ناشتے سے اور صبح ہی صبح ایک دعوت نمٹا کر دس سے گیارہ بجے تک فراغت ملتی ہے۔ سو کچن سمیٹ کر عید کے لیے تیار ہونے تک ساڑھے گیارہ ہو جاتے ہیں۔ باقی ماندہ تیاری مکمل کر کے نانی کے یہاں جاتے ہیں وہاں ساری خالہ' ماموں اور کزنز جمع ہوتے ہیں۔ دوپہر کا کھانا نانی کے یہاں ہوتا ہے۔

ظہر کی نماز کے بعد کھانا ہوتا ہے۔ اور وہاں پر بھی کھانے کے بعد ہم برتن سمیٹ کر اور کمر کس کے میدان اوہ سوری کچن میں جلوہ افروز ہوتے ہیں اور برتنوں کے ڈھیر دیکھ کر بے ہوش ہونے کے بجائے ممانی یا کسی بھی کزن کو ساتھ ملا کر برتنوں کے ساتھ نبرد آزما ہو جاتے ہیں۔

ابھی برتن دھل رہے ہوتے ہیں کہ آپی کی بھی نانی کے یہاں آمد ہو جاتی ہے۔ پھر چھوٹے ماموں' ممانی اور بچوں کے ساتھ آجاتے ہیں اور ساتھ ہی کبھی خالہ' کبھی ممانی' کبھی کوئی کزن کھانا جلدی لگاؤ کا موٹو لیے حاضر۔ ہم کسی بھی بچے کے ذمہ لگا دیتے ہیں کہ خالی برتن فوراً" لاتے جاؤ۔ اتنے میں چائے بھی تیار ہو جاتی ہے۔ (جو کہ میں نے ہرگز نہیں بنائی کیونکہ میں بہت بری چائے بناتی ہوں) اب سارے برتن دھل چکے لیکن حالت بالکل بھی پتلی نہیں ہے مگر آرام پر کچھ ہمارا بھی حق کے مصداق کچن صاف کرنے کی ذمہ داری کسی بھی کزن کو دے کر ہم کمرے میں موجود ہوتے ہیں۔ جہاں سب چھوٹے بڑے موجود ہیں۔

کبھی عصر کبھی مغرب کی نماز کے بعد نانی کے گھر سے واپسی ہوتی ہے اور ہم کپڑے تبدیل کر کے پھر کچن میں موجود' کھانا تو بنا ہوا ہے مگر روٹیاں ڈالنی ہیں۔ سالن وغیرہ گرم کرنا ہے اور بہت سارے کام۔ آخر کار کچن سمیٹ کر دس یا گیارہ بجے فراغت ملتی ہے اور اگلا دن پھر کچن کے نام کیونکہ سب کی ہمارے یہاں دعوت ہے۔

اب پہلے دن کی روٹین پھر شروع۔ اس اضافے کے

ساتھ کہ دوپہر کا کھانا مجھے بنانا ہے۔ ہر دم مدد کو تیار چھوٹی اور میں بھی بڑوں کا احساس دلاتی بڑی ساتھ ساتھ کام کراتی ہیں۔ عید کے دوسرے دن کچن سے فارغ ہوتے مغرب ہو جاتی ہے۔ جب سب مہمانوں کی واپسی شروع ہوتی ہے۔ عشاء کے بعد میں فوراً سونے کی کرتی ہوں۔

اور تیسرے دن مت پوچھیں۔ کیونکہ نہ آپ میں سے کوئی سن سکتا ہے۔ نہ سہہ سکتا ہے نہ اپنے گھروں میں ایسا ہوتا دیکھا ہو گا۔ کیونکہ عید کے تیسرے دن میں مشین

لگاتی ہوں۔ لیں اسی کی کمی تھی ہو گیا عید کا مزہی پورا یہ مزہ مما دوبالا کراتی ہیں کیونکہ مما ہی ساتھ مل کر کپڑے دھلواتی ہیں۔ جلدی فارغ ہو جاتے ہیں۔ اب دوپہر کے کھانے اور نماز کے بعد بالکل فارغ (جو بڑی مشکل سے ہاتھ آئی ہے) سو اب ہر طرف ہمارے پیارے ڈائجسٹ ہیں اور ہم ہیں اور عید کا حسین اور کم مصروفیت والا دن۔ میں تو عید ایسے ہی مناتی ہوں۔

س : عید پر کیا خصوصی اہتمام کرتی ہیں؟

ج : عید پر خصوصی اہتمام جو میں کرتی ہوں۔ تو کھیر تو رات میں بنا لیتی ہوں تاکہ صبح تک ٹھنڈی ہو جائے (کیونکہ بڑا والا پتیلا بھر کر بنتی ہے) پائے، کھیر، چاٹ، کھٹے آلو، قورمہ، کڑاہی، روٹی، پراٹھے، چٹنی۔

بک باؤ ایک اکیلی جان اور اتنا سارا کام۔ سو آدھا کام رات کو کرتی ہوں کیونکہ صبح نماز عید کے بعد سے بھائی کے فون شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ بھائی دوسرے شہر سے مبارک باد کا فون کر رہے ہیں بلکہ سامنے مسجد سے فون کر رہے ہیں کہ ناشتہ تیار ہے تو آجاؤں؟ بھئی بھائی کو اکیلا نہیں آنا دوستوں کو ساتھ لے کر آنا ہے اور پائے کی دعوت کھلانی ہے۔

س : آپ کے خاندان کی روایتی ڈش اس کی ترکیب بھی لکھیں؟

ج : ہمارے خاندان کی روایتی ڈش کھیر ہے جو کہ پورے خاندان میں لازمی بنتی ہے۔ کھیر بنانی تو سب کو آتی ہے۔ لیکن کھیر کے علاوہ جواب ہمارے گھر کی روایتی ڈش ہو چکی ہے وہ پائے ہیں۔ سو اس کی ترکیب حاضر ہے۔

پائے

اجزا :

پائے (بڑے)	4 عدد
پیاز	6 عدد
دہی	آدھا کلو
لہسن	6 جوے
ادرک	1 ٹکڑا
سرخ مرچ	5 چائے کے چمچے
دھنیا	3 چائے کے چمچے
ہلدی	1/2 چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
لہسن ادرک (پیسٹ)	2 چائے کے چمچے
ثابت گرم مسالہ	2 چائے کے چمچے
پسا گرم مسالہ	1 چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا	حسب ضرورت
لیموں	حسب پسند
تیل	ڈیڑھ کپ

ترکیب :

پائے دھو کر اتنا پانی ڈالیں کہ تقریباً پائے سے چار انچ اوپر پانی رہے۔ دو پیاز، لہسن، ادرک باریک کاٹ کر ڈالیں۔ سرخ مرچ ایک چائے کا چمچہ، نمک ایک چائے کا چمچہ، گرم مسالا (ثابت) ایک چائے کا چمچہ، پسی مرچ ایک چائے کا چمچہ ڈالیں اور ابال آنے دیں۔ ابال آنے کے بعد دس منٹ درمیانی آنچ پر پکائیں پھر بالکل دم والی آنچ کر کے ڈھانپ دیں۔ اوپر یا تو کوئی وزنی چیز رکھ دیں یا پھر تسلے اچھی

طرح سے اوپر سے ڈھانپ دیں کہ بھاپ باہر نہ نکلے۔ کم از کم 6 گھنٹے اسی طرح سے پکائیں۔ درمیان بالکل نہ کھولیں۔

پھر ایک الگ پتیلی میں تیل گرم کرکے پیاز کاٹ کر ڈالیں نرم ہوجائے تو گرم مسالہ (ثابت) ایک چائے کا چمچہ ڈالیں۔ پیاز گولڈن ہو تو لہسن ادرک (پیسٹ) سرخ مرچ، نمک ہلدی، دھنیا ڈالیں۔ تھوڑا سا پانی ڈال کر بھونیں پھر دہی پھینٹ کر شامل کریں۔ جب دہی کا پانی خشک ہو اور تیل اوپر آجائے تو یہ مسالا پائے میں شامل کریں۔ اب پائے کو ہر طرف سے نہیں چلانا بلکہ صرف اوپر سے ہی ہلکے ہاتھ سے مسالہ ہر طرف پھیلائیں۔ 15 منٹ بعد پائے کو چلائیں جب مسالہ اور شوربا یکجان نظر آئے تو گرم مسالہ (پسا ہوا) ہرا دھنیا کاٹ کر ڈالیں اور 10 منٹ دم دیں۔ پھر ڈش میں نکالیں۔ لیموں ڈالیں اور گرما گرم پائے گرم گرم نان/چپاتی کے ساتھ پیش کریں۔

پائے کی یہ ترکیب خالصتاً میری مما کی ہے سو اگر آپ میں سے کوئی یہ ترکیب آزمائے تو بتائیے گا ضرور کہ کیسی لگی۔

آخر میں ادارے کے تمام لوگوں، تمام مصنفین اور قارئین کو میری طرف سے عید کی بہت مبارک باد۔

عائشہ صلاح الدین، ملتان

س : عید کے حوالے سے روایتیں اپنے اندر بڑا حسن رکھتی ہیں، چوڑیاں، مہندی، نئے خوب صورت ملبوسات اور مزے دار پکوان، آپ عید پر کیا اہتمام کرتی ہیں؟

ج : بے شک عید ایک ایسا خوب صورت ترین تہوار ہے جس میں نہ صرف امیر بلکہ غریب لوگ بھی اپنی بساط کے مطابق حصہ لیتے ہیں۔ مہندی چوڑیاں، رنگ برنگے ملبوسات کی ہر طرف بہار ہوتی ہے اور روشن خوشی سے بھرپور چمکتے چہرے اس بہار کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ میں عید کا تہوار بہت اہتمام سے مناتی ہوں۔ رمضان المبارک سے ہی میں اپنے کپڑے اور میچنگ جیولری کے لیے شور مچا دیتی ہوں (بھئی پرفیکٹ جو لگنا ہے) مما تو عاجز آجاتی ہیں میری فرمائشوں سے۔ عید کے پہلے دن میں بہت اہتمام سے تیار ہوتی ہوں۔ بھئی پہلے ہی خوشیوں کا "کال" پڑا ہوا ہے تو جو دستیاب ہوں انہیں کھل کر انجوائے کرو۔

بھئی میں تو ہر تہوار شوق اور بھرپور طریقے سے منانے والی لڑکی ہوں۔ خواہ وہ 14 اگست ہو یا 23 مارچ۔ عید پر مہندی تو میں کہنیوں تک لگاتی ہوں۔ میری آنی کہتی ہیں کہ عائشہ کو مہندی کے ٹب میں بھگو دو تو بھی اسے سکون نہیں ملتا۔

اور مینیو میں عید کو میٹھی سویاں، دہی بھلے، کریم چاٹ، سموسے، پکوڑے، شامی کباب اور چکن بریانی ہوتی ہے اور عید کا چاند نظر آنے کے بعد سے ہی تیاریاں شروع کردیتی ہوں۔

بھئی بابدولت اکلوتی بیٹی ہیں تو نقصان تو اٹھانا پڑتا ہے نا، فائدہ بس شاپنگ میں ہوتا ہے جب ایک کی جگہ دو جوڑے لے لوں تو کوئی کچھ نہیں کہتا یہ اکلوتی ہونے کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔

س : عید کے دن کا آغاز کیسے ہوتا ہے؟ نماز عید سے پہلے اور بعد میں سارا دن کیا مصروفیات ہوتی ہیں؟

ج : عید کے دن کا آغاز مما کی آواز سے ہوتا ہے (اوئے اٹھ جاؤ، آج کے دن تو جلدی اٹھ جاؤ۔ اللہ کا نام لے او۔ صبح صبح دعا ضرور قبول ہوتی ہے) آنکھیں کھولنے کا دل نہیں کرتا (بھئی چاند رات جاگے جو ہوتے ہیں) بڑی مشکل سے آنکھیں کھلتی ہیں اور جب شعور بیدار ہوتا ہے کہ آج عید ہے تو نیند دم دبا کر بھاگ جاتی ہے اور سب سے پہلے خیال اپنی مہندی کا آتا ہے کہ کتنا رنگ چڑھا؟

پھر نماز پڑھ کر فاتح گھر کی صفائی میں مصروف ہوجاتی ہوں گھر کا ہر کونا چمکا کر میں نہانے چلی جاتی ہوں تاکہ مہمانوں کے آنے سے پہلے میں خود بھی پرفیکٹ لگوں اور کھانا بھی تیار کرلوں۔ تب تک بھائی اور چاچو عید نماز پڑھ کر آجاتے ہیں۔ ان سے عید ملتی ہوں اور ان کی جیبیں خالی کرواتی ہوں۔

پاپا جی تو صبح صبح ہی وش کردیتے ہیں فون۔ پردیسے ان کی ایک دن پہلے عید ہوتی ہے۔ سعودیہ میں ہوتے ہیں اس لیے۔ عید کی نماز کے بعد میں دہی بھلے، کریم چاٹ بنا کر فریزر میں رکھ دیتی ہوں اور پکوڑوں کا سامان تیار کرلیتی ہوں۔ بریانی اور سویاں مما بناتی ہیں۔ جب مہمان آنا شروع ہوتے ہیں تو میں سموسے پکوڑے فرائی کرکے سرو

کرتی ہوں۔ ویسے میری کوکنگ کی پورے خاندان میں دھوم ہے۔ کیونکہ مجھے جنون کی حد تک کوکنگ کا اور تعریف وصول کرنے کا شوق ہے۔ سارا دن گھر اور کاموں میں گزر جاتا ہے کہیں بھی آنا جانا نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اگلی گلی میں فرینڈ کے گھر بھی نہیں۔

س : ہر گھر کی کچھ روایتیں ہوتی ہیں۔ ایک روایت تہواروں پر خصوصی ڈشز کا اہتمام بھی ہے۔ کیا آپ کے گھر کوئی خاص ڈش بنتی ہے۔ ہماری قارئین کے لیے اس کی ترکیب لکھیں۔

ج : خاص موقعوں پر خاص ڈشز کا اہتمام ایک اہم روایت ہے۔ ہمارے گھر میں بھی کوئی بھی موقع ہو تو سب سے زیادہ اہمیت مینیو کو دی جاتی ہے کہ کیا بنایا جائے کہ جس سے موقع کا حسن دوبالا ہو جائے ہمارے گھر میں تو جمعہ مبارک پر بھی اہتمام ہوتا ہے۔

عید کے دن مختلف ڈشز بنتی ہیں۔ لیکن عربی سویاں ضرور بنتی ہیں جو کہ ہمارے پورے خاندان کو پسند ہیں۔ اور وہ اسپیشل بنواتے ہیں۔ ترکیب درج ذیل ہے۔

عربی سویاں

اجزا :

سویاں	ایک پاؤ
دودھ	3 کلو
چینی	دو کپ
چھوٹی الائچی	2 یا 3 عدد
کھویا	آدھا پاؤ
کیوڑہ	خوشبو کے لیے
بادام، کاجو، پستہ	گارنش کے لیے

ترکیب :

دودھ کو گرم کرلیں اور اس میں سویاں ڈال دیں۔ ایک ابال آجائے تو چینی اور الائچی ڈال کر پکائیں۔ دودھ کو اتنا پکائیں کہ وہ کاڑھا ہو جائے اور رنگت ہلکی مائل ہو جائے پھر اس میں کھویا ڈال کر تھوڑی دیر پکائیں اور چولہا بند کر دیں۔ ٹھنڈا ہونے کے لیے فریزر میں رکھیں پھر کرسٹل باؤل میں ڈال کر پستہ، بادام، کاجو سے گارنش کریں سرو کریں اور لطف اندوز ہوں۔

عید پر بہت شغل ہوتا ہے تو تنہا کھا کھا کر انسان اکتا جاتا ہے۔ تو شامی کباب تو ضرور بنائیں اور چائے یا سینڈوچز کے ساتھ کھائیں۔

شامی کباب

اشیاء :

دال (چنے کی)	ایک پاؤ
چکن (بون لیس)	ایک پاؤ
انڈے	دو عدد
ثابت لال مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
سوکھا دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

دال اور چکن کو علیحدہ علیحدہ ابال لیں اور دال کو پیس لیں اور چکن کو ریشہ ریشہ کرلیں۔ تمام مسالوں اور ایک انڈہ مکس کریں اور دال اور چکن کو اچھی طرح ہاتھوں سے یکجان کرلیں اور ٹکیاں بنالیں پھر انڈہ لگا کر تل لیں اور نوش فرمائیے اور عید کا مزہ دوبالا کریں۔

عندلیب زہرا

س : اپنے بچپن کی عید اور آج کے بچوں کی عید میں کیا فرق محسوس کرتی ہیں؟

ج : سوال بہت دلچسپ ہے اور میرے مزاج سے مطابقت بھی رکھتا ہے اگرچہ بچپن کو خدا حافظ کہے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ میرا شمار بچپن میں ان بچوں میں ہوتا تھا جو اپنے کھلونوں، اسکول بیگ اور بالخصوص گڑیا کے ساتھ جذباتی وابستگی رکھتے ہیں۔ مثلاً" میرا ٹیڈی بیئر میرے ساتھ سوئے گا۔ نئے کھلونوں کو ہاتھ لگا لگا کر خوشی محسوس کرنا تاوقتیکہ نیند کی دیوی مہربان نہ ہو جائے اور اگلے دن اسکول سے آکر پھر سے ان کو سنبھال کر بیٹھ جانا اور جناب گڑیوں سے وابستگی تو مثالی تھی۔ میری سالگرہ ہے تو گڑیا کی سالگرہ بھی ہونی چاہیے (ابو کو اہتمام کرنا پڑتا) میں اسکول جاتی ہوں تو گڑیا کا یونیفارم اور بیگ بھی تیار ہو۔

اور سب سے بڑی بات کہ میرے عید کے کپڑے سلے ہیں تو گڑیا کے بھی سلنے چاہئیں۔ امی، دادی اور نانو نے میرا شوق خوب پورا کروایا ہے۔ نانو تو باقاعدہ درزن سے گڑیا کے کڑھائی کے کپڑے سلواتیں) عید پہ میں خود تیار ہو کر

سہیلیوں کے ساتھ پوری کالونی کی سیر کرتی' کزنز کے ساتھ جھولے جھولتی یا گول گپے کھاتی' میری کڑیا ہرگز نظرانداز نہ ہوتی۔ ہم دونوں کے چمک دمک والے کپڑے سلتے اور میں اس کا بھی میک اپ کرتی۔

بچپن کی عیدیں اس لیے تو سنہری ہوتی ہیں کیونکہ یہ رنگوں سے مزین ہوتی ہیں۔ محبتوں کے رنگ' دوستی' خلوص' چاہت کے رنگ۔ سو اگر میں بچپن کی عیدوں کو یادوں کی البم کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ مجھے اب تک وہ ڈریسز اور ان کے کلر زیاد ہیں جو میں اہتمام سے سلواتی تھی۔ پھر چوڑیاں' ہیئربینڈز' چمکنے والی جوتیاں اور سہیلیوں کے گھر جانا اب بھی خوب صورت دکھتا ہے۔

میں اپنی ٹیچر مس شاہین سے عقیدت کی حد تک متاثر تھی۔ اس وقت میں دس گیارہ برس کی بچی تھی۔ میں نے امی سے ضد کرکے اپنی ٹیچر جیسے کپڑے سلوائے جو انہوں نے اپنے بھائی کی شادی میں زیب تن کیے تھے اور ان پر ویسا ہی گوٹا کرن سجایا۔ سحری کے فوراً بعد امی میرے دوپٹے پر گوٹا سجانے بیٹھ جاتیں۔ آخر عید والے دن یہ لباس فاخرہ پہن کر میں ان سے عید ملنے ان کے گھر گئی اور سویوں سے تواضع کرواکر خوشی خوشی گھر آگئی۔ کزنز کے ساتھ جھولوں پر بیٹھنا' غبارے خریدنا' رنگین عینک پہننا اور کندھے پر فخر سے پرس لٹکا کر چلنا۔۔۔ یہ سب آج بھی مسکرانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ امی اکثر میرا پیسوں سے بھرا پرس ہتھیا لیتیں کہ ان پیسوں سے میں تمہیں مزید پیارے پیارے کپڑے سلوا کردوں گی۔ (دراصل مجھے کپڑوں کا شوق ہے۔ سو امی کی یہ ترکیب کارگر رہتی۔)

عید کا سب سے خوب صورت رنگ عید کارڈز کی خریداری تھی آخری عشرے میں عید کارڈز خرید نے اپنی ٹیچرز' کزنز اور دوستوں کو دینا۔۔۔ (سب کچھ کتنا یادگار لگتا ہے ناں)

مجھے آج کے مشینی دور سے سب سے بڑی شکایت یہی ہے کہ عید کارڈز کی روایت ختم ہوگئی ہے۔

دوستو! کیا آپ کو یاد ہے وہ سرخ گلاب اور دل کی شکل والے عید کارڈ یا بال عید اور ایک ٹوپی والا بچہ دعا مانگ رہا ہوتا یا پھر ادھ کھلے گلاب والے کارڈ اور ان پر درج مزاحیہ اشعار۔

وہ دور اور وہ لمحے اب بھی یاد کرتی ہوں کیونکہ نہ وہ نگار صبحیں ہیں نہ نگار شامیں۔ وہ احباب اور خوب صورت رشتے یا تو لردش ایام میں کھو گئے یا راہ عدم سدھار گئے ہیں۔ آج کی عید اور اپنے بچپن کی عید میں اس لیے فرق ہے کیونکہ ایک تو ہم بچپن کے دائرے سے نکل آئے ہیں۔ جھولے میں بیٹھنا' گول گپے کھانا' غبارے خریدنا اب سب کرنا مضحکہ خیز عمل لگتا ہے۔

آج کے دور میں جو بات شدت سے محسوس ہوتی ہے وہ ہے جذبات کی کمی' احساسات کا مردہ ہونا۔ شاید یہ پر آشوب دور ہے۔ جس نے جوان کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا ہے اور بچوں سے ان کا بچپن چھین لیا ہے۔

ہم اگرچہ "بوڑھے" نہیں ہوگئے۔ لیکن یہ بات ہے کہ ہماری عیدیں رنگین تھیں تو آج کے بچوں کی عیدیں سنگین ہیں۔ لوڈ شیڈنگ' بے حسی' بے مروتی' دہشت گردی' عدم اطمینانی یہ سب بچے فیس کررہے ہیں۔ میڈیا اور سب سے بڑھ کر ہر چیز کو پیسے اور اسٹیٹس کی نظر سے دیکھنا' یہ بات ہمارے دور میں نہ تھی۔

میرے ابو سارے خاندان میں مضبوط حیثیت رکھتے تھے۔ سو سارے رشتے داروں کا ہمارے گھر آنا ان کی واحد تفریح تھی اور قابل فخر بات تھی۔

ہم سب سے ایک جیسا ملتے۔ ایک دسترخوان پر سب بیٹھتے اور ابو کے ساتھ ان رشتے داروں کے ہاں بھی جاتے جو غربت کا شکار ہوتے۔

اگر واری کے یہاں لذیذ پکوان سے لطف اندوز ہوتے تو پھوپھو کے گھر کا سادہ کھانا بھی عید کی ضیافت سمجھ کر انجوائے کرتے تھے۔ یہ ہمارے والدین کی سوچ تھی۔ جو ہم بہن بھائیوں میں آئی۔ جس کا اب فقدان ہے اب تو عید مانا ان سے ضروری ہے جو امیر ہوں۔

ایک بات جو مجھے افسوس میں مبتلا کردیتی ہے وہ یہ ہے کہ بچے کسی رشتے کسی شے کے لیے جذباتی وابستگی نہیں رکھتے۔ حقیقت پسندی سے صورت حال کا جائزہ لیا اور آگے چل دیے۔ ہمیں امیری غریبی کے تضاد کا علم نہیں تھا بچوں کو ہے وہ اپنے اس ادراک کا اظہار بھی خوب کرتے ہیں۔

پھر ہمارے لیے یہ بات اہم ہوتی کہ نئے کپڑے آئے ہیں۔ کس بوتیک' یا شاپنگ مال سے' ہمیں پنداں فکر نہ ہوتی لیکن اب بچے ان جگہوں کا حوالہ دیتے ہیں۔

میں یہ تو نہیں کہتی کہ بچوں میں عید کے رنگ مدھم پڑ چکے ہیں لیکن ان میں وہ آب و تاب' چمک دمک اور رونق نہیں دکھتی جس سے ہم لطف اندوز ہوتے تھے۔

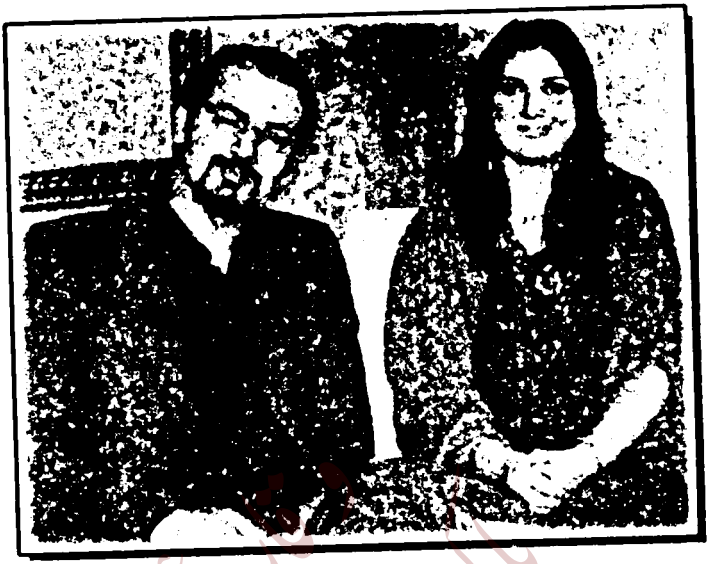

بندھن

زاہد احمد اور آمنہ زاہد

شاہین رشید

زاہد احمد آج کل ینگ جنریشن کے پسندیدہ ترین آرٹسٹ ہیں۔ ٹی وی سے پہلے تھیٹر پہ کافی کام کیا۔ لیکن تھیٹر کے لوگوں کو وہی لوگ بہت اچھی طرح سے جانتے جو کثرت کے ساتھ تھیٹر دیکھتے ہیں۔ بہت سے فنکار تھیٹر سے ٹی وی کی طرف آئے اور وہ بھی اس طرح کہ جن ڈائریکٹرز کو اچھا ٹیلنٹ چاہیے ہوتا ہے وہ تھیٹر کا رخ کرتے ہیں اور پھر وہاں سے ٹیلنٹ کو ٹی وی اسکرین پہ لے کر آتے ہیں۔ 2013ء میں زاہد احمد نے انور مقصود صاحب کے کھیل (تھیٹر) "سوا چودہ اگست" میں قائداعظم کا رول کیا تھا جو کہ انتہائی مقبول ہوا پھر انور مقصود کا ایک اور تھیٹر "باف پلیٹ" کیا۔۔۔ بس پھر گویا ترقی کا راستہ ہموار ہوتا گیا۔۔۔ اور ٹی وی پہ آمد ہوئی اور پھر ہوتی ہی چلی گئی۔

زاہد احمد سے انٹرویو تو "بندھن" کے سلسلے کا ہی کیا مگر درمیان میں دیگر باتیں بھی ہوئیں۔۔۔ کیونکہ انہیں بہت زیادہ پرسنل ہونا پسند نہیں تو تھوڑے کو بھی بہت جانیے گا۔

"کیسے ہیں زاہد احمد صاحب؟"

"الحمدللہ۔"

"بیگم کا کیا نام ہے اور پہلی ملاقات کہاں ہوئی؟"

"بیگم کا نام آمنہ ہے اور ملاقات کا احوال یہ ہے کہ ہم دونوں ایک ہی بلڈنگ میں کام کرتے تھے۔ یعنی جہاں میرا آفس تھا اسی بلڈنگ میں ان کا بھی آفس تھا۔۔۔ تو چونکہ دونوں ایک ہی بلڈنگ میں جاب کرتے تھے تو ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ پھر یہ ملاقات محبت میں بدلی اور۔۔۔ شادی ہوگئی۔"

"پسند سے شادی ہوئی۔۔۔ گھر میں کوئی پرابلم تو کری ایٹ نہیں ہوئی؟"

"نہیں۔۔۔ نہیں کوئی پرابلم نہیں ہوا کیونکہ ہمارے گھر کا ماحول بہت دوستانہ تھا۔۔۔ ہنسی مذاق سب کچھ ہوتا تھا۔ اس لیے جب بتایا تو کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔"

"شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا اور ماشاء اللہ سے بچے کتنے ہیں؟ اور بیگم آئیڈیل ہیں یا آئیڈیل کے قریب؟"

"2011ء میں میری شادی ہوئی اور ماشاء اللہ سے میرے دو بیٹے ہیں اور آمنہ مجھے اچھی لگی اور انڈر اسٹینڈنگ بھی ہو گئی۔۔۔ بس شادی کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔۔۔ میں آئیڈیل پہ یقین نہیں رکھتا۔۔۔ میں حقیقت پہ یقین رکھتا ہوں۔"

"عموماً" لوگ پسند کی شادیاں کرتے ہیں اور پھر۔۔۔"

"جی۔۔۔ میں آپ کی بات سمجھ گیا ہوں۔۔۔ اور میں ایسا انسان نہیں ہوں اور میں ایسے ڈرامے جس میں پہلے محبت کی شادی کی اور پھر کسی اور سے محبت ہو گئی میں کام کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔۔۔ کیونکہ مجھے یہ باتیں عام زندگی میں پسند نہیں تو ڈرامے میں کیوں کروں گا۔"

"مگر لوگ تو ایسا کرتے ہیں؟"

"مگر میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو ایسا کرتے ہیں میں ذرا مختلف قسم کا بندہ ہوں۔"

"شادی کے بعد آپ ایک بڑے کرائسس سے گزرے، بیگم نے کس حد تک ساتھ دیا؟"

"بہت ساتھ دیا۔۔۔ اور زندگی میں دو خواتین نے ہی تو میرا ساتھ دیا۔ ایک میری ماں نے اور ایک میری بیوی نے۔۔۔ ماں کے انتقال کے بعد اب میری بیوی ہی میرے لیے سب کچھ ہے۔ اس کی محبت ہی مجھے حوصلہ دیتی ہے۔"

"پھر تو آپ بھی ان کا بہت خیال رکھتے ہوں گے؟"

"ظاہر ہے۔۔۔ میں ہر وقت اپنی بیوی کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنا پسند کرتا ہوں کیونکہ مجھے اس سے بہت محبت ہے۔۔۔ اور وہ میرے بچوں کی ماں ہے۔ مجھے اس سے پیار کیوں نہیں ہو گا۔"

"گڈ۔ اتنی محبت کے باوجود کوئی شکایت؟"

ہنستے ہوئے "وہ میاں بیوی ہی کیا کہ جنہیں کوئی شکایت نہ ہو۔۔۔ بس یہی کہ میں جس طرح اس کی پسند ناپسند کا خیال رکھتا ہوں اسے بھی میری پسند ناپسند کا خیال رکھنا چاہیے۔"

"گھر کے کاموں میں بیگم کا ہاتھ بٹاتے ہیں، مطلب کچن میں؟"

"نہیں۔۔۔ نہیں ایسا کوئی شوق نہیں پالا۔ بیگم کچن میں ہو تو یہ دیکھنے کے لیے چلا جاتا ہوں کہ کیا پک رہا ہے۔"

"گھر کا کھانا پسند ہے یا باہر کا؟"

"ہم دونوں کو ہی باہر کا کھانا اور ہوٹلنگ کرنا بہت پسند ہے اور ہفتے میں دو سے تین بار تو ہم ضرور ہی جاتے ہیں۔"

"لڑائی ہوئی کبھی؟"

"کبھی۔۔۔ اکثر ہوتی ہے اور عموماً" اس وقت ہوتی ہے جب وہ میری موجودگی میں فون پہ کسی سے باتیں کرنے میں مصروف ہو مگر پھر ہم دونوں ہی بات کو بڑھنے نہیں دیتے اور جس کی غلطی زیادہ ہو یا جس کو احساس ہو جائے کہ میری غلطی ہے وہ پھر سوری کر لیتا ہے۔"

"شاپنگ ملک میں کرتے ہیں یا ملک سے باہر؟"

"جہاں سے چیزیں اچھی مل جائیں، چاہے اپنا ملک ہو چاہے باہر۔ ویسے شاپنگ ہم دونوں مل کر ہی کرتے ہیں۔ ملک سے باہر جائیں تو ذرا زیادہ ہی شاپنگ ہو جاتی ہے۔ مگر اچھا بھی لگتا ہے۔"

"بیگم کی کوئی اچھی اور بری عادت بتائیں؟"

"مجھے تو لگتا ہے کہ میری بیوی میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں، کسی ایک بات کا تو ذکر کر ہی نہیں سکتا۔۔۔ آمنہ میرا خیال بھی رکھتی ہے۔ مجھے سپورٹ بھی کرتی ہے۔ میرے ہر کام میں دلچسپی لیتی ہے اور میرے ساتھ

تعاون کرتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھے اپنے ہونے کا احساس بھی دلاتی ہے۔ میری پریشانی میں پریشان اور خوشی میں خوش ہوتی ہے۔"

"فضول خرچی والی بری عادت تو ہوگی؟"

ہنستے ہوئے "نہیں۔۔۔ سچ بات تو یہ ہے کہ وہ فضول خرچ بھی نہیں ہے۔ بلکہ میں فضول خرچ ہوں اور ہر مہنگی چیز بھی خرید لیتا ہوں۔۔۔ اگر وہ مجھے پسند آجائے تو۔"

"کام میں مصروف رہتے ہوں گے۔ تو فیملی کو کتنا ٹائم دیتے ہیں؟"

"فیملی تو میری کمزوری ہے' میرے لیے سب کچھ ہے۔ اسے ٹائم نہیں دوں گا تو کسے دوں گا۔ میرے پاس جتنا بھی فارغ وقت ہوتا ہے وہ میں اپنی فیملی کے ساتھ ہی گزارتا ہوں۔۔۔ اور عموماً گھر سے باہر گھوم پھر کر اور کھانا وغیرہ کھا کر انجوائے کرتا ہوں۔"

"ڈراموں میں آپ کے کردار خاصے رومانٹک ہوتے ہیں۔ کیا ردِعمل ہوتا ہے۔۔۔ بیگم کا؟"

"ردِعمل یہ ہوتا ہے کہ پھر وہ یا تو ڈرامہ ہی نہیں دیکھتی یا پھر ایسے سین آئیں تو اٹھ کر چلی جاتی ہے۔ مگر میرا تو یہ کام ہے۔ میرا پروفیشن ہے۔ میں اسے چھوڑ تو نہیں سکتا۔"

"خوش حال زندگی کے باوجود کس کو بہت یاد کرتے ہیں؟"

"اپنی والدہ کو۔۔۔ وہ میرے لیے سب کچھ تھیں۔۔۔ بس ان کے انتقال کے بعد جیسے سب کچھ ختم ہو گیا ہو۔۔۔ اگر آمنہ نہ ہوتی تو زندگی بہت بری گزر رہی ہوتی۔ میری بیگم میرے لیے بہت بڑا سہارا ہے۔"

"آمنہ کی کس بات نے بہت متاثر کیا؟"

"ذہانت اور خوب صورتی دونوں نے۔۔۔ صرف خوب صورتی ہو اور ذہانت نہ ہو۔۔۔ تو ایسی خوب صورتی کا کیا فائدہ۔"

"غصے کا اظہار کس طرح کرتے ہیں؟"

"بہت برا ہوتا ہے۔ اگرچہ ہاتھ اٹھانا پسند نہیں کرتا

ماہنامہ کرن

جولائی 2017 کا شمارہ شائع ہو گیا

اس میں

کرن کا دسترخوان

ذائقے کے ساتھ مزیدار

- اداکار "طلعت حسین" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکار "آفان وحید قریشی" کہتے ہیں "میری بھی سنیے"،
- اس ماہ "عمارہ نثار" کے "مقابل ہے آئینہ"
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں "رضوان زیدی"
- "من موہنی کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا سلسلے وار ناول،
- "رہ منزل" تنزیلہ ریاض کا سلسلے وار ناول اختتام کی طرف،
- "مجبور نشین" مصباح علی سید کا مکمل ناول،
- "گلاب دل" فرح بخاری کا مکمل ناول،
- "چوڑیاں تیرے نام کی" ریحانہ آفتاب کا مکمل ناول،
- "بیلا" منشا محسن علی کا ناولٹ،
- "رُت پیار کی منتظر تیری" عدا حسنین کا ناولٹ،
- طیبہ مرتضیٰ، صائمہ قریشی اور فرح تنویر کے افسانے اور مستقل سلسلے

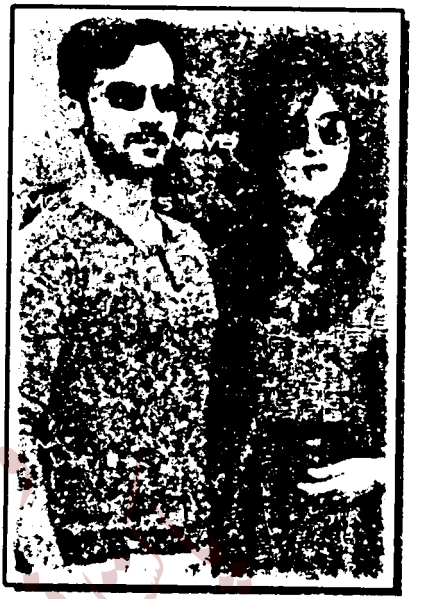

لیکن اگر بات بہت آگے بڑھ جائے تو ہاتھ رکتا بھی نہیں ہے۔"

"بیگم کی ایسی ہی کسی بات پر غصہ آیا؟"

"ارے نہیں ۔۔۔ ہم دونوں میں کسی بات پر اختلاف رائے تو ہو سکتا ہے مگر اللہ کا شکر ہے کہ کبھی ایسی نوبت نہیں آئی کہ میں بیگم کے ساتھ غصے میں بے قابو ہو گیا ہوں۔"

"لڑکیوں کی کالز سے بیگم پریشان ہوتی ہوں گی؟"

"اللہ کا بڑا کرم ہے کہ لڑکیاں کالز نہیں کرتیں۔ کیونکہ انڈسٹری میں اور انڈسٹری سے باہر سب کو معلوم ہے کہ میں شادی شدہ ہوں۔"

"بیگم کس فنکارہ کے ساتھ آپ کو زیادہ پسند کرتی ہیں؟"

"پسند کرتی ہیں؟ ۔۔۔ (ہنستے ہوئے) وہ کسی فنکارہ کے ساتھ مجھے پسند نہیں کرتیں۔"

"کیا آمنہ اب بھی جاب کرتی ہیں؟"

"نہیں شادی سے پہلے کرتی تھی۔ اب تو ماشاء اللہ بچوں میں ہی اتنی مصروف رہتی ہے، جاب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"آپ ایم بی اے ان مارکیٹنگ اور آمنہ؟"

"آمنہ ٹیلی کام انجینئر ہیں اور اب بچوں کی وجہ سے جاب نہیں کرتیں۔"

"ایک آرٹسٹ کو فٹ رہنے کے لیے اپنی ڈائیٹ کا بہت خیال رکھنا پڑتا ہے۔ آپ رکھتے ہیں؟"

"میں کھانے پینے کا بہت شوقین ہوں ۔۔۔ مگر اس فیلڈ میں مجھے "ان" رکھنے کے لیے میری بیگم فکر مند رہتی ہے اور وہ میری ڈائیٹ کا خاص خیال رکھتی ہے اور مجھے پرہیزی کھانے دیتی ہے۔ تب ہی تو اسمارٹ ہوں۔"

"اپنے ڈرامے دیکھتے ہیں ۔۔۔ اور کیا بیگم بھی ساتھ ہی بیٹھتی ہیں؟"

"جی ۔۔۔ جی ۔۔۔ میں اپنے ڈرامے بہت شوق سے دیکھتا ہوں اس لیے نہیں کہ میں نے کام کیا ہوتا ہے۔ بلکہ اس لیے دیکھتا ہوں کہ یہ پتا چل سکے کہ میں نے کہاں برا کام کیا اور کہاں اچھا ۔۔۔ بیگم دیکھتی ہے مگر جہاں رومینٹک سین ہو اٹھ کر چلی جاتی ہے۔"

"اپنے کس وقت کو بہت یاد کرتے ہیں؟"

"مجھے اپنا ہر کٹھن وقت یاد ہے۔ وہ وقت جب مجھے کوئی اس انڈسٹری میں جانتا بھی نہیں تھا ۔۔۔ اب سب آگے پیچھے ہو رہے ہوتے ہیں ۔۔۔ ایک وقت تھا کہ رہنے کو گھر نہیں تھا ۔۔۔ آج اللہ کا بڑا کرم ہے ۔۔۔ تو آج یہ مقام جو ملا ہے، بہت آسانی سے نہیں ملا ۔۔۔ بلکہ بہت مشکل میں، بہت جدوجہد میں وقت گزرا ۔۔۔ تب کسی قابل ہوا۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے انٹرویو کا اختتام کیا۔

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

س۔ س

س شادی کب ہوئی؟

ج ۔ 21 اپریل 1983 کو ہوئی۔

س ۔ شادی سے پہلے مشاغل؟

ج ۔ میری شادی بہت کم عمر میں ہوئی۔ مطلب ابھی کھیل کود کے دن تھے۔ گھر کے کام کاج بڑی بہنیں کرتی تھیں۔ اس لیے بچوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتے مہمان و میزبان' گلی ڈنڈا' اخروٹ اور گڈی گڈے کی شادی۔۔۔ بس یہی مشاغل تھے۔

س ۔ شادی میں آپ کی مرضی شامل تھی؟ یا بزرگوں نے کہنے پر سر تسلیم کیا؟

ج ۔ میری شادی ادھر کرنے کے لیے کوئی بھی گھر کا مرد راضی نہیں تھا۔ ان لوگوں کے پاس زمین جائیداد تو تھی لیکن شکل سے ہی جاہل لگتے تھے۔ بس میرے بہنوئی کے رشتہ دار تھے تو بہن بہنوئی نے مجھے اس جہنم میں دھکیل دیا۔ اس طرح یہ صرف میرے بہن بہنوئی کا فیصلہ تھا۔

س ۔ شادی سے پہلے جیون ساتھی کے بارے میں کیا تصور تھا؟ کیا خوبیاں اس میں دیکھنا چاہتی تھیں؟

ج ۔ ابھی میری عمر ایسی نہیں تھی کہ جیون ساتھی کا تصور قائم کیا جاتا۔ کوئی مجھے کہتا کہ تمہاری شادی ہونی ہے تو میں رونا شروع کر دیتی تھی۔

س ۔ منگنی کتنا عرصہ رہی۔ شادی سے پہلے فون پر

بات یا ملاقات ہوئی؟
ج ۔ منگنی ہوئی ہی نہیں تھی۔
س ۔ شادی کے لیے آپ کو اپنے کس شوق کی قربانی دینا پڑی؟
ج ۔ بہت قربانیاں دیں۔ اس لیے لفظ قربانی نہیں قربانیاں۔ اپنا بچپن اپنی تعلیم اپنے خواب شوخ چنچل طبیعت کہ ایک دم میچور ہونا پڑا۔ ہمارا ماحول ایسا تھا کہ کوئی کسی سے غصے میں تیز زبان میں بات نہیں کرتا تھا۔ ادھر عام باتیں بھی طنز کے بغیر نہیں کی جاتی تھی۔
س ۔ شادی کے موقع پر موقع پر رسموں کے دوران لین دین پر کوئی بدمزگی ہوئی؟
ج ۔ کوئی رسم ہی نہیں ہوئی تو جھگڑا بھی نہیں ہوا۔

س ۔ شادی کے بعد شوہر نے آپ کو دیکھ کے کیا کہا؟
ج ۔ کوئی خاص بات نہیں۔ ان کی بھی عمر کم تھی۔ سولہ سال شاید۔۔۔ (میری تیرہ چودہ سال)۔۔۔
س ۔ شادی کے بعد زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں؟
زندگی ہی تبدیل ہوگئی تھی۔ گھر رشتوں سے بھرا پڑا تھا۔ دن بہت برے گزرے۔
اگر گرمی کی لمبی دوپہر میں بھی دو گھڑی کے لیے لیٹ جاتی تو باہر اچانک آئے مہمان کو زور زور سے بتایا جاتا کہ ہر وقت سوئی رہتی ہے۔ میری والدہ نے ہمیں زبان چلانا نہیں سکھایا تھا تو صبر کرنا پڑا۔
کام بھی کر ہی لیتی تھی۔ مکلاوے کے بعد مزید سیکھ آئی تھی بس روٹی بنانا نہیں آتی تھی تو یہ بات ہر آنے جانے والے کو بتائی جاتی۔
س ۔ شادی کے کتنے عرصے بعد کام کاج سنبھالا؟
ج ۔ اگلے دن۔۔۔ اللہ کا شکر ہے اپنے گھر کام نہیں کیا تھا پھر بھی دقت نہیں ہوئی دقت نبھایا اور خوب نبھایا۔ اپنا آپ بھی مارنا پڑا لیکن کبھی وہ عزت نہ ملی جس کی مستحق تھی۔
س ۔ میکے اور سسرال کے کھانوں میں کوئی فرق محسوس ہوا؟
ج ۔ جی کافی فرق تھا۔ میرے سسرالی کچا پکا کھانے کے عادی تھے۔ اگر مجھے بھون بھون کر پکانے میں تھوڑی دیر ہو جاتی تو تکار شروع ہو جاتی۔ میری نند جلدی کے کام کرتی تھی۔ جیسے کھیر بیس کلو دودھ میں برابر کا پانی ڈالا اور مرضی کے چاول ڈالے اور تھوڑی دیر میں دیگچہ چولہے سے نیچے۔ میرا دل الٹ جاتا ایسی کھیر دیکھ کر (پریشان نہیں ہونا اتنا اتنا ہی پکتا تھا)
س ۔ میکے اور سسرال کے ماحول میں کیا فرق محسوس ہوا؟
ج ۔ سسرال میں تنقید ہی تنقید ہوئی۔ تعریف تو کوئی جھوٹی بھی نہ کرتا تھا۔ قائد اعظم کے موٹو کام کام صرف کام کی عملی تفسیر بن گئی تھی میں۔۔۔ لیکن ان ان پڑھ جاہل لوگوں نے محنت کے بدلے میں صرف گالم گلوچ لڑائی جھگڑے اور طعنے تشنے ہی دیے تین سال تک یہی سلسلہ چلتا رہا اور جب میرا بیٹا ایک سال کا ہوا تو مجھے گھر سے نکال دیا۔ اور میں چار سال اپنے میکے رہ کر آئی۔ اور اس طرح میرے تینوں بچوں میں چار پانچ سالوں کا گیپ ہے۔ (یاد رہے میرے شوہر کا نمبر تیسرا ہے۔ پہلے دو بھائیوں کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے جٹھانیاں بعد میں آئیں۔
س ۔ سسرال والوں سے توقعات کس حد تک پوری ہوئیں؟
ج ۔ توقعات۔۔۔؟ رکھی تو نہ تھیں کہ ابھی کم ایج تھی لیکن انہوں نے بھی جو ایک آدھ توقع تھی اس کو بری طرح مسلا۔ میری ساس کو یہی خطرہ رہتا کہ میرے بیٹے کو ہی نہ لے کر اڑ جائے۔ مطلب علیحدہ نہ ہو جائے۔ میرے میکے میں زیادہ تر لوگ (بہن بھائی اور رشتہ دار) سعودی عرب میں تھے اس لیے میرے سسرالی میرے شوہر کے کان بھرنے میں اہم کردار ادا کرتے جس سے ان کو باہر جانے کے نام سے نفرت ہوگئی۔ میری ساس ہمارے سامنے بیٹھ کر منہ پر جھوٹ بولتی اور شوہر درگت بنا کے رکھ دیتے۔ میرا دیور برملا اعتراف کرتا کہ۔
"ہم جانتے ہیں امی جھوٹ بول رہی ہے لیکن

قصور تمہارا ہی نکالا ہے۔" (شکر ہے امی کی بات کو حدیث نہیں کہا ورنہ۔۔۔)

ایمان اپنی بیوی کے آتے ہی اس دیور نے وہ زن مریدی کی کہ ساس کے منہ سے کبھی کبھار تعریف سننے کو ملنے لگی۔ لیکن پارٹی شروع ہونے سے پہلے اللہ نے انہیں اٹھالیا۔

س ۔ پہلے بچے کی پیدائش کے دوران سسرال والوں کا کیا رویہ تھا؟

ج ۔ پہلے بچے کی پیدائش پر بیٹا ہونے کے باوجود کوئی خاص خوشی نہیں تھی۔ بس میں خوش ہو کر بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ دسویں دن آن ڈیوٹی ہونا پڑا تھا کہ اب بستر چھوڑ بھی دو۔ چلو جی "جس کو سبق یاد ہوا اس کو چھٹی نہ ملی۔"

س ۔ سسرال میں آپ کو وہ مقام ملا جو آپ کا حق تھا؟

ج ۔ جس مقام کو حاصل کرنے کے لیے بہت محنت کی اس کا بدلہ تو کیا "ٹپ" بھی نہ ملی اچھائی برائی ہر جگہ ہوتی ہے اگر اچھائی پر تعریف نہ کرنی ہو تو برائی کو بھی اچھالنا نہ چاہیے بلکہ کریکشن کرنی چاہیے۔ کہ انسان کو پتا چلتا رہے کہ وہ کہاں غلط اور کہاں ٹھیک ہے لیکن یہاں تو اتنی ذلت ملی کہ بندہ چور ہی ہو جائے۔ غلطی ہوتی تھی نا جرم تو نہیں۔ کوئی بھی ہمارے گاؤں کا ادھر آجاتا تو کانوں کو ہاتھ لگاتا۔ اور کہتا "صدیقہ نے اپنی بچی ڈبو دی۔" معافی کا کوئی رواج نہیں تھا۔ حقارت، طنز، غرور اور اپنے علاوہ باقی سب سے نفرت کرنا ان لوگوں کا کام تھا۔ سسر کچھ پوزیٹو تھے لیکن زیادہ تر ان ہی کی طرف داری کرتے تھے۔

س ۔ آپ جوائنٹ فیملی سسٹم پسند کرتی ہیں یا علیحدہ رہنا؟

ج ۔ جوائنٹ فیملی سسٹم نے مجھے اور میرے بچوں کو پنپنے نہیں دیا۔ دیور کے کہنے پر میرا شوہر ایک منٹ کی دیر لیے بغیر مجھے اور بچوں کو گھر سے نکال دیتا۔

میرے بچے ماشاء اللہ اچھے اور ذہین ہیں (اللہ عمر دراز کرے) روز روز کے لڑائی جھگڑوں سے تنگ آکر بڑا بیٹا باہر چلا گیا۔ جس کی وجہ سے باپ ابھی تک اس سے بات نہیں کرتا۔ حالانکہ اس نے کوشش بھی کی۔ میرے بچوں کو ماحول ٹھیک ملا نہ پڑھائی۔ کپڑے بھی بس جیسے تیسے پہن کر گزارا کیا۔ زمین جائیداد سے وہ نہ ملا جو بچوں کا حق تھا۔ بڑا بیٹا LLB کرنا چاہتا تھا۔ بیٹی ڈاکٹر بننا چاہتی تھی اور چھوٹا بیٹا بھی۔ لیکن باپ نے خرچ ہی نہیں کیا۔ اسی لیے بڑا بیٹا کہتا ہے اگر باپ چاہے تو بچے کامیاب ہوتے ہیں عزت پاتے ہیں۔ ورنہ کوئی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔

سب بہنوں سے گزارش ہے کہ وہ میرے بچوں کے لیے دعا کریں وہ میرے بچوں کو کامیابی دے۔ خوش رکھے میرے بچوں کو میری جیسی زندگی نہ گزارنی پڑے۔ آمین ثم آمین۔

س ۔ آپ نے سسرال کے ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش کی، کس حد تک کامیاب ہو سکیں؟

ج ۔ میں سسرال کا ماحول کیا بہتر کرتی جب میں خود ہی ان کی نظر میں ٹھیک نہیں تھی۔ بے عقل احمق سارے دن کام کرنے کے بعد تھکن ہی اتنی ہوتی کہ ایسے بستر پر گرتے کہ صبح کی خبر لاتے۔ پورے دن میں جس کو جو چیز چاہیے ہوتی وہ ارجنٹ چاہیے ہوتی۔ دیر سویر والا کوئی چکر نہیں تھا۔ بس اب تو ہر وقت یہ دعا کرتی رہتی ہوں اللہ پاک بچوں کو خوشیاں دکھائے اپنی تو جیسے تیسے کٹ گئی۔

اور ہاں میری بیٹی کو رائٹر بننے کا بہت شوق ہے۔ پلیز اس کی طرف تھوڑا دھیان دیں مجھے ڈر ہے مایوس ہو کر لکھنا ہی نہ چھوڑ دے۔ اور میں نہیں چاہتی ڈاکٹر بننے کے شوق میں اب تک ہر ڈاکٹر کو حسرت سے دیکھ کر کہتی ہے "میں بھی بن سکتی تھی ڈاکٹر" اور اب ہر رائٹر کو پڑھ یا مل کر بس رائٹر بننے کے چکروں میں پڑی رہتی ہے۔ اللہ سے دعا ہے اس کی (بیٹی) یہ خواہش کبھی حسرت نہ بنے۔ آمین۔

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

ن۔ ص

س "شادی کب ہوئی؟"

ج "شادی اکتوبر 1978ء میں ہوئی۔"

س "شادی سے پہلے کیا مشاغل تھے؟"

ج "شادی سے پہلے تک پڑھتی رہی' پہلے ریگولر ایک ایم اے' پھر پرائیویٹ' دوسرا ایم اے' اس کے علاوہ رسائل' کتابیں' ڈیلی کتب' ہر قسم کا لٹریچر پڑھنے کا شوق تھا۔ خاص کر تاریخی ناول' جیسے قیسم حجازی وغیرہ کے ناول۔ حالانکہ گھر میں تاریخی ناول بھی پڑھنے کی اجازت نہیں۔ رات کو چھپ چھپا کر پڑھنا۔ رات کو امی نے کمرے میں جھانکنا اور کہنا بس کرو' سوجاؤ۔" (یہ نہیں 'ہنہ' بیٹھی ناول پڑھ رہی ہے۔) ویسے میں پڑھائی میں بھی بہت اچھی تھی۔ اس کے علاوہ والدین کی خدمت کی۔ لیکن ہمارے ابا پڑھانے کے حق میں نہیں تھے۔ یہی سوچ کہ میٹرک کرلیا۔ اب بس خط لکھنا آگیا' مگر بھلا ہو بھائیوں کا جنہوں نے پڑھادیا۔

س "رشتے میں مرضی؟"

ج "ہمارے زمانے میں لڑکیوں سے مرضی نہیں پوچھی جاتی تھی۔ جہاں والدین نے کردیا' سر جھکادیا۔ ہمارے والدین نہایت سخت گیر قسم کے تھے۔ رشتہ داروں اور سہیلیوں کے گھر جانے کے حامی بھی نہیں تھے۔ کوئی کزن آجاتا تو سلام دعا کی اجازت بھی نہیں تھی۔"

س "جیون ساتھی کے حوالے سے تصور؟"

ج "ہم بہت سی بہنیں تھیں۔ ہنستی کھیلتی' خوش باش رہتی تھیں۔ جیون ساتھی بھی دل کرتا تھا ایسا ہی ہو' مگر۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے

اور جیون ساتھی ایسا کہ کرائے پر بھی نہیں ہنستا تھا۔ (حالانکہ اپنے بہن' بھائیوں میں خوب بولتے' ہنستے ہیں۔) اور میرے لیے کم گو۔ بس خاموش ہی زندگی گزاردی۔ بچوں میں اور جاب میں اپنی خوشی اور مصروفیت ڈھونڈلی۔

س "شادی کے لیے قربانی؟"

ج "شادی کے لیے تو ساری زندگی ہی قربان کردی'

تعلیم تو مکمل تھی مگر جاب نہیں کرتی تھی مگر حالات نے ملازمت پر مجبور کردیا۔ زندگی میں اکیلے ہی سارے کام کیے' ساتھی کی طرف سے کسی قسم کا بھی تعاون نہ ملا۔ شکر الحمدللہ کہ بچے قدر کرتے ہیں۔ انہیں اندازہ ہے کہ میں نے اکیلے ہی ان کی ساری ذمہ داریاں پوری کی ہیں۔ دوسری طرف انہیں میرے پڑھنے' سونے' غرض ہر خوشی سے چڑ تھی' لیکن میں نے اپنے رب کی رضا میں ہر طرح کی سختیوں میں گزارا کیا۔ اب تو آخری وقت ہے' خدا کرے میرا رب مجھ سے راضی ہو اور مجھے اپنے پسندیدہ بندوں میں شمار کرے' آمین۔"

س "رسموں کے لین دین پر جھگڑا ہوا؟"

ج "میرے والد نے کسی قسم کی مخالفت نہیں کی۔ سسرال کی ہر بات پر آمنا وصدقنا کیا' تو جھگڑا کس بات کا؟"

س "شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟"

ج "کچھ بھی نہیں' میں تو ساری عمر پیار کی ایک نظر کے لیے ترستی رہی۔ پریشانی اور دکھ میں بھی کبھی سہارا نہیں دیا' بلکہ ہر بات میں لڑائی ہی ڈھونڈی اور میری ہر خوشی برباد کرتے رہے' حتیٰ کہ بچوں سے بھی کبھی سیدھے منہ بات نہ کی۔"

س "کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟"

ج "میں کینٹ کی رہنے والی اور وہ گاؤں کے' میں بیاہ

کر ایسے گاؤں گئی جہاں ان کے گھر نہ پانی' نہ بجلی' گیس' نہ لٹیرین۔ کچھ نہ پوچھیں' کیسے گزارا کیا۔ نندیں بیاہی ہوئی تھیں' گھر میں میرے ساس سسر اور تین دیور تھے۔ بس جاتے ہی سارا گھر سنبھال لیا۔ لکڑی کے چولہے پر کھانا پکانا' دھوئیں سے چودہ طبق روشن ہو جاتے۔ کچا صحن جس پر کتے' بلیاں ہر وقت پھرتے تھے۔ گاؤں میں برف تک نہیں ملتی تھی۔ ریفریجریٹر تو دور کی بات' پریگننسی میں الٹیاں کر کر کے جب برا حال ہو جاتا تو دل چاہتا کہ کوئی میری ساری سلطنت لے لے اور ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس دے دے' مگر وائے حسرتا۔"

س "میکے اور سسرال کے ذائقے میں فرق؟"

ج "زمین آسمان کا فرق تھا۔ ہمارے گھر کھانا بہت اپنا اور اہتمام سے بنتا تھا۔ دوپہر میں سلاد اور پودینے' انار دانے کی چٹنی کے ساتھ دال' رات کو سبزی گوشت' مگر سسرال میں گھی کے بغیر ساگ اور تڑکے کے بغیر دال' پلاؤ پر چٹنی ڈال کر کھائی جاتی' تو میں نے پلاؤ بنانا ہی چھوڑ دیا۔ مگر گاؤں میں صاف ستھری فضا میں خالص چیزیں مل جاتی تھیں۔ الحمدللہ کہ خدا نے کبھی بھوکے پیٹ نہیں سلایا' یہ بھی نعمتیں ہیں' اگر انسان اس کا شکر ادا کرے۔"

س "سسرال میں کن باتوں پر تعریف اور کن پر تنقید ہوئی؟"

ج "میرے سسر بہت اچھے تھے اور دیور بھی۔ جب تک شادی نہ ہوئی بہت اچھے رہے' مگر ذرا سی غلطی پر ساس بخشنے پر تیار نہ ہوتی تھیں اور جھٹ پڑھے لکھے ہونے کا طعنہ دے دیتی تھیں۔ جب ان کی اپنی بھانجی دوسرے بیٹے کے لیے بیاہ کر لائیں تو شکر خدا میری قدر آگئی' اب تو دونوں گزر چکے' اللہ ان کی بخشش کرے'

آمین۔"

س "سسرال سے وابستہ توقعات کس حد تک پوری ہوئیں؟"

ج "سسرال سے کوئی توقع ہی نہیں کی تھی تو پورے ہونے نہ ہونے کا کیا سوال۔"

س "سسرال میں مقام؟"

ج "سسرال میں مقام تو شوہر سے ملتا ہے اس لیے یہ سوال بغیر تبصرے کے۔"

س "پہلے بچے کی پیدائش؟"

ج "شادی کے دس ماہ بعد خدا نے اولاد کی صورت میں بیٹی دی' میں تو بہت خوش (یہ بیٹی گاؤں میں سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے امی کے گھر ہوئی۔) اور جب میں چھلے کے بعد مٹھائی کے ساتھ اپنے سسرال گئی تو میرے ساس نے گھر میں داخل ہوتے ہی میرے میاں سے کہا۔ "تو وی پیو دی طرح کڑیاں ہی جمن لگ گیا ایں۔" مت پوچھیں کہ میری خوشی کیسے غارت ہوئی۔

پتا نہیں لوگ خدا کے شکر گزار کیوں نہیں ہوتے۔ جس نے بیٹی دی ہے' اس کی رحمت اور فضل بیٹا بھی تو دے گا' بعد میں دو بیٹے اور ایک بیٹی اور اللہ نے دی۔ (ویسے میری ساس کے گھر پہلے تین بیٹیاں اور بعد میں چار بیٹے تھے۔) الحمدللہ کہ میری اولاد ساری نیک اور سعادت مند ہے اور بہت پڑھے لکھے ذہین ہیں۔

س "جوائنٹ فیملی پسند ہے یا علیحدہ؟"

ج "مجھے تو جوائنٹ فیملی پسند ہے' جس میں بہت سے لوگ اور رونق ہو' مگر میری ایک نند اپنے میکے آکر بہت شر پھیلایا کرتی تھی' باقی بڑی دو نندیں بہت اچھی تھیں' الحمدللہ۔ مگر آج کل کے ماحول میں تو علیحدہ ہی رہنا اچھا ہے۔"

س "شادی شدہ بہنوں کے نام کوئی پیغام؟"

ج "میرا تو یہی تجربہ ہے کہ شادی کے بعد خاموشی اور صبر سے اگر زندگی گزاری جائے تو اللہ بہت اجر دیتا ہے۔ ایک کہاوت ہے کہ بارہ سال بعد تو اللہ روڑی کی بھی سن لیتا ہے تو خدمت گزاری اور صبر سے اللہ کی رضا کو تو حاصل کیا ہی جاسکتا ہے بندے بھی کبھی نہ کبھی تو خوش ہو ہی جائیں گے۔ بس اللہ محبت اور اولاد کی خوشیاں دے۔"

س "غیر شادی شدہ بہنوں کے نام کوئی پیغام؟"

ج "اپنے نصیب کے لیے شادی سے پہلے ہی بہت دعائیں کریں کہ اللہ نیک ساتھی دے' تاکہ یہ دنیا بھی جنت بنے اور اگلی دنیا کے لیے بھی زادِ راہ ساتھ جائے۔ آمین' خاوند ساتھ ہو نہ ہو اللہ تو ہر لمحہ شہ رگ کے قریب ہے۔ بس مشکل حالات میں بھی اسی کی رضا کو مدنظر رکھیں۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

شائع ہو گئے ہیں

☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 250 روپے

☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 600 روپے

☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار کراچی۔ فون: 32216361

خواتین ڈائجسٹ

جولائی 2017ء
کے شمارے کی ایک جھلک

- "[illegible]" نمرہ احمد کا مکمل ناول،
- "[illegible]ت جنوں" آمنہ ریاض کا مکمل ناول،
- "[illegible]صفات اللہ! لوٹ آؤ" عنیزہ سید کا مکمل ناول،
- "[illegible]یقت ہے" آسیہ رزاقی کا مکمل ناول،
- [illegible]یہ امید اور بی سحر کا ناولٹ،
- [illegible]ید سیفی، عندلیب زہرا، فرزانہ کھرل،
- فوزیہ اشرف اور افراح سکندر خان کے فسانے،
- [illegible] کا [illegible] سے خصوصی عید سروے،
- [illegible]ف [illegible]شکر "منصور علی خان" سے ملاقات،
- [illegible] "[illegible]وہر ممتاز" سے باتیں،
- "کران کرن روشنی" احادیث نبوی ﷺ کا سلسلہ،
- ہمارے نام، نفسیاتی ازدواجی الجھنیں، [illegible]دان کے مشورے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

خواتین ڈائجسٹ کا جولائی 2017 کا شمارہ آج ہی خریدیں

صائمہ اکرم چوہدری

سحر

Pakistanipoint
Waqar

شہرزاد غیر معمولی حسن کی مالک نہیں تھی لیکن حالات کی تلخیوں نے اس کی شخصیت کو مضبوط بنا دیا تھا۔ اس کے اعتماد نے اس کی شخصیت کو دل کشی عطا کی تھی۔

ٹرین میں ایک عورت اور مرد سفر کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا۔ عورت اور مرد کو احساس تھا کہ موت ان کے تعاقب میں ہے ان کے تمام گھر والوں کو مار دیا گیا تھا۔ گاڑی ایک اسٹیشن پر رکی تو ماں نے فیصلہ کیا کہ بچے کو کسی جگہ چھوڑ دے، تاکہ اس کی جان بچ سکے۔ اس نے بچے کو ایک بینچ کے نیچے رکھ دیا اور خود ٹرین کی پٹڑی پار کرتے ہوئے حادثہ کا شکار ہو گئی۔

میر ہاؤس میں محتشم علی اور خاقان علی کا خاندان آباد ہے۔

محتشم علی خان ایم این اے ہیں ان کے تین بیٹے وہاج، برہان اور شاہ میر ہیں۔ بیٹی ایک ہی ہے جس کا نام درشہوار ہے۔ خاقان علی نے دو شادیاں کی ہیں، پہلی بیوی شارقہ بیگم سے دو بیٹیاں انابیہ اور طوبیٰ ہیں۔ بیٹے کے لیے انہوں نے ندرت بیگم سے دوسری شادی کی، لیکن ان سے کوئی اولاد نہ ہو سکی۔

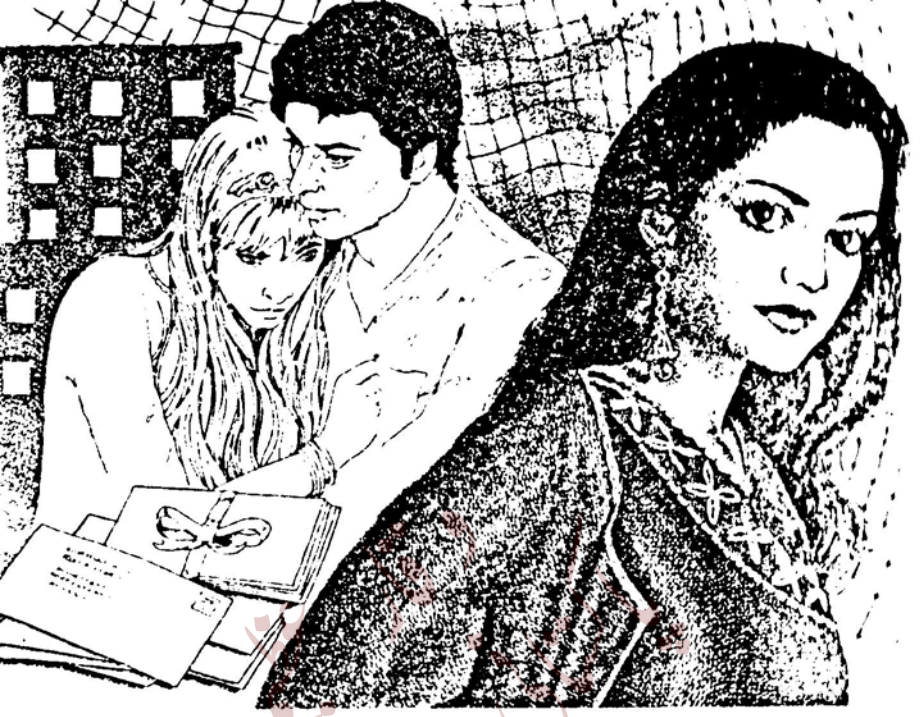

خاقان علی کی بہن فوزیہ اور ان کے شوہر ایک فضائی حادثے میں چل بسے تو' تو ان کے دونوں بچے نمیرہ اور ارسل کی ورش ندرت بیگم نے کی ہے۔ نمیرہ کو لگائی بجھائی کی عادت ہے۔

ان کے گھر کے سامنے جنگل ہے جہاں طوبیٰ اور در شہوار امتحان میں کامیابی کے لیے برگد کے درخت پر دھاگا باندھنے رات کو جاتی ہیں اور شاہ میر انہیں پکڑ لیتا ہے۔ شاہ میر گھر والوں کے سامنے ان کا بھانڈا پھوڑ دیتا ہے۔ جس کی بنا پر ان کو گھر والوں سے بہت ڈانٹ پڑتی ہے۔

انابیہ کا نکاح برہان سے ہو چکا ہے' لیکن برہان کا سرد رویہ اسے افسردہ کرتا ہے۔

ٹینا بیلم فیشن انڈسٹری کی ایک معروف شخصیت تھیں۔ دو شادیاں ناکام ہو چکی تھیں۔ آج کل وہ تیسرے شوہر سے جان چھڑانے کے چکر میں تھیں۔ معروف بیوروکریٹ سیف الرحمٰن کے ساتھ ان کا نام لیا جا رہا تھا۔

پہلے شوہر سے ان کی دو بیٹیاں تھیں' بڑی شہزاد جسے اعلا تعلیم کے لیے انہوں نے باہر بھجوا دیا تھا۔ رومیصہ چھوٹی تھی اور اس کی اپنی ماں سے بالکل نہیں بنتی تھی۔ ان کے آئے دن کے اسکینڈل اس کے لیے مسئلہ بنتے تھے۔

اس نے خودکشی کی دھمکی دے کر شہزاد کو پاکستان آنے پر مجبور کر دیا۔ شہزاد کی آمد ٹینا بیگم کو شدید ناگوار گزری۔ شہزاد پاکستان آئی تو ایک پرانی فون کال نے اسے ڈسٹرب کر دیا۔ طوبیٰ اور در شہوار غلطی سے برابر والے گھر میں داخل ہوئیں تو پتا چلا کہ جو گھر پچھلے ایک ماہ سے خالی پڑا تھا۔ وہاں محمد ہادی آ چکا ہے۔ محمد ہادی فارسٹ آفیسر ہے۔ تعلق ایک امیر اور اعلا تعلیم یافتہ گھرانے سے ہے۔ وہ اپنے دوست سعد کو بھی اپنے بنگلے میں لے آیا ہے۔

محتشم علی کا بیٹا وہاج شادی شدہ ہے' لیکن گھر کی ملازمہ صندل پر بری نظر رکھتا ہے۔ رومیصہ نے گھر میں شدید توڑ پھوڑ کی اور ٹینا بیگم سے شدید نفرت کا اظہار کیا۔ شہزاد اسے ماہر نفسیات کو دکھانے کا مشورہ دیتی ہے۔

در شہوار اور طوبیٰ محمد ہادی کے بنگلے میں جاتی ہیں اور درخت پر چڑھ کر خوبانیاں توڑتی ہیں۔ محمد ہادی سختی سے پیش آتا ہے اور در شہوار اسے دھمکی دیتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان ٹھن جاتی ہے۔

ثینا بیگم، شہزاد کے ساتھ ایک آستانے پر جاتی ہیں۔ واپسی پر گھر کے گملے ٹوٹے ہوئے ملتے ہیں۔ ان کے تیسرے شوہر ہارون رضا بتاتے ہیں کہ رومیصہ نے پھر ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ وہ نیب دکھاتے ہیں تو ثینا بیگم کا سر گھوم جاتا ہے۔

بریگیڈیر وقار درانی کی بیٹی کنزہ درانی کی گاڑی کی ٹکر سے جسٹس محمود کا بیٹا روحیل محمود ہلاک ہو جاتا ہے۔ رومیصہ اس وقت کنزہ کے ساتھ تھی۔ کنزہ کے والد اسے کیس سے نکال لیتے ہیں، مگر رومیصہ پھنس جاتی ہے۔ "ہم زاد" کے مشورے سے شہزاد اس کا کیس لڑنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ رومیصہ کی وجہ سے ثینا اور ہارون رضا کے درمیان تلخی بڑھ جاتی ہے۔ در شہوار، طوبیٰ اور نمرہ تینوں امتحان میں فیل ہو جاتی ہیں۔ مگر شرارتیں عروج پر ہیں۔ بالآخر محمد ہادی تنگ آکر برہان سے ان کی شکایت کرتا ہے۔ گھر والے تینوں کو ڈانٹتے ہیں۔ در شہوار اور طوبیٰ واک کے لیے نکلی ہوتی ہیں کہ ایک کتا ان کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ در شہوار ڈر کے مارے جنگل میں گھس جاتی ہے۔ جہاں اتفاق سے محمد ہادی موجود ہوتا ہے۔ وہ کتے کو مار دیتا ہے۔ اس کا ہمدردانہ رویہ در شہوار کے دل کی دنیا بدل دیتا ہے۔

خاقان صاحب کا نام کسی اداکارہ کے ساتھ لیا جا رہا ہے۔ یہ خبر بڑھ کر انابیہ کو صدمہ پہنچتا ہے۔ ایسے میں برہان کا نرم رویہ اس کے لیے ڈھارس بنتا ہے، مگر اسی لمحے برہان کے سیل پر کسی لڑکی کی کال اسے خدشات میں مبتلا کر دیتی ہے۔

وہاج کی فرمائش پر صندل کو نور محل بھیج دیا جاتا ہے۔ ایک دن وہاج کو اپنی شیطانی خواہش پوری کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ صندل کو بے دست و پا کر کے کمرے میں لے جاتا ہے۔

صندل گم صم حالت میں میر ہاؤس واپس آجاتی ہے۔ سب اس کی حالت کی وجہ سے تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ برہان اسے سائیکاٹسٹ کو دکھانے کا مشورہ دیتا ہے تو اس کی امی یہ ذمہ داری اسے ہی سونپ دیتی ہیں۔ وہ انابیہ کے ایڈمیشن کے معاملے میں بھی دل جیسی لیتا ہے۔ انابیہ بہت خوش ہوتی ہے۔

محمد ہادی اپنے افسران کی جھاڑ سن کر سخت چراغ پا ہوتا ہے۔ میر خاقان: دنگلات کی لکڑی چرانے میں ملوث ہیں۔ ہادی مخالف پارٹی کو کیس کرنے کا مشورہ دیتا ہے اور انہیں اپنی والدہ کے پاس بھیج دیتا ہے۔ ثینا بیگم کی مسز قریشی سے جان پہچان ہے۔ اسی لیے شہزاد ان کے ساتھ کام کر رہی ہے۔ مسز قریشی شہزاد کی صلاحیتوں سے متاثر ہوتی ہیں۔ آفس میں شہزاد کی ہادی سے ملاقات ہوتی ہے، جو کچھ خوش گوار نہیں ہوتی۔

در شہوار کے دل میں ہادی کی محبت بڑھتی جا رہی ہے۔ وہ اس کے اظہار سے بھی نہیں گھبراتی، مگر طوبیٰ یہ جان کر سخت پریشان ہوتی ہے۔

رومیصہ کو کنزہ فون کر کے بلاتی ہے۔ وہ شرمندہ ہے اور کیس کے حوالے سے اس کی مدد کرنا چاہتی ہے۔ رضا ہارون، رومیصہ سے فری ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ انہیں تھپڑ مار کر چلی جاتی ہے اور راستے میں اغوا ہو جاتی ہے۔ اسے اپنے اغوا کا کنزہ پر شک ہے۔ شاہ میر چھٹی پر بنا کسی کو بتائے گھر آتا ہے۔ جہاں اس کی مڈبھیڑ طوبیٰ سے ہو جاتی ہے۔ وہ اس سے تھوڑا ہنسی مذاق کر کے اپنے کمرے کی جانب بڑھ جاتا ہے۔ جہاں دماغ کو ماؤف کر دینے والا ایک منظر اس کا منتظر تھا۔

صندل خودکشی کر لیتی ہے۔ طوبیٰ کو صندل کے ہاتھ کا لکھا ایک رقعہ ملتا ہے حقیقت جان کر وہ تمام مردوں سے متنفر ہو جاتی ہے۔ شاہ میر سے اس کا رویہ بدل جاتا ہے۔ صندل کی موت وہاج کا سکون بھی غارت کر دیتی ہے۔ شاہ میر اور طوبیٰ کو صندل کی پازیب جھنکنے کی پراسرار آواز سنائی دیتی ہے۔

برہان انابیہ کو یونی ورسٹی میں کسی کو بھی نکاح کے متعلق بتانے سے منع کرتا ہے، در شہوار ہادی سے اظہار محبت کرتی ہے تو وہ اسے جھڑک دیتا ہے۔ ہادی کسی اور کی محبت میں مبتلا ہے۔

شہزاد میر خاقان کو عدالتی نوٹس بھیجتی ہے جس کا مقابلہ کرنے کا وہ ذہن بنا لیتے ہیں۔ مونیکا اور ذوالکفل اسٹوڈنٹس ہیں اور ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ مونیکا عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرنا چاہتی ہے۔

ہم زاد، شہزاد کو مشورے اور چند تصاویر دیتا ہے۔ شہزار کو بیرسٹر محمود پر شک ہے، ہم زاد اسے رد کر دیتا ہے۔ مگر اسے ایس پی ارتضیٰ حیدر تائید کرتا ہے۔ اسے شہزاد پسند آگئی ہے جب شہزاد، ارتضیٰ کے حوالے سے مذاق کرتی ہے تو ہم زاد ناراض ہو جاتا ہے۔

رومیصہ کو روحیل کے دوست نے کنزہ کی گواہی کی بنا پر اغوا کیا ہے اور اسے مارنا چاہتا ہے۔ اسی لمحے کہیں سے گولی چلنے کی آواز آتی ہے۔

چھٹی قسط

"اوہ مائی گاڈ۔۔۔!"

رومی کی دھڑکنوں میں بپا قیامت تھم سی گئی' اس کی رنگت خطرناک حد تک سفید پڑ چکی تھی اور لب تیزی سے ہل رہے تھے شاید وہ دل ہی دل میں کوئی دعا مانگ رہی تھی جو اسے اس قسم کی خطرناک صورت حال سے نکال سکتی۔

"اب کیوں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلی ہیں تم نے۔" اس کے بلند و بانگ قہقہے پر اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

رومیصہ نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں' وہ ایک تلخ حقیقت کی مانند اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے بوکھلا کر دائیں طرف دیکھا' کھڑکی کا شیشہ چکنا چور ہو چکا تھا اور اس کے ذرات فرش پر پھیلے ہوئے تھے۔

"تمہارا کیا خیال ہے' اتنی آسان موت ماروں گا تمہیں۔" اس کا سرد لہجہ رومی کے حواس معطل کر گیا۔ اس نے تھوک نگل کر اپنے خشک ہوتے حلق کو تر کیا۔

"اتنا بے وقوف لگتا ہوں تمہیں۔"

"بے فکر رہو' ایسی موت ماروں گا تمہیں کہ قبر میں بھی قیامت تک تڑپتی رہو گی۔" وہ اپنے خطرناک ارادوں سے باخبر کرتے ہوئے اس کے اعصاب کو مزید کمزور بنا رہا تھا۔ کھڑکی سے باہر اب گہرے سناٹے کے ساتھ اندھیرے کا راج تھا۔

"کیا کہا تھا تم نے' تھوڑی دیر پہلے مجھ سے۔" اس نے ریوالور سے اس کی ٹھوڑی کو تھوڑا سا اونچا کیا۔

"کک کچھ نہیں۔" خوف سے اس کی آواز حلق میں ہی دب گئی۔

"یہی کہا تھا ناں' مجھ سے شادی کرنے سے بہتر تم مرجانا پسند کرو گی' ہے ناں۔" وہ بڑے معنی خیز انداز میں اس کا جملہ اسی پر لوٹا رہا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" رومیصہ نے اس کی آنکھوں کی سرخی سے نظریں چرا کر فوراً ہتھیار ڈالے۔

"اب تو شادی کر کے ہی زندہ درگور کروں گا تمہیں۔" رومی کو لگا جیسے وہ مذاق کر رہا ہو۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" اس کے حلق سے ایک پھٹی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

"سارے مطلب آج ہی سمجھ لیے تو باقی زندگی کیا کرو گی جان من۔" وہ عجیب انداز میں ہنسا۔ رومیصہ کو لگا جیسے کسی نے اس کے وجود کو شکنجے میں کس دیا ہو۔ اس کا دل انہونی کا راگ الاپنے لگا۔

"آپ پلیز جانے دیں مجھے۔" اس کی سانس اٹکنے لگی۔

"اتنی آسانی سے۔" وہ ریوالور سے اس کے بالوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔ رومی کا تنفس تیز ہوا۔ وہ اپنے ہی جال میں بری طرح پھنس چکی تھی۔

"میں مرجاؤں گی۔" اس کے حلق سے سسکی نکلی۔

"اب تو اپنی منزہ نا کر ہی بھیجوں گا تمہیں' دیکھوں تو سہی' کیسے مرتی ہو تم؟" اس کے سرد لہجہ نے رومی کے بدن سے اس کی روح کھینچ لی۔

"آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔" اس کے خوف زدہ ہونے پر وہ ہنسا' جیسے اس کی حالت سے حظ اٹھا رہا ہو۔

"میں دیکھتا ہوں' دنیا کی کون سی طاقت روکتی ہے مجھے۔" وہ استہزائیہ انداز سے بولتا ہوا اسے سخت گھبراہٹ میں مبتلا کر گیا۔

"اب کیا ہاتھ جوڑ کر معافی مانگوں آپ سے۔۔۔" وہ ایک دم رو دی۔

"ناک سے لکیریں بھی نکالو گی تب بھی نہیں مانوں گا۔" وہ اسے جلتی ہوئی آنکھوں سے گھورنے لگا۔
"میں نے کیا بگاڑا ہے آپ کا' کیوں پیچھے پڑ گئے ہیں میرے۔۔۔"

"روحیل محمود نے کیا بگاڑا تھا تمہارا؟ کیوں تم نے اسے اپنے گاڑی کے نیچے کچلا۔۔۔"
"میں نے ایسا نہیں کیا' بائے گاڈ' گاڑی میں نہیں کنزہ چلا رہی تھی۔" وہ بلند آواز میں رونے لگی۔
"خوب صورت لڑکی' جب جھوٹ بولتی ہے ناں' اس کا چہرہ یقین مانو کسی مکڑی کی طرح بدصورت لگنے لگتا ہے۔" وہ سانس روکے' بنا پلکیں جھپکے اس کا چہرہ دیکھنے لگی جس پر اس کے لیے نفرت کے سوا کچھ نہیں تھا۔
"شادی تو کرنی پڑے گی تمہیں مجھ سے۔۔۔" اس نے سرد آواز سے کہا۔
"میں مر جاؤں گی' لیکن ایسا نہیں کروں گی۔" وہ بے بسی کی انتہا پر پہنچ کر ایک دم چیخی۔
"میں بھی یہی دیکھنا چاہتا ہوں' قطرہ قطرہ زہر کیسے انسان کے وجود میں سرایت کرتا ہے۔" اس کی ٹھوڑی تلے انگلی رکھ کر اس نے رومیصہ کا چہرہ اپنی جانب گھمایا تو اسے ایک دم سو واٹ کا کرنٹ لگا۔
"ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔۔۔" وہ گیلی لکڑی کی طرح چیخی تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔ جیسے اس کے زچ ہونے پر لطف حاصل کر رہا ہو۔
"چلو پھر سارے حق لے لیتے ہیں' کیا کہا تھا تم نے مجھ سے شادی کرنے سے بہتر مرجانا پسند کرو گی نا۔ دو گھنٹے ہیں تمہارے پاس' جو کرنا چاہتی ہو کر لو' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اس کے بعد تمہیں وہی کرنا ہو گا جو میں چاہوں گا۔" وہ اس کی روح فنا کر کے کمرے سے نکل گیا۔
ان دو گھنٹوں میں رومیصہ نے وہاں سے نکلنے کا ہر طریقہ سوچ لیا۔ لیکن وہ اس کے پرکاٹ کے پنجرے میں بند کر کے گیا تھا۔ کوئی روشن دان' کوئی کھڑکی ایسی نہیں تھی جس سے وہ مدد لے سکتی چھت کا پنکھا بھی خاصے فاصلے پر تھا اور کوئی راہ فرار نہ پا کر وہ مایوسی سے بیٹھ گئی اور دل ہی دل میں اس کے ایکسیڈنٹ کی دعائیں مانگنے لگی۔
وہ واقعی اپنی زبان کا پکا نکلا تھا۔ دو گھنٹوں میں ہی ایک نکاح خواں کے ساتھ اور کچھ گواہان کے ساتھ اس کی واپسی ہوئی تو رومی کو اپنی موت سامنے نظر آنے لگی۔ وہ ایک عجیب سی رات تھی' رومی کسی سنگی مجسمے کی مانند ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔
اسے پتا ہی نہیں چلا' کب اس اجنبی شخص کا نام اس کی سماعتوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی مانند انڈیلا گیا' اس نے ایک دفعہ پھر ہمت کرنا چاہی لیکن اس کی سرخ گھورتی آنکھیں اور پینٹ کی جیب سے جھلکتی ریوالور کی نوک نے اس سے وہ فیصلہ کروالیا' جو وہ عام حالات میں کرنے کے بارے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اذیت سے بے حال ہوتے وجود کے ساتھ کب اس نے اپنا سر ہلایا اور ساکن پلکوں کے ساتھ سامنے رکھے پیپرز پر سائن کر دیے۔ وہ اب کسی فاتح کی طرح اس کے سامنے کھڑا تھا۔
"یہ سب کیا تھا۔۔۔؟" رومی کو لگا' وہ کوئی خوفناک خواب دیکھ رہی ہے۔
"ٹوٹل ڈراما۔" وہ قہقہہ لگا کر اس کی حالت پر ہنسا اور رومیصہ صدمے کی کیفیت میں اسے دیکھتی رہ گئی۔
اس شخص کا نام انتہائی عجیب انداز میں اس کے نام کے ساتھ جڑ چکا تھا اور اسے یہ سوچنے پر مجبور کر گیا کہ اگر جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں تو کیا اس کا ملاپ اسی طور ہی کاتب تقدیر نے لکھا تھا۔ کتنی عجیب تھی اس کی قسمت اور اس سے بھی عجیب تھا اس کا ہم سفر' جو نکاح جیسے مقدس کام کو کھیل بنا کر خود ایک دفعہ پھر غائب ہو گیا تھا۔ وہ ابھی تک اسے سمجھ نہیں پائی تھی۔

☼ ☼ ☼

شہرزاد کو لگا جیسے وہ کسی بند گلی میں کھڑی ہو۔!
اس نے پورے چوبیس گھنٹے کے بعد انتہائی مایوسی کے عالم میں "ہم زاد" کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ اسے ابھی ابھی پتا چلا تھا کہ وقار درانی اپنی بیٹی کنزہ کو ملک سے باہر بھجوا چکا ہے اور یہ خبر اس کے اعصاب پر چابک کی طرح برسی تھی۔ مسز قریشی اور اس کا تمام تر اثر و رسوخ بے کار رہا تھا کیونکہ جس وقت وقار درانی کا وکیل ان دونوں سے ملاقات کے لیے آفس آیا ہوا تھا' ٹھیک اسی وقت کنزہ ایئرپورٹ پر تھی۔ اس خبر نے مسز قریشی کے بھی حوصلے پست کیے تھے اور وہ اس امید کے ساتھ گھر واپس آئی تھی کہ شاید ہم زاد اس کی کوئی مدد کر سکے لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ آج اس کے ستارے گردش میں تھے۔
"شہرزاد بات کر رہی ہوں۔۔۔" ہم زاد کی خاموشی سے گھبرا کر اس نے فوراً تعارف کروایا۔
"جی بولیں۔" دوسری طرف اس کا سپاٹ لہجہ سن کر اسے دھچکا لگا لیکن اس نے بہت جلد خود کو سنبھال لیا۔
"کچھ پتا چلا رومی کا؟" وہ ہلکا سا جھجک کر گویا ہوئی۔
"نہیں۔۔۔" وہ ہنوز سابقہ انداز میں اس سے گفتگو کر رہا تھا۔
"کیوں؟" شہرزاد پریشان ہوئی' اس مرحلے پر وہ ہم زاد کی ناراضی کی ہرگز متحمل نہیں ہو سکتی تھی اور یہ بات تو اس کی گمان کی آخری سرحدوں پر بھی نہیں تھی کہ وہ معمولی سی بات کو جواز بنا کر اس سے خفا ہو سکتا ہے۔
"اس لیے کہ میں بزی تھا۔۔۔"
"اوہ سوری۔۔۔!" وہ سچ مچ شرمندہ ہوئی۔
"دیکھو شہرزاد۔۔۔" وہ تحمل انداز میں گویا ہوا۔ "تمہاری جتنی ہیلپ میں کر سکتا تھا' وہ میں نے کر دی لیکن اب باقی چیزوں کے لیے تمہیں میرا سہارا ڈھونڈنے کے بجائے خود میدان میں نکلنا ہو گا۔" اس کے جملے اتنے تلخ نہیں تھے جتنا اس کا لہجہ رکھائی سے بھرپور تھا' شہرزاد کو لگا جیسے کسی نے اسے کھائی میں دھکا دے کر اوپر منوں مٹی پھینک دی ہو۔۔۔
"لیکن میں ابھی یہاں زیادہ لوگوں کو نہیں جانتی؟" وہ روہانسی ہوئی۔
وہ شخص اس کی لاٹھی تھا جسے پکڑ کر وہ زندگی کے نشیب و فراز طے کرتی تھی' وہ اس کی آنکھوں کی بینائی تھا جس سے وہ دنیا کو دیکھتی تھی' وہ اس کی سماعت تھا جس سے وہ اپنی من پسند دھنیں سنتی تھیں اور جب اس نے بے رخی سے اپنا ہاتھ چھڑایا تو اسے لگا وہ اندھی گونگی اور بہری ہو گئی ہے۔ محبت نے اسے وہاں لا کر زمین کی پستیوں میں پٹخا تھا جہاں اسے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھنے کے لیے صدیاں درکار تھیں۔
"آپ جو کہنا چاہتے ہیں۔ کھل کر کہیں۔۔۔" اس کے دماغ میں آندھیوں کے بہت سے جھکڑ ایک ساتھ چلے۔
"آپ کے پاس ارتضیٰ حیدر سے زیادہ ذہین' ہینڈسم اور سب سے بڑی بات سامنے آ کر بات کرنے کی ہمت رکھنے والا۔" وہ اسی کے الفاظ بہت بے رحمی سے اس پر اتار رہا تھا۔ "آپ کو اس کی موجودگی میں کسی اور کی ہیلپ کی ضرورت تو نہیں ہونی چاہیے۔" ہم زاد کی بات نے اسے سن کر دیا' کئی لمحوں تک اسے کوئی لفظ نہیں مل سکا۔ دونوں کے درمیان ایک بوجھل سی خاموشی کا مختصر سا وقفہ آیا۔
"ٹھیک کہتے ہیں آپ۔۔۔" شہرزاد نے لمبا سانس خارج کر کے مسکرانے کی ناکام کوشش کی لیکن اس کی آنکھیں نمکین کھارے پانی سے بھر گئیں لیکن اس نے بھی آج ساری کسر نکالنے کی قسم کھا رکھی تھی۔
"شہرزاد۔۔۔ میں کبھی غلط نہیں کہتا۔۔۔"
"ہاں' آپ غلط کہتے نہیں' بس چیزوں کو غلط سمجھتے ہیں۔ اینی ہاؤ' آپ نے واقعی بہت ہیلپ کی میری' باقی چیزوں کو اب میں خود دیکھ لوں گی۔" اس دفعہ شہرزاد نے نہ صرف اس کی کال کاٹی تھی بلکہ ایک لمحے کو اپنا دل بھی کاٹ کر دور پھینک دیا تھا۔

ہم زاد کا لہجہ اور تلخ الفاظ اس کی انا پر ایک چابک کی مانند برسے تھے' وہ کبھی بھی دوسروں سے مدد لینے کے قائل نہیں رہی تھی لیکن پاکستان آنے کے بعد یکے بعد دیگرے ہونے والے واقعات نے اسے بوکھلا دیا تھا اور وہ لاشعوری طور پر اپنی ہر چیز کے لیے ہم زاد کی طرف دیکھنے لگی تھی' آج وہ قصہ بھی تمام ہو گیا تھا۔ اس نے بے چارگی سے اپنے گال سے ٹپکنے والے اس واحد آنسو کو پونچھا جو اس کی ضبط کی انتہا کو عبور کر کے باہر نکلا تھا۔

اس نے دیوار میں نصب گھڑیال میں وقت دیکھا۔ سوئی بارہ بج کر ایک منٹ پر تھی۔ ایک نئے دن کا آغاز ہو چکا تھا۔ فیصلہ کن انداز میں اس نے سائیڈ میز پر رکھا ٹائم پیس اٹھایا اور وقت کو وہیں مقید کر دیا۔ اس کی سوئیاں اس کے دھڑکتے ہوئے دل کی طرح ساکن ہو گئی تھیں۔

بارہ بج کر ایک منٹ کا وقت اس گھڑی میں اور اس کی زندگی میں تھم گیا تھا۔

اس نے اپنے سیل فون کی لسٹ میں ہم زاد کا نمبر نکالا اور غور سے دیکھا' ایک لمبا سانس لے کر اندر کی کثافت کو باہر نکالنے کی بھرپور کوشش کی اور پھر اس نے دل پر پتھر رکھ کر وہ نمبر اپنی کانٹیکٹ لسٹ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈیلیٹ کر دیا۔

شہرزاد کو لگا ایک دفعہ پھر اس کی روح آزاد ہو گئی ہے۔ آج سے آٹھ سال پہلے بھی وہ اس کی زندگی سے دبے پاؤں نکل آئی تھی اور اس نے اپنے سارے جذبے' ایک تابوت میں ڈال کر اس پر "انا" کا قفل لگا دیا تھا۔ ہر رات وہ اس قفل پر ہاتھ پھیر کر اپنا ضبط آزماتی اور اس محبت پر فاتحہ پڑھتی' جس سے وہ خود انگلی چھڑا کر چلی آئی تھی۔ اس شخص کی ناراضی نے پہلی دفعہ اسے باور کروایا تھا کہ محبت انسان کو بزدل بنا دیتی ہے اور پھر وہ ساری زندگی بہادر ہونے کا ڈھونگ رچاتا ہے اور وہ ڈھونگی بننے کے بجائے اپنی زندگی خود جینا چاہتی تھی تب ہی اس رات اس نے ایک دفعہ پھر دل کو ٹھوکر لگا کر کسی گہری کھائی میں پھینکا' ہاتھ جھاڑ کر کھڑی ہوئی۔ ایک دفعہ پھر وہ زمانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

فریش ہو کر وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تو لاؤنج میں شلتی ٹینا بیگم اس کی طرف دیکھ کر تیر کی طرح لپکیں۔ غصے اور بے بسی کے گہرے احساس نے ان کے چہرے کے اچھے خاصے جاذب نظر نقوش کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے شیری! وہ کنزہ کا باپ' خبیث انسان' اپنی بیٹی کو صابن میں سے تار کی طرح نکال کر لے گیا ہے۔" بے فکر رہیں' انٹرپول کے ذریعے بھی بلوانا پڑا تو لے آؤں گی۔" وہ تیزی سے اپنی ای میلز کو چیک کرتی ہوئی کاؤچ پر آ بیٹھی۔

"او مائی گاڈ' تم جانتی تھیں' اس نے لندن بھجوایا ہے کنزہ کو۔" ٹینا بیگم کی آنکھیں حیرت کے اظہار کے طور پر مکمل کھل گئیں۔

"ہاں' اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ لندن کے کس علاقے میں ہے' ایڈریس کل شام تک مل جائے گا۔" اس نے ٹینا بیگم پر ایک اور بم گرایا۔

"گڈ' جیسے ہی ملے فوراً ٹیکسٹ کرنا میں سیفی کو فارورڈ کر دوں گی۔" ان کا بے ساختہ انداز شہرزاد کو کوفت میں مبتلا کر گیا۔

"لیو اٹ سام' اس سے پہلے انہوں نے کیا کیا ہے' جواب کوئی اور پہاڑ توڑیں گے۔" وہ بیزاری سے سر جھٹک کر کھڑی ہوئی۔

"رومی کی ضمانت انہوں نے کروائی تھی۔" انہوں نے فوراً یاد دلایا۔

"وہ تو ایک عام سا وکیل بھی کروا سکتا تھا۔" شہرزاد نے چٹکیوں میں ان کی بات کو اڑایا اور جلدی سے اپنی فرینڈ رودابہ کو کال ملائی' وہ اس سے اگلے دن کے لنچ کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی' جو اس کے گھر میں خاصے اعلا

پیانے پر تھا۔

ساری رات اس نے رومی کے کیس پر کام کرتے ہوئے گزاری تھی اس کے دماغ کی کئی گرہیں ایک ساتھ کھلی تھیں۔

ساری رات کام کرنے کے بعد بھی وہ اگلے دن لنچ پر جانے کے لیے بالکل تازہ دم تھی۔

آف وائٹ کلر کے نیٹ کے سوٹ میں اس کے بال فرنچ ٹیل کی صورت میں بندھے ہوئے تھے' وہ ہلکی سی لپ اسٹک لگا کر نیچے اتری تو سامنے ثینا بیگم ملازمہ کو چائے کی ٹرالی اندر لانے کا حکم دے رہی تھیں۔

"کون آیا ہے۔۔۔؟" اس نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"آئی جی پنجاب۔۔۔" ثینا بیگم کی ساری توجہ اس ٹرالی کی طرف تھی' جو ملازمہ کچن سے لا رہی تھی۔

"کس کے ساتھ؟" اپنی آئی فون پر تیزی سے چلتی اس کی انگلی ایک لمحے کو ساکت ہوئی۔

"آف کورس ہیفی کے ساتھ آئے ہیں وہ۔۔۔ کلاس فیلوز رہے ہیں وہ دونوں ایچی سن کالج میں۔۔۔"

شہرزاد نے اب چونک کر ثینا بیگم کی خصوصی تیاری کو دیکھا' پنچ کلر کی سلک کی شارٹ شرٹ کے ساتھ وہ ٹراؤزر پہنے ہوئی بڑا نفیس سا میک اپ کیے ہوئے تھیں۔ انہوں نے شہرزاد کی محویت کو محسوس کر کے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کی تیاری دیکھ کر بھی وہ ہلکا سا ٹھٹکیں۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"رودابہ کے ہاں لنچ ہے' کافی سارے کلاس فیلوز انوائیٹڈ ہیں وہاں کونوینٹ ڈور کے۔۔۔"

"یہ تمہاری وہی فرینڈ ہے ناں' جس کا باپ فارن منسٹری میں ہے۔" ثینا بیگم کی یادداشت غضب کی تھی۔

شہرزاد نے اثبات میں سر ہلا کر سائیڈ میز پر رکھی گاڑی کی چابی اٹھائی۔

"ان سے بات کرنا رومی کے سلسلے میں۔۔۔" شہرزاد کو ان کے دمکتے چہرے پر موجود آنکھیں اس لمحے خاصی اداس لگیں۔

"اوکے' میں ڈرائیور کو لے کر جا رہی ہوں ساتھ' شاید واپسی پر دیر ہو جائے۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ رکی نہیں اور فوراً نکل آئی۔

رودابہ کے ہاں لنچ پر شہر کی کریم اکٹھی تھی۔ یہ محفل اس حوالے سے بھی شہرزاد کے لیے مفید رہی کہ اسے اپنے بہت سے کلاس فیلوز سے اچھی ہیلو ہائے کرنے کا موقع مل گیا تھا اور ان میں سے اکثریت ایسی ہائی فائی پوسٹس پر کام کر رہی تھی جو شہرزاد کے لیے مستقبل میں کافی کام آ سکتی تھیں' چنانچہ اس نے پہلی دفعہ اس بات کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور رودابہ نے اس کے ساتھ مکمل تعاون کیا تھا۔ وہ اسے فرداً فرداً سب سے ملوا رہی تھی۔ اسی شام' وہ رودابہ اور اپنے ایک کلاس فیلو کے ریفرنس سے ایک بھرپور قسم کی پریس کانفرنس کا انعقاد کروا چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ شخص اس کی زندگی کی سب سے خوب صورت دھن تھی' جو کسی اور کے ساز پر بج رہی تھی۔

انابیہ اس وقت یونیورسٹی کے کیمپس میں تھی اور اس نے اپنے ڈپارٹمنٹ کے باہر بوگن ویلیا کے گلابی پھولوں کے نیچے کھڑے بریان اور مناہل کو اذیت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ اس وقت اس سے کوئی پوچھتا کہ دنیا کا سب سے مشکل کام کیا ہے تو وہ بغیر سوچے سمجھے کہہ دیتی۔

"اپنے محبوب کو کسی اور کے ساتھ دیکھنا۔۔۔"

بینچ پر بیٹھے بیٹھے اس نے ٹیک لگا کر کرب کے احساس کو کم کرنے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

مناہل نے شرارت سے بوگن ویلیا کی بیل کو ہلکا سا جھٹکا دیا' بے شمار گلابی پھول ایک ساتھ دونوں پر گرے' وہ دونوں کھلکھلا کر ہنسے اور انابیہ کو ان کی ہنسی کا رنگ بھی گلابی ہی محسوس ہوا۔

"مجھے برہان سے اس ٹاپک پر کھل کر بات کرنی چاہیے۔" اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے ہی سوچا تھا۔

اسے لگا وہ اپنی طلب کا کشکول لیے اس شخص کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی' جو اپنی آنکھیں کسی اور کو دان کر چکا تھا' اسے دینے کے لیے اس کے پاس محض بانجھ لفظ' گونگی نظریں اور باسی دلاسے تھے۔ بے وقعتی اور نارسائی کی گرم ریت میں اس کا سارا وجود دھنس چکا تھا۔ رقابت کی گرم ہوا اس نے اسے جھلسا کر رکھ دیا تھا۔ کیمپس کے سارے درخت اسے اپنے اوپر ہنستے ہوئے محسوس ہوئے۔ تب اس نے جانا محبت کے سفر میں سب سے اذیت ناک اور قیامت خیز منظر اپنے محبوب کی آنکھوں کو کسی اور کے چہرے کا طواف کرتے دیکھنا ہوتا ہے۔"

وہ دونوں ڈیپارٹمنٹ کے اس کونے میں کھڑے تھے جہاں آتے جاتے لوگوں کی نظریں کم ہی پڑتی تھیں اور اس نے برہان کو اکثر اسی جگہ پر مناہل قریشی کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے۔

"لو برڈز کا معائنہ کر رہی ہو؟" اس کی کالج کے زمانے کی فرینڈ کرن ایک دم ہی پیچھے سے آکر شرارت سے بولی۔ اس نے انابیہ کی نظروں کا محور ایک لمحے میں بھانپ لیا تھا۔ وہ اسی کے ڈپارٹمنٹ میں اس کی کلاس فیلو اور بہت اچھی دوست بھی تھی۔

"یار! ویسے تو سر برہان کی پرسنالٹی ہی ایسی ہے کہ کوئی بھی لڑکی آسانی سے ان کے عشق میں گرفتار ہو سکتی ہے لیکن انہیں کم از کم کیمپس میں محتاط رہنا چاہیے۔" کرن دھپ کر کے اس کے ساتھ ہی سنگ مرمر کے بینچ پر بیٹھ کر اپنی رائے کا اظہار کرنے لگی۔

"کون ہے یہ لڑکی۔" انابیہ نے انجان بن کر پوچھا۔

"جا کر پوچھ لو نا' آخر کو فرسٹ کزن ہیں تمہارے۔" کرن نے شرارت سے کہا۔ وہ ان دونوں کے نکاح سے لاعلم تھی۔

"اتنی بے تکلفی نہیں ہے میری ان کے ساتھ۔" انابیہ کی آواز کسی ٹوٹے ہوئے ساز کی طرح تھی۔ "ویسے بھی کیمپس تمہاری کزنز سے بھرا پڑا ہے' سب خبریں ہوتی ہیں ان کے پاس۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" وہ ہنس کر مزید گویا ہوئی۔ "یہ محترمہ مناہل قریشی صاحبہ ہیں۔ ایم ایس کا تھیسس کر رہی ہیں اور سنا ہے خاصی لائق اور اکثر پروفیسرز کی چہیتی ہیں لیکن اب صرف پروفیسر برہان کے ساتھ ہی نظر آتی ہیں۔" کرن کی معلومات خاصی تازہ تھیں۔

"ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو' صرف اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہو۔" انابیہ نے اپنے دل کو جلتے ہوئے تندور سے نکالنے کی کوشش کی۔

"یار! کون سی دنیا میں رہتی ہو تم' کیمپس کا ایک ایک بندہ جانتا ہے مناہل قریشی نے بی ایس میں ٹاپ کرنے کے بعد صرف سر برہان کے لیے ایم ایس میں ایڈمیشن لیا ہے۔" کرن انجانے میں اس کی دکھتی رگ کو چھیڑ گئی۔

"یہ تمہاری شکل کو کیا ہوا ہے۔" کرن نے چونک کر اس کا تاریک ہوتا چہرہ دیکھا۔

"کچھ نہیں۔"

وہ چاہ کر بھی اسے نہیں بتا سکی کہ میرا حوصلہ دیکھو' ظرف دیکھو اور برداشت دیکھو۔ اس شخص کا نام کاتب تقدیر نے اس کے نام کے ساتھ لکھا تھا مگر وہ اس سے رخ موڑے محبت کی نئی داستان لکھ رہا تھا اور بدقسمتی سے وہ اس

داستان کا صرف ایک ثانوی کردار تھی' جسے شروع کے صفحات میں مرجانا تھا۔

☼ ☼ ☼

شام چار بجے شہزاد پریس کلب پہنچ چکی تھی۔
اس کی پریس کانفرنس کی کوریج کے لیے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے بہت سے صحافی موجود تھے۔ اس نے اپنی تقریر کا آغاز بڑے دھواں دھار انداز میں کیا تھا۔ وہ بغیر کسی لگی لپٹی کے بولتی ہوئی یقیناً "بہت سے لوگوں کے پتے چھڑانے والی تھی اور میڈیا کو اگلے کئی دنوں کے لیے بہت ہی چٹ پٹا مسالا مل گیا تھا۔ ٹینا بیگم کو ہارون نے فون کر کے یہ اطلاع دی تو ایک دفعہ تو ان کا دماغ بھی بھک کر کے اڑ گیا کیونکہ شہزاد نے انہیں اپنے ارادوں سے باخبر نہیں کیا تھا اور یہ بات انہیں بہت بری لگی تھی۔
"تمہاری بیٹی کا دماغ خراب ہو گیا ہے بھلا کوئی اتنا بھی آؤٹ اسپوکن ہوتا ہے' اسے اندازہ نہیں ہے' یہ چیز اس کے گلے بھی پڑ سکتی ہے۔"
ہارون نے ٹینا بیگم کو اچھی خاصی تشویش میں مبتلا کر دیا۔ انہوں نے جلدی سے ٹی وی کھولا کیا جہاں پر شہزاد کی پریس کانفرنس براہ راست دکھائی جا رہی تھی' چونکہ اس میں عدلیہ اور فوج سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا ذکر تھا۔ اس لیے اکثر لوگ دلچسپی سے وہ تمام حقائق سن رہے تھے' جو شہزاد صرف اور صرف رومیصہ کی بازیابی کے لیے عوام الناس کو بتا رہی تھی۔ وہ اپنے ازلی پُرسکون انداز کے بجائے بڑے جارحانہ موڈ میں تھی۔ ٹینا بیگم کی خوب صورت پیشانی پر ایک ساتھ کئی بل پڑے۔ انہوں نے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی کی آواز بلند کی۔
درشہوار کی آواز پورے کمرے میں گونجنے لگی۔ "پاکستان میں لاقانونیت اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا چرچا تو بہت سنا تھا لیکن اس کا عملی مظاہرہ بھی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ میری سگی بہن رومیصہ سہگل کو ایک سازش کے تحت بریگیڈیئر وقار درانی کی بیٹی کنزہ درانی نے پھنسایا اور پھر چند لوگوں کے ساتھ مل کر صرف اس وجہ سے اسے "کڈنیپ" کروایا تاکہ رومیصہ کورٹ میں اصل حقائق بیان نہ کر دے۔"
"اوہ مائی گاڈ۔۔۔!" ٹینا بیگم پریشان ہوئیں۔
"میری بہن کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے جسٹس محمود علی کے کرپٹ بیٹے روحیل کے ناپاک عزائم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ جان بچا کر وہاں سے بھاگی اور روحیل نے قتل کرنے کی نیت سے اس کا تعاقب کیا۔" شہزاد کی اس بات پر ٹینا بیگم نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔
"اس کے باوجود وہ اپنی غلطی سے بائیک سے گر کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ یہ بات پیٹرولنگ پولیس اچھی طرح جانتی ہے کہ روحیل جس گاڑی سے ٹکرایا' وہ میری بہن کی ضرور تھی لیکن اسے اس وقت بریگیڈیئر وقار درانی کی بیٹی چلا رہی تھی۔" شہزاد نے اس پریس کانفرنس میں کنزہ اور روحیل دونوں کے خاندانوں کو اچھی طرح سے دھو ڈالا تھا۔
"لیکن میں اس پریس کانفرنس کے ذریعے ان تمام لوگوں کو یہ پیغام دینا چاہتی ہوں کہ جب تک رومیصہ سہگل کو انصاف نہیں ملے گا اور اسے بازیاب نہیں کروایا جائے گا' تب تک نہ میں خود سکون سے بیٹھوں گی اور نہ کسی اور کو بیٹھنے دوں گی۔ اگر کسی کے ذہن میں ایسی کوئی خوش فہمی ہے تو وہ دور کر لے۔" شہزاد اپنا موقف بیان کر چکی تھی۔
"میم! رومیصہ سہگل' اگر آپ کی بہن نہ ہوتیں تو کیا آپ تب بھی اس کیس کو اتنا ہی ہائی لائیٹ کرتیں۔"
ایک صحافی کے منہ سے نکلنے والے اس بے تکے سوال نے اس کا دماغ گھما کر رکھ دیا لیکن وہ ضبط کا کڑوا گھونٹ پی کر

بڑے تحمل سے گویا ہوئی۔
"ایک لمحے کو بھول جائیے کہ رومیصہ سہگل سے میرا کیا رشتہ ہے۔ وہ کس کی بیٹی یا کسی کی بہن ہے۔ صرف یہ ذہن میں رکھیے کہ وہ ایک انسان ہے اور جس کا یہ آفاقی حق ہے کہ اس کے ساتھ قانون کے مطابق معاملہ کیا جائے۔"
"آپ کو ان کے اغوا والے معاملے میں کس پر شک ہے۔ بریگیڈیئر وقار درانی پر یا جسٹس محمود احمد پر؟" ایک اور سوال آیا۔
"ویسے تو وقار درانی پر لیکن یہ ان دونوں خاندانوں کی ملی بھگت بھی ہو سکتی ہے۔"
"لیکن کنزہ تو ملک سے باہر جا چکی ہیں ایسی صورت میں آپ کا اگلا لائحہ عمل کیا ہو گا۔۔۔؟"
"ان کا پورا خاندان تو یہیں ہے اور انہیں ہر حال میں اور ہر قیمت پر اپنی بیٹی کو واپس لانا ہو گا۔"
وہ بڑے تحمل سے سوال و جواب کا سیشن پورا کر کے پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔ اس نے اپنے بیگ سے اپنا سیل فون نکال کر جیسے ہی آن کیا، حسب توقع اس پر آنے والی پہلی کال ٹینا بیگم کی تھی، جو اس وقت سخت غصے میں تھیں۔
"یہ پریس کانفرنس کرنے کا مشورہ تمہیں کس پاگل نے دیا تھا۔" ٹینا بیگم ایک دم ہی اس پر برس پڑیں۔
"مسز عالیہ قریشی نے۔۔۔" شہرزاد کے جواب نے انہیں تھوڑا دھیما کیا۔
"لیکن اس موقع پر یہ کوئی مناسب مشورہ نہیں تھا۔ اب کنزہ اور روحیل کے خاندان ایک ہو جائیں گے۔ تم نے دونوں کو ایک ساتھ چھیڑ کر اپنے پیچھے لگا لیا ہے، پتا نہیں کہاں سے لے کر آئی ہو تم یہ سٹری کی ڈگری۔"
"آئی ایم سوری مام میں اب مزید خاموش نہیں بیٹھ سکتی۔ ہمیں اپنی جنگ اب کھل کر لڑنی ہے۔" وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھی۔
"لیکن وہ لوگ رومیصہ کے بعد تمہیں بھی کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔" وہ خوفزدہ تھیں۔
"یہ پیش گوئی یقیناً مولانا ہارون رضا کی ہو گی۔" اس کے طنزیہ انداز پر ٹینا بیگم پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔
"ڈارلنگ ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ، معاملہ کورٹ میں ہے۔" وہ ہلکا سا جھنجلائیں۔
"اور میری بہن ان کے قبضے میں ہے، آپ یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہیں۔ وہ زندہ ہے یا نہیں، کسی کو اس کی خبر نہیں اور آپ کہتی ہیں، میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤں۔ نو نیور مام، اٹس انف ناؤ۔" اس نے غصے سے گاڑی کا دروازہ بند کیا۔
"تمہاری ان دھمکیوں کے بعد اگر روحی کو کوئی اور نقصان پہنچا تو۔" وہ جھنجلا سی گئیں۔
"اب اس سے زیادہ کیا نقصان پہنچائیں گے وہ؟ اتنے دن سے وہ غائب ہے۔ یہ کالک جو اس کے وجود پر مل دی گئی ہے، دنیا کا کوئی بہترین سوپ بھی اسے نہیں اتار سکتا۔" شہرزاد کی بات نے انہیں لاجواب کیا۔ ڈرائیور گاڑی چلا چکا تھا اور وہ اب پریس کلب کی حدود سے نکل چکی تھی۔
"پلیز مام، تھوڑا ریلیکس رہیں، اب مزید برا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اپنے نروز کو کنٹرول میں رکھیں اور فار گاڈ سیک فضول لوگوں کی بے تکی باتوں پر کان دھرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔" شہرزاد نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔
"اب جا کر کوئی اینٹی ڈپریسنٹ لیں اور سو جائیں میں آ کر بات کرتی ہوں، مسز قریشی کی کال آ رہی ہے بیچ میں۔"
اس نے فوراً ہی فون بند کر کے جیسے ہی اگلی کال اٹینڈ کی۔ دوسری طرف مسز قریشی خاصی خوش تھیں۔
"دیٹس گریٹ، شیری، تم نے تو چھکے چھڑوا دیے، وقار درانی اور جسٹس محمود کے۔۔۔" عالیہ قریشی نے اسے کہا

دل سے سراہا تو وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دی۔ یہ تو صرف وہی جانتی تھی کہ اس وقت اسے کتنے محاذوں پر لڑنا پڑ رہا تھا۔

"تھینک یو میم۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"فوراً" آفس پہنچو ارتضیٰ ویٹ کر رہا ہے تمہارا۔" انہوں نے تھوڑی سی رسمی گفتگو کے بعد فون بند کر دیا۔

"سنا ہے بڑے لوگوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں آپ نے۔" وہ جیسے ہی اپنے آفس پہنچی ارتضیٰ بے تکلفی سے کوئی فائل کھولے وہیں موجود تھا۔

"کاش نیندیں حرام ہونے کے بجائے کچھ لوگوں کے ضمیر جاگ جائیں تو بہت سوں کی زندگی آسان ہو جائے۔" وہ مسکرائی اور اپنا بیگ میز پر رکھ کر اس نے لمبا سانس لیا۔

"کوئی اپ ڈیٹ۔؟" اس نے میز پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا۔

"ہاں ہے تو سہی۔" وہ مسکرایا۔ "رومیصہ کو جس گاڑی میں کڈنیپ کیا گیا تھا' وہ ٹریس ہو گئی ہے۔" ارتضیٰ کی اگلی اطلاع پر ہلکا سا چونکی۔

"یقیناً" چوری شدہ ہو گی یا نمبر پلیٹ غلط ہو گی۔" اس کے پرسکون انداز پر وہ اتنا حیران ہوا کہ مسکرانا ہی بھول گیا۔

"آپ کو کس نے بتایا۔؟"

"دوست ہوں یا دشمن' عقل مند ہی اچھے لگتے ہیں۔ بے وقوف تو خود بھی ذلیل ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی کروا تے ہیں۔" اس نے لاپرواہ انداز میں کہہ کر۔ انٹر کام پر آنے والی کال لی' جو اس آفس کی ریسپشن سے آئی تھی۔

"جی فرمایئے۔"

"میم شیری! آپ کے لیے کال ہے۔ بریگیڈیئر وقار درانی کے اسسٹنٹ کی' وہ بات کرنا چاہتے ہیں آپ سے۔" ریسپشن پر موجود لڑکی کی اطلاع پر وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی۔

"آپ وقار درانی کے اسسٹنٹ سے کہیں میں میٹنگ میں بزی ہوں' ابھی بات نہیں کر سکتی۔" اس نے انٹر کام بند کر دیا۔

"اونو۔۔۔ وقار صاحب کی کال تھی' آپ کو اٹینڈ کرنی چاہیے تھی۔" وہ ہلکا سا بے چین ہوا۔

"جلدی کیا ہے' تھوڑا ان کو بھی پریشان ہونے دیں' آپ یہ بتائیں کافی لیں گے؟" اس نے مسکراتے ہوئے سائیڈ میز پر رکھا کافی میکر آن کیا۔

"کیا چل رہا ہے آپ کے دماغ میں؟" وہ تھوڑا سا پریشان ہوا۔

"کچھ نہیں بس آج کل کو نوینٹ ورکی ٹیچر مس ماریانا کی ایک بات بہت یاد آتی ہے مجھے۔"

"کیا۔؟" وہ محتاط انداز میں گویا ہوا۔

"چاہے جنگ ہو یا زندگی کے معاملات ہمیشہ وہی شخص جیتتا ہے جو صبر کی کنجی تھام کر اپنے اعصاب کو قابو میں رکھے اور یہ سوچ کر خود کو ریلیکس رکھے کہ زیادہ سے زیادہ کیا ہو جائے گا۔ یہ سوچ انسان کو بہت مثبت انرجی دیتی ہے۔" شہرزاد متانت سے مسکرائی۔

"ہاں یہ واقعی اعصاب کی جنگ ہوتی ہے۔" ارتضیٰ حیدر فوراً" متفق ہوا۔ "کنزہ درانی کا ایڈریس مل گیا آپ کو؟"

"جی بالکل۔" اس نے کافی کا کپ اس کی طرف بڑھایا۔

"ماشاءاللہ بہت تیز سروس ہے آپ کی۔۔۔" وہ متاثر ہوا۔
"مانا کہ ارتضیٰ حیدر' میرے ہاتھ ابھی بندھے ہوئے ہیں پاکستان میں' لیکن لندن میں تو آٹھ سال گزارے ہیں میں نے الحمدللہ بہت مہربان دوست ہیں وہاں' جو ایک کال پر بڑے بڑے کام کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔" شہرزاد کے جتاتے ہوئے انداز پر وہ ہلکا سا مسکرایا۔
"آپ نے ان چند دنوں میں بیورو کریسی اور وکلاء برادری کو جس طرح ہلایا ہے' آنے والے دنوں میں آپ کی رفتار کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہوں میں۔" اس نے کھلے دل سے اسے سراہا۔
"تھینکس۔۔۔" اس نے کافی کا پہلا گھونٹ بھر کر کپ میز پر رکھا۔ "رومیصہ کیس کی فائل لائے ہیں آپ؟"

"جی بالکل' کچھ نئے پوائنٹس ایڈ کیے ہیں میں نے' وہ آپ بھی دیکھ لیں' پھر میم عالیہ سے بھی مشورہ کر لیتے ہیں۔" دونوں ایک دفعہ پھر اس کیس میں الجھ گئے جس نے بہت سے لوگوں کو ایک ساتھ مشکل میں ڈال رکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

درشہوار نے پردہ سرکا کر کھڑکی کے پٹ وا کیے۔۔۔
مری کی فضاؤں میں خوشگوار سی خنکی تھی' ماحول میں کچی کیریوں کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ شاید ارجمند بیگم نے اچار کی پھانکیں دھوپ میں بچھی چارپائی پر پھیلا رکھی تھیں۔
درشہوار نے بے چین نظروں سے ہادی کے کمرے کی بند کھڑکیوں کی طرف دیکھا اور ایک لمبی آہ بھری' جس میں بے شمار حسرتیں پنہاں تھیں۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کب طوبیٰ اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔
"کمرے کی بند کھڑکیاں ہوں یا دل کے دروازے' ایک دفعہ بند کر دیے جائیں تو کبھی نہیں کھلتے۔" طوبیٰ نے اپنی طرف سے اس پر جلتے ہوئے انگارے اچھالے تھے۔ دوسری طرف درشہوار کے چہرے پر ایک تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"محبت میں سچائی اور لگن ہو تو اس کے آگے دیوار چین بھی نہیں ٹھہر سکتی۔" اس کے پُراعتماد انداز پر طوبیٰ ایک لمحے کو گڑبڑا گئی۔
"ہر چیز کی کوئی نہ کوئی حد ہو سکتی ہے لیکن تمہاری خوش فہمیاں لامحدود ہیں' سمندر کی گہرائی کی طرح۔" اس نے سلگ کر کہا۔
"یہ طنز کے تیر پھر سالینا' میرے ساتھ ذرا چلو مال روڈ تک۔۔۔" درشہوار کی بات پر وہ بدک کر دو قدم پیچھے ہٹی۔
"آئی ایم سوری' میرا آج پھر بے عزت ہونے کا کوئی ارادہ نہیں۔" اس نے صاف انکار کیا۔
"سوچ لو' کل کو تمہیں بھی کوئی کام پڑ سکتا ہے۔" درشہوار نے صاف صاف الفاظ میں اسے دھمکایا۔
"کل کی کل دیکھی جائے گی' فی الحال میں کوئی نئی شرارت افورڈ نہیں کر سکتی' آج کل تو بابا بھی یہیں ہیں' اور ان سے مزاج بھی ان کا سوا نیزے پر ہے۔" طوبیٰ نے خاقان علی کے خراب موڈ کی طرف اشارہ کیا' وہ جب سے مری آئے تھے خوب تپے ہوئے تھے۔
"صرف پانچ منٹ کا کام ہے۔ ٹی سی ایس آفس تک' پلیز چلی چلو۔" درشہوار نے اس بار التجائیہ انداز اپنایا تو وہ چونک گئی۔
"وہاں کیا کرنے جانا ہے۔۔۔؟"
"ہادی کا برتھ ڈے ہے کل' کیک اور پھول بھجواؤں گی اسے۔۔۔" اس کی اگلی بات پر طوبیٰ کا دماغ بھک کر کے

ازا۔ اس نے ایسی نظروں سے اس کی طرف دیکھا جیسے واقعی اس کے دماغ کی خرابی کا یقین آگیا ہو۔
"کوئی وحی نازل ہوئی تھی جناب پر یا سچا خواب آیا تھا اس کے برتھ ڈے کا؟"
"سوشل میڈیا سے پتا چلا ہے یار' ارسل کے فیس بک اکاؤنٹ کی فرینڈ لسٹ میں دیکھا تھا میں نے۔" درشہوار نے مسکرا کر اپنا کارنامہ بتایا۔
"ویسے کبھی کبھی میں سوچتی ہوں' تمہیں اپنا کوئی انسٹی ٹیوٹ کھول کر ڈھٹائی اور چھچھورپن کے اسپیشل کورسز آفر کرنے چاہئیں۔" طوبیٰ نے اسے جی بھر کر شرمندہ کرنا چاہا۔
"محبت میں انسان کو سب سے پہلے اپنی عزت نفس کو ہی کچلنا پڑتا ہے میری جان!" درشہوار نے اس کی بڑبڑاتی بھرے الفاظ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے فوراً ہی نکال دیے تھے۔
"یہ تمہارا پوائنٹ آف ویو ہو سکتا ہے میرا نہیں میں تو کبھی اس چیز پر کمپرومائز نہ کروں محبت جائے بھاڑ میں' عزت نفس ہی نہ رہے تو کیا فائدہ ایسی زندگی کا۔" طوبیٰ نے صاف گوئی سے کہا۔
"یہ لیکچر گھر واپس آکر دے لینا' جلدی اٹھو' واپسی پر کے ایف سی سے برگر کھلاؤں گی۔" درشہوار نے اسے لالچ دیا۔
"اس کے بدلے میں تھوڑی سی غیرت خرید کر کھا لینا کہیں سے۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔
"بکو مت' ایویں ڈپٹی نذیر احمد کے ناول کی اصغری نہ بنا کرو۔" درشہوار نے تازہ تازہ پڑھے ہوئے ناول مراۃ العروس کا حوالہ دیا۔
"یاد رکھنا' تمہارا کیک اور پھول اٹھا کر منہ پر مارے گا وہ تمہارے۔" طوبیٰ نے بادل نخواستہ اٹھتے ہوئے اسے خبردار کیا۔
"کوئی بات نہیں' ذرا سستا سا کیک بجوا دوں گی' تاکہ معاشی دکھ تھوڑا کم ہو۔" وہ ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے اسے چڑا گئی۔ طوبیٰ ایک دفعہ پھر غصے سے کاؤچ پر بیٹھ گئی' درشہوار نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔ "اب کیا موت آنی ہے تمہیں؟"
"ایسا کرو' نمیرہ کو لے جاؤ اپنے ساتھ۔" اس نے مفت مشورہ دیا۔
"اس پی پی سی مری کو اپنے لے جانے کا مطلب سمجھتی ہو تم؟" درشہوار نے طنزیہ انداز میں مزید اضافہ کیا۔
"ایک گھنٹے میں اس شہر کی ہر سڑک پر اشتہار لگ جائیں گے میرے' ویسے تو میں اس سے بھی نہیں ڈرتی لیکن ایک طرفہ محبت میں بندہ آخر کتنی ذلت اکیلے اٹھائے۔" درشہوار کی بات پر اسے نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آگئی اسے دیکھ کر وہ پھیل گئی۔
"چل میری بہن' جلدی سے اٹھ' اللہ تیرے دل کی مراد پوری کرے۔" درشہوار نے جلدی سے اس کا بازو پکڑ کر اسے اٹھایا۔
"یہ آخری دفعہ ہے۔" طوبیٰ نے ہمیشہ کی طرح اسے دھمکی دی۔
"ہاں ہاں' بے فکر رہو۔" درشہوار نے بھی ہمیشہ کی طرح اسے بہلایا اور اپنا بیگ اٹھا کر کمرے سے نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

ایک انتہائی مصروف ترین دن گزار کر شہزاد گھر پہنچی تو ایک نیا ہنگامہ اس کا منتظر تھا۔
سامنے آسٹریلوی گھاس کے باغیچے میں مصنوعی آبشار کے پاس ہارون رضا بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ اس کی گاڑی دیکھ کر وہ تیر کی سی تیزی سے اس کی طرف آئے۔ ان کے چہرے اور آنکھوں سے برہمی چھلک رہی تھی۔

شہزاد نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔
"اپنی مام کو سمجھالو' اچھا نہیں کر رہیں وہ میرے ساتھ۔" ہارون رضا کی شکایت پر اس کی سنہری آنکھوں میں ناگواری در آئی۔
"کیا مطلب ہے آپ کا؟"
"فار گاڈ سیک اس کو سمجھاؤ' وہ مسلسل اگنور کر رہی ہے مجھے۔" وہ بیزاری سے گویا ہوئے۔
"آپ نے یہ شادی کیا مجھ سے پوچھ کر کی تھی۔" شہزاد کے سپاٹ انداز پر ہارون رضا ایک دم خفت کا شکار ہوئے۔
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔۔۔" انہوں نے بات ادھوری چھوڑی۔
"یہ آپ دونوں کا ذاتی معاملہ ہے۔ بہتر ہو گا کہ آپ لوگ ہی بیٹھ کر نبٹالیں اسے۔ میرے پاس آل ریڈی مسائل کا انبار ہے۔" وہ بے تاثر نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتی ہوئی ان کو اچھا خاصا برہم کر گئی۔
وہ ان کی ذہنی حالت کا بخوبی اندازہ کر سکتی تھی۔ ٹینا بیگم بھی ہارون کو ٹف ٹائم دینے سے باز نہیں آتی تھیں اس کے باوجود ان کی ڈھٹائی کو پھر سات سلام تھے۔ ہر دفعہ انسلٹ کروانے کے بعد وہ پھر کچھ دن بعد وہیں موجود ہوتے۔
"پلیز تمہیں کروان سے تمہاری تو وہ پھر بھی سن لیتی ہے۔" اس دفعہ انہوں نے التجائیہ انداز اپنایا۔
"اوکے۔۔۔" شہزاد نے گویا ہتھیار ڈال دیے۔
"آپ ویٹ کریں یہیں بیٹھ کر۔۔۔"
وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی اور سامنے لاؤنج میں بیٹھے سیف الرحمٰن کو دیکھ کر اسے ہلکا سا جھٹکا لگا۔ ناپسندیدگی اس کے چہرے پر در آئی کیونکہ اس سے پہلے ان کی آمد و رفت ڈرائنگ روم تک محدود تھی اور شہزاد نے آج تک ان کا صرف تذکرہ ہی سنا تھا۔ یہ ان دونوں کی پہلی روبہ رو ملاقات تھی۔ شہزاد کو دیکھ کر ٹینا بیگم پُرجوش انداز میں کھڑی ہوئیں۔
"سیفی! یہ میری بڑی بیٹی ہے شیری۔۔۔"
"شہزاد۔۔۔ ابھی نام بتایا تھا ناں آپ نے مجھے۔" ان کا لہجہ خاصا نفیس اور آنکھوں میں ایک نرم سا تاثر ابھرا۔
"السلام علیکم۔۔۔" شہزاد نے ہلکا سا سر خم کر کے بیزاری سے سلام کیا اور ٹینا بیگم کی طرف متوجہ ہوئی۔
"ایک دو گھنٹے تک مجھے ارفضی کے آفس کے لیے نکلنا ہے' آپ چلیں گی ساتھ؟"
"میرے لیے تھوڑا مشکل ہو گا۔۔۔" ٹینا بیگم ہلکے سے تذبذب کا شکار ہوئیں۔
"پریس کانفرنس بہت زبردست تھی آپ کی۔۔۔" سیف الرحمٰن ایک دم بولے تو شہزاد نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔
وہ پچاس اور پچپن سال کی عمر میں کنپٹیوں پر موجود سرمئی بالوں کے ساتھ ایک متاثر کن شخصیت کے حامل تھے اور ان کے بیٹھنے اور بات کرنے کا اسٹائل خاصا باوقار تھا۔
"تھینک یو۔۔۔" شہزاد نے سرسری انداز میں جواب دیا۔
"وقار ورانی تو خاصی ٹینشن میں آگئے ہیں؟" سیف الرحمن کی اس بات پر شہزاد اب مکمل طور پر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔
"آنا بھی چاہیے۔۔۔"
"انہوں نے رابطہ کیا ہے مجھ سے۔" انہوں نے مزید کہا۔

"اصولاً تو انہیں مجھ سے یا مام سے رابطہ کرنا چاہیے تھا۔" وہ متحمل انداز میں گویا ہوئی۔
"وہ جانتے ہیں کہ میرے فیملی ٹرمز ہیں آپ لوگوں کے ساتھ۔" وہ خاصے محتاط انداز میں شہرزاد سے مخاطب تھے۔

"جانتے تو وہ یہ بھی ہیں کہ ان کی بیٹی کتنا کچھ غلط کر کے گئی ہے' رومیصہ کے ساتھ۔"
"اپنی اولاد کا قصور کون مانتا ہے۔" ثینا بیگم نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔
"لیکن آپ تو ہمیشہ سے رومیصہ کو ہی قصوروار ٹھہراتی آئی ہیں۔" اس نے ایک سیکنڈ میں ماں کو لاجواب کیا۔
"تم اچھی طرح سے جانتی ہو' وہ ہمیشہ سے زچ کرتی آئی ہے مجھے۔" وہ ہلکا سا جھنجلا کر بولیں۔
"لیو اٹ سام' یہ بہت لمبی بحث ہے' باہر انکل ہارون آئے بیٹھے ہیں' ان کو اٹینڈ کر لیں۔"
"وہ خبیث انسان ابھی تک وہیں موجود ہے۔ میں تو سمجھی تھی چلا گیا ہو گا۔" ثینا بیگم کا سیف الرحمٰن کے سامنے یہ بھرو شہرزاد کو خاصا برا لگا تھا۔
"ان کی مستقل مزاجی کو آپ سے زیادہ کون جانتا ہو گا' اینی ہاؤ' یہ کوئی مناسب رویہ نہیں ہے جو آپ اپنا رہی ہیں۔" شہرزاد اپنی بات مکمل کر کے سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔
کافی کے مگ کو گھماتی سیف الرحمٰن کی انگلیاں ساکت ہوئیں۔ انہوں نے پہلی دفعہ اسے گہری نظروں سے جانچا۔ اس کی آنکھوں میں موجود ذہانت کی چمک اور باڈی لینگویج کے ذریعے جھلکتا اعتماد نظرانداز کیے جانے کے قابل نہ تھا۔
"شیری ٹھیک کہہ رہی ہے' تمہیں جا کر بات کرنی چاہیے اس سے۔" وہ محتاط انداز میں گویا ہوئے۔ شہرزاد نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ان کا یہ جملہ بغور سنا تھا لیکن کوئی بھی رسپانس دیے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

درشہوار اور طوبیٰ جیسے ہی باہر نکلیں' طوبیٰ نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا' جو کالے بادلوں سے اٹا ہوا تھا۔ سامنے لان میں شاہ میر اپنے کسی بیچ میٹ کے ساتھ بیٹھا ہوا چائے پی رہا تھا' ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھتے ہی وہ جھنجلا کر ان کے پاس آیا۔
"تم دونوں کو سکون نہیں ہے' اب کہاں کا دورہ کرنے جا رہی ہو۔" اپنے دوست کی موجودگی میں اس کی آواز کا والیوم تھوڑا کم ہی تھا لیکن وہ کھا جانے والی نظروں سے دونوں کو گھور رہا تھا۔
"ذرا مارکیٹ تک جانا ہے۔" درشہوار کی زبان پھسلی۔
"موسم کے تیور دیکھے ہیں اور ایسی کون سی قیامت آ گئی ہے جو آج ہی جانا ضروری ہے۔" وہ طوبیٰ کو مکمل طور پر نظرانداز کیے درشہوار کی طرف متوجہ تھا۔
"وہ یار آپی کے لیے گفٹ خریدنا تھا ہمیں۔" درشہوار نے گھبرا کر بہانہ بنایا۔
"ان کا برتھ ڈے جون میں نہیں دسمبر میں ہوتا ہے۔" شاہ میر کی معلومات بھی اپ ٹو ڈیٹ تھیں۔
"برتھ ڈے کا نہیں' یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کا۔" درشہوار کے پاس کون سا بہانوں کی کمی تھی۔ اس بات پر اس کے تاثرات میں تھوڑا نرمی آئی تھی' تبھی وہ کچھ لمحے جانچتی نگاہوں سے پرکھنے کے بعد بولا۔
"ڈرائیور کہاں ہے؟"
"کسی کام سے گیا ہوا ہے۔ اس لیے پیدل ہی جاؤ مارکیٹ۔" اس کی اگلی بات نے طوبیٰ کی جان نکال دی' ان کے گھر سے مری کی مال روڈ کا اچھا خاصا فاصلہ تھا اور طوبیٰ کو ابھی سے اپنی ٹانگوں میں درد محسوس ہونے لگا۔

"جی جی کوئی بات نہیں۔" در شہوار اس کا بازو پکڑ کر زبردستی گیٹ تک لے آئی۔
"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا اتنا پیدل کیسے چلیں گے؟"
"فکر مت کرو کسی سے لفٹ لے لیں گے۔" در شہوار نے جیسے ہی ۔۔۔ اپنے نیک عزائم سے اسے باخبر کیا۔ وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔
"میں نے اپنی ٹانگوں کی انشورنس نہیں کروائی ہوئی۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا اور تیز تیز چلنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ہی اس کا سانس پھولنے لگا' ویسے مری کی سڑکیں بالکل غیر ہموار تھیں' کہیں ایک دم اونچائی تو کہیں ڈھلوان۔
"مجھے لگ رہا ہے' تمہارا وزن بڑھ گیا ہے اس موٹی نمیرو کی طرح۔" در شہوار نے چلتے چلتے اسے چھیڑا۔
"یکومت۔۔۔" طوبیٰ تلملا کر پلٹی' سامنے در شہوار ایک خوبانی کے درخت کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
"کچھ بھی چوری کرنے سے پہلے درخت کے نیچے لیٹے ہوئے کتے کو ضرور دیکھ لینا' پچھلی دفعہ تو چودہ ٹیکے لگنے سے بچا لیا تھا ہادی نے۔" طوبیٰ کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنسی۔
"وہی ایک بات تو بھولتی نہیں ہے میرے ظالم دل کو۔" در شہوار نے مسکرا کر کہا' دور کہیں بادلوں کے پیچھے بجلی چمکی۔
گہرے سبز رنگ کے قد آور اور گھنے درختوں میں گھرے مری شہر کا حسن آج کل جوبن پر تھا گرمی کے ستائے ہوئے سیاحوں کی بھرمار نے سڑکوں پر چلنا محال کر دیا تھا۔ جا بجا شاہ بلوط' صنوبر اور سلور اوک کے قدیم درختوں کا حسن اب مری میں رہنے والوں کو متاثر نہیں کرتا تھا لیکن باہر سے آنے والے لوگ بہت ذوق و شوق سے ان کے نظارے کرتے تھے۔
وہ دونوں لوگوں کے بے تحاشا ہجوم سے بچتی ہوئی ٹی سی ایس آفس پہنچیں اور در شہوار نے ہادی کے دفتر کے ایڈریس پر پھول اور بکے کا آرڈر لکھوا کر طوبیٰ کا منہ بند کرنے کے لیے زنگر برگر خرید کر دیا۔ وہ دونوں مزے سے برگر کھاتی ہوئی واپس آ رہی تھیں' تبھی ہلکی ہلکی سی کن من نے ایک دم ہی موسم سہانا کر دیا۔ در شہوار کا موڈ آج پھر عروج پر تھا۔
"توبہ ہے یار' اس بارہ من کی دھوبن کو دیکھو۔" در شہوار فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے ایک خاتون کو دیکھ کر بلند آواز میں ہنسی۔
"آہستہ بولو' اس نے سن لیا تو منہ توڑ دے گی تمہارا۔" طوبیٰ کو اس کا فل والیوم میں بولنا ہمیشہ کوفت میں مبتلا کرتا تھا۔
"دیکھو تو سہی یار' بندہ پوچھے' بیٹھنے سے پہلے اپنا وزن تو دیکھ لیا ہوتا۔" وہ شرارتی لہجے میں گویا ہوئی۔
وہ خاتون کرائے پر لی گئی چھوٹی سی ٹرالی میں بیٹھی ہوئی تھی' جسے ایک دبلا پتلا سا لڑکا زور لگا کر چلا رہا تھا' ایسی چھوٹی چھوٹی ٹرالیاں مری کی سڑکوں پر عام نظر آتی ہیں اور عموماً لوگ بچوں کو بٹھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں' اس میں دو بندے آسانی سے بیٹھ سکتے ہیں۔
"ایک منٹ رکو رکو۔۔۔" در شہوار نے بھی ایک ٹرالی والے کو روکا' اور جھٹ سے بیٹھ گئی۔ طوبیٰ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
"یہ کیا بدتمیزی ہے در شہوار' فوراً اترو۔" وہ خفت زدہ انداز میں گویا ہوئی۔
"نہیں یار' میری تو ٹانگیں جواب دے گئی ہیں' تم بھی آ جاؤ۔۔۔ اس کی آفر پر طوبیٰ کا دماغ کھول اٹھا۔ وہ دل ہی دل

میں بولتے بلند آواز سے کہنے لگی ٹرالی کو کھینچنے والا نوجوان لڑکا بھی شوخی میں آگیا تھا۔

"یہ لڑکی ہمیشہ شرمندہ کرواتی ہے میں ہی پاگل ہوں جو ہر دفعہ بے عزت ہونے کو اس کے ساتھ چلی آتی ہوں۔" وہ تیز تیز چلتے ہوئے اپنے منہ ہی میں اپنی بھڑاس نکال رہی تھی۔ طوبیٰ کے نہ بیٹھنے پر اس پورٹر نے شرارت سے ٹرالی کو بھگانا شروع کردیا اور طوبیٰ کے لیے ان کا ساتھ دینا محال ہوگیا۔ در شہوار اس پر ایسے ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی تھی جیسے واجی کی لینڈ کروزر میں ہو۔

یہ محمد ہادی اور سعد کا بھی آفس سے واپسی کا ٹائم تھا' سعد نے گاڑی چلاتے ہوئے یہ منظر بڑی دلچسپ نگاہوں سے دیکھا اور آنکھ کے اشارے سے ہادی کو بھی اس طرف متوجہ کیا۔

"اس لڑکی کو کبھی عقل نہیں آسکتی' آدھی دنیا کے فتنے اسی کے دماغ سے نکلتے ہیں۔" ہادی بھی سامنے کا منظر دیکھ کر بدمزا ہوا۔ ایک دم ہی ہلکی کن من تیز بارش کا روپ دھار گئی' اور مری کے پہاڑوں پر موجود بدلیاں گویا وجد میں آگئی تھیں۔

اسی دنت مزے سے برگر کھاتی در شہوار کی نظر سعد کی گاڑی پر پڑی اور اس کا چہرہ متغیر ہوا' وہ اچھل کر اس ریڑھی نما ٹرالی سے اتری اور گیلی سڑک پر گرتے گرتے بچی۔ اس نے فوراً اپنے پرس سے پیسے نکال کر پورٹر کو پکڑائے' اتنے میں سعد اس کے بالکل قریب گاڑی روک چکا تھا۔

"سعد! یہ کیا حرکت ہے' گاڑی چلاؤ' ہادی ہلکا سا جھنجلایا۔ جب کہ سعد اسے نظرانداز کیے گاڑی کا شیشہ نیچے کرکے ان دونوں سے مخاطب ہوا۔

"آجائیں لیڈیز۔۔۔ بارش بہت تیز ہے۔" سعد کی آفر پر در شہوار نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' جھٹ سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور دھب کرکے بیٹھ گئی۔ ہادی نے مڑ کر اپنا لیپ ٹاپ بیگ اٹھا کر اپنی گود میں رکھا۔

"آجائیں' آپ بھی۔" سعد نے مسکرا کر طوبیٰ کی طرف دیکھا' جو ہادی کے ماتھے کی شکنیں گننے میں مصروف تھی' اپنے پاؤں گھسیٹتی ہوئی وہ بمشکل پچھلی سیٹ پر بیٹھی لیکن تب تک اچھی خاصی بھیگ چکی تھی۔ طوبیٰ نے اندر بیٹھتے ہی مرے مرے انداز میں سلام کیا' جس کا جواب صرف سعد کی طرف سے آیا تھا۔

"گھر ہی جارہے ہیں نا آپ لوگ۔۔۔" سعد نے گاڑی کا گیئر تبدیل کرتے ہوئے تصدیق چاہی۔

"آپ کی طرف بھی جاسکتے ہیں' اگر اچھی سی کافی آفر کریں تو۔" در شہوار کی شوخی پر ہادی نے بیزاری سے پہلو بدلا اور اپنے سیل فون پر آنے والی مناہل کی کال کی طرف متوجہ ہوگیا۔ طوبیٰ نے ہلکی سی کہنی مار کر در شہوار کو اپنا احتجاج ریکارڈ کروایا' جبکہ اس کی تمام حسیں اس وقت ہادی کی طرف متوجہ تھیں۔

"شیور۔۔۔ دائے ناٹ۔" سعد نے بیک مرر میں در شہوار کا شرارتی سا چہرہ فوکس کیا۔

"ہاں منو' بتاؤ کیا بات ہے؟" ہادی نے کال اٹینڈ کرتے ہی فکرمندی سے پوچھا اور کچھ لمحے توقف کے بعد بولا۔

"کل دن میں آنا تو تھوڑا مشکل ہے یار' ڈنر پر آجاؤں گا اور تم پلیز ممی پاپا کو بھی تسلی دے دینا۔ اوکے ٹیک کیئر' بائے۔" ہادی نے جیسے ہی فون بند کیا' در شہوار کے چہرے سے پھوٹتی مسرت گویا ہوا میں تحلیل ہوگئی' ہادی کے منہ سے کسی لڑکی کا نام سننا اس کے لیے کوئی خوشگوار تجربہ نہیں تھا۔

"کیا ہوا۔۔۔ مناہل تھی؟ اسلام آباد بلا رہی ہے کیا؟" سعد نے گاڑی چلاتے ہوئے دانستہ بلند آواز میں پوچھا' در شہوار کے کان کھڑے ہوگئے۔

"ہاں' پھر کوئی سرپرائز رکھا ہوگا اس نے تب ہی تو ضد کررہی ہے۔۔۔"

"ویسے کل تو جانا بنتا ہے تمہارا' بہت اسپیشل ڈے ہے ورنہ جان نکال دے گی وہ تمہاری' اپنے ماموں ممانی سے کہہ کر۔" سعد نے دانستہ بلند آواز میں ایک دفعہ پھر در شہوار کو سنایا' جس کا چہرہ ایک دم تاریک ہوا تھا۔

اپنی اس حرکت پر سعد دل ہی دل میں کافی شرمندہ بھی ہوا' لیکن وہ جانتا تھا کہ در شہوار ایسے راستے کی مسافر بننے کی کوشش کر رہی ہے جس کی کوئی منزل نہیں تھی اور راستے میں مڑ جانا اتنا تکلیف دہ نہیں تھا جتنا بہت دور جا کر واپس جانا۔ اس بات کے بعد در شہوار کو ایک دم چپ لگ گئی تھی اور باقی کا راستہ اس نے خاموش بیٹھ کر ہی گزارا تھا۔

سعد اپنی گاڑی میر ہاؤس کے گیٹ پر روک چکا تھا' در شہوار جلدی سے باہر نکل آئی اور کچھ بھی کہے بغیر تیز تیز اندر کی طرف چل دی' اس کی اس بدتمیزی پر طوبیٰ ایک دم خفت کا شکار ہوئی' تبھی اس نے زبردستی مسکرا کر سعد کی طرف دیکھا۔

"تھینک یو سعد بھائی۔۔۔ تھینکس آلاٹ۔۔۔"

"اٹس او کے سسٹر۔۔۔ ٹیک کیئر۔" سعد نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"ویسے کبھی کبھی تو تم بھی ایسی چھچھوری حرکتیں کرتے ہو کہ دماغ کھول جاتا ہے میرا۔" ہادی نے اس کی لفٹ دینے والی حرکت پر طنز کیا۔

"یار انسانیت اور بھائی چارہ بھی کسی چڑیا کا نام ہے' اور پھر ارسل کی کزنز ہیں' اتنے خراب موسم میں کیسے جاتیں وہ۔"

"یہ ان کو گھر سے نکلنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا' مجھے تو حیرت ہوتی ہے اس گھر کے مردوں پر جنہوں نے شتر بے مہار کی طرح آزاد چھوڑا ہوا ہے انہیں۔" ہادی کا موڈ اچھا خاصا خراب ہو چکا تھا۔

"پچھلے دو دن سے تم ضرورت سے زیادہ ہی جذباتی اور چڑچڑے نہیں ہو رہے ہو' خیر تو ہے ناں۔" سعد نے بات کو ہلکا پھلکا سا رنگ دیا۔ جب کہ ہادی اس کی بات پر خاموش رہا تھا' اس کی تمام تر توجہ گیٹ کے سامنے کھڑی کسی سیاح کی گاڑی کی طرف تھی' جو وہاں پر پارک کر کے خود مزے سے چلا گیا تھا۔ اور ہادی کو اب اگلے کئی گھنٹے تک اس بات پر کڑھنا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اب بتاؤ' میری منگنی کر تم کیسا محسوس کر رہی ہو۔۔۔؟"

اس کے الفاظ ہتھوڑے کی مانند رومیصہ کے اعصاب پر برسے' پچھلے کئی گھنٹے رونے کے بعد اس کی نیلگوں آنکھیں بالکل خشک ہو چکی تھیں۔ ایسا گمان ہوتا تھا جیسے نیلا سمندر اب ساکن ہو گیا ہو۔

نکاح کے ہنگامے کے بعد وہ پورے چوبیس گھنٹے گزار کر اس فارم ہاؤس میں واپس آیا تھا' البتہ جاتے جاتے وہ اسے پرانے کمرے سے گیسٹ روم میں منتقل کرنے کا احسان ضرور کر گیا تھا جس میں ایک چھوٹا سا امریکن کچن بھی تھا۔ ورنہ وہ خوف سے تو بے شک نہ مرتی لیکن بھوک اور پیاس سے ضرور اس کی جان نکل جاتی' کمرے کے روم فریج میں کھانے پینے کا بہت سارا سامان تھا۔

جب سے وہ فارم ہاؤس میں آیا تھا اس پر مسلسل طنز کے تیر برسانے میں مصروف تھا۔ جبکہ دکھ' اور صدمے کی زیادتی سے رومیصہ بالکل گنگ تھی اور اس کی یہی خاموشی اسے مزید سلگا رہی تھی۔

"اس وقت تو بڑی فلمی ہیروئنوں کی طرح آہیں بھر بھر کے دعوے کر رہی تھیں مرنے کے۔" اس کے طنزیہ انداز پر رومیصہ کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔

"تم ایک انتہائی چیپ انسان ہو۔" رومیصہ کے شکست خوردہ انداز پر اس نے فاتحانہ قہقہہ لگایا۔

"اور تم تو بہت ڈھیٹ ہو' میں نے تو نکاح تک کر لیا تاکہ دیکھ سکوں تم اپنے ہاتھوں سے کیسے اپنا گلا گھونٹتی ہو

"لیکن تم تو بہت بزدل نکلیں' میرے ایک دفعہ گھورنے پر ہی فوراً" دستخط کر دیے' اس کا مطلب ہے تم لڑکی نہیں لڑکی لگ چکی ہو۔"

رومیصہ نے بیزاری سے اسے پاگلوں کی طرح ہنستے دیکھا۔

اسے لگا جیسے ہنستے ہنستے اس کا دم نکل جائے گا اور اس نے شدت سے دل ہی دل میں اس کے مرنے کی دعا مانگی تھی کیونکہ اتنا تو اسے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اسی صورت میں اس سے چھٹکارا ممکن ہے۔

وہ انتہائی عجیب و غریب شخصیت کا حامل تھا' پل میں تولہ پل میں ماشہ' اس نے انتقاماً" اسے اغوا کروایا اور پھر اس کے ایک طعنے نے اس کی مردانگی کو للکارا تو وہ بغیر سوچے سمجھے اس سے نکاح کرنے پر راضی ہو گیا اور اب بیٹھ کر اس کی بے بسی کا نظارہ کر رہا تھا۔

"میرے گھر والے چھوڑیں گے نہیں تمہیں۔" رومیصہ نے انگلی اٹھا کر اسے جذباتی لہجے میں دھمکی دی۔

"اچھا' کیا کریں گے' بتاؤ۔" وہ تھوڑا اس کے قریب آیا' رومی کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا' اور وہ بے ساختہ چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"دھمکی مت دینا' بہت الٹے دماغ کا بندہ ہوں' جس کام سے روکا جائے' وہی کرتا ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے' پھر رکھو ساری زندگی مجھے اپنے پاس' میری بددعا کہتی ہیں کہ میں تو خود چلتی پھرتی ایک سزا ہوں اپنے اردگرد کے لوگوں کے لیے۔" رومی نے فوراً" ہی پینترا بدلا۔

"اتنا بے وقوف نہیں ہوں میں' جو تمہاری اس بات کی ضد میں آکر چھوڑ دوں تمہیں۔" اس نے رومیصہ کی چال کو چٹکیوں میں اڑایا تو وہ ایک دم جھنجلا سی گئی۔ "تم جیسے کئی آئے اور کئی گئے۔"

"جانتا ہوں میں' ٹینا سنگل کی بیٹی ہو تم' جن کے پاس مردوں کو انگلیوں پر نچانے کا وسیع تجربہ ہے۔" اس نے رومیصہ کی طرف تلخ لفظوں کے انگارے اچھالے۔

"شٹ اپ' جسٹ شٹ اپ۔" رومی ایک دم حلق پھاڑ کر چیخی۔ اس کی آنکھوں سے گویا شرارے پھوٹ پڑے۔

"تم خود کس گھٹیا شخص کی اولاد ہو' کبھی اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھ لو' ایک کمزور اور بے بس لڑکی کو یہاں قید کر کے سمجھتے ہو' بڑی مردانگی ہے تم میں۔" وہ پہلی بار اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"میرے باپ کو گالی مت دینا۔" غصے کی زیادتی سے اس کا بھی چہرہ سرخ ہوا۔

"ہاں تم خود دوسروں کی ماؤں کو جتنی مرضی برے الفاظ میں یاد کرو' تمہیں تو سو گناہ بھی معاف ہیں۔" رومیصہ نے تنے ہوئے نقوش اس کی بیزاری کے گواہ تھے' اس زبردستی کے نکاح نے اسے مزید نفع و نقصان سے بے نیاز کر دیا تھا۔ وہ کچھ لمحے اس کی نیلگوں آنکھوں میں جھانکتا ہوا ایک دم ہنس پڑا۔

"ٹرسٹ می' اس وقت بالکل بیویوں کی طرح دوبدو لڑ رہی ہو۔"

"شٹ اپ۔" وہ قدرے رخ موڑ کر ناراضی سے بیٹھ گئی۔

"شکر کرو' بچا کر نکال لایا ہوں تمہیں یہاں' ورنہ اب تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے سڑ رہی ہوتیں۔" وہ روم فریج سے جوس کا ٹن نکال کر اس کے سامنے بیٹھ گیا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔

"تمہارے اس قید خانے سے تو جیل کی سلاخیں ہی اچھی۔" وہ ایک دم جل کر بولی۔

"کیا اتنا برا ہوں میں۔" وہ دونوں بازو سینے پر باندھ کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی ملاحت تھی۔

رومیصہ نے پہلی دفعہ اس دراز قامت شخص کو غور سے دیکھا' جو اس وقت سفیدی شرٹ کے ساتھ گھٹنوں

سے تھوڑی نیچے آتی سیاہ شارٹس میں بالکل گھریلو حلیے میں تھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی اور آنکھیں رتجگوں کی غماز تھیں۔ وہ اپنی شکل و صورت اور اسٹائل سے کسی ویل اسٹیبلش فیملی کا فرد لگتا تھا اور ٹھیک ٹھاک ہینڈسم تھا۔

"میری برداشت کو اتنا مت آزماؤ۔" رومیصہ کی آواز میں تلخی رچی ہوئی تھی۔

"تو کیا روحیل محمود کی طرح مجھے بھی اپنی گاڑی کے نیچے کچل دو گی؟" اس کا لہجہ رومیصہ کو خاصا تضحیک آمیز لگا۔

"اسے تو نہیں کچلا تھا لیکن تم ان شاء اللہ ضرور مارے جاؤ گے میرے ہاتھوں۔" اس کے مضبوط لہجے پر وہ قہقہہ لگا کر بلند آواز میں ہنسا۔

"لڑکی جی دار ہو تم، تبھی تو زندہ کھڑی ہو میرے سامنے۔" وہ اب فریج سے ایک اور کوک کا ٹن نکال چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے صدیوں کا پیاسا ہو۔

"ویسے ایک بات تو بتاؤ۔" رومیصہ گھوم کر اس کے پاس آن کھڑی ہوئی۔

"جو ایف آئی آر میرے خلاف کٹوائی گئی تھی اس کی رو سے تو مجھے ویسے ہی سزا ہو جانی ہے، تم نے کیوں مجھے کڈنیپ کرنے کی زحمت کی۔"

"اس لیے کہ مجھے یقین تھا تمہاری مدر کے "چاہنے" والے تمہیں اس کیس سے کسی نہ کسی طرح بچا کر لے جائیں گے اور میں روحیل کی قاتلہ کو یوں سڑکوں پر دندناتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔"

"مارنا ہی تھا تو نکاح کیوں کیا ہے میرے ساتھ۔۔۔؟" رومیصہ تلخی سے بولی۔

"تمہارے ضد دلانے پر، ورنہ میں اور تم جیسی لڑکی سے شادی کروں۔ اتنا گرا ہوا اسٹینڈرڈ نہیں ہے میرا۔" اس کے تضحیک آمیز انداز پر رومی کی آنکھوں کی جوت مدھم ہوئی اور کچھ لمحوں کو اس کی قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔ ہونٹوں پر پھیلتی نمکینی سے اسے محسوس ہوا وہ رو رہی ہے۔

اس نے ہاتھ میں پکڑا خالی ٹن ڈسٹ بن میں اچھال کر رومیصہ کی طرف پلٹ کر دیکھا، ایک کرسی گھسیٹ کر اس کے بیڈ کے پاس لے آیا، وہ کرسی کی بیک سائیڈ رومی کے بیڈ کی طرف رکھ کر الٹے انداز میں اس پر بیٹھ گیا، اس نے کرسی کی پشت پر اپنا چہرہ ٹکا کر اپنے بازو اس کے اردگرد پھیلا لیے اور بغور اسے دیکھنے لگا۔ رومیصہ کو اپنا دل کھائی میں گرتا ہوا محسوس ہوا۔

"یقین مانو، تم دنیا کی واحد لڑکی ہو، جو روتے ہوئے بہت دلکش لگتی ہو۔"

"اللہ کرے مر جاؤ تم۔" اس کے بلند آواز میں رونے پر وہ اس سے بھی اونچی آواز میں ہنسنے لگا، جیسے اس نے اس صدی کا سب سے بڑا لطیفہ سنا دیا ہو۔ رومیصہ کو یقین آ گیا تھا کہ اس کے دماغ کا ایک پیچ نہیں بلکہ وہ پورا ہی کھسکا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

شہزاد مری کے لیے نکلی تو اس وقت موسم خاصا ابر آلود تھا۔

نمبر ہافیا کیس کے سلسلے میں آج اسے ہر قیمت پر ہادی کے آفس میں شجاع غنی سے ملنا تھا، جو اپنے پیر کے فریکچر کی وجہ سے اسلام آباد آنے سے معذرت کر چکا تھا، شہزاد، رومی کے کیس کے ساتھ ساتھ شجاع غنی کے کیس پر بھی پوری توجہ دے رہی تھی، وہ بیرسٹر عالیہ قریشی کی امیدوں پر پورا اترنا چاہتی تھی۔

موسلا دھار بارش اس کی گاڑی کی چھت پر جلترنگ بجا رہی تھیں اور ہوا میں سبزے کی خوشبو رچی ہوئی تھی

بکاخ سڑک سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی دور تک چلی جارہی تھی۔

مری کے جانے پہچانے راستے اسے ہمیشہ ناسٹلجیا میں مبتلا کرتے تھے۔ مری کا نونیٹ کی سامنے والی سڑک پر وہ رومی کی انگلی پکڑ کر اکثر باہر نکل آتی۔ لوئر ٹوپہ' پتریاٹہ' چھانگلہ گلی' ایوبیہ' جھیکا گلی' خانصپور' کالا باغ' کارٹس فالج اور گولف کورس کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں وہ بچپن میں رومی اور ٹینا بیگم کے ساتھ نہ گئی ہو۔ یہاں کے چپے چپے سے اس کی یادیں وابستہ تھیں۔

"کہاں ہوگی رومی اور کس حالت میں ہوگی۔" ایک بے نام اضطراب اس کے جسم میں چٹکیاں بھرنے لگا۔

"کیا میں اسے دوبارہ کبھی زندگی میں دیکھ پاؤں گی۔۔۔؟" اس کی آنکھوں میں رقم کرب کی تحریر صاف پڑھی جا رہی تھی۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں وہ اسے ڈھونڈ نکالے' دو دن میں ارتضیٰ حیدر کئی ملکوں پر ریڈ کروا چکا تھا جہاں رومی کے ملنے کا ایک فیصد بھی امکان تھا لیکن ناکامی ہر جگہ سے اس کا مقدر بن رہی تھی۔

دوسری طرف وقار درانی مسلسل اس سے رابطہ کرنے کی کوششوں میں تھا اور وہ جان بوجھ کر اسے نظر انداز کر رہی تھی۔ وہ اسے مکمل طور پر زچ کر کے اس پوائنٹ پر لانا چاہتی تھی جہاں اس کے پاس سمجھوتہ کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو۔

چیڑ اور دیودار کے سدا بہار درختوں کے درمیان میں اس کی گاڑی تیزی سے اپنی منزل کی طرف گامزن تھی۔ تیز بارش میں اس کا ڈرائیور بڑی مہارت سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس وقت دن کے گیارہ بج رہے تھے جب وہ ہادی کے آفس میں پہنچی۔

بارش ابھی تک ہو رہی تھی اور اس کی خنکی دھیرے دھیرے بدن کو چھو رہی تھی۔ شجاع غنی' ہادی کے آفس میں پہلے سے موجود تھا' اسے دیکھ کر وہ بے ساختہ مسکرایا اور اس نے بڑے پرجوش انداز میں اسے سلام کیا تھا۔

سیاہ رنگ کے شلوار قمیص سوٹ میں مسٹرڈ کلر کا اسکارف گلے میں ڈالے وہ بالکل سادہ سے حلیے میں اندر داخل ہوئی تو ہیوگو باس پرفیوم کی مہک چاروں طرف پھیل گئی۔ ہادی اور سعد دونوں ایک ہی کمپیوٹر پر کام کرنے میں مصروف تھے۔

"السلام علیکم۔۔۔" اس کا پراعتماد لہجہ دونوں کو چونکا گیا' ہادی نے فوراً رسٹ واچ پر ٹائم دیکھا' وہ اپنے مقررہ وقت سے پانچ منٹ پہلے پہنچ چکی تھی۔

"ویلکم ہیر مسز شیری۔۔۔"

ہادی نے ایک خیر مقدمی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی' اور اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ انتہائی پرسکون نظر آرہی تھی' اس نے ہاتھ میں پکڑی فائل میز پر رکھی اور اپنے سنہری موبائل بھورے سلکی بالوں کو لاشعوری طور پر جوڑے کی شکل میں باندھ کر اندر بال پوائنٹ پھنسالی تھی۔

"یہ میرے کولیگ اور بیسٹ فرینڈ ہیں سعد رحمانی۔" ہادی نے سنجیدگی سے تعارف کی رسم نبھائی۔ سعد نے مسکرا کر اسے سلام کیا۔

"کیا مجھے شجاع صاحب سے بات یہیں کرنا ہوگی۔" وہ ہلکے سے تذبذب کا شکار ہوئی۔

"اگر آپ ایزی فیل نہیں کر رہیں تو ہم لوگ چلے جاتے ہیں۔" ہادی اپنے دونوں بازو سینے پر باندھ کر مونچھوں میں مسکرایا۔

"ناٹ ایٹ آل' بات میرے ایزی ہونے کی نہیں بلکہ میرے کلائنٹ کی پرائیویسی کی ہے۔" اس کا لہجہ بڑا

ہموار اور متوازن تھا۔ ہادی کے ساتھ ساتھ سعد نے بھی اسے گہری نظروں سے جانچا۔
"اوکے' آپ میٹنگ کریں ہم لوگ ایک چکر فیلڈ کا لگا کر آتے ہیں۔" ہادی نے فوراً میز سے اپنا سیل فون اور گاڑی کی چابی اٹھائی اور سعد کے ساتھ باہر نکل پڑا۔ باہر بارش رک چکی تھی۔ اس لیے دونوں نے پیدل ہی چلنے کا فیصلہ کرلیا۔
"بڑی "ونگ" خاتون ہیں یہ۔۔۔" سعد نے باہر نکلتے ہی شہزاد پر تبصرہ کیا۔
"ہاں اور بہت جینئیس بھی۔۔۔" ہادی نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا' جو خوب برسنے کے بعد شفاف ہو چکا تھا۔
"اس کا مطلب ہے میر خاندان کی شامت آنے والی ہے۔" سعد نے چلتے ہوئے سڑک پر پڑے پتھر کو ٹھوکر لگائی۔
"یہ تو آنے والا وقت بتائے گا' ویسے مام بہت تعریف کر رہی تھیں کہ اس نے کیس بہت اچھا تیار کیا ہے۔" ہادی نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔
"ہاں وہ تو اس کا بات کرنے کا اسٹائل اور باڈی لینگویج ہی بتا رہی ہے۔" سعد کی بات پر ہادی نے مزید کوئی تبصرہ نہیں کیا۔
وہ لوگ اپنے قریبی آفس کا وزٹ کر کے ایک گھنٹے کے بعد واپس آئے تو وہ شجاع غنی کو کل صبح ہونے والی پیشی کے بارے میں اچھی خاصی بریفنگ دے کر جانے کے لیے تیار تھی۔ ہادی کی میز پر تازہ پھولوں کا گلدستہ اور کیک پڑا تھا۔
"یہ کون لے کر آیا۔۔۔؟" ہادی خوشگوار حیرت کا شکار ہوا' آج اس کا برتھ ڈے تھا اور یہ بات صرف قریبی لوگ جانتے تھے۔
"کوریئر والا۔۔۔" شہزاد نے اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو وہ ہلکا سا شرمندہ ہوا۔
ہادی نے جلدی سے بکے کے ساتھ رکھا چھوٹا سا گریٹنگ کارڈ کھول کر دیکھا' سامنے درشہوار کا نام دیکھ کر اس کا دماغ بھک کر کے اڑا۔ اس نے بیزاری سے وہ میز کی سائیڈ پر پھینک دیا۔ سعد نے اس کے چہرے کے بگڑتے زاویوں سے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔
"میرا خیال ہے مجھے نکلنا چاہیے۔" وہ اپنی فائل اٹھا کر کھڑی ہوئی۔
"کل پہلی ہیرنگ ہے آپ کی وش یو بیسٹ آف لک۔۔۔" ہادی کی بات پر وہ ہلکا سا مسکرائی اور آفس سے نکل گئی۔
"یہ کیا سین ہے۔" شہزاد کے باہر نکلتے ہی سعد نے میز پر رکھی چیزوں کی طرف اشارہ کیا۔
"بے ہودگی۔۔۔ اسی گینگ کی لیڈر کی۔" ہادی کی بات پر سعد کا چہرہ ہلکا سا تاریک ہوا۔ اس نے زبردستی مسکرا کر کیک کی طرف دیکھا' جس پر ابھی برتھ ڈے ٹو یو کے الفاظ تحریر تھے' اس کے اندر چبھن کر کے کچھ ٹوٹا جب کہ ہادی کا موڈ ٹھیک ٹھاک خراب ہو چکا تھا' اس نے سیل فون پر درشہوار کا نمبر ملایا' جو کہ میسجز میں موجود تھا اور باہر نکل آیا' دوسری طرف پہلی ہی گھنٹی پر کال اٹینڈ کرلی گئی تھی۔
"زہے نصیب۔۔۔" وہ چہک کر بولی۔
"یہ پھول اور کیک واپس میر حاکم علی کو بھجواؤں یا میر محتشم علی کو۔۔۔" ہادی کے طنزیہ انداز پر وہ ہلکا سا سٹپٹائی۔
"آپ کو وش کرنے کے لیے بھجوائے تھے میں نے۔" وہ ہکا سا جھجک کر بولی۔
"اس قسم کی فضول حرکتیں کر کے ثابت کیا کرنا چاہتی ہیں آپ' ہزار دفعہ بتا چکا ہوں کہ مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں

نہ آپ میں' نہ آپ کے خاندان میں اور نہ کسی اور چیز میں' اپنا دماغ جتنی جلدی درست کرلیں گی بہتر ہوگا۔" وہ سلگ کر مزید گویا ہوا۔

"میں محبت کرتی ہوں آپ سے۔" درشہوار نے ایک ہی سانس میں اسے بتانے کی کوشش کی۔

"آپ کو ذرا بھی اپنی عزت نفس کا خیال نہیں' آج تک میر حاکم کے خاندان کی مالی کرپشن کے ہی قصے سنے تھے' لیکن اب پتا چلا کہ ان کی خواتین بھی ماشاء اللہ اخلاقی پستیوں میں گرنے کے ریکارڈ بنا رہی ہیں۔ بھاڑ میں جائیں آپ اور آپ کی محبت' سمجھیں۔" وہ اس کی سماعتوں میں زہر گھول کر فون بند کرچکا تھا۔

درشہوار کو لگا جیسے کسی نے اسے اپنی ٹاور سے دھکا دے دیا ہو۔ اس کی شرارتیں' اس کی محبت' ہادی کے نزدیک کسی تنکے سے بھی ہلکی تھی۔ درشہوار کو لگا جیسے وہ اب کبھی سر اٹھا کر نہیں چل پائے گی۔

☼ ☼ ☼

وہ ایک بھید بھری شام تھی۔

بارش کی طوفانی بوچھاڑ' ٹین کی چھتوں اور درختوں پر بڑی بے رحمی سے برس رہی تھی۔ تیز ہواؤں کا شور اس سے بڑا ہولناک لگ رہا تھا۔ آسمان سیاہ بادلوں سے اٹا ہوا بڑے غضب ناک موڈ میں تھا۔ جون کا مہینہ تھا' لیکن مری کی ہوائیں خاصی سرد تھیں۔ بارش کے تھمنے کے کوئی آثار نہیں تھے۔

درشہوار پچھلے لان میں زمین پر اکڑوں بیٹھی پچھلے ایک گھنٹے سے دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ جبکہ میر ہاؤس میں اس کے نام کی دھنڈیا بجی ہوئی تھی۔

"بڑی امی! وہ' اسٹور' ڈائننگ' کچن' لاؤنج کہیں پر بھی نہیں ہے۔" انابیہ نے باہر چمکتی بجلی سے گھبرا کر ہال کمرے کی کھڑکیاں بند کرتے ہوئے تاجدار بیگم کو جواب دیا جو درشہوار کی گمشدگی پر خاصی پریشان تھیں۔

"ذرا بھاگ کر پچھلے لان میں دیکھ کر آؤ۔"

"اور پڑوسیوں کے ہاں بھی جھانک لینا' آج کل وہاں بڑے چکر لگتے ہیں اس کے۔" ہال کے تخت پر چھالیہ کترتی ندرت بیگم نے اپنی جٹھانی کی طرف طنزیہ انداز میں دیکھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟" تاجدار بیگم سینہ ٹھونک کر میدان میں اتر آئیں' وہ تو ویسے بھی اپنے سسر میر حاکم علی کی چہیتی بہو تھیں۔

"وہ اس دن پڑوسیوں کا لڑکا شکایت لے کر نہیں آیا تھا بھلا؟" ندرت بیگم نے ماتھے پر انگلی مار کر یاد کرنے کی بھرپور ایکٹنگ کی۔

"اس قصے میں درشہوار ہی نہیں طوبیٰ اور نمیو بھی شامل تھیں' لگتا ہے خاقان کے آنے کے بعد تمہاری یادداشت کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔" انہوں نے فوراً" ہی ان کی طبیعت صاف کی' وہ تو ویسے ہی بڑے دھڑلے والی خاتون تھیں۔ درشہوار مزاجاً" کافی زیادہ ان ہی پر تھی۔

"میں تو ویسے ہی بات کررہی تھی بھابھی' آپ تو برا ہی مان گئیں۔" انہوں نے فوراً" پینترا بدلا۔

"میں نے تمہیں کہا ہے کہ پچھلے لان میں دیکھ کر آؤ' تم ابھی تک ادھر ہی کھڑی ہو۔" تاجدار بیگم کی نظر انابیہ پر پڑی جو منہ کھولے دیورانی جٹھانی کی نوک جھونک سننے میں مگن تھی۔

"بڑی امی! اتنے خراب موسم میں وہ باہر کیا کرنے جائے گی۔" انابیہ نے خفت زدہ انداز میں فوراً" صفائی دی۔

"پاگلوں کے سر پر سینگ تھوڑا ہوتے ہیں اور ہر الٹا کام کرنا تو فرض ہے اس لڑکی پر' جاؤ ذرا دیکھو اس کے داجی بلا رہے ہیں اسے' ابا جی کو بھی بس ہر وقت درشہوار ہی اپنے اردگرد نظر آنی چاہیے۔" آخری فقرہ انہوں نے

بڑے جتاتے ہوئے انداز میں کہا تو ندرت بیگم پہلو بدل کر رہ گئیں۔
"ہم چھاد یکھ کر آتی ہوں۔" انابیہ فوراً پچھلے لان کی طرف لپکی۔
اس نے جیسے ہی دروازہ کھولا' تیز ہوا کے ساتھ یخ بستہ بوندیں اس کے چہرے سے ٹکرائیں۔ بدمست ہوا اس کے کپڑوں کو اڑانے لگی' اس نے بمشکل اپنے دوپٹے کو کس کر اپنے اردگرد لپیٹا' جیسے ہی اس کی آنکھیں مسلسل برستے مینہ میں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اسے ایک دم دھچکا سا لگا۔
تیز بارش میں درشہوار خوبانی کے پیڑ کے نیچے بیٹھی مسلسل زمین کھرچ رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے حواسوں میں نہ ہو۔ اس کا لباس بھیگ کر اس کے جسم سے چپک گیا اور وہ مسلسل زمین کھودے جا رہی تھی۔
"درشہوار پاگل تو نہیں ہو گئی ہو کیا؟" انابیہ برآمدے میں کھڑی ہو کر چیخی تو اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا' انابیہ سمجھ نہیں پائی کہ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا ہے یا بارش کے پانی سے۔
"بے وقوف لڑکی' اندر آؤ۔۔۔" وہ ایک دم پریشان ہوئی' لیکن دوسری طرف درشہوار کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔
"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا؟" اس کے بلند آواز میں چیخنے کی آواز برہان نے کافی ناگواری سے سنی تھی۔ وہ ابھی ابھی دادی کمرے سے ہو کر آئے تھے جہاں ان کا اور انابیہ کی رخصتی کا معاملہ زیر بحث تھا اور اس موضوع نے ان کا موڈ اچھا خاصا خراب کر دیا تھا۔
"کیا پرابلم ہے انابیہ' ایسے کیوں چیخ رہی ہو۔" برہان دروازہ کھول کر باہر نکلے تو بارش کی تیز بوچھاڑ نے ان کا استقبال کیا' انابیہ ہلکا سا بوکھلا گئی' اس کی اپنے دوپٹے پر گرفت تھوڑی ہلکی ہو گئی' تب ہی وہ تیز ہوا کے سنگ اڑتا ہوا برہان کے چہرے سے جا ٹکرایا اور وہ ایک دم کوفت کا شکار ہوئے۔
"اپنا آنچل تو سنبھالا نہیں جاتا' گھر کیا خاک سنبھالو گی۔"
وہ جو تازہ تازہ اپنی اور انابیہ کی رخصتی کی خبر سن کر آئے تھے' جھنجلا کر اس پر برس پڑے۔ انابیہ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ انہوں نے ناراضی سے انابیہ کا دوپٹا اس کی طرف اچھالا تب ہی ان کی نظر درشہوار پر پڑی۔ وہ بے اختیار اس کی طرف دوڑے۔
"پاگل تو نہیں ہو گئی ہو' اتنی تیز بارش میں بھیگ کر بیمار ہونا ہے کیا۔"
برہان زبردستی اس کا بازو پکڑ کر گھسیٹ کر برآمدے میں لائے' درشہوار کے جسم میں ہلکی کپکپاہٹ تھی' ہاتھوں اور پیروں کی انگلیاں باقاعدہ سن ہو چکی تھیں۔
"تم ٹھیک تو ہو نا۔" انابیہ تھوڑی دیر پہلے کی بے عزتی بھلا کر درشہوار کی طرف متوجہ ہوئی' اس کے ہونٹ نیلے ہو رہے تھے۔ آنسوؤں کے قطرے اس کے گلابی گالوں پر مسلسل پھسل رہے تھے۔
"یہ کیا حرکت کی ہے تم نے؟" برہان اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئے۔
ان کے تشویش بھرے انداز پر وہ اور بھی شدت سے رونے لگی' برہان نے بے ساختہ اس کا کانپتا ہوا بازو پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لگایا۔
"گڑیا' کیا ہوا میری جان۔۔۔؟" برہان کو اپنی اکلوتی بہن کے آنسو تکلیف دے رہے تھے۔ درشہوار نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا اور پھر لب بھینچ لیے' وہ چند گہری سانسیں لے کر اب خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
رات گئے تک اسے تیز بخار ہو گیا تھا' بخار کی حدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ طوبیٰ پچھلے ایک گھنٹے سے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں اس کے ماتھے پر رکھ رہی تھی۔ جبکہ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی' پورے میرہاؤس میں کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ میر حاکم اس کی طبیعت کا پوچھنے کے لیے اس کے بیڈ روم میں اچانک ہی چلے آئے' وہاں

موجود تمام خواتین بوکھلا سی گئیں۔
ندرت بیگم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنی سوتن شارقہ بیگم کو ایک معنی خیز سا اشارہ کیا۔ وہ لوگ ایک ایک کر کے کمرے سے کھسک گئیں۔ کچھ بھی تھا دادی کی اپنی اس پوتی میں جان تھی۔
"بھئی۔ قسمت والی ہے درشہوار' آج تک سسر جی نے ہمارے کمرے میں کبھی جھانک کر نہیں دیکھا۔" اوپر والے سٹنگ روم میں داخل ہوتے ہی ندرت بیگم نے اپنی سوتن سے گلہ کیا' طوبیٰ بھی ان کے ہمراہ تھی' جبکہ انابیہ وہیں رک گئی تھی۔
"ہاں تین بھائیوں کی بہن جو ہوئی۔" شارقہ بیگم آج کل خاصی دکھی تھیں' کیونکہ خاقان علی مری میں آکر بھی آج کل انہیں لفٹ نہیں کروا رہے تھے۔ طوبیٰ ان کی گفتگو سے بے زار ہو کر پچھلے لان کی طرف چلی آئی' سامنے کا منظر دیکھ کر اسے دھچکا لگا۔
برآمدے کی سیڑھیوں میں شامیر اور نمیرہ دونوں چائے کے مگ پکڑے بیٹھے ہوئے تھے' نمیرہ اللہ جانے شامیر کو کون سا دلچسپ قصہ سنا رہی تھی' اس کے چہرے پر مسلسل ایک مسکراہٹ تھی' جو طوبیٰ کو سخت ناگوار گزری تھی۔
"درشہوار کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے' شاید اسے سی ایم ایچ لے کر جانا پڑے۔" طوبیٰ نے جان بوجھ کر رنگ میں بھنگ ڈالا' شامیر بوکھلا کر کھڑا ہوا۔ اس نے چائے کا مگ وہیں سیڑھیوں پر رکھ دیا اور مڑ کر طوبیٰ کی طرف دیکھا جو ناراض نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔
"کیا ہوا اسے؟" وہ سچ مچ پریشان ہوا۔
"تمہیں خود معلوم ہونا چاہیے' بہن ہے وہ تمہاری۔" طوبیٰ کو نہ جانے کیوں اس پر غصہ آرہا تھا۔
شامیر نے اس کا اسٹابری کی طرح سرخ ہوتا چہرہ غور سے دیکھا' وہ کھا جانے والی نظروں سے نمیرہ کو دیکھ رہی تھی۔ جس نے ہاتھ میں فرنچ فرائز کی بڑی ساری پلیٹ پکڑی ہوئی تھی۔ اسے سارا معاملہ سمجھ آگیا تھا اور اس دفعہ اس کے چہرے پر بڑی معنی خیز سی مسکراہٹ ابھری' طوبیٰ جھنجلا کر نمیرہ کے برابر میں بیٹھ گئی اور اس کا رکھا ہوا چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

☼ ☼ ☼

صبح کی سروس میں شرکت کرنے کے لیے مونیکا چرچ کے مرکزی دروازے سے اپنی ماں کے ساتھ اندر داخل ہوئی تو اس کے چہرے پر کوفت اور بے زاری کا تاثر خاصا گہرا تھا' وہ پچھلے کچھ دنوں سے چھٹیوں پر گھر آئی تھی اور آج اپنی ماں کے بے حد اصرار پر ان کے ساتھ چلی آئی تھی۔ اس کی ماں نے اندر داخل ہوتے ہی پیالے میں انگلیاں ڈبو کر اپنے سامنے صلیب کا نشان بنایا۔
مونیکا کے دماغ میں مفتی عبدالرشید کی کہی ہوئی باتیں گونجیں۔
"انسان کو چاہیے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی عبادت نہ کرے' نہ کسی مقرب فرشتے کی' نہ کسی نبی مرسل کی اور نہ کسی ولی صالح کی اور نہ اللہ کی مخلوق میں سے کسی کی' کیونکہ عبادت کی مستحق صرف اللہ کی ذات ہے' جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے' اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔"
مونیکا کا دماغ کہیں اور پہنچا ہوا تھا' اس کی ماں نے کہنی مار کر متوجہ کیا' وہ ہڑبڑا کر چاروں طرف دیکھنے لگی' اس وقت سب چرچ میں مل کر گا رہے تھے۔ اس نے بھی ہڑبڑا کر ان کا ساتھ دینا شروع کیا۔
خداوند رحم کر۔

یسوع رحم کر۔
یسوع رحم کر۔
اس کے ہونٹ تو ہل رہے تھے' لیکن وہ عبادت کے سب ہی مراحل میں غائب دماغ تھی' اس نے جلتی ہوئی مقدس شمع کو بے زاری سے دیکھا' کیونکہ اس کا سینہ ہدایت کے نور کی روشنی سے بھر چکا تھا۔
وہ اپنی ماں کے ساتھ چوبی نشستوں پر بیٹھ چکی تھی' لیکن اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ منتر پڑھ کر اس گرجے سے غائب ہو جائے۔ کسی عجیب سے احساس نے اس کے دل کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا۔
سامنے اجتماعی توبہ کا عمل شروع ہوتے ہیں اس پر ایک دم وحشت کا بھرپور حملہ ہوا' لیکن اس نے اپنی ماں کی خاطر صبر کا کڑوا گھونٹ پی لیا' وہ خالی نظروں کے ساتھ عبادت کے باقی مراحل دیکھنے لگی' لیکن اس کے دل کو پتنگے لگے ہوئے تھے اور جیسے ہی سب لوگ قطاریں بنا کر مقدس کمیونن لینے کو کھڑے ہوئے' اس کے ضبط کی طنابیں چھوٹ گئیں اور وہ لائن توڑ کر بھاگتی ہوئی چرچ سے باہر نکلی' بہت سے لوگوں نے سخت ناگواری سے اسے دیکھا۔
"یا اللہ مجھے معاف کر دے' میں تیرے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں ٹھہرا سکتی۔" وہ فٹ پاتھ پر بیٹھ کر زار و قطار رونے لگی۔
اردگرد سے گزرتے ہوئے لوگوں نے اسے تاسف بھری نگاہوں سے دیکھا' وہ اس وقت اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی' اس کی والدہ آدھے گھنٹے کے بعد چرچ سے باہر نکلیں تو ان کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ ہو رہا تھا۔
انہوں نے مونیکا کی تلاش میں دائیں بائیں نظریں دوڑائیں' وہ انہیں چمکتی ہوئی دھوپ میں سنگلاخ روش کی سیڑھی پر بیٹھی ہوئی نظر آ گئی۔
سیاہ رنگ کے عبایہ میں سفید اسکارف اوڑھے مارتھا تیز تیز چلتی ہوئی اس کے پاس پہنچیں اور ناراضی سے اسے گھورنے لگیں۔ مونیکا نے اپنے اوپر کسی کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کیا تو گردن اٹھا کر مڑ کر دیکھا اور سامنے اپنی ماں کو دیکھ کر اس نے جلدی سے بازو کی پشت سے اپنی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں۔ اس کے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس وقت ماں کی ناراض نظروں کا سامنا کر سکے' اس لیے ڈھیٹ بن کر بیٹھی رہی۔
"تم نے آج بہت بدتمیزی کی ہے مونیکا! خداوند تم سے خفا ہو گا۔" اس کی بوڑھی ماں نے بے زاری سے اس کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا' جو آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔
"کیا ہوا ہے تمہیں؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" ان کی برہمی تھوڑا کم ہوئی تو لہجے میں تشویش در آئی۔
"پتا نہیں کیا ہو گیا ہے' میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔" اس کا لہجہ ابھی تک آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔
"مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ' جب سے گھر آئی ہو' الجھی الجھی سی ہو۔" اس کی ماں نے فکرمند نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ دل میں ایک ساتھ بہت سے اندیشوں نے جگہ بنالی تھی' وہ ان کے تینوں بچوں میں سب سے زیادہ فرماں بردار' شریف اور اپنے کام سے کام رکھنے والی ایک حساس لڑکی تھی اور اس کی ہر ممکن کوشش ہوتی کہ وہ اپنی وجہ سے کسی اور کو تکلیف نہ پہنچائے۔
"بتاؤ نا مونیکا! کیا ہوا ہے تمہیں؟"
"میرا دل نہیں کرتا چرچ میں آنے کو۔" مونیکا کا انداز میں کچھ تھا' اس کی ماں ایک دم خوف کا شکار ہوئی۔
"لیکن کیوں۔۔۔؟"
"پتا نہیں' آج بھی آپ کو ضد کر کے مجھے نہیں لانا چاہیے تھا۔" اس نے ماں سے گلہ کیا۔
"خداوند' تم پر رحم کرے اور تمہارے بے چین دل کی مسیحائی کرے۔ تم اپنے اور یسوع کے بیچ میں کسی کو آنے مت دینا بیٹا' ورنہ گمراہ ہو جاؤ گی۔" اس کی ماں نے اپنا جھریوں سے بھرا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر نرمی

ے نصیحت کی۔

وہ چاہتے ہوئے بھی انہیں نہیں بتا سکی کہ اللہ جب کسی شخص کو ہدایت کی روشنی بخش دیتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے گمراہ نہیں کر سکتی۔ اس نے ماں کو مطمئن کرنے کے لیے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"گھر چلیں۔" وہ اب خود کو سنبھال چکی تھی، لیکن اس کی ماں کا دل اندیشوں کی آماجگاہ بن چکا تھا، تب ہی انہوں نے گھر پہنچتے ہی سب سے پہلے اپنے شوہر جارج سے یہ پریشانی شیئر کی۔ مونیکا کا باپ بھی یہ سب سن کر اچھا خاصا پریشان ہو گیا۔

"ہو سکتا ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہ ہو، تمہیں اس کے ساتھ زبردستی نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

"وہ پندرہ دن سے یہاں ہے، پچھلی دفعہ بھی ضد کر کے گھر میں رک گئی تھی، آپ مانیں یا نہ مانیں، لیکن بیچ میں کوئی اور مسئلہ ہے۔" ماں کا دل غلط نہیں کہہ رہا تھا اور وہی ہوا، رات مارتھا جب اس کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی، اس کے ہاتھ میں قرآن پاک کی انگلش تفسیر لگی۔ مارتھا کا دماغ گھوم گیا، وہ انتہائی مشتعل انداز میں وہ تفسیر اٹھائے ٹی وی والے کمرے میں چلی آئی۔

مونیکا کا گھرانہ ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا اور مونیکا این سی اے میں اسکالرشپ پر تعلیم حاصل کر رہی تھی اور اس کا باپ سینٹ میری اسکول میں میوزک ٹیچر تھا اور اس کی والدہ ایک گھریلو خاتون تھیں۔

"مونیکا۔ یہ کیا ہے۔" اس کی والدہ نے غصے سے تفسیر اس کے سامنے لہرائی، مونیکا کا رنگ اڑ گیا۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے، ہم نے تمہیں یہ پڑھنے کے لیے بھیجا ہے ہاسٹل۔" ان کی آنکھوں سے غصے کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ اس کے والد نے ٹی وی کا والیوم کم کیا اور اٹھ کر اپنی بیوی کے ہاتھ سے تفسیر پکڑی اور اس کے ٹائٹل پر نظر پڑتے ہی ان کے بھی چہرے کے زاویے بدلے۔

"یہ کیا ہے؟" اس کے باپ کے لہجے میں بھی سختی در آئی۔

"یہ میری نہیں، میری فرینڈ عائشہ کی ہے، جو میری بکس کے ساتھ آ گئی۔" مونیکا نے فوراً بات بتائی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو؟" انہوں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"آف کورس پاپا۔" مونیکا نے دھڑلے سے جھوٹ بول کر اپنے والدین کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

اس کا جھوٹ جارج اور مارتھا کو دل سے مطمئن نہیں کر سکا، ان دونوں کی رات کی نیند حرام ہو چکی تھی، مونیکا ان کی سب سے بڑی اولاد تھی اور ان کی ساری امیدیں اسی سے وابستہ تھیں۔ رات کو مونیکا انہیں دودھ کا گلاس دینے آئی تو اندر سے آنے والی آوازیں سن کر جھجک کر رک گئی۔

"میں آج ہی داؤد سے بات کر کے پوچھتا ہوں، میکائیل کب آئے گا پاکستان، ہمیں جلد از جلد مونیکا کا فرض ادا کر دینا چاہیے۔ جارج نے بچپن میں ہی اس کی منگنی اپنے بھتیجے کے ساتھ کر رکھی تھی اور میکائیل گزشتہ تین سال سے جاب کے سلسلے میں اسپین گیا ہوا تھا۔

"ان سے صاف کہیے گا کہ ہم زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتے۔" مونیکا کی ماں مارتھا کو کسی انہونی کا احساس شدت سے ستا رہا تھا۔

"پھر بھی کم سے کم تین یا چار مہینے تو لگیں گے۔" جارج نے انگلیوں پر گن کر اندازہ لگایا۔

"لیکن اس سے زیادہ نہیں ہونے چاہئیں۔" وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بمشکل اٹھیں، کلثوم کی کمی نے ان کی زندگی کو وقت سے پہلے خاصا کمزور اور بھربھرا کر دیا تھا اور وہ گزشتہ کافی سالوں سے آسٹیوپروسس مرض کا شکار تھیں۔

"تم ماں ہو اس کی' اسے دوبارہ ٹٹولنے کی کوشش کرو۔" جارج نے اپنی بیوی کو قدرے دھیمی آواز میں مشورہ دیا' جس پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا' دوسری طرف مونیکا فوراً ہی کچن کی طرف پلٹ آئی۔
اس نے جلدی سے دروازہ بند کر کے ذوالکفل کا نمبر ملایا جو اس نے تیسری بیل پر اٹھا لیا تھا۔
"میں بہت زیادہ ٹینس ہوں ذوالکفل۔" وہ اس کی بات سن کر گھبرا گیا۔ "کیا ہوا ہے مونیکا؟"
"ماں مجھے زبردستی چرچ لے کر جا رہی ہے اور انہوں نے میرے پاس قرآن پاک کی تفسیر بھی دیکھ لی ہے۔"
"او مائی گاڈ' تم نے اسے اپنے ساتھ لے جانے کی بے وقوفی کیوں کی۔"
"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اسے میرے پاس دیکھ لیں گی' میرا دل چاہتا ہے کہ میں صاف صاف بتا دوں انہیں۔" مونیکا کی بات نے اسے پریشان کیا۔
"یہ بے وقوفی مت کرنا' ورنہ تمہاری کمیونٹی کے لوگ جینا حرام کر دیں گے تمہارا بھی اور تمہاری فیملی کا بھی۔"
اس سے کئی سو کلو میٹر دور ذوالکفل اس کے لیے پریشان ہو رہا تھا' مونیکا ان دنوں چھٹیاں گزارنے اپنے آبائی شہر ملتان گئی ہوئی تھی' جبکہ ذوالکفل اپنے دوستوں کے ساتھ شمالی علاقہ جات کی سیر و تفریح کے لیے نکلا ہوا تھا۔
"لیکن میرے پیرنٹس کو لگتا ہے مجھ پر شک ہو گیا ہے۔ وہ میرے فیانسی میکائیل کے گھر والوں کو جلد شادی کرنے کے لیے پریشرائز کرنا چاہتے ہیں۔" اس نے اصل مسئلہ بتایا۔
"تو اب تم کیا کرو گی؟" وہ بھی فکر مند ہوا۔
"میں کسی کرسچن لڑکے سے شادی کیسے کر سکتی ہوں۔" وہ ہلکا سا جھنجلا کر بولی۔
"تو۔۔۔؟" ذوالکفل کی سانسیں رکیں۔
"ذوالکفل کیا تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتے؟" وہ تھکن زدہ لہجے میں بولی اور دوسری طرف ذوالکفل ایکدم ہکا بکا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

چھتیس گھنٹوں میں رومیصہ کی ساری زندگی ہی بدل گئی تھی۔
اس کا ذہن مختلف قسم کی زہریلی سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا' سوچ سوچ کر ذہن پھوڑے کی طرح دکھنے لگتا' اتنا تو اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس مصیبت سے جان چھڑانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔
سارا دن وہ اپنے کمرے کی کھڑکیوں سے فارم ہاؤس کے وسیع و عریض لان دیکھتی رہتی' ایسا لگتا تھا جیسے اس جگہ پر اس کے علاوہ کوئی چرند پرند نہیں ہے۔ یہ سوچ اسے اور زیادہ خوف زدہ کر رہی تھی۔
اس دن وہ کھڑکی کی سلاخوں پر نظریں ٹکائے انتہائی دل گرفتی کے عالم میں سامنے درخت پر بیٹھی نیلی چڑیا کو دیکھ رہی تھی' جب اس کی لینڈ کروزر فارم ہاؤس کی طویل سڑک پر آتی نظر آئی' گیسٹ روم کے بالکل ساتھ ہی بڑا سا پورچ تھا جہاں ایک وقت میں چار' پانچ گاڑیاں آرام سے کھڑی ہو سکتی تھیں' وہ گاڑی سے اترا تو اس کے ساتھ اس کا ہی ہم عمر ایک دوست تھا' دونوں نے ہاتھ میں بڑے بڑے شاپر زاٹھا رکھے تھے' جس میں یقیناً" وہ رومیصہ کے لیے کچھ سامان لایا تھا' وہ کھڑکی سے تھوڑا ہٹ کر پردے کے پیچھے ہو گئی۔
دونوں چلتے چلتے عین اسی کھڑکی کے نیچے آن کھڑے ہوئے' چونکہ شیشہ ہٹا ہوا تھا' اس لیے آواز صاف آ رہی تھی۔ رومیصہ کے کان کھڑے ہو گئے' وہ دونوں پریشانی کے عالم میں اسی کے متعلق۔ بات کر رہے تھے۔
"تم نے کیا مصیبت ڈال لی ہے اپنے گلے میں' جیکی اور شانی سخت خفا ہیں۔ انہیں پتا چل گیا تا کہ تم نے یہاں رکھا ہے اسے تو چھوڑیں گے نہیں' نہ ہم دونوں کو اور نہ اس لڑکی کو۔" اس نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔

"اتنے بھی پاٹے خان نہیں ہیں وہ۔" اس نے بے زاری سے سر جھٹکا۔
"تجھے ضرورت کیا تھی ان سے پنگا لینے کی۔" اس کے دوست کو غصہ آیا۔
"جب یہ طے ہوا تھا کہ اس لڑکی کو مار کر پھینکنا ہے کسی ویرانے میں، پھر راستے میں ان کی نیت کیوں بدلی۔" وہ ایک دم بھڑک کر بولا۔
"سالے تیری بہن لگتی ہے کیا۔" وہ جھنجلا کر بولا۔
"شٹ اپ، مارنا ہے مارو، لیکن اس کے ساتھ حرام کاری کیوں کریں وہ۔ انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے، ٹھیک ہے اس نے روحیل کو مارا، لیکن جان کا بدلہ جان ہونی چاہیے، کسی کی عزت سے کھیلنا نہیں۔" وہ بھی ایک دم غصے میں آگیا۔
اس کی بات سن کر رومیصہ کا دل دھک کر کے رہ گیا۔ اسے پہلی دفعہ پتا چلا کہ اس کو اغوا کرنے والوں کے درمیان ہی پھوٹ پڑ چکی ہے اور جو وجہ اس کے سامنے آئی تھی اسے سن کر تو اس کے رونگٹے ہی کھڑے ہو گئے، وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ روحیل کے فرینڈز اس حد تک گر سکتے ہیں۔ اس کا ذہن چکرانے لگا اور وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔
"اور یہ جو درمیان میں تم نے نکاح والا ڈراما کیا ہے، یہ پتا چل گیا نا ان سالوں کو تیری بوٹی بوٹی کر دیں گے۔" اس کا دوست استہزائیہ انداز میں گویا ہوا۔
"یہ بات تمہارے اور میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور اگر باہر نکلی تو چھوڑوں گا نہیں۔" اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔
"اتنا کمینہ سمجھ رکھا ہے، تمہاری وجہ سے پچھلے تین دن سے مسلسل خوار ہو رہا ہوں میں، یونی ورسٹی کی ایک کلاس نہیں لی، گھر نہیں گیا اور تو مجھے ہی ایسی باتیں سنا رہا ہے۔" وہ سچ مچ خفا ہوا۔
"ابے یار بس کر دے، پہلے ہی بہت اپ سیٹ ہوں، اس رومیصہ کی بہن نے ہر ایک کو آگے لگا رکھا ہے سالی اتنا اچھل رہی ہے، اوپر سے وہ خبیث اے ایس پی، کتوں کی طرح جو سونگھتا پھر رہا ہے ہماری۔"
اس کی بات سن کر رومیصہ کے حلق سے ایک پرسکون سانس خارج ہوئی، اس کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں، اسے پہلی دفعہ کچھ اطمینان ہوا کہ شیری اس کے لیے بھاگ دوڑ کر رہی ہے۔
"لیکن یہ بتا اب کرنا کیا ہے اس مصیبت کا۔" اس کا دوست بے زاری سے گویا ہوا۔
"میں تو خود عذاب میں پھنس گیا ہوں، جیکی اور شانی تو مزے میں رہ گئے اور یہ جیتی جاگتی لاش گلے پڑ گئی ہمارے، میں تو اس کی عزت بچانے کے چکر میں اتنے سالوں کی دوستی سے بھی ہاتھ گنوا بیٹھا۔" وہ اچھا خاصا پریشان تھا۔
"ایک تو تیری یہ مدر ٹریسا والی روح مرواتی ہے ہر دفعہ ہمیں۔" اس کا دوست منہ بنا کر بولا۔
"اچھا یہ سیل فون رکھ اس کا اور پھینک دینا کسی اور علاقے میں، میری گاڑی میں کسی کے ہاتھ ہی نہ لگ

"میں تو خود عذاب میں پھنس گیا ہوں، جیکی اور شانی تو مزے میں رہ گئے اور یہ جیتی جاگتی لاش گلے پڑ گئی ہمارے، میں تو اس کی عزت بچانے کے چکر میں اتنے سالوں کی دوستی سے بھی ہاتھ گنوا بیٹھا۔" وہ اچھا خاصا پریشان تھا۔
"ایک تو تیری یہ مدر ٹریسا والی روح مرواتی ہے ہر دفعہ ہمیں۔" اس کا دوست منہ بنا کر بولا۔
"اچھا یہ سیل فون رکھ اس کا اور پھینک دینا کسی اور علاقے میں، میری گاڑی میں کسی کے ہاتھ ہی نہ لگ

"سچ بتاؤں۔۔۔" وہ بلند آواز میں ہنسا۔

"جلدی سے پھوٹ، کچھ نہ کچھ تو اندازہ ہے مجھے بھی، ورنہ کون پنگا لیتا ہے اپنے ہی یاروں سے۔۔۔" اس کا لہجہ طنز میں ڈوبا ہوا تھا۔

"اچھا تو پھر کان کھول کر سن لے۔" اس نے اپنے لہجے کو پراسرار بنایا۔

"دل آگیا تھا میرا اس کے اوپر۔۔۔ تب ہی تو نکال لایا اسے جیکی اور شانی کے ہاتھوں سے۔ تھوڑا حالات بہتر ہو جائیں تو پھر سوچتے ہیں کیا کرنا ہے اس کا۔" اس کی بات سن کر رومی کا دل کسی گہری کھائی میں جا گرا اور دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ اب تو رہائی کی جو تھوڑی بہت امید تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

آسمان کی کوکھ سے اجالے کا ظہور ہو چکا تھا اور یہ روشن دن میر فیملی کے سیاسی مستقبل کے لیے خاصا تاریک ثابت ہونے والا تھا۔ ٹمبر مافیا کیس کو میر حاکم علی کی وجہ سے میڈیا میں وقت سے پہلے ہی کافی کوریج مل رہی تھی۔ ان کے سیاسی مخالفین نے اس کیس کو پہلی ہی پیشی سے ان کے خلاف کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شہزاد اپنے موکل کے ساتھ کورٹ پہنچی تو وہاں مختلف چینلز کے نمائندے پہلے سے موجود تھے، جو اس کیس میں لگائے جانے والے الزامات کی بریکنگ نیوز بنانے کے لیے بے تاب تھے۔ بہت سے نمائندوں نے شجاع غنی کو گھیر لیا تھا، شہزاد بڑی مشکل سے اسے نکال کر کورٹ تک لائی۔

پہلی ہی پیشی میں شہزاد کی اٹھان غضب کی تھی، اس نے آغاز ہی تابڑ توڑ حملوں سے کیا اور سب سے اہم بات وہ ثابت تھے جن کو غلط ثابت کرنا میر فیملی کے لیے اچھا خاصا دردِ سر ثابت ہونے والا تھا۔

"بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ عوام کے ووٹوں سے منتخب ہونے والے حکمران ہی وطن کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ کر کھا رہے ہیں، کروڑوں روپے کی مالیت کے درختوں کو بے دردی سے کٹوا کر اپنے اکاؤنٹس میں اضافہ کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف گلوبل وارمنگ سے پاکستان سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے۔ ہمیں اس ٹمبر مارٹ کے پیچھے چھپے اصل ہاتھوں کو کاٹنا ہو گا۔" وہ بڑے پراعتماد انداز میں میڈیا کا سامنا کر رہی تھی۔

دوسری طرف نور محل میں اس وقت سخت کھلبلی مچی ہوئی تھی، میر حاکم اپنے دونوں بیٹوں محتشم اور خاقان کے ساتھ سٹنگ روم میں موجود تھے، سامنے بیالیس ایچ ایل ای ڈی میں کمرہ عدالت کے باہر کے مناظر دکھائے جا رہے تھے جہاں شہزاد، شجاع غنی کے کیس کا دفاع کرتے ہوئے اپنا موقف بڑے پرسکون انداز میں بیان کر رہی تھی۔

"کون ہے یہ لڑکی؟" میر حاکم نے ہاتھ میں پکڑا ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول بے دردی سے صوفے پر پھینکا، ان کے لہجے سے برہمی ٹپک رہی تھی۔

"کوئی بیرسٹر شیری ہے، مسز قریشی کے چیمبر میں بیٹھتی ہے۔" جواب خاقان علی کی طرف سے انتہائی بے زار لہجے میں آیا۔

رہے تھے جہاں شہزاد، شجاع غنی کے کیس کا دفاع کرتے ہوئے اپنا موقف بڑے پرسکون انداز میں بیان کر رہی تھی۔

"کون ہے یہ لڑکی؟" میر حاکم نے ہاتھ میں پکڑا ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول بے دردی سے صوفے پر پھینکا، ان کے لہجے سے برہمی ٹپک رہی تھی۔

"کوئی بیرسٹر شیری ہے، مسز قریشی کے چیمبر میں بیٹھتی ہے۔" جواب خاقان علی کی طرف سے انتہائی بے زار لہجے

"اتنے بھی پاٹے خان نہیں ہیں وہ۔" اس نے بے زاری سے سر جھٹکا۔
"تجھے ضرورت کیا تھی ان سے پنگا لینے کی۔" اس کے دوست کو غصہ آیا۔
"جب یہ طے ہوا تھا کہ اس لڑکی کو مار کر پھینکنا ہے کسی ویرانے میں' پھر راستے میں ان کی نیت کیوں بدلی۔" وہ ایک دم بھڑک کر بولا۔
"سالے شیری بن لگتی ہے کیا۔" وہ جھنجلا کر بولا۔
"شٹ اپ' مارنا ہے مار دو' لیکن اس کے ساتھ حرام کاری کیوں کریں وہ۔ انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے' ٹھیک ہے اس نے روحیل کو مارا' لیکن جان کا بدلہ جان ہونی چاہیے' کسی کی عزت سے کھیلنا نہیں۔" وہ بھی ایک دم غصے میں آگیا۔
اس کی بات سن کر رومیصہ کا دل دھک کر کے رہ گیا۔ اسے پہلی دفعہ پتا چلا کہ اس کو اغوا کرنے والوں کے درمیان ہی پھوٹ پڑ چکی ہے اور جو وجہ اس کے سامنے آئی تھی اسے سن کر تو اس کے رونگٹے ہی کھڑے ہو گئے' وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ روحیل کے فرینڈز اس حد تک گر سکتے ہیں۔ اس کا ذہن چکرانے لگا اور وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔
"اور یہ جو درمیان میں تم نے نکاح والا ڈراما کیا ہے' یہ پتا چل گیا نا ان سالوں کو' شیری بوٹی بوٹی کر دیں گے۔" اس کا دوست استہزائیہ انداز میں گویا ہوا۔
"یہ بات تمہارے اور میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور اگر باہر نکلی تو چھوڑوں گا نہیں۔" اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔
"اتنا کمینہ سمجھ رکھا ہے' تمہاری وجہ سے پچھلے تین دن سے مسلسل خوار ہو رہا ہوں میں' یونی ورسٹی کی ایک کلاس نہیں لی' گھر نہیں گیا اور تو مجھے ہی ایسی باتیں سنا رہا ہے۔" وہ سچ مچ خفا ہوا۔
"ابے یار بس کر دے' پہلے ہی بہت اپ سیٹ ہوں' اس رومیصہ کی بہن نے ہر ایک کو آگے لگا رکھا ہے' سالی اتنا اچھل رہی ہے' اوپر سے وہ خبیث اے ایس پی' کتوں کی طرح جو سونگھتا پھر رہا ہے ہماری۔"
اس کی بات سن کر رومیصہ کے حلق سے ایک پرسکون سانس خارج ہوئی' اس کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں' اسے پہلی دفعہ کچھ اطمینان ہوا کہ شیری اس کے لیے بھاگ دوڑ کر رہی ہے۔
"لیکن یہ بتا اب کرنا کیا ہے اس مصیبت کا۔" اس کا دوست بے زاری سے گویا ہوا۔
"میں تو خود عذاب میں پھنس گیا ہوں' جیکی اور شانی تو مزے میں رہ گئے اور یہ جیتی جاگتی لاش گلے پڑ گئی ہمارے' میں تو اس کی عزت بچانے کے چکر میں اتنے سالوں کی دوستی سے بھی ہاتھ گنوا بیٹھا۔" وہ اچھا خاصا پریشان تھا۔
"ایک تو تیری یہ مدر ٹریسا والی روح مرواتی ہے ہر دفعہ ہمیں۔" اس کا دوست منہ بنا کر بولا۔
"اچھا یہ سیل فون رکھ اس کا اور پھینک دینا کسی اور علاقے میں' میری گاڑی میں کسی کے ہاتھ ہی نہ لگ جائے۔" اس نے اپنی جیب سے رومیصہ کا فون نکال کر پکڑایا تو اس نے جھٹ سے آن کر لیا۔
"اسٹوپڈ انسان' بند کر اسے' مروائے گا کیا۔" وہ ہلکا سا جھنجلایا۔
"اچھا بابا کر رہا ہوں۔" اس کے دوست نے سیل فون بند کر کے اسے غور سے جانچتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔
"خیر ہے یہ میرا پوسٹ مارٹم کس خوشی میں ہو رہا ہے۔"
"دیکھ جگنو' سچ سچ بتا دے' کس چکر میں نکاح کیا ہے تو نے اس کے ساتھ؟ مجھے یہ غصے میں آکر کرنے والی بات کچھ ہضم نہیں ہو رہی' تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں اور کوئی مرد اتنا بڑا قدم ایسے ہی نہیں اٹھا سکتا۔"

"سچ بتاؤں۔۔۔" وہ بلند آواز میں ہنسا۔
"جلدی سے پھوٹ' کچھ نہ کچھ تو اندازہ ہے مجھے بھی' ورنہ کون پنگا لیتا ہے اپنے ہی یاروں سے۔۔۔" اس کا لہجہ طنز میں ڈوبا ہوا تھا۔
"اچھا تو پھر کان کھول کر سن لے۔" اس نے اپنے لہجے کو پراسرار بنایا۔
"دل آگیا تھا میرا اس کے اوپر۔۔۔ تب ہی تو نکال لایا اسے جیکی اور شانی کے ہاتھوں سے۔ تھوڑا حالات بہتر ہو جائیں تو پھر سوچتے ہیں کیا کرنا ہے اس کا۔" اس کی بات سن کر رومی کا دل کسی گہری کھائی میں جا گرا اور دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں' اب تو رہائی کی جو تھوڑی بہت امید تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

آسمان کی کوکھ سے اجالے کا ظہور ہو چکا تھا اور یہ روشن دن میر فیملی کے سیاسی مستقبل کے لیے خاصا تاریک ثابت ہونے والا تھا۔ نمبر مافیا کیس کو میر حاکم علی کی وجہ سے میڈیا میں وقت سے پہلے ہی کافی کوریج مل رہی تھی۔ ان کے سیاسی مخالفین نے اس کیس کو پہلی ہی پیشی سے ان کے خلاف کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ یہی وجہ تھی جب شہزاد اپنے موکل کے ساتھ کورٹ پہنچی تو وہاں مختلف چینلز کے نمائندے پہلے سے موجود تھے' جو اس کیس میں لگائے جانے والے الزامات کی بریکنگ نیوز بنانے کے لیے بے تاب تھے۔ بہت سے نمائندوں نے شجاع غنی کو گھیر لیا تھا' شہزاد بڑی مشکل سے اسے نکال کر کورٹ تک لائی۔
پہلی ہی پیشی میں شہزاد کی اٹھان غضب کی تھی' اس نے آغاز ہی تابڑ توڑ حملوں سے کیا اور سب سے اہم بات وہ ثبوت تھے جن کو غلط ثابت کرنا میر فیملی کے لیے اچھا خاصا دردِ سر ثابت ہونے والا تھا۔
"بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ عوام کے ووٹوں سے منتخب ہونے والے حکمران ہی وطن کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ کر کھا رہے ہیں' کروڑوں روپے کی مالیت کے درختوں کو بے دردی سے کٹوا کر اپنے اکاؤنٹس میں اضافہ کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف گلوبل وارمنگ سے پاکستان سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے۔ ہمیں اس نمبر مارٹ کے پیچھے چھپے اصل ہاتھوں کو کاٹنا ہوگا۔" وہ بڑے پراعتماد انداز میں میڈیا کا سامنا کر رہی تھی۔
دوسری طرف نور محل میں اس وقت سخت کھلبلی مچی ہوئی تھی' میر حاکم اپنے دونوں بیٹوں محتشم اور خاقان کے ساتھ سٹنگ روم میں موجود تھے' سامنے پیالیں اے آر ڈی کی ایل ای ڈی میں کمرہ عدالت کے باہر کے مناظر دکھائے جا رہے تھے جہاں شہزاد' شجاع غنی کے کیس کا دفاع کرتے ہوئے اپنا موقف بڑے پرسکون انداز میں بیان کر رہی تھی۔
"کون ہے یہ لڑکی؟" میر حاکم نے ہاتھ میں پکڑا ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول بے دردی سے صوفے پر پھینکا' ان کے مزاج سے برہمی ٹپک رہی تھی۔
"کوئی بیرسٹر شیری ہے' مسز قریشی کے چیمبر میں بیٹھتی ہے۔" جواب خاقان علی کی طرف سے انتہائی بے زار لہجے میں آیا۔
"ابھی زمین سے پوری طرح اگی نہیں تو یہ حال ہے اس کا۔" میر حاکم کو اس کا پراعتماد انداز آگ لگا گیا تھا۔
"بابا جان چھوڑیں اسے' بات تو ساری شجاع غنی کی ہے' کیس تو اسی نے کیا ہے نا۔" محتشم علی نے اپنے باپ کو صورتِ حال کا اصل رخ دکھایا۔
"فوراً بلواؤ اس شجاع غنی کو میں بات کرتا ہوں اس سے اپنی زبان میں۔۔۔" وہ ناراضی سے کہہ کر ٹہلنے لگے۔
"وہ نہیں آئے گا بابا جان' بہت اونچی ہواؤں میں اڑ رہا ہے وہ آج کل۔۔۔" محتشم علی بے زاری سے گویا

ہوئے۔

"ایسے ہی قیمت بڑھوا رہا ہوگا اپنی' پیغام بھجواؤ اسے اور کہو میر حاکم علی نے بُلایا ہے۔ اگر انکار کرے تو پھر زمین پر۔۔۔ چلنے پھرنے کا بھی کوئی حق نہیں ہے اسے۔۔۔" ان کے انداز میں تکبر اور رعونت ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

خاقان علی اور محتشم علی اپنے باپ کی بات سن کر پریشانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے' کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اب شجاع غنی کسی قیمت پر بھی نہیں آئے گا۔

☼ ☼ ☼

اس دن شہزاد بڑے عجلت بھرے انداز میں قریشی ایسوسی ایٹ سے نکلی تو سیل فون پر ارتضیٰ کی کال آگئی۔ شام کے چھ بج رہے تھے اور اسے فوراً گھر پہنچنا تھا' کیونکہ گھر میں ثمینا بیگم کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ ان کا ہارون رضا کے ساتھ ایک زوردار' جھگڑا ہو گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں شہزاد کو سب کچھ چھوڑ کر آفس سے نکلنا پڑا۔

"محترمہ کہاں ہیں آپ' اب تو صرف میڈیا پر ہی دکھائی دیتی ہیں۔" ارتضیٰ نے ہلکے پھلکے لہجے میں گلہ کیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے' آج کل بہت بزی شیڈول رہا ہے میرا۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا اور اپنے ڈرائیور کو لیپ ٹاپ بیگ اور فائلز ڈگی میں رکھنے کا اشارہ کیا۔

"میرے پاس ایک اچھی نیوز ہے آپ کے لیے۔" ارتضیٰ زیادہ دیر تک صبر نہ کر پایا۔

"رئیلی۔۔۔؟" شہزاد جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھی۔

"مجھے لگتا ہے' ہم رومیصہ تک پہنچنے والے ہیں۔" اس اطلاع نے شہزاد کو ایکدم پرجوش کیا۔

اس کی گاڑی پارکنگ سے نکال کر مین روڈ پر آگئی تھی اور اس کی تمام تر توجہ سیل فون کی گفتگو کی طرف تھی اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ ایک موٹر بائیک پر موجود دو لڑکے اس کے تعاقب میں تھے۔

"کوئی کلیو ملا ہے آپ کو؟"

"ہاں رومیصہ کا سیل فون آن کیا گیا تھا آج۔" ارتضیٰ کی اطلاع نے اسے بے چین کیا۔

"تو پتا چلا کچھ؟" وہ بے تاب انداز میں اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"لوکیشن کچھ ٹریس تو ہوئی ہے' لیکن ابھی حتمی نہیں ہے' البتہ علاقہ لوکیٹ ہو گیا ہے۔" ارتضیٰ حیدر کی بات شہزاد ابھی بھی دل کھول کر خوش بھی نہیں ہو پائی تھی' جب ڈرائیور کی فکرمند آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"میم ہماری گاڑی کو فالو کیا جا رہا ہے۔"

"اوہ نو۔۔۔ کون لوگ ہیں یہ۔۔۔ کون آ رہے ہیں ہمارے پیچھے۔" شہزاد نے خوف زدہ انداز میں مڑ کر دیکھا۔ دوسری طرف ارتضیٰ ایک سیکنڈ میں ساری سچویشن سمجھا تھا۔

"شہزاد کیا ہوا؟ کہاں پر ہو تم؟ اپنی لوکیشن بتاؤ پلیز۔" اس نے عجلت بھرے انداز میں پوچھا۔

"اسلام آباد ایکسپریس وے پر۔۔۔ ایف ایٹ کے نزدیک۔" اس نے ہلکا سا بوکھلا کر جواب دیا۔

سیل فون ابھی شہزاد کے کان کے ساتھ ہی لگا ہوا تھا اور وہ دونوں موٹر بائیک سوار ایکدم ہی گاڑی کے برابر میں آئے' اس کے ساتھ ہی فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی اور ان میں سب سے نمایاں آواز شہزاد کی تھی۔ ارتضیٰ حیدر کو لگا جیسے کسی نے اس کا دل کاٹ کر جلتی بھٹی میں پھینک دیا ہو۔

(باقی آئندہ ماہ' ان شاء اللہ)

مصباح علی سید

میرا راج دلارا

آپس میں گتھم گتھا ہوتی بھنتی شعاعیں زمین پر ایسے آرہی تھیں جیسے زمین پر افطاری کا سامان سجا ہو۔

سڑک پر ہر چیز پگھلی جا رہی تھی۔ سوائے عمر ایاز کے اور اس جھلساتے موسم میں وہ بہت تیز چل رہا تھا۔ بلی،

مور، ہرن کی چال کا خوب تذکرہ سن رکھا ہوگا لیکن جناب! اس کی قطعاً ایسی چال نہیں تھی اور نہ ہی چیتے کی طرح بلکہ ہنٹر کھانے کے بعد سرپٹ بھاگتے گدھے کے مشابہہ مزدور لگتا تھا۔

کچھ عرصہ سے اس میں ایک تبدیلی نمایاں تھی۔ چلتے چلتے جھک کر اپنی شلوار کا پائنچہ ضرور چیک کرتا تھا۔ ایک دو بار یہی حرکت آفس میں کرلی، قریب بیٹھے کولیگ نے حیرت سے پوچھا۔

"کیا ہوا بھائی... خیر تو ہے، پیٹ ٹھیک ہے آپ کا...؟"

اب وہ کیا بتائے کہ زندگی کی روانی میں اکثر بدرنگی بلکہ دورنگی جرابیں پہننے کا اتفاق تو اکثر کو ہوا ہوگا، لیکن شلوار کا الٹا سیدھا ہو جانا، کس قدر شرمساری کا باعث بنتا ہے، یہ صرف عمر ایاز ہی جان سکتا ہے۔ اب بھی اس نے تیز چلتے چلتے کوئی تیسری بار جھک کر شلوار کا پائنچہ دیکھا تھا اور جھکا سر بجلی کے کھمبے سے جا ٹکرایا۔

"اوہو... میرے ربا...!" ماتھا اوپر اٹھاتے اک کراہ سی نکلی تھی۔ ایک تو یہ واپڈا بجلی تو دیتا نہیں لیکن ناجائز تجاوزات کی طرح جا بجا تاروں سے بھرے کھمبے ٹھونک رکھے ہیں۔ کتنی دیر اس کی نگاہوں میں تارے اور کہکشائیں ناچتی رہیں۔ کتنا ہی اچھا ہوتا ان کی جگہ حیا چمک جاتی۔ خیر اس نے ماتھے پر ابھرے آلو کو رگڑا اور دس حرف بھیجے ان تمام کی زندگیوں پر جنہوں نے اس کی زندگی میں قیامت خیزیاں مچا رکھی تھیں۔ وہ آج کل بے حد پریشان تھا۔ اپنی زندگی میں کچھ سکون ڈھونڈنے کے لیے نکاح تو اس نے کر ہی لیا تھا لیکن ماں باپ کے بعد اس کو شدت سے چاہنے والے ساتوں بہن بھائیوں نے ان دیکھی قسم اٹھالی۔

"لڑکی تو نے اپنی مرضی سے پسند کی، نکاح اپنی مرضی سے کیا، لیکن ہم نے بھی ماں باپ کو آخر منہ دکھانا ہے۔ چار لوگوں میں ہماری بھی کوئی عزت ہے۔ لوگ کیسا تھو تھو کریں گے، یتیم مسکین بھائی نے خود ہی بیاہ رچالیا اب رخصتی ہوگی اور خوب دھوم دھڑکے سے ہوگی اور ہماری ہی مرضی سے ہوگی۔" وہ چپ ہوگیا تھا کیوں کہ حیا سے اس دن خاموش ملاقات کے تین چار دن بعد سب بہن بھائی اکٹھے ہو کر حیا کے گھر دھاوا بولنے گئے۔ سب نے دل کی خوب بھڑاس نکالی، طعنے تشنے دیے، ان کی سوئی غیرت جگائی۔

"لڑکی ایسی ہی بھاری تھی، مانا ہمارا بھائی گدھا ہے، تم ہانک کر ہی لے گئے۔" بڑی آپا نے چھوٹی کے کہنی ماری، تیسرے نمبر والی نے منہ چڑھایا۔

"پاگل اپنے کو برا نہیں کہنا لڑکی کو کہہ۔"

پیرنی آپا بولی "ایسے تو نکاح ہی نہیں ہوتا، تو یہ قیامت ہی ہے۔"

دونوں بھاوجوں نے اپنی اپنی بارات کے مہمان گنوا دیے۔ بھائی جان نے جوش میں آکر کہا تھا۔

"ہمارا بھائی شکل سے غریب لگتا ہے مگر ہے نہیں اب ہم ڈھول باجے لائیں گے۔ تب ساتھ کرنا اپنی لڑکی..."

سسر کی غیرت تو ایسی جاگی کہ دھمالیں ڈال ڈال دو فٹ اچھلی کہ!

"بچو عمر ایاز! اب لا بارات اور سب بہن بھائیوں سے معافی منگوا، اگر حیا لے جانی ہے۔" ایسے میں ایاز بے چارہ بہن بھائیوں کو راضی کرنے میں لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

ان ظالم بہن بھائیوں سے کچھ رقم بچا کر بڑی مشکل سے بچت کی اور ایک موٹر سائیکل خرید لی تھی لیکن بس نام کو اس کی تھی۔ ورنہ تو کبھی بھائی جان اڑتے کبھی بھیا اور اگر وہ دونوں اپنی سواریوں کو زحمت دے لیتے تو خیر سے بھانجے اب اتنے بڑے ہو چکے کہ مانگتے ذرا نہ شرماتے تھے۔ انہیں جب بھی وا ویلنگ کا شوق کسی بھوت کی طرح چڑھتا، سب سے پہلے ان کے ابا اپنا موٹر سائیکل مرمت کے خرچے سے خوف سے چھپا دیتے پھر ایسے میں ایاز ماموں ہی ایسی ہستی تھی، آڑے وقت میں کام آنے والی۔

ماموں یوں کا رونا رو کر بائیک مانگ لی۔ اگر تو وہ دے دیتے
تو ان کی دس نسلوں میں بیٹے پیدا ہونے جیسی
دعائیں دیتے اور اگر کبھی ڈپٹ کر انکار کر دیتے "اف پھر
وہی پھوہڑ (کیوں کہ ماموں بھی ایسے ہی واقع ہوئے تھے'
اپنے ساتھ بہن بھائیوں کے سامنے ہتھ کڑی لگے
مجرم کی طرح گردن گرائے چلتے تھے' ان کے بچوں کے
سامنے سانولے چہرے کو ہولناک بنانے کے لیے چپکی
پلکوں والی آنکھوں کو پھاڑ لیتے' سوکھی ٹہنی جیسی
ٹانگیں تان کر ڈانٹنا شروع) بڑی بھانجی اس قدر بدتمیز
تھی ڈرنا تو درکنار اپنی انگلی سے ان کی پسلیاں گننے لگ
جاتی اور کہتی۔

"ماموں کچھ ڈھیلی کریں' یہ والی اکڑ کر ٹوٹنے والی
ہے۔" پھر کیا' سب بچوں کے قہقہے چھوٹ جاتے'
تالیاں مارتے' خود بھی ہنستے اپنی اماؤں کو بھی ہنساتے۔
ایسے میں ماموں آگے پیچھے ہو جاتے اور جس کام
کے لیے آیا تھا۔ وہ واقعی نہ کرتے تھے۔ بھانجے کون سا
ٹلنے والے تھے۔ جب جب ماموں نے موٹر سائیکل
دینے سے انکار کیا انہوں نے خاموشی سے جاتے جاتے
ڈیوڑھی میں کھڑی بائیک کے ٹائر پر کیل گاڑ دیا یا تیل کا
پائپ کھینچ گئے۔

"چلو ہمارے کام کی نہیں تو کم از کم ایک دن ماما بھی
اسے گدھے کی طرح گھسیٹتا مستری تک لے جائے
گا۔"

رات بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا تھا بلو بائیک مانگنے
آیا۔ ماموں نے صبح۔ جلدی جانے کا کہہ کر انکار کر دیا۔
وہ کمینہ صفت جاتے جاتے پلگ کی تار کھینچ کر کاغذ
اڑس کر واپس لگا گیا۔

"چل پھر ماسے۔ صبح ککیں ہی مارتا رہیں۔ نہ
دینے کی کچھ تو سزا ملے۔" اور صبح جب اس نے کک
ماری تو وہ اسٹارٹ نہ ہو کر دے۔ زیادہ شور اس لیے نہ
ہوا کہ چھوٹی بھابھی کی لش پش تیاریوں سے لگتا تھا
میکے جانے کی تیاریوں میں ہیں۔ اگر بھیا کو پتا چل گیا تو
بلا تامل کہہ دیں گے۔

"او بھائی! مستری تک بائیک گھسیٹتا تو جائے گا ہی'
دو میرے بچے بھی بٹھا لے' نانی کے گھر تک اتار دینا۔"

اسے آج بینک جلدی پہنچنا تھا کیوں کہ ان دنوں
بینک کی کلوزنگ شروع ہو چکی تھی۔ بائیک سے جانے
کا ارادہ ملتوی کر بس اسٹاپ کی جانب چل پڑا اور سر
پھوڑنے کے لیے کھمبا جانے کیوں درمیان میں آگیا۔
وہ ماتھا سہلاتا بس میں سوار ہو چکا تھا۔ موبائل چیک
کرنے کے لیے نکالا۔ اس کا ان باکس بری طرح سے
پھٹنے والا تھا۔

"عمر ایاز' عمر ایاز۔۔۔ عمر ایاز۔۔۔" اور پھر بہت سے
سوالیہ نشانات نے موبائل ہینگ کر رکھا تھا۔ اس نے
کھول کر دیکھا۔ چوتھے نمبر والی باجی کے پیغامات تھے۔
وہ عادتاً "ایسی ہی تھیں۔ جس کام کا سرسری خیال آجاتا
ان کے حواسوں پر بے طرح حاوی ہو جاتا تھا۔ ان کی
ان ہی حرکتوں سے تنگ آکر ان کے میاں نے خود کو
مستقل مائیگرین کا مریض ظاہر کر رکھا تھا تاکہ کچھ دیر تو
بیگم کی زبان بند ہو۔

جب وہ میسج کرنے سے تنگ آگئیں تو مس کال
پر مس کال دینا شروع کر دی۔ عمر ایاز کو پتا تھا وہ کال پر
اپنا روپیہ تک نہیں لگائیں گی سو اسی نے کال ملالی۔
حسب عادت سنسنی پھیلا دینے والی یہ بہن کال
اٹھاتے ہی بدحواسوں کی طرح بولی تھی۔

"ایاز! تجھے پتا ہے ناں' کل عتیق پھر مالک دکان کے
ساتھ پنچایت کرنے گئے تھے۔" ان دیکھے خوف سے
عمر ایاز کی آنکھیں پھیل گئیں کیوں کہ معاملہ بہت
سیریس تھا۔ مالک دکان ان کے میاں سے دکان خالی
کروانے کے چکر میں تھا۔ جب کہ ایگزیمنٹ کی مدت
پوری ہو جانے کے باوجود عتیق بھائی پرانے کرائے دار
ہونے کی دھونس پر کسی صورت دکان چھوڑنے پر
راضی نہ تھے اور وہ بھی ان دنوں جب عید کا سیزن
شروع ہونے والا ہو۔ روز جھگڑا ہو رہا تھا۔ قریبی
دکانداروں کو اکٹھا کر کے گالم گلوچ کے ساتھ بات دست و
گریباں تک پہنچ جاتی۔ عمر ایاز کو اچھی طرح یاد تھا۔ وہ

دن پہلے عتیق بھائی کہہ رہے تھے۔
"اس کے باپ کا راج ہے' خالی کروا کے تو دکھائے' میں (گالی) اسے گولی مار دوں گا۔" اس جھماکے کے ساتھ ہی ایاز کو اپنی سانس ڈوبتی ہوئی محسوس ہوئی تھی' کہیں بھائی نے ایسا کر تو نہیں دیا۔" اس نے بہت ساری ہمت مجتمع کر کے پوچھا تھا۔
"باجی خیریت تو ہے۔ عتیق بھائی گھر پر ہی ہیں ناں؟"
"ہاآں۔۔۔!!!" باجی کے پھٹے گلے اور بند ناک سے نکلتی ایمبولنس جیسی "آں" پر وہ اندر تک کلس گیا۔ اس کا شدت سے جی چاہا کہ باجی کے گلے اور بند ناک میں اتنی روئی ٹھونس دے کہ ہمیشہ کے لیے "آں" بند ہو جائے اور کم از کم ایسی خطرناک باتیں سننے کو تو نہ ملیں جن سے چپکے ہوئے جسم کا بچا ماندہ خون بھی نچڑ جاتا ہو۔ اس نے تلخ گھونٹ نگل کر آہستگی سے پوچھا۔
"پھر مسئلہ کیا ہے؟"
"کیا مسئلہ ہوتا۔۔۔" تجاہل عارفانہ۔۔۔ "کمیٹی کے پیسے جوڑ رکھے ہیں' تو بینک جاتے ہوئے۔ آذرا آپا کی طرف پکڑاتا جا۔۔۔" ساتھ ہی وہ اونچی آواز میں بڑبڑائیں۔ "ایک تو آپا بھی قسم سے ایسی ہیں' کمیٹی ایک دن لیٹ ہو جائے تو سو روپے جرمانہ لگا دیتی ہیں' مجھے پورا یقین ہے' اپنی کمیٹی تو یوں ہی ٹھگ لیتی ہوں گی۔" چلا کو۔۔۔ اللہ بخشے اماں کہا کرتی تھیں بڑی پھوپھی پر گئی ہیں آپا۔" اس سے پیشتر کہ وہ مزید آپا کے ٹھگنے کے اوچھے ہتھکنڈے بتاتیں وہ جلدی سے بولا تھا۔
"باجی! میں تو آج بس پر جا رہا ہوں۔۔۔ کل۔"
"ہاں ہاں بس۔" اس کی بات درمیان میں کاٹ دی۔ "نہیں جب بھی کوئی کام کہہ دوں' تو ڈھکا چھپا انکار کر دیا کر' صاف کہہ دے میرا کام کرتے موت پڑتی ہے۔ آپا کے اسکول کا تو چوکیدار تک بن جاتا ہے۔ بھائی جان کے گھر کا کھڑاد ھوتے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے' تجھے ہر کسی کے آگے پیچھے منتیں کرتا پھرتا ہے' تیری رخصتی کروا دیں' میری دفعہ انکار ہے۔ اچھا بس ٹھیک ہے۔۔۔" وہی ان کا لٹھ مار انداز عود کر آیا۔ "بھجوا دوں گی' کسی اور کی منتیں کر کے' تو اپنا قیمتی وقت اپنے پاس رکھ' اپنی اس حیا' بے حیا کے لیے بچا کر۔۔۔" وہ ابھی مزید صلواتیں سناتیں لیکن وہ عاجزی سے بولا تھا۔
"آپ ناراض نہ ہوں' میں واپسی پر آپ کی طرف آجاؤں گا۔"
"ہاآں۔۔۔ میرا بھائی کتنا اچھا ہے تو۔" وہ کھڑے پیر بدل گئیں۔ "اللہ تیری زندگی رکھے' صحت تندرستی دے' ترقی دے' خوشیاں دکھائے بچی کیا بتاؤں تجھے ایاز! کتنی مشکلوں سے پیسے جوڑے ہیں۔ اب اگر عتیق دیکھ لیں' یقین کر فوراً" مانگ لیں گے' مانگتے تو انہیں کبھی شرم آئی ہی نہیں' پیالہ دے کر چوک میں بھیج دوں' شام تک ہزار دو ہزار جمع کرا لائیں گے۔" مسافروں کے خوف سے ایاز نے بمشکل ہنسی روکی مگر وہ پوری سنجیدگی سے اپنا رونا رو رہی تھیں۔
"پیسوں کا تو انہیں ہر وقت رونا پڑا رہتا ہے' آج کل تو ویسے ہی دکان کی طرف سے جلے پڑے ہیں۔ افطار میں بھی کہتے ہیں روزہ رکھ لو۔۔۔ لے بتا' اب تو تیری شادی پر بچوں کے اپنے جوڑے بھی تو بنوانے ہیں' تجھے بھی کچھ دینا دلانا ہو گا' ورنہ تیری وہ حیا۔۔۔" اب کے بے حیا انہوں نے دل میں کہا تھا "جینے دے گی بھلا۔" عمر ایاز چپ کر کے سنتا رہا۔ "اچھا پھر پتا آئے گا ناں تو۔۔۔ میں انتظار کروں گی۔"
"جی آجاؤں گا۔" یہ صرف عمر ایاز جانتا تھا کس دل سے اس نے اچھا جی کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

بس اسٹاپ پر رکی' باقی بینک تک کا راستہ اس نے پیدل طے کیا تھا۔ خیالوں میں بار بار حیا کے باحیا جھماکے' روزے کی شدت اور باجی کی خود غرضی کافی حد تک کم کر چکے تھے۔۔۔ بینک میں سارا وقت بے حد مصروفیت کا گزرا' چھٹی سے کچھ پہلے حیا کا میسج آگیا۔
"اگر آپ فری ہیں تو آفس کے فون سے کال

لرلیں۔" حیا کے لیے تو عمر ایاز دل و جان سے فری تھا۔ اک نظر دیکھنے کے لیے بے چین' آواز سننے کے لیے بے تاب۔" اپنے بے قرار دل کو قرار دینے کے لیے آفس کا فون کیوں اپنا پرسنل استعمال کرے گا بھلا' وہ صرف بہن بھائیوں کی مصیبتیں جھیلنے کے لیے ہی تھوڑا جیب میں ڈال رکھا ہے۔ اس نے فوراً" کال ملائی۔ سوکھی پسلیوں میں دھڑ دھڑ دھڑکتے دل کے ساتھ اس کا حال احوال پوچھا۔

"خیریت حیا جی' کیسی ہیں آپ؟"

"میں تو اللہ کی کرم نوازی سے بالکل ٹھیک ہوں' بس آپ ہی کے مزاج نہیں ملتے۔"

"ارے یہ کیا کہہ دیا آپ نے۔ حکم کریں آپ۔"

وہ قدرے اٹھلاتی پھر دبا دبا سا غصہ کرتی' کہنے لگی۔

"امی کب سے آپ کو انظار پر بلا رہی ہیں' آپ ٹالے ہی جا رہے ہیں۔ کل تیسرا عشرہ بھی شروع ہو جائے گا۔۔۔ مگر آپ ہیں کہ۔۔۔" سنتے ہی ایک غمزدہ آہ پسلیوں میں اٹک گئی۔ دراصل اس کی ساس نے اسے کئی بار انظار کے لیے فون کیے مگر قسمت کے چکر ایسے تھے۔ وقت تو اس کے پاس تھا مگر صرف بہن بھائیوں کے گلے دور کرنے کے لیے۔ کتنی بار ارادہ کیا' مگر کبھی جوتا کوئی پہن گیا' کبھی لباس' کبھی بائیک غائب ہے تو کبھی سارے بہن بھائیوں کا اجلاس بیٹھ جاتا۔ مسئلہ عمر ایاز کی شادی کا معاملہ دیکھنے کا تھا۔ اور اجلاس بھی ایسا تھا جس میں ان ساتوں کے اکیس بدتمیز بچوں پر عمر ایاز کی ڈیوٹی ہوتی تھی۔

"دھیان رکھ لڑکیں بھڑیں نا۔" کیوں کہ بہنوں کو اٹھتے ہوتے ہی سسرال کے رونے' رونے کا موقع ملتا اور بھابھیاں اس رش کو دیکھ کر اندر تک جلتی بھنتیں۔ آگے پیچھے کتنی بار دونوں بھابھیوں کو کھسر پھسر کرتے سنا گیا تھا۔

"جس دن گرمی زیادہ ہو' اپنے گھر کے کاموں سے بچ کر' کم بختیں آجاتی ہیں اکٹھی ہو کر' بھائی کی بری پان کرنے۔۔۔ کولر کے آگے اکٹھی پڑی ہیں' خواہ بچے ایک دوسرے کے بال نوچ نوچ ٹنڈ کر دیں۔"

"اچھا ہے نا بھابھی۔" چھوٹی والی نے مستی میں بڑی والی کو ٹھوکا دیا "جو نئی پینیں اور بیٹ خرید رکھے ہیں۔ بالوں میں اٹکانے کو' کیلوں سے ٹنڈ پر ٹھونکیں گی برات پر۔۔۔ ہی ہی ہی۔"

پھر ٹنڈ پر ٹھونکیں پنوں کی لطافت نے موسم کی حدت کو قدرے کم کر دیا تھا۔ نندوں اور ان کے بچوں پر لعنتیں بھیج اپنے اپنے مہمانوں کی لسٹ عمر ایاز کو پکڑائی۔ ایاز بھی ایسے میں کیا کرتا کسی بہن بھائی' بھاوج کو ناراض کرنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ کیوں کہ صورت حال خاصی تشویش ناک ہو چکی تھی۔ سسر صاحب نے ضد پکڑ رکھی تھی۔

"جب تک تیرے بہن بھائی راضی خوشی نہ آئیں گے' حیا نہیں دوں گا۔۔۔"

اب بہن بھائیوں کو راضی خوشی کرنے میں بیچارہ خود محلے کے بھنگی خوش بخت سے ملنے لگ گیا تھا۔

بینک میں بیٹھا وہ بھنگی تمام مسرتیں چہرے پر سجائے' خیالوں میں حیا کے لبوں سے سرخ پھول جھڑتے دیکھ رہا تھا۔ آواز میں تمام نرمی اتار کر بولا تھا۔

"کیا فرما رہی تھیں آپ۔"

"کیا بات ہے روزے میں آپ کے کانوں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔" وہ صرف مسکرایا۔

"میں کہہ رہی تھی اب امی بھی ناراض ہو رہی ہیں' بتا دیجیے آخر خفا کیوں ہیں۔"

"ارے نہیں نہیں' کیسی باتیں کرتیں ہیں آپ' میں اور آپ سے خفا۔۔۔ ان شاء اللہ آج شام کو سر کے بل حاضر ہو جاؤں گا۔" اس کے جملے پر حیا نے جاندار قہقہہ مارا۔ ایاز کے دل میں جلترنگ گھنٹیاں بج گئیں۔ سانولا رنگ گرم تانبے کی طرح لو دینے لگا۔

"خدارا' سر کے بل مت آیئے گا' لوگ مداری سمجھ کر رستہ نہ دیں گے' اور انظار کا وقت کرتب دکھانے میں گزر جائے گا۔" اس کی حس مزاح پر کمزور دل میں چوہے بلیاں دھما چوکڑی مچانے لگے۔ "اللہ حافظ" کہتے ہوئے فون بند کیا۔ "اپنا بہت خیال رکھیے

اعتماد سے کہا۔

"فرح لحاظ میں رہو۔ بڑوں کے لیے ایسے بے دھڑک ہو کر بات نہیں کرتے۔" بڑی خالہ نے ڈانٹ دیا مگر چھوٹی فرح کے ساتھ تھیں۔

اگلے دو سالوں میں وہ بینک میں منیجر کی پوسٹ پر آ گیا۔ معیار زندگی میں بھی تبدیلی آ گئی۔ اب یہ گھر بھی بیچ کر انہوں نے مزید بڑا گھر لیا۔ تقریباً ڈیڑھ کنال پر مشتمل یہ بنگلہ ان سب کی خواہشوں سے بڑھ کر تھا۔ خاندان بھر میں اس کی تعریف ہوتی تھی۔ کئی بیٹیوں والے خود منہ سے رشتہ دے رہے تھے۔ امیر گھرانوں سے بھی رشتے آ رہے تھے۔ مگر اس کی "نہ" اپنی جگہ برقرار تھی۔

اتنا بڑا گھر۔۔۔ اماں بولائی بولائی پھرتیں۔۔۔ جاگتی آنکھوں سے پوتے پوتیوں کے خواب دیکھتیں۔۔۔ ان کے لیے ابھی سے گھر میں جھولے لگوا رہی تھیں۔ مگر حقیقت میں دور دور تک ان کا اتا پتا نہیں تھا۔ بیٹیوں کو بلاتیں اور خوب سخت سست سناتیں۔

"کیسی بہنیں ہو ایک بھائی۔۔۔ شادی کے لیے رضامند نہیں کر سکتیں۔ بس اپنے گھروں کی فکر ہے۔ بھائی کی پرواہ نہیں اس کی زندگی میں بھی رونق آ جائے۔۔۔ کتنی حسرت ہے مجھے اس کے بچوں کے لاڈ اٹھانے کی۔"

"اماں! ہم تو ہر طرح بھائی کو قائل کرتے رہے اب وہی نہ مانے تو ہم کیا زبردستی کر سکتے ہیں؟"

"آپ ماں ہو کے زبردستی نہیں کر سکتیں ہم تو پھر بہنیں ہیں۔" درمیان والی سدرہ نے کہا۔

"اچھا یہ بات ہے تو اب میں بھی بتاتی ہوں تم لوگوں کو۔۔۔ میرا بیٹا ماں کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔۔۔ اب ہو گا دودھ کا دودھ پانی کا پانی۔۔۔ اب میں اسے جوان بیٹا سمجھ کر منتیں نہیں کروں گی بلکہ ایسی ناراضی دکھاؤں گی کہ چھوٹے بچے کی طرح مجھے منائے گا اور دیکھتی رہو تم لوگ اس عید پر تم لوگوں کی بھابھی ضرور ہو گی۔ نہیں تو ہم میں کوئی عید نہیں منائے گا یہ طے کر لو۔" اماں نے اس دن پکا تہیہ کر لیا اور بیٹیوں کو بھی باور کروا دیا۔

سب اماں کے ساتھ تھیں۔۔۔ اور پھر بالآخر اتنے سالوں میں جہاں ہر حربہ ناکام گیا تھا اماں کی ناراضی رنگ لے آئی۔

عافین حسن مان گیا تھا شادی کے لیے۔۔۔ ماں بیٹیوں کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔۔۔ اور عافین حسن کو ٹھکانہ نہیں مل رہا تھا جہاں وہ اپنے دل کی تمام اداسی اور ویرانی نکال کر رکھ دیتا۔

☼ ☼ ☼

"سعدیہ کی نند کا دیور ہے نا حسیب۔۔۔ وہی جو کارڈیولوجسٹ ہے۔ پانچ سال شادی رہی۔۔۔ اولاد نہ ہوئی بیوی بھی فوت ہو گئی۔ دو سال ہو گئے اسے دنیا سے گئے۔ پہلے تو شادی کے لیے مانتا نہیں تھا۔ اب مان گیا ہے اور اس نے خود گھر والوں سے کہا ہے کہ تمہارے لیے بات کریں۔۔۔ شادی کے بعد انگلینڈ شفٹ ہونے کا ارادہ ہے اس کا۔۔۔ اگر تمہاری جاب تو رشتہ سمجھ میں آتا ہے۔ میں ملی ہوں اس سے کئی بار بہت اچھا مہذب ہے۔ عمروں میں بھی تم دونوں کے زیادہ فرق نہیں۔ مناسب رشتہ ہے سوچ لو بیٹا۔" آئرن اسٹینڈ کے سامنے کھڑی فاریہ نے اماں کی پوری بات سنی۔ پھر تحمل سے بولی۔

"اماں! آپ سے کتنی بار کہا ہے کہ مجھے شادی نہیں کرنی۔۔۔ تو نہیں کرنی۔۔۔ اور ضروری نہیں ہے اماں شادی کرنا۔ میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں اور میں شادی کے بغیر اچھی زندگی گزار رہی ہوں۔"

"دیکھو فاریہ! اب تو ناہید کے رشتے بھی آنے شروع ہو گئے مگر میں تمہاری شادی پہلے کرنا چاہتی ہوں۔ ابھی زندگی اچھی گزر رہی ہے۔ مگر کچھ سال گزریں گے تو پچھتاؤ گی۔ ٹھیک ہے تم برسر روزگار ہو کسی کی محتاج نہیں ہو۔۔۔ مگر تم عورت ذات ہو فاریہ! سر پہ باپ نہیں رہا۔ کوئی بھائی نہیں ہے۔۔۔ اور عورت جتنی بھی اسٹرونگ اور بااثر ہو اس معاشرے میں باوقار زندگی کے لیے اس کے نام کے آگے کسی مرد کا نام ہونا ضروری ہے۔ ایسا مرد جو اس زندگی میں اس کا سائبان ہو۔

تم بہنوں کا خیال رکھتی ہو۔ بھانجے بھانجیوں کو تم سے انسیت ہے۔ مگر یہ رشتے جتنے بھی اچھے ہوں زندگی کے ساتھی کا کردار نہیں نبھا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کا جوڑ بنایا ہے۔ کوئی حکمت ہے تو بنایا ہے نا۔۔۔ دیکھ میری بچی! اپنی ضد چھوڑ اور عقل سے فیصلہ کر۔" اماں کے لہجے میں پیار بھری منت تھی۔

"اماں' یہ باتیں آپ کئی بار کہہ چکی ہیں۔ کبھی اثر نہیں ہوا مجھ پر تو پھر کیوں ہر بار نئے سرے سے دہراتی ہیں۔ مجھے شادی نہیں کرنی۔۔۔ مجھے کسی ساتھی کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اب ناریہ کے بارے میں سوچیں۔" وہ کچھ بے زاری سے بولی۔ ہر بات آرام پیار سے کرنے والی فاریہ شادی کے ذکر پر یونہی چڑ سی جاتی تھی۔

"تم آج تک اس بات کو بھولی نہیں ہو فاریہ۔۔۔ ماں سے بدلہ لے رہی ہو نا۔ میں نے اس وقت تمہارے ارمانوں' تمہارے خوابوں' تمہارے دل کی پرواہ نہیں کی اور تم آج تک۔۔۔" وہ اپنی بات مکمل نہیں کر پائیں۔ فاریہ استری چھوڑ کر پلنگ کر ان کے قریب آ گئی۔

"اماں' آپ نے ایسا سوچا بھی کیوں۔ کوئی بیٹی' ماں سے بھی بدلہ لے سکتی ہے۔ میں ایسا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ ماں باپ کا حق ہوتا ہے اولاد پر۔۔۔ اور ماں باپ جو جانتے ہیں' سمجھتے ہیں۔ ضروری نہیں وہ سب اولاد بھی سمجھے۔ آپ نے میرے ساتھ کچھ برا نہیں کیا اماں۔۔۔ بلکہ اچھا ہی کیا۔ ایک ماں اپنی بیٹی کو کسی بھی طرح سمجھانے کا حق رکھتی ہے۔ کیونکہ ماں کبھی برا نہیں چاہتی۔ اور میں اتنا ہی جانتی ہوں کہ آپ نے کبھی میرا برا نہیں چاہا۔ نہ برا کیا۔ جوان بیٹی کسی غیر مرد سے پیار کا رشتہ جوڑ بیٹھے تو اچھی اور سمجھ دار ماں اسے ایسے ہی سمجھائے گی۔

ماں ہونے کے ناتے آپ نے ٹھیک کیا تھا۔ اگر آپ میری شادی کا بھوت سر سے اتار دیں تو آپ کو بالکل نہ لگے کہ میں آپ سے بدلہ لے رہی ہوں۔۔۔ اماں! میں اپنی ذات کے ساتھ خوش ہوں۔ اگر مجھے لگا کہ میری ذات کسی ساتھی کی ضرورت مند ہے تو میں ضرور شادی کر لوں گی۔ بس آپ مجھے مجبور نہ کریں۔" وہ مدھم لہجے میں بول رہی تھی۔

اماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

☼ ☼ ☼

تیرہ سال بیت گئے تھے۔ تیرہ سالوں میں حالات بدلے اور بہت کچھ بدلا۔۔۔ مگر اس کے دل پہ اداسی اور یادوں کا موسم ٹھہر سا گیا تھا۔

یہ بات سچ تھی کہ اسے اماں سے نہ کوئی شکوہ تھا نہ شکایت۔۔۔ نہ ہی وہ کبھی اس وجہ سے اماں سے خائف ہوئی تھی کہ عافین سے بچھڑنے کا موجب اماں ہی تھیں۔ مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ اس کے دل میں عافین کی محبت اس کی یاد روز اول کی طرح تازہ دم تھی۔ تیرہ سالوں میں اس کے بارے میں اک ذرا سی خبر بھی نہیں ملی تھی کہ وہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟! اسے بھول گیا یا کبھی کبھار یاد کر لیتا ہے۔ گھر بسا لیا یا آج تک اسی عہد سے بندھا ہے۔ اس کی طرح اکیلا ہے۔ کچھ خبر نہیں تھی اس کے بارے میں پھر بھی۔۔۔ وہ اسی کی یادوں سے اپنے اندر کی دنیا آباد کیے ہوئے تھی اور انتظار میں تھی۔ یہ انتظار لا حاصل تھا یا اس کا کچھ حاصل تھا' وہ اس بات سے بے پرواہ تھی۔ اسے تو جاتے سے کا منظر یاد تھا۔

وہ لبوں سے کچھ نہیں بولا تھا۔ مگر اس کی آنکھیں کہہ گئی تھیں کہ کبھی نہ کبھی اسی کی طرف پلٹے گا اور وہ آج تک ان نگاہوں کے عہد سے بندھی زندگی گزار رہی تھی۔ اس کے پلٹ آنے کی امید دل میں پوری توانائی سے زندہ تھی۔ فاریہ کو اللہ سے امید تھی۔ اللہ پر یقین تھا' اسی لیے تو اس کی امید نے کبھی دم نہیں توڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

تیرے لیے آلو بخارے کا شربت بنا کر رکھوں گی' افطار میں پینا' ٹھنڈک ملے گی۔۔۔ کیسا کملا گیا میرا بھائی۔" کہتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھیں۔ کچھ دیر بعد ہزار ہزار کے نیلے نوٹ گنتی ہوئی آئیں اور ساتھ اسے کہہ بھی رہی تھیں۔

"ایاز! جب آپا کو یہ دینے جائے گا نا' ان سے ان کا عید والا سوٹ لے لینا' کل جب تو شربت لینے آئے گا میری طرف تو وہ بھی لیتے آنا' میں سوچ رہی ہوں تیری رخصتی پر ویسا ہی ڈیزائن بنوالوں۔ آپا بتا رہی تھی کہ نیا ڈیزائن بنوایا ہے انہوں نے۔" پہلے تو لفظ "تیری رخصتی" پر منہ کڑوا ہوا' پھر آلو بخارے کے شربت کی مہربانی نے ٹھنڈک کی جگہ آگ بھر دی' وہ بولا تو کچھ نہیں بے چارگی سے دیکھتا رہا۔ باجی نے نوٹ گن کر اس کی جانب بڑھائے اور ساتھ تنبیہہ بھی کی۔

"اپنے سامنے آپا سے گنوانا' پورے دس ہزار ہیں۔ کہیں کہہ دیں' آٹھ تھے۔ پانچ تھے۔ بس اب کیا بتاؤں آپا کی ڈنڈی مار عادت کا۔" عمر ایاز ان کی باتوں سے اندر تک جل بھن گیا تھا۔ اگر منہ سے ایک حرف بھی بول دیتا تو وہ ایسے ایسے راز اگلتیں کہ بندہ اپنے آپ سے شرما جائے۔ اس نے بنا کچھ کہے' ہاتھ آگے بڑھایا' رقم جیب میں اڑستے ہوئے نکلنے کی جلدی کی۔ لمحے بعد ہی باجی نے کئی آوازیں دیں۔

"ایاز بات سن' ایاز' ایاز۔" اس نے تیز قدموں سے آگے بڑھتے ہر آواز سنی سنی کردی۔ اور گلی کا نکڑ پار کرلیا۔

☼ ☼ ☼

وہ تیزی سے بس سے اترا' آپا کے گھر کی جانب بڑھ رہا تھا کہ جلدی سے آپا کے پہنچے' پھر تیار ہو اور پھر حیا کے گھر جائے۔ آدھے راستے میں اسے تازہ آلو بخاروں سے سجی ریڑھی دکھائی دی۔ آن واحد میں حیا یاد آگئی۔ افطار پر اس کی جانب جانا تو تھا ہی' خالی ہاتھ جانے سے بہتر ہے کوئی فروٹ لے لیا جائے۔ اس نے اچھے اچھے آلو بخارے چھانٹ کر وزن کروایا۔ رقم ادا کرنے کے لیے اپنا والٹ نکالا۔ پیسے گنتے ہوئے اسے باجی کی کمیٹی کا گمان گزرا۔ وہ جیب میں نہیں تھی۔ اس نے اچھی طرح جیب ٹٹولی۔ آگے کی پیچھے کی۔ سب کچھ تھا مگر کمیٹی غائب۔ اس کا رنگ اڑ گیا۔ اس کی بدحواسی دیکھ کر ریڑھی والے نے بھی پوچھا۔

"او بھائی' کیا ہوا۔۔۔؟"

"کچھ نہیں۔۔۔" کہاں کے آلو بخارے' کہاں کی افطاری' اسے تو کمیٹی کی پڑ گئی تھی۔ باجی ایسی تو نہ تھیں وہ اسے آسانی سے بخش دیتیں۔ سنتے ہی انہیں تو غش پڑ جانا تھا۔ اکثر و بیشتر وہ اپنی نام نہاد غربت کے ایسے قصے سناتی تھیں کہ سننے والا انہیں چپ کروانے کے لیے اپنی جیب سے رقم نکال کر تھما دیتا تھا۔

"بہن تو اپنا پورا کرلے' ہماری خیر ہے۔۔۔" اب تو یہ دس ہزار کی کمیٹی کا معاملہ تھا' اگر بھنک بھی پڑ گئی۔ وہ تو اگلی سانس نہیں لیں گی۔ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ رخصتی سر پر ہے۔۔۔ پریشانی کے عالم میں وہ الٹے قدموں مڑا۔ ریڑھی والا بھی روزے سے تھا۔ چلا کر بولا۔

"کم بخت تو چھانٹ تو ایسے رہا تھا۔ جیسے کسی وزیر اعظم کو پیش کرنے ہیں' پیسے سنتے ہی دم نکل گیا۔" اس نے اپنا شاپر دوبارہ ریڑھی پر الٹ لیا تھا۔ وہ گردن جھکائے دوبار سارے رستے پر چلا تھا۔ کہیں رقم گری ہوئی مل جائے' اگر وہ وہاں گری ہوتی تب بھی نہ ملتی' کوئی راہ گیر اٹھا کر چلتا بنتا۔ اس نے صدمے میں سارا وقت گزرا' اگلی صبح اپنی تنخواہ سے آپا کو کمیٹی بنا بتائے بھر دی۔ اگلے دن بینک میں بیٹھا تھا جب باجی کا کئی بار میسج آیا۔

"ایاز! تجھ سے ضروری بات کرنی ہے۔" اس نے بالکل توجہ نہیں دی' ان کا پہلا ضروری کام دس ہزار میں بھگتا تھا۔ مزید اس میں ہمت نہیں تھی۔ لیکن پھر باجی کی کال ہی آگئی۔ جانے کس حاتم طائی کا بجا کھایا تھا۔ آج وہ مسڈ کال کے بجائے باقاعدہ فون کر رہی تھیں۔ اس نے اٹھا ہی لیا۔

"جی۔ باجی۔۔۔"

"توبہ ہے کل سے تجھے میسج کر رہی ہوں' مجال ہے جو جواب دے' دے۔۔۔ وہ کمینی۔" وہ درمیان میں بات کاٹ کر تنک کر بولا۔

ہاں' ہاں' دے آیا ہوں۔ پورے دس ہزار تھے۔ آپا کو اپنے سامنے گنوائے تھے۔"

"آئیں۔۔۔" باجی کے بند ناک سے ہوٹر بجا۔ "سچ بتا تو دے آیا۔"

"کیا اب لکھ کر دوں۔۔۔" وہ چڑ ہی تو گیا۔ پورے دس ہزار کا صدمہ تھا۔

"چل پھر ٹھیک ہے بھیا۔" باجی ذو معنی کہتے زور سے ہنسیں۔ "کل تیرے جانے کے بعد اللہ کی زمین سے مجھے دس ہزار ملے تھے۔" سنتے ہوئے خوشی سے ایاز کی آنکھیں پھٹ گئیں لیکن باجی کے اگلے جملے نے آگ لگا دی تھی۔

"کمیٹی تو اب تو نے بھر ہی دی' ان دس ہزار کے تیری شادی پر اچھے سے جوڑے بنوالوں گی' ویسے تو' تجھ کنجوس نے دینے نہیں تھے' اللہ نے ہی تیری جیب سے گروا دیے۔۔۔"

کہتے ہی کھٹاک سے باجی کا فون بند ہو گیا اور کتنی دیر وہ بند فون پر باجی کو کوستا رہا۔

☼ ☼ ☼

آج اس کا پکا ارادہ تھا انظار حیا کے گھر پر کرے گا۔ بلکہ اچانک جا کر انہیں سرپرائز دے کر خوش کر دے گا۔ تیار ہونے کے لیے گھر کے راستے پر تھا جب بڑی آپا کی کال آگئی۔ لمحے بھر کو اس کا دل مٹھی میں سمٹ گیا۔ دو چار دعائیں پڑھ کر فون پر پھونکیں۔ آگے کون سا اس کی دعائیں قبول ہوئی تھیں۔ اوپر جانے سے پہلے ہی کوئی نہ کوئی بہن بھائی ہاتھ بڑھا کر اپنی جیب میں ڈال لیتا تھا کہ ابھی مناسب وقت نہیں۔ عمر ایاز تو بچہ ہے۔ ایسے ہی مانگتا رہتا ہے۔ اس نے بددلی سے فون کان سے۔۔۔ لگایا تھا۔

"ہاں ایاز' کہاں ہے تو۔"

"گھر جا رہا ہوں۔" وہ دبا دبا بولا۔

"چل میرا بچہ' جلدی سے میری طرف آجا۔ ایک کام آن پڑا ہے تجھ سے۔۔۔" اس کی سیاہ آنکھیں پوری طرح روشن ہو گئیں۔ آپا لگی لپٹی رکھنے والوں میں سے نہیں تھیں۔ نہ کبھی منمنائیں نہ تمہید باندھی۔ جو کام ہے صاف زور دے کر کہہ دیا۔

"یہ تجھے ہی کرنا ہے' اگر نہیں کرنا' ابھی کہ ابھی بتا دے۔" پھر بھلا عمر ایاز کی جرات تھی کہ کچھ بول پاتا۔ بس سر ہلاتا "جی' جی۔ ضرور" کہے جاتا۔ اب بھی بے دلی سے مسکرا کر دروازہ بجایا۔ آپا نے ہی کھولا تھا۔ ساتھ ہی اندر لے گئیں۔

"آجا بیٹھ جا۔" ایئر کولر کے آگے اس کی کرسی رکھ دی۔ قریب ہی کھانے کی میز پر کچھ سامان بندھا تھا۔ ایک ٹفن' چھوٹا سا پانی کا کولر' ایک شاپر میں تولیہ جائے نماز' چادر جھانک رہی تھی۔ عمر ایاز کو کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا۔ اس نے پوچھنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ آپا نے ایک کرسی کھینچی اور اس کے سامنے رکھی۔ گرمی اس قدر تھی کہ گلے میں دوپٹا پڑا کھینچ کر بیڈ پر پنجا اور ٹانگیں لمبی کرتے ہوئے بیڈ کی پائنتی پر نکالیں۔

"کیا قیامت مچاتی گرمی ہے۔۔۔ توبہ۔" منہ پر ہاتھ پھیر کر پسینہ پونچھا۔ اور گویا ہوئیں۔

"بلو تیرا کتنی دیر انتظار کرتا رہا۔ مسجد چھوڑنے ماموں جائیں گے۔۔۔ پر ماموں کا تو کوئی اتا پتا ہی نہیں' پھر اس کے دوست اور ابو ہی جا کر چھوڑ آئے۔ دیر ہو رہی تھی ناں' عصر وہاں جا کر ہی پڑھنی تھی۔"

"اچھا ماشاء اللہ' وہ چلا گیا۔" ایاز سپاٹ سا مسکرایا تھا۔

"تو اور کیا' تیرا کب تک انتظار کرتا۔" آپا نے پہلو بدل کر کمر کی دوسری جانب ٹھنڈی ہوا لگوائی۔ "اب اس طرح ہے' تو اس سے جا کر مل بھی آ' اور افطاری بھی لے جا۔ اور ہاں روزانہ سحری افطاری تو ہی دے کر آئے گا۔"

عمر ایاز سنتے ہی یک لخت سن سا رہ گیا۔ "یعنی کہ دس دن۔"

پچھلے سال سے آپا کے بلو کو عجیب خبط چڑھا تھا۔ سارا سال نماز نہیں پڑھی' قرآن پاک بھی کھول کر نہ دیکھا' دو جمعے چھوڑ کر تیسرے کی باری ابا کھپڑ مارتے لے جاتے تھے۔

"بدبختوں اسلام سے خارج نہ ہو جانا۔" لیکن جیسے ہی رمضان المبارک آتا۔ اعتکاف دماغ میں سما جاتا۔ بلو نے اپنے کسی دوست سے سنا تھا۔ اس نے بورڈ میں ٹاپ کیا ہے' پورے دس دن کے اعتکاف میں بیٹھ کر رو رو دعائیں مانگی تھیں۔

بڑی آپا کے بچوں کی ذہانت پورے خاندان میں مشہور تھی۔ اسی شہرت کو ——— بلو اعتکاف میں بیٹھ کر برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ ایک وجہ دس دن اماں ابا کی ڈانٹ پھٹکار اور دیگر کاموں سے خلاصی ملے گی' خدمت کے لیے ماموں' دل کھول کو آرام کروں گا اور پھر سارے خاندان میں عزت الگ۔ ہر کوئی اپنی دعاؤں کا پرچا تھامے ملنے آیا۔ سب اکٹھے ہو کر پھولوں کا ہار ڈال مسجد چھوڑنے گئے۔ چاند نکلنے پر پھولوں میں لاد کر لینے گئے۔ ماتھا چوما۔ نوٹ تھمائے۔ اچھی خاصی عیدی مل گئی تھی۔ اب یہ صرف اللہ جانے یا وہ خود وہاں اس نے کتنی عبادت کی تھی۔ کتنی پرہیزگاری دکھائی۔ کیوں کہ دو دن پہلے ماموں سے پیسے مانگ کر اپنا موبائل ٹھیک کروایا تھا اور پانچ سو کا لوڈ بھی کروا تا دیکھا گیا تھا۔

سحر و افطار کی ڈیوٹی سن کر عمر ایاز کا چہرہ سن ہوتے ہوتے منجمد ہو گیا۔ وہ یہ بھی نہیں کہہ سکا کہ آپ یہ کام معید بھائی کے ذمہ لگا دیں۔ کیوں کہ وہ بہت اچھی طرح سے اپنے مولوی نما بہنوئی کو جانتا تھا۔ جتنا دن بھر محنت مشقت کے ساتھ نمازیں' قرآن پڑھتے تھے۔ اتنی ہی مشکل سے اس وقت آنکھ کھلتی جب سحر ختم ہونے کے اعلانات شروع ہوتے۔ اکثر تو وہ ہوٹر کے وقت دانتوں کا خلال کرتے پائے جاتے۔ وہ خود وقت پر روزہ رکھ لیں تو بڑی بات تھی۔ چہ جائیکہ بچے کو مسجد تک سحر و افطار پہنچائیں۔ اور بلو کا صرف سحر و افطار کا ہی مسئلہ نہیں تھا۔ جتنے شوق و جذبے سے بچہ بہادر بنا ماں سے جان چھڑا مسجد جا رہا تھا۔ آپا اتنا ہی اسے لپٹا لپٹا کر روتی پیار کر رہی تھیں۔

"گھبرانے کی ضرورت بالکل نہیں ہے' پریشان نہیں ہونا' اکیلا نہیں ہو گا تو وہاں' ایاز سے کہہ دوں گی' وہ مسجد کے صحن میں سو جائے گا۔ دن میں بھی چکر لگاتا رہے گا۔ کسی چیز کی ضرورت ہو اسے بتا دینا۔" وہ فرمانبرداری سے سر ہلاتا رہا۔ اب کی بار بھی یہی سب کچھ ہونا تھا۔ اس نے دس دن اعتکاف کیا۔ اور عمر ایاز نے سحر و افطار پہنچانے کے ساتھ ساتھ دس راتوں تک اس کا پہرہ دیا۔

☼ ☼ ☼

حیا اس سے بری طرح ناراض ہو چکی تھی۔ کتنی بار افطار پر بلایا مگر وہ آ کے نہ دیا۔ ایسی بھی کیا بے مروتی' اتنا تو حسین بھی نہیں' نہ ہی کوئی بہت ٹھاٹ کی نوکری ہے جو غرور آ گیا۔ اس کا دل ویسے بھی خدشوں سے بری طرح نبرد آزما تھا۔

"جانے معاملہ کیا ہے' جو آ کر نہیں دیتے۔" عید سے دوسرے دن رخصتی طے تھی۔ اب پتا نہیں بہن بھائی آتے بھی ہیں یا نہیں۔ اور ابا میاں نے عجب ضد لگائی تھی۔ نکاح کرتے پل نہ لگایا تھا۔ اب رخصتی پر سلطان راہی بن کر بیٹھ گئے۔ اگر بارات میں بہن بھائی نہ آئے۔ حیا نہیں ملے گی' آخر کو بے عزتی کر کے گئے تھے۔ آخری روزے والے دن اس نے عمر ایاز کو کال کر کے بتایا تھا۔

"ابا بہت ناراض ہیں۔ آپ بتا دیجیے' آپ کے بہن بھائی آ رہے ہیں یا نہیں۔"

"ہاں ہاں مائی ڈیئر۔" وہ لہک کر بولا تھا۔ "میں نے سب کو راضی کر لیا ہے' آپ پریشان مت ہوں' آئیں گے بھی اور گزشتہ رویے کی معافی بھی مانگیں گے۔"

حیا کے چہرے پر حیا کی ساری سرخی دوڑ گئی۔ وہ ابھی بھی اپنی رسیلی آواز میں رس گھولے جا رہا تھا۔

"رات کو چاند رات ہے' آپ تیار رہیے گا' شاپنگ پر لے چلوں گا۔"

فون بند ہونے کے بعد ادھر حیا شاپنگ کی لسٹ بنائے' آخری روزہ گزار رہی تھی ادھر عمر ایاز نے پلان بنالیا کیا کیا' کہاں کہاں سے لے کر دینا ہے' کیا کھلانا ہے۔ چوڑی مہندی تو اپنے ہاتھوں سے اس کے نازک ہاتھوں پر سجاؤں گا۔ مصنفہ آپا کے توسط سے جو رومانوی جملے یاد ہوئے تھے سب دہراتے ہوئے اسے شرم سے جھرجھری آگئی۔

☼ ☼ ☼

تو قارئین چاند نظر آیا ہی چاہتا ہے۔ جہاں عمر ایاز کے من میں گل بوٹے پھوٹنے کا وقت قریب تھا۔ وہاں ہر طرف پٹاخے' بچے' شور شرابا' دھوم دھڑکا شروع۔ سب بہن بھائی بڑی آپا کے گھر ٹوٹ پڑے۔ مبارکی سلامتی۔ بلو کا ماتھا چوم' پیسے دے اپنی اپنی دعاؤں کا پوچھ رہے تھے۔ دوسرے نمبر والی آپا البتہ ایک ہی بات پوچھ رہی تھیں۔

"بلو تجھے کسی کی زیارت ہوئی' لیلتہ القدر ملی۔۔۔"

بچے نے پہلے تو کھسیانوں کی طرح دیکھا پھر بڑی زوردار پھکی قریب بیٹھے ایاز ماموں کو جڑی۔

"کسی کی زیارت ہوئی یا نہ ہوئی البتہ حیا ہی کے ارد گرد میں نے ڈھیر بچے دیکھے۔۔۔" عمر ایاز کا منہ خوش ہونے کے بجائے بنولیوں کے ڈھیر سے بھر گیا تھا۔ دل نے چیخ پکار کر کہا تھا۔

"منحوسوں! تم حیا کا رستہ چھوڑو گے تو وہ آئے گی نا۔۔۔ ڈھیر تو خود ہی لگ جائے گا۔" وہ سب کی نظر بچا کر وہاں سے اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ بڑی بھابھی کے منہ سے بڑی سے "ہائے" نکلی۔۔۔ سب ادھر ہی متوجہ ہوئے۔ بھائی جان کہہ رہے تھے۔

"بھئی اب مجھ میں ہمت نہیں۔۔۔ دیکھ کر لانا تھا۔"

دراصل کل چھوٹی نے بڑی بھابھی کو بتایا تھا کہ جوتوں کی بڑی سستی سیل لگی ہے' میں نے عید اور ایاز کی رخصتی کے لیے دو جوڑے لے لیے۔ سستی سیل کا سنتے ہی بڑی بھابھی کی بڑی بڑی آنکھیں چھوٹے سے منہ پر ہیبت ناک حد تک پھیل گئیں۔ ہر چیز کی پروا کیے بغیر۔ خرچے سے پیسے نکالے اور پہنچ گئیں اس سیل پر دھکم پیل میں جوتے کا سائز چھوٹا بڑا آگیا تب تو محسوس نہ ہوا' سنبھال کر رکھ لیا تھا' لیکن اب نند کو دکھانے کے لیے آتے ہوئے ساتھ لے آئیں۔ انہیں تو شاید سستے کی بندھی پٹی میں اب بھی دکھائی نہ دیتا چھوٹی نند بول پڑی۔

"ارے بھابھی' تمہارے پاؤں چھوٹے بڑے کب سے ہوگئے۔" تب جا کر غور سے دیکھا تو بین ڈالنے شروع کردیے۔

"صبح تو عید ہے' اب کیا کروں' دکانیں تو پرسوں بھی بند ہوں گی' ایاز کی بارات میں کیا ننگے پاؤں جاؤں گی۔"

بھائی جان تو اسی وقت ہاتھ جھاڑ کر ایک طرف ہوگئے۔

"دھیان سے لینا تھا' ناں۔۔۔ سستی سن کر اندھی کیوں ہوگئی تھیں۔" پھر عمر ایاز ہی تھا جو اس مشکل سے نکالتا۔ بے چارہ بار بار کہہ رہا تھا۔

"بھابھی سیل کی چیز واپس نہیں ہوتی۔" مگر اس کی سنے کون۔ بھابھی کی ایک ہی رٹ "تو جا کر اسے کہہ تو سہی ان کا دوسرا جوتا بھی تو خراب ہوا ہوگا۔"

"رش میں بھابھی وہ کہاں سنیں گے۔"

"سن لیں گے۔۔۔ تو جا کر تو دیکھ۔۔۔ اگر کم بخت نہ سنیں تو جوتے اٹھا اٹھا کر انہیں مارنے شروع کردینا۔ آپ ہی سنیں گے۔۔۔ منحوس۔۔۔"

بھابھی نے اس کی ایک نہ سنی۔ جوتے تھما کر اسے روانہ کیا۔ اب وہ کہاں سیل والوں کے منہ لگ کر مزید وقت برباد کرتا۔ ان کے پورے جوتے کے سائز کا دوسرا جوتا خریدا اور پہلے والا سڑک پر پھینک گھر آگیا۔ ابھی جوتے بھابھی کو دیے تھے۔ سب بہن بھائی اپنے گھر جاچکے تھے' سوائے بڑی بھابھی جو جوتے کے انتظار میں تھیں' پکڑتے ہی چلتی بنیں اور مصنفہ بہنا کے۔۔۔ وہ جانے کیوں شکاری کی طرح گھات لگائے بیٹھی تھیں۔ عمر ایاز کا بائیک رکتے ہی اس کی طرف دوڑی۔

"میری ایک بات سن۔۔۔"

"جی۔۔۔" اس نے بائیک پر بیٹھے بیٹھے پوچھا۔

"نیچے اتر۔۔۔ بڑا ضروری کام ہے۔۔۔"

وہ نہ چاہتے ہوئے اترا تھا۔ "کیا کام ہے اب۔۔۔ رات ہونے کو آگئی۔"

"او ہو بتاتی ہوں۔۔۔ ایاز۔ یہ ان پیج کیا بلا ہے۔۔؟"

"آپ کو کیا کرنا ہے؟" عمر ایاز کی بھنویں حیرانی سے سمٹیں۔ بھلا پڑھی لکھی باتوں سے اس آپا کو کیا لینا دینا۔

"کرنا کرانا کیا ہے۔۔۔ یہ آج کل کی رائٹرز کے دماغ خراب ہوگئے ہیں' جاہلوں نے ان پیج پر لکھنا سیکھ لیا' اب میری جیسی قلم سے لکھنے والیوں کی تو آگئی نا شامت تب ہی تو ان کی کہانیاں دھڑا دھڑ لگتی ہیں اور میری جیسی کی کوئی پڑھنے کی زحمت نہ کرے۔"

اب وہ بے چارہ کیا بتاتا کہ باجی تمہارا لکھا تو تم خود دوبارہ نہ پڑھ سکو' بے چارے ادارے کا کیا قصور۔ اوپر سے جس قسم کی بازاری زبان اور منظر نگاری کرتی تھیں' تو وہ خود ڈرتا تھا کہیں غلطی سے پبلش نہ ہوجائے۔ آپا ایسی تو ہے نہیں شہرت' ہضم کرلے' ڈھول لے کر بینک ہی نہ پہنچ جائے' لوگوں سے کیسے منہ چھپاؤں گا' یہ سب میری ہی بہن نے لکھا ہے اور ادارے والوں کا الگ آفس سنسر ہوجائے گا۔ وہ بے چارہ آپا کا نیا دکھڑا سنتے خاموشی سے سر ہلاتا رہا' لیکن ان کے اگلے جملوں نے ہلتے سر کو بریک لگادی۔

"میرے ذہن میں بہت ہی خوب صورت کہانی کا پلاٹ کلبلا رہا ہے' تو ذرا ادھر بیٹھ کر ان پیج تو کردے' پھر ای میل ہوجائے گی۔ مجھے تو یہ عذاب لیپ ٹاپ چلانا بھی نہیں آتا' بٹن کوئی دباؤ' دب کوئی سا جاتا ہے اور ایسی ایسی شرمناک چیزیں کھل جاتی ہیں۔" آپا کو سچ مچ شرم آگئی۔ یقیناً" کچھ زیادہ ہی شرم ناک دیکھ لیا تھا۔

"آپا کسی اور وقت کردوں گا' فی الحال وقت نہیں ہے۔ ویسے بھی رات ہوگئی ہے۔"

"لے' تیرے کون سا بیوی بچے رو رہے ہیں' فارغ ہی ادھر اُدھر پھرے گا۔۔۔ چل آجا میرا بھائی۔۔۔ دیکھ ایاز اگر تو مجھے نہیں سکھائے گا تو پھر کس کے پاس جاؤں' ہوسکتا ہے ای میل دیکھ کر اگلے جلدی جلدی پڑھ لیں۔"

"لیکن میرا لیپ ٹاپ تو گھر پر ہے آپا۔۔۔" اس کے دماغ نے بروقت کام کیا تھا۔

"ہاں تو بلوا لے پر لکھ دے۔"

اسے زندگی میں پہلی بار بلو کے میٹرک کے نمبروں پر افسوس ہوا تھا۔ نہ اچھے نمبر لیتا نہ حکومت کی طرف سے بانٹے گئے لیپ ٹاپ میں سے اسے بھی ملتا۔۔۔ کیوں کہ معید بھائی تو جس قدر کنجوس تھے' آپا بھی چار پیسے بچا کر ہمیشہ اپنے جوڑے ہی بناتی تھیں۔ خیر مصنفہ آپا کتنے ساتھ اس کا کمزور سا بازو اپنے جاندار ہاتھ میں دبوچ اور گھسیٹتی بلو کے کمرے میں لے گئیں۔ کہانی لکھواتے مٹواتے اس بے چارے کے کتنے گھنٹے برباد کردیے تھے۔ جانے کون کون سی فلمیں' انڈین ڈرامے ہضم کرکے کہانی گھڑی جارہی تھی اور ہر جملے پر اپنے آپ کو خود ہی داد دیتیں اور وہ حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ یہ سب خرافات میری بہن کے منہ سے ابل رہی ہے' ادھر بار بار حیا کے میسج آرہے تھے۔

"آخر تا کیوں نہیں دیتے' ناراض کیوں ہیں۔" حیا کو آج سچ مچ تشویش تھی۔ کیوں کہ اس کے ابا کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ رمضان نے تھکا دیا تھا۔ اوپر سے کل عید تھی۔ صبح صبح کتنا چلنا تھا اور پھر دو دن بعد بیٹی کی رخصتی بھی تھی۔ ان کی تھکاوٹ عمر ایاز کو غائبانہ گالیاں دے دے کر اتر رہی تھی۔ آدھی رات کے بعد وہ فارغ ہوا تھا' وہ بھی تب جب بڑی آپا نے مصنفہ آپا کو اچھا خاصا ڈانٹا۔

"اے کیا تو یوں ہی ٹنڈ منڈ بیٹھی رہے گی' کل عید ہے۔ کوئی چوڑی' کوئی مہندی' کچھ نہیں کرنا تجھے' لگی ہے کہانیاں گھڑنے' لگتی لگاتی تو ہیں نہیں۔۔۔" اس عزت افزائی پر تو شاید انہیں ذرا برابر اثر نہ ہوتا' ایسی تو دن میں کئی بار ہوتی تھی' مگر آپا کا اگلا تحیر سے بھرا جملہ انہیں کلسا گیا۔

"کہیں تیرا ارادہ عید گاہ کے باہر بیٹھنے کا تو نہیں ہے' جو یوں حال بکھیرے بیٹھی ہے۔" وہ نیچے جھاڑتی ہوئی یک لخت اٹھیں۔

"ٹانگیں میرے دشمن۔" اشارہ بڑی آپا کی طرف

تھا۔ "اللہ رکھے بڑی رقم ہے میرے پاس' پارلر والی نے تین بجے کا وقت دے رکھا ہے' وہ تو میں ٹائم گزارنے کے لیے ایاز کو لیے بیٹھی تھی۔" حیرت سے آنکھیں منہ کھولے عمر ایاز کی دونوں چیریں آپا کی جھپ نے بند کیں۔

"چل اٹھ' مجھے ذرا پارلر اتار کے آ۔۔۔ پھر کرتا رہ جو پھ کرنا ہے۔۔۔"

"اب کیا خاک کرنا ہے۔" وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھا اور دل میں دعائیں کر رہا تھا کہ اللہ کرے پارلر والی غلط کیمیکل لگا دے اور منہ پر چھالے پڑ جائیں پھر فوراً" ہی رخصتی لیٹ ہونے کا خیال گزرا تو توبہ بھی کر ڈالی ورنہ یہ بہن تو ایسی تھی چھابھے کنیوں کی طرح دہائیاں ڈال ڈال کر چاتی بارات رکوا دیتی۔

اس نے حیا کی طرف جانے کا ارادہ عید کی نماز ادا کرنے پر اٹھا رکھا تھا۔ وہ اپنے بستر پر لیٹا تھا۔ نیند آنکھوں سے دور کہیں حیا کے گھر جا سوئی تھی۔ ہر کروٹ کے ساتھ جملہ بھی بدل جاتا کہ وہ کیسے اسے منائے گا' عید مبارک کہے گا' اسے عیدی دیتے کیسے تاثرات دینا ہوں گے اور وہ شرماتی بل کھاتی کتنی پیاری لگے گی۔ ان ہی سوچوں میں غلطاں صبح ہو گئی تھی۔ گھر میں عید کی گہما گہمی تھی۔ وہ بہت اچھا سا تیار ہوا تھا۔ نماز ادا کرنے کو نکل ہی رہا تھا جب حیا کی کال آ گئی۔

"عمر ایاز' رمضان کی تھکاوٹ کی وجہ سے ابا کی طبیعت بہت ناساز ہے' انہیں آپ سے ایک ضروری مدد چاہیے' کیا آپ وہ کر سکتے ہیں یا آپ کی خاموشی کو انکار سمجھوں۔"

روزے اور وہ بھی گرمی کے' سب کو ہی شدید کمزوری ہو چکی تھی۔ لیکن وہ ہر بار ابا کی تھکاوٹ کا ذکر کرتی اور کل تو یہ بھی بتایا تھا کہ آواز بہت بیٹھ گئی ہے' ذرا سا بولنے پر گلا درد کر رہا ہے' اشاروں سے کام لے رہے ہیں' اس نے تب یہی سوچا تھا۔ ٹھنڈے شربت' املی انار دانے کی چٹنیوں نے شکایت پیدا کر دی۔ بھلا اپنی عمر دیکھتے' کھٹی ٹھنڈی چیزیں نہ کھاتے۔"

"بتا میں آئیں گے یا نہیں۔" حیا کی کھنکتی فرمائش نے سوچوں کا ارتکاز توڑا۔

"کیوں نہیں آئیں گے۔ بس میں آیا کہ آیا۔۔۔ اور ہاں۔۔۔" وہ موقع تاڑتے ہی فوراً" بولا۔ "آپ خفا مت ہوا کریں' بھلے میری جان کمزور سہی مگر اس میں بھی ایک دل ہے جو آپ کا نام لے لے کے دھڑکتا ہے۔ خدارا مصروفیات کی وجہ سے کوتاہی ہو جاتی ہے' ورنہ میں تو سر کے بل۔" وہ زور سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

"چلیں ٹھیک ہے عمر ایاز۔۔۔ ہمیں آپ کی محبت کا یقین آیا' مگر خدا کے واسطے سر کے بل چلنے والا کرتب آپ بعد میں دکھاتے رہیے گا' فی الحال ابا کو راضی کرنا ہے' ان کا کام کر دیں۔۔۔"

"جی' جی بندہ حاضر ہے۔" اور پھر بندہ حاضری لگوانے اندھا دھند بائیک دوڑاتا اس کے گھر جا کر ہی رکا تھا۔ ابا صحن میں بچھی چارپائی پر اٹھے لیٹے تھے۔ بیگم کندھے کی مالش کر رہی تھیں۔ عمر ایاز کو دیکھتے ہی کھل گئے۔ اپنی بیٹھی آواز میں بولے۔

"بیگم مجھے پورا یقین تھا میرا بچہ ضرور آئے گا' آخر پورے رمضان میں نے لوگوں کو نیند سے جگا جگا کر روزے رکھوائے ہیں' اللہ محنت ضائع نہیں کرتا۔" وہ سلام کر کے بیٹھنے لگا تھا۔ ابا نے فوراً" کہا۔

"اوہ بھائی! اب بیٹھنے کا وقت نہیں ہے' بس میرے ساتھ ذرا سا کام تم بھی بٹوا دو۔"

"ذرا میرے ساتھ مسجد چلے چلو فطرے کی پرچیاں کٹوانے۔" ایاز کی ذرا کی ذرا آنکھیں پھیلیں' اسے کچھ خاص سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اتنے میں انہوں نے حیا کو گھٹی آواز میں پکارا۔

"حیا! اندر سے ذرا پرچیاں تو لے کر آ۔ فطرے کے پیسے جمع کرنے آج میرا بچہ جائے گا۔" اس کی اندر کی سانس اندر' باہر کی باہر رہ گئی۔ حیا اندر سے فطرانے کی پرچیاں لے آئی۔ اور بڑا لجلجا کر بولی تھی۔

"ابا کو منانے کا یہی طریقہ ہے۔ پلیز' میری خاطر۔"

اس کے اگلے دانت جڑ گئے۔ ناک پھولنے پچکنے لگی۔ اور دل دہائیاں دے رہا تھا۔

"اف اف شادی" لیکن جہاں بہن بھائیوں کو منانے کے لیے اتنی خواری سہی وہاں ایک ابا جی اور سہی۔"

☆

صدف آصف

تیرگی میں روشنی

اریشہ صوفے پر آنکھیں بند کیے، آلتی پالتی مارے بیٹھی اپنی رام کہانی سنانے میں مگن تھی۔ مونس کا دل چاہا کہ اسے ڈانٹ دے مگر بے بسی سے گہری سانس بھرتے ہوئے پہلے گھڑی پر نگاہ دوڑائی، پھر اس کی من موہنی صورت کو دیکھتے ہوئے کھنکھارا مگر مجال ہے جو اس پر ذرا سا بھی اثر ہوا ہو، وہ فلسفیوں جیسا منہ بنائے، ایک ہی رٹ لگائے ہوئے تھی کہ "پتا نہیں کیوں زندگی سے سکون رخصت ہو گیا ہے۔"

وہ اچھی طرح سمجھ گیا کہ اب اریشہ کے دماغ کی پھرکی کسی نئی بات پر گھومنے والی ہے اسی لیے منہ سجائے بیٹھی ہے۔ دل ہی دل میں "جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو" کا ورد کرتے ہوئے اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

"ویسے تم کو تکلیف کیا ہے؟" آستینیں موڑتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"آپ سمجھتے کیوں نہیں، مجھے شہر کی بھیڑ بھاڑ، شور شرابے سے وحشت ہونے لگی ہے۔" اس نے یوں آنکھیں کھولیں جیسے نیند سے جاگی ہو۔

"اچھا، کل تک تو تمہیں یہاں کی رنگینیاں، رونق اور چہل پہل بہت بھاتی تھی؟" اس نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"ہاں، مگر اب مجھے یہ سب بے سکون کرتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میری روح بیمار ہو گئی ہے۔" اس کے زچ ہوتے لہجے پر وہ ہنسا۔

"چلیں ناں۔ چند دن میری خالہ کے گاؤں میں گزار کر آتے ہیں۔" وہ خوشامدانہ انداز میں بولی۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو، میں اچانک سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تمہارے ساتھ کیسے چل سکتا ہوں۔"

مونس نے قہقہہ لگایا۔

"ہاں تو کیا ہوا۔ بیوی ہوں آپ کی۔ کوئی غیر تھوڑی جو ساتھ جانے میں ایسے شرما رہے ہیں۔" وہ طنز بھرے انداز میں بولی۔

"اللہ کی بندی! ایک دو دن میں رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونے والا ہے۔ اس کی تیاری کرنے کے بجائے تم بلاوجہ کی ضد کر رہی ہو۔ آپی تو پندرہ دن پہلے ہی سارا کام ختم کر لیتی تھیں تاکہ رمضان المبارک میں زیادہ سے زیادہ وقت عبادتوں میں گزرے۔" وہ جھنجلا کر بولا اور وہاں سے اٹھ گیا۔ اریشہ نے چاہا کہ پیچھے سے بہت کچھ بولے، پوچھے، مگر سوچیں جیسے منجمد ہو گئیں، آواز اندر ہی اندر گھٹ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"جلدی سے بڑا والا منہ کھولو۔" مریم نے دوائی چمچے میں نکال کر بیا سے کہا۔

"مجھے نہیں پینی۔ یہ کڑوی دوا۔" وہ برے برے منہ بنا کر انکار میں سر ہلانے لگ گئی۔

"جان! ضد نہیں کرتے، منہ کھولو۔" وہ بیٹی کا بخار کی حدت سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر پریشانی سے بولی۔

"نہیں۔ جب تک ماموں نہیں آئیں گے۔ میں دوا نہیں پیوں گی۔" بچی ضد لے کر بیٹھ گئی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ مت پیو۔" مریم نے دوا کا چمچہ سائیڈ میں رکھی پیالی میں رکھا اور ناراض ہو کر بیٹھ گئی۔

"مما! ماموں کب آئیں گے۔" بیا نے بخار سے جلتی آنکھوں کو کھول کر ماں کی طرف دیکھا۔

"بیٹا۔ وہ مصروف ہو گا۔ فری ہو کر آ جائے گا۔" مریم نے بیٹی کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے

دھیرے سے بتایا۔

"کتنے سارے دن تو ہو گئے ہیں۔۔۔ مجھے ان کے ساتھ آئس کریم کھانے جانا ہے اور بہت سارے ٹوائز بھی خریدنے ہیں۔" بیا کے حسرت بھرے لہجے پر مریم کے دل کو دھکا لگا۔

"مجھے نہیں پتا۔ آپ انہیں ابھی کال کر کے بلائیں۔" وہ ضدی لہجے میں بولی۔

"میں نے انہیں فون کر دیا ہے۔ ابھی آجائیں گے۔" اس نے بہلایا تو بیا چپ ہو گئی۔

"اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دینا' اپنی چھوٹی سی بچی کو بہلانے کے لیے مجھے بلاوجہ جھوٹ بولنا پڑ رہا ہے مگر کیا کروں میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ ان لوگوں کی زندگی کو مزید ڈسٹرب نہیں کروں گی۔"

مریم نے بیٹی کے سو جانے کے بعد افسردگی سے سوچا اور خود بھی آنکھیں موند کر اس کے برابر میں لیٹ گئی اور جانے کب نیند کی وادی میں کھو گئی' اچانک سوتے سوتے اس کے چہرے کے نقوش بگڑتے چلے گئے۔

☼ ☼ ☼

وہ آفس جانے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے اریشہ کو دیکھا تو وہ اپنے آپ سے باتیں کرنے میں مگن تھی۔

"کیسی بے کلی چھائی ہوئی ہے۔" وہ خلاؤں میں گھورتے ہوئے اس انداز میں بولی کہ اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"یہ۔۔۔ جو تم سارا دن ٹی وی پر روتے دھوتے عورتوں کی مظلومیت پر مبنی ڈرامے دیکھتی ہو۔ بس ان ہی کا اثر ہے۔" مونس نے بیوی کو چھیڑتے ہوئے شیشے میں دیکھ کر بال بنائے۔

"پتا نہیں مونس! مگر مجھے رات بھر نیند نہیں آئی' ایک عجیب سی بے چینی اور بے سکونی نے گھیرے رکھا۔" اریشہ نے پوری سنجیدگی سے آئینے میں اس

کے عکس کو دیکھ کر یقین دلانا چاہا۔
"یار! وہ جو رات کو تم نے مجھے باسی چنے کی دال کھلائی تھی' یہ صرف اس کا اثر ہے۔" وہ کنکھارتے ہوئے شرارتی ہوا۔
"آپ میری ہر بات کو مذاق میں کیوں اڑا دیتے ہیں؟" اس نے شکوہ کیا۔
"اچھا۔۔۔ ابھی تو مجھے دیر ہو رہی ہے۔ جلدی سے ناشتا دے دو۔ آفس سے واپسی پر بات کرتا ہوں۔" اس نے دیوار گیر گھڑی کو دیکھتے ہوئے یاد دلایا۔
"مونس پلیز۔۔۔ آج مت جائیں۔ چھٹی کر لیں۔" اس نے بستر پر بیٹھے بیٹھے ناک چڑھا کر فرمائش کی۔
"وہ کس خوشی میں بھئی؟" مونس نے مسکرا کر پوچھا اور اس کے نزدیک بیٹھ کر جوتوں کے تسمے باندھنے لگا۔
"پتا نہیں کیوں' مگر میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔" اس نے ڈرے سہمے بچوں کی طرح شوہر کا بازو تھام لیا۔
"بی بی! میں نوکری پیشہ انسان ہوں۔۔۔ یوں بلاوجہ کی چھٹیوں پر گھر بٹھا دیا جاؤں گا تو پھر تمہاری عید کی شاپنگ کہاں سے کراؤں گا؟" مونس نے شوخ نگاہوں سے بیوی کو دیکھا تو وہ برے برے منہ بنانے لگی۔
"ویسے بھی باس کا حکم نامہ آگیا ہے کہ رمضان سے پہلے پہلے سارے پینڈنگ کام ختم کر دیے جائیں۔" پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔
"میں اکیلے اتنے بڑے گھر میں گھبرا جاتی ہوں۔" اریشہ کے منہ سے بے ساختہ بات نکلی' جس پر مونس نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا اور وہ جھینپ کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

وہ چھوٹی سی بیا کا ہاتھ تھامے بھائی کو ناراض کر کے نکل کھڑی ہوئی۔ بیا اس کے ساتھ جانے کے لیے بالکل تیار نہیں تھی' اسی لیے پچھلی سیٹ پر اپنے ٹیڈی سے ماں کی شکایتیں لگائے جا رہی تھی۔ اس کی معصومیت پر گاڑی چلاتے ہوئے مریم کی خوبصورت آنکھوں سے سیل رواں جاری تھا۔ زندگی نے دوسری بار اس کے ہوش اڑائے تھے۔ پہلی بار جب وہ کم عمری میں بیوہ ہوئی تو شوہر کی میت دیکھ کر اس کا دل غم سے پھٹ گیا اور دوسری بار جب وہ زہر بھری باتیں اس کے کانوں میں پڑیں۔ جس پر اس نے الگ ہو جانے کا فیصلہ کیا۔ سب کچھ پھر سے یاد آجانے پر بے عزتی کا احساس دل پر گھاؤ ڈالنے لگا تھا۔ گھر کے سامنے پہنچ کر اس نے بریک پر پاؤں کا دباؤ ڈالا اور گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔
مریم نے سرد آہ بھرتے ہوئے سامنے دیکھا' براؤن رنگ کا بڑا سا دروازہ جس سے وہ بڑے ارمانوں سے راحیل کی بیوی بن کر داخل ہوئی تھی۔ پھر بیوہ ہونے کے بعد اسی دروازے سے بھائی کا ہاتھ تھام کر بڑے مان سے واپس میکے گئی تھی۔ اب اتنے سالوں بعد اسے ایک بار پھر یہاں لوٹ کر آنا پڑا مگر اس بار دل میں مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اب یہاں سے لوٹ کر کبھی بھی واپس نہیں جائے گی۔ مریم نے دروازے پر لگا تالا کھولا اور بیٹی کا ہاتھ تھام کر اندر قدم رکھنا چاہا' مگر بیا دہلیز پر جم کر کھڑی ہو گئی اور ماموں ماموں پکارنے لگی' مریم چمکارتے ہوئی اسے اٹھانے کو جھکی' مگر بیا نے رونا شروع کر دیا اور ماموں کے گھر واپس جانے کا مطالبہ کرنے لگی۔
"مت رو میری جان۔۔۔" مریم بڑبڑاتے ہوئے ہوش کی دنیا میں لوٹ آئی۔ اس کی نیند ٹوٹ گئی تھی۔
"دوبارہ سے وہی منظر خواب میں دکھائی دیا۔" مریم نے سر تھام لیا۔ وہ ماضی سے جتنا پیچھا چھڑانا چاہتی' وہ کسی نہ کسی بہانے سے اس کے ساتھ چلا آتا۔
"اب یہ بیا کہاں چلی گئی؟" اس نے بالوں کو سمیٹتے ہوئے اپنے پہلو کو ٹٹولا تو بستر کو خالی پایا۔
"یہ لڑکی بہت تنگ کرنے لگی ہے۔" اس نے اٹھ کر چاروں جانب نگاہ گھمائی تو بیا کرسی پر بیٹھ کر کسی سے فون پر باتوں میں مصروف نظر آئی۔

☼ ☼ ☼

مونس کی شادی کو سال بھر ہی گزرا تھا مگر اس دوران زندگی میں اتنے اتار چڑھاؤ آئے کہ اس کی عقل حیران رہ گئی۔ اریشہ خالصتاً اس کی پسند تھی۔ وہ اس کے ایک کولیگ اور دوست فرحان احمد کی چھوٹی اکلوتی بہن تھی۔ جب گھر میں اس کی شادی کا ذکر نکلا تو اس نے جھجکتے ہوئے اپنی بڑی بہن کے سامنے اریشہ احمد کا نام پیش کردیا۔ کسی کو کیا اعتراض ہوتا سمن موہنی سی اریشہ کا تعلق ایک پڑھی لکھی فیملی سے تھا۔ یوں وہ دلہن بن کر اس کی زندگی میں چلی آئی مونس کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا' قسمت پہلے ہی اس پر بڑی مہربان تھی۔

اس دور میں جب کہ بے روزگاری کا عفریت منہ پھاڑے نوجوانوں کی امنگوں کو ہڑپنے کے لیے تیار رہتا' اسے ایم بی اے کرتے ہی ایک بہت اچھی ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب مل گئی۔ اعلا کارکردگی دکھانے پر ایک سال میں ہی اسے ادارے کی طرف سے گاڑی بھی دے دی گئی۔ کرائے کی علت سے بھی بچا ہوا تھا کیوں کہ اس کے والد مومن احمد نے اچھے وقتوں میں زمین لے کر سہولتوں سے آراستہ وسیع و عریض مکان بنوایا تھا جہاں وہ دونوں میاں بیوی مزے کی زندگی گزار رہے تھے۔

بہت ساری خوبیاں ہونے کے ساتھ ساتھ اریشہ میں ایک بہت بڑی برائی بھی تھی کہ وہ ہر بات کو اپنے نقطہ نظر سے دیکھتی اور پھر جو بات اس کے دل میں سما جاتی اسے ہی سچ جان کر مونس پر بھی لاگو کرنے کی کوشش کرتی۔ پچھلے دنوں سے اس نے بلاوجہ شوہر کی زندگی ضیق کر رکھی تھی کہ اس کے اندر بے کلی سی چھائی ہوئی ہے۔ وہ راتوں کو بھی بے چین رہتی اور مونس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کہاں سے اس کے لیے سکون ڈھونڈ کر لائے۔

☼ ☼ ☼

"آپی۔۔۔ کیا میں اتنا غیر ہوگیا ہوں؟" مونس نے بیا کو چمٹا کر پیار کرتے ہوئے بہن سے شکوہ کیا۔

"نہیں۔۔۔ مونس۔۔۔ مگر میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی۔" مریم نے جان کر لہجے میں اجنبیت پیدا کی۔

"بس کردیں۔۔۔ مجھے آپ سے یہ امید نہ تھی۔ میری پرنسز اتنے دن سے بیمار تھی اور آپ نے۔۔۔" مونس کا لہجہ بھرا گیا۔

"ماموں۔۔۔ مما کو اور ڈانٹیں۔" بیا نے خوش ہو کر تالی بجائی۔

"وہ کیوں پرنسز؟" اس نے بھانجی کو گود میں اٹھاتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

"مما نے مجھے آپ کو کال کرنے سے بھی منع کیا ہوا تھا' مگر میں نے چپکے سے کال ملائی اور آپ کو بلالیا۔" وہ یوں بولی جیسے بڑا کارنامہ انجام دیا ہو۔

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
دستِ کوزہ گر
فوزیہ یاسمین

قیمت -/750 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار کراچی۔ فون نمبر: 32735021

"بیا۔۔۔ چلو نیچے اترو اور جاکر پڑھنے بیٹھو۔۔۔" مریم نے بیٹی کو ڈانٹا۔

"آپی۔۔۔ میں آپ کو تو کچھ نہیں کہہ سکتا، مگر ایک بات یاد رکھیے گا، اپنے اور بیا کے بیچ میں نے کبھی اریشہ کو نہیں آنے دیا۔۔۔ تو پھر آپ بھی۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے جھجک گیا۔ کتنی بھی ناراضی سہی، تھی تو وہ اس کی بڑی بہن۔

"مونس! تم گھر جاؤ۔۔۔ اریشہ انتظار کر رہی ہوگی۔" مریم نے ہونٹ بھینچ کر بھائی کو دیکھا۔

"نہیں۔ وہ اپنے میکے گئی ہوئی ہے۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"چلو۔۔۔ پھر تم روزہ یہیں کھولنا۔" مریم نے چاہتے ہوئے بھی خود پر ضبط نہ کر سکی اور بھائی کو دعوت دے دی۔

"ٹھیک ہے لیکن، ابھی تو میں اور بیا مارکیٹ جا رہے ہیں۔ ہمیں عید کی شاپنگ کرنی ہے۔" اس نے بھانجی کو اشارہ کیا۔

"لیکن۔۔۔" مریم نے اعتراض کرنا چاہا، مگر مونس نے ہاتھ اٹھا کر بہن کو خاموش کرا دیا۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔" اس نے بھانجی کی طرف دیکھا تو وہ ایک دم سے خوش ہو کر سر ہلانے لگی۔ مونس کے وجود میں سکون سا پھیلتا چلا گیا۔ تھک ہار کر مریم بیا کے کپڑے تبدیل کرانے چل دی۔ وہ جانتی تھی کہ مونس اسے بھی شاپنگ پر ساتھ لے جانا چاہتا ہے، مگر منہ سے نہیں بولے گا۔ وہ اس کے 'میکے' سے مرحوم شوہر کے گھر میں شفٹ ہو جانے پر بہت ناراض تھا۔ کئی مہینوں تک تو بھائی بہن کے بیچ میں بات چیت بھی بند رہی، مگر وہ اسے کیسے بتاتی کہ اتنی بڑی قربانی اس نے اپنی بھابھی کے چین و سکون کو قائم رکھنے کے لیے دی ہے۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے بہت خوش نظر آ رہے ہیں؟" وہ رات کو گھر لوٹا تو اریشہ نے مسکرا کر پوچھا جو کچھ دیر پہلے ہی بھائی کے ساتھ گھر لوٹی تھی۔

"ہاں۔۔۔ آج میں نے اور بیا نے بہت مزے کیے۔" مونس نے صوفے پر بیٹھ پر سکون انداز میں بتایا۔

"اچھا۔۔۔" وہ ایک دم چپ سی رہ گئی۔

"پتا ہے۔۔۔ وہ تمہیں بھی بہت یاد کر رہی تھی اور پوچھ رہی تھی کہ مامی ہمارے گھر کیوں نہیں آتیں؟" مونس نے اس کو بغور دیکھتے ہوئے بتایا۔

"وہ۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔ آپی ایسے۔۔۔ اچانک یہاں سے اپنے گھر میں شفٹ ہو گئیں تو۔۔۔" اس نے گھبرا کر ہاتھ مسلے۔

"ہاں۔۔۔ مگر اس بات کو تو کافی ٹائم گزر چکا ہے۔ پتا ہے۔۔۔ بیا کو ٹائیفائڈ ہو گیا تھا۔" وہ پشیمانی سے بولا۔

"اچھا۔۔۔ اب اس کی طبیعت کیسی ہے۔" اریشہ نے چونک کر پوچھا۔ وہ دل کی اتنی بھی کڑوی نہیں تھی۔

"کافی کمزور ہو گئی ہے۔۔۔ بتا رہی تھی کہ بیماری میں راتوں کو رو رو کر مجھے یاد کرتی تھی مگر پتا نہیں آپی نے خود کو اتنا پتھر کیوں کر لیا ہے کہ مجھے کال کرنے کی زحمت بھی نہ کی۔" وہ کھویا کھویا سا بولا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ میں خود ہی اس سے ملنے پہنچ گیا۔" اس نے خوشی کا اظہار کیا۔

"اچھا کیا۔" وہ بمشکل بولی۔

ایک حیرانی کی بات بتاؤں اریشہ؟" اس نے بیوی سے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"ہاں۔۔۔" وہ متجسس ہوئی۔

"مجھے دیکھتے ہی سکون بیا کے چہرے پر پھیل گیا مگر میری روح تک میں سرشاری سی اتر گئی۔" اس کے لہجے میں بھانجی کے لیے پیار ہی پیار تھا۔ وہ بولتا چلا گیا، مگر اریشہ پر سوچ کے نئے در وا ہوتے چلے گئے۔ وہ اس منحوس دن کی یاد میں کھو گئی جب اس کے اندر کا حسد و جلن زبان پر آ گیا اور سب کچھ بکھر گیا۔

☼ ☼ ☼

"اب میں کیا کہوں۔۔۔ امی؟" اریشہ فون پر کچھ بولتے ہوئے رک گئی۔

"اس گھر پر تو مونس کی بیوہ بہن اور ان کی بیٹی بیا کا راج ہے۔ وہ مجھے اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنا ان دونوں کے پیچھے پاگل بنا پھرتا ہے۔ آپ نے تو یہ کہہ کر شادی کی تھی کہ ساس سسر ہیں نہیں' اکیلی پورے گھر کی مالکہ بن کر پھروں گی' مگر یہاں تو ہر فیصلہ مریم آپی کی مرضی سے ہوتا ہے۔ خاصا بینک بیلنس چھوڑا ہے' ان کے میاں اس کے باوجود میرے شوہر کی کمائی کہاں سے آتی ہے' کہاں جاتی ہے۔ مجھے کچھ خبر نہیں ہوتی۔ کس کو کتنا لینا دینا ہے بس وہ ہی جانتی ہیں۔" اریشہ نے لمحے بھر کو تھم کر دوسری جانب کی بات سنی۔

"نہیں۔ نہیں۔ میرا کچھ نہیں ہونے والا۔۔۔ مونس کا جو وقت بہن کی جی حضوری سے بچتا ہے' وہ اس شخص جادوگرنی کے قبضے میں چلا جاتا ہے۔ ماموں۔۔۔ ماموں کر کے وہ ہر وقت ہمارے سروں پر سوار رہتی ہے۔ ابھی پچھلے ویک اینڈ کو میرا دل باہر جا کر ڈنر کرنے کو چاہا' میں تیار ہو کر جب گاڑی میں بیٹھنے لگی تو دیکھا کہ پچھلی سیٹ پر بیا بیگم جلوہ افروز ہیں۔ یقین جانیں' دل جل کر رہ گیا۔" بات کرتے کرتے اس کا سانس پھولنے لگا۔

"میں نے منع کیا تھا نا۔۔۔ بس اس بات پر تو جیسے قیامت آگئی۔ مونس نے اتنا برا مانا کہ پورے راستے منہ پھلائے اس بیا کی ناز برداری کرتا رہا۔" اس نے فون کو دوسرے کان پر منتقل کرتے ہوئے نم آنکھوں کو پونچھا۔

"میرا تو دم گھٹتا ہے یہاں۔۔۔ بھرا پرا سسرال نہ ہونے کے باوجود میں ہر وقت من ہی من میں جلتی رہتی ہوں۔۔۔ ایک میاں صاحب ہیں جو بہن اور بھانجی کے خلاف ایک لفظ سننے کے روادار نہیں۔۔۔ کہوں تو کس سے جا کر کہوں۔" اریشہ فون پر سسکیاں بھرتے ہوئے ماں کے سامنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔ یہ دیکھے بنا کہ مریم کھڑکی سے لگی سب کچھ سن رہی ہے۔

☼ ☼ ☼

سحری میں اریشہ کی آنکھ کھلی تو اسے یوں لگا جیسے وہ سچ مچ نیند سے جاگی ہو' بے خبری کی نیند سے۔ اس کے اندر کی دنیا میں کھلبلی سی مچی ہوئی تھی۔ وہ روشنی کی تلاش میں ویرانوں کا رخ کرنا چاہتی تھی' کتنی بے وقوف تھی نا۔۔۔ اپنے وجود میں بڑھتے اندھیروں سے خوف کھائے' سکون کی متلاشی یہ بات کیسے بھول گئی کہ ادھر ادھر سر پھوڑنے کی جگہ اسے سچی خوشی بہ آسانی مل سکتی ہے۔ ایک بے ضرر سی بچی کے لیے جلن و حسد پال کر نہ صرف اپنے دل کو آلودہ کیا بلکہ اپنی روح کو بھی بیمار کر ڈالا' اس بات کا احساس بھی نہ کیا کہ مونس نے شادی کے پہلے دن ہی اسے یہ بات سمجھائی تھی کہ وہ اپنی بہن اور بھانجی کے ساتھ اس بڑے سے گھر میں مل جل کر رہنے کا خواہش مند ہے۔

بیا جو بچپن میں ہی اپنے باپ کے سائے سے محروم ہو چکی تھی' اسے ماموں کا رشتہ کتنی خوشی دیتا ہوگا۔ وہ سوچتے سوچتے شرمندہ لگی۔ اتنا تو اسے احساس ہو چکا تھا کہ اس دن مریم آپی نے اس کی باتیں سن لی ہیں جب ہی تو یہاں سے شفٹ ہو گئیں۔ پچھتاوے نے اس کے من میں پنجے گاڑ دیے۔ جن پیروں کو سیدھی راہ پر چلنے کی عادت ہو' غلط راستے پر چل پڑیں تو سب کچھ تہہ و بالا ہو جاتا ہے تو پھر وہ کیسے سکون سے رہتی۔

☼ ☼ ☼

اس دن کھڑکی سے لگی کھڑی مریم اپنی جگہ ساکت ہی رہ گئی۔ اریشہ کے منہ سے نکلنے والے الفاظ نہیں تیزاب کے چھینٹے تھے جو اس کے دل کو داغ دار کر گئے۔

"اف۔۔۔ میرے اللہ۔۔۔ یہ لڑکی مجھ سے کس قدر بدگمان ہے۔" مریم نے چکراتا سر تھام لیا تھا۔

"میری معصوم سی بچی کو بھی جادوگرنی کا خطاب دے ڈالا۔" اس کے دل پر گھونسا پڑا۔

"اریشہ کے اندر کس قدر زہر بھرا ہوا ہے۔" وہ خود کو سنبھالتی لاؤنج کی طرف بڑھی جہاں قالین پر کیرم

سجائے بیا اور مونس کھیلنے میں مصروف تھے۔ وہ ایک لمحے کو ٹھٹکی۔ اسے معلوم تھا کہ مونس بیا سے بہت پیار کرتا ہے' وہ کبھی اس بات پر رضامند نہ ہوگا۔ ان حالات میں اسے یہ ہی بات ٹھیک لگی کہ بھائی کو کچھ بتائے بغیر خاموشی سے میکے سے اپنے مرحوم شوہر کے بنوائے ہوئے گھر میں شفٹ ہو جائے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔

مونس پہلے تو ہکا بکا رہ گیا' اسے بہن سے ایسا قدم اٹھانے کی توقع نہیں تھی' وہ ہر قیمت پر مریم کو روکنا چاہتا تھا' مگر وہ کچھ سننے کی روادار نہ تھی' اریشہ کے چہرے کا بھی رنگ اڑ گیا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے نند کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہیں رکی۔ یہاں سے جانے میں ہی اس کی عزت تھی۔ اس لیے وہ بھائی کی ناراضی مول لیے کر بھی الگ ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

"سوری۔۔۔ آپی!" عریشہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ ارشی!" مریم کی آواز بھی سرگوشی سے زیادہ نہ تھی۔

"تو پھر آپ نے مجھے دل سے معاف کر دیا نا۔" اس کی سانسیں بحال ہونے لگیں۔

"ہاں۔۔۔ جان۔" مریم نے دل صاف کر کے چھوٹی بھابھی کو گلے لگا لیا۔

"چلیں۔۔۔ جناب! سامان باندھنے میں میری مدد کریں۔" اریشہ نے مریم سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔۔۔ کہاں جانا ہے؟" مریم نے حیرت سے پوچھا۔

"اپنے میکے چلیں۔۔۔ جہاں۔۔۔ آپ کا بھی اتنا ہی حق ہے' جتنا کہ میرا۔" اس کی آنکھوں سے ہلکی سی التجا' ہلکی سی معذرت جھلکی۔

"سوری اریشہ! مگر اب میں اور بیا یہاں سیٹ ہو چکے ہیں۔" مریم نے رسانیت سے سمجھانا چاہا۔

"اچھا ٹھیک ہے' مگر میری ایک شرط مانیں گی۔" وہ التجائیہ انداز میں ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"ہاں۔۔۔ بولو؟" مریم نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"آپ رمضان کا آخری عشرہ اور پھر عید ہمارے ساتھ منائیں۔" بڑی آس بھری نظروں سے نند کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلو۔۔۔ ٹھیک ہے۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہلاتے ہامی بھر بیٹھی۔

"اور۔۔۔" وہ کچھ کہتے ہوئے جھجکی۔

"اور کیا؟" مریم متجسس ہوئی۔

"میں کبھی بھی ماموں بھانجی کے بیچ نہیں آؤں گی' میرا مطلب مونس اور بیا سے ہے' اس لیے وہ ہر ویک اینڈ ہمارے گھر گزارے گی۔" اس نے کڑکڑا کر کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔۔۔" وہ متانت سے بھابھی کے کاندھے کو تھپکتے ہوئے بولی۔

"چلیں۔۔۔ تو ہم مل کر بیگ تیار کرتے ہیں۔" عریشہ کو اپنی غلطی پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔ وہ ہر حالت میں اس کا دل صاف کرنا چاہتی تھی تو پھر مریم بلاوجہ کی اکڑ کیوں دکھاتی' بھری دنیا میں اس کا بھائی بھابھی کے سوا تھا ہی کون۔ اور بیا بھی تو ماموں کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی' اسی لیے مریم وارڈروب کا دروازہ کھول کر کپڑے نکالنے لگی۔

"اگر نند بھاوج کی میٹنگ ختم ہو گئی ہو تو ہم اندر آجائیں۔" مونس نے مسکرا کر گردن اندر گھسائی' اس کے پیچھے بیا نے بھی جھانکا۔

"جی جناب! چلیں۔۔۔ آپی اور بیا کا سامان گاڑی میں رکھیں۔ یہ ہمارے گھر عید منانے جا رہی ہیں۔"

اریشہ کے کہنے پر مونس نے مڑ کر بیا کو دیکھا تو اس نے وکٹری کا نشان بنایا۔ تیرگی چھٹ گئی روشنی چھا گئی تو واپسی کا سفر آسان لگنے لگا۔

عریشہ کو اس رات بڑی گہری اور پُرسکون نیند آئی۔ یوں لگا جیسے ایک مہربان روشنی ساری رات اس کے گرد منڈلاتی رہی ہو۔

ناولٹ

"اس چھوٹی عید پر مجھے تیری دلہن چاہیے عافین! میری عید تب ہی ہوگی جب بہو کی دید ہوگی۔۔۔ اسے میری ضد سمجھ' میری خواہش یا میرا حکم۔۔۔ ارے آنکھوں میں موتیا اتر آیا۔ گھٹنوں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ عمر پر لگا کر اڑتی جا رہی ہے مگر بہو دیکھنا نصیب نہیں ہو رہی۔ ماں کی خاطر تجھے ماننا ہوگا شادی کے لیے نہیں مانا تو یقین کر میں تجھ سے کلام نہیں کروں گی۔ تو لاکھ میرا فرماں بردار سہی۔۔۔ مجھے عزیز سہی مگر اب میں تب تک تجھ سے خفا ہی رہوں گی جب تک تو شادی کے لیے ہاں نہیں کہے گا۔"

اماں کے الفاظ ایک بار پھر ذہن میں گونج تھے۔

اس نے گھر جانے کا ارادہ ترک کیا اور بلاوجہ سڑکوں پر کیوں مانتا دل کی؟ تیرہ سال قبل دل کی مانی تھی تو ذلت ملی تھی۔ اس کے وقار اور عزت کی دھجیاں اڑی تھیں۔ کتنا عرصہ وہ اسی مخمصے میں الجھا رہا کہ کیا وہ واقعی بدکردار تھا۔ محبت اس کے لیے جرم ثابت ہوئی تھی۔ اس پر گھٹیا انسان ہونے کا الزام لگا تھا۔

دل کی نرم زمین پر نمو پاتے سچے جذبوں کو چند تلخ باتوں نے آگ لگا دی تھی۔ گزرتے وقت نے آگ تو بجھا دی تھی مگر وہ جذبے اندر کہیں آج بھی سلگ رہے تھے۔ اسی لیے تو دل اتنا بے چین رہتا تھا اور مجبور کرتا تھا کہ وہ خود پر سے سارے اختیار کھو کر صرف اسی کی مانے۔۔۔ اور آج بے اختیار ہی اس نے دل کے آگے سارے مزاحمتی ہتھیار پھینک دیے تھے اور ارادہ کیا تھا

مقدس مشعل

رتا القلب تجھ سا

گاڑی دوڑانے لگا۔ آج وہ جلد ہی آفس سے نکل آیا تھا۔ طبیعت عجیب بے زار اور بوجھل سی ہو رہی تھی۔

تیرہ برس کا طویل عرصہ گزر گیا تھا خود پہ ضبط کے پہرے بٹھائے۔ مگر آج نجانے کیوں خود پہ چڑھا یا بے نیازی و بے حسی کا خول چٹخنے لگا تھا۔ دل مچل مچل کر قدموں میں لوٹ پوٹ ہونے لگا تھا۔ اور یہ دل تو پہلے بھی کئی بار جب کبھی وہ اس کی یادوں میں کھویا ہوتا تو اسی طرح مچلتا اسے مجبور کرتا تھا۔

"چلو ایک بار۔۔۔ اس کی خبر تو لو! وہ کیسی ہے؟ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ وقت نے اسے کتنا بدلا ہے؟ کیا اسے بھی آج تک اس قلیل عرصے کی محبت نے اپنے فسوں میں محصور کر رکھا ہے یا وہ آزاد ہو گئی مگر وہ کہ دل کی مان ہی لے۔۔۔ سب کچھ بھلائے وہ اس راہ کی طرف گامزن تھا جس کی طرف جانا وہ گناہ ہی سمجھتا تھا۔ مگر آج انا' عزت نفس' خودداری اور بے نیازی نے جیسے خود بخود دل کو راستہ دیا تھا۔ اندر نہ جانے کیسا سکون اتر رہا تھا۔ دھڑکنیں بے ترتیب سی ہو رہی تھیں۔

تیرہ سالوں بعد پلٹا تھا وہ ان راہوں کی طرف۔۔۔ وہی کالونی کی کشادہ گلیاں۔۔۔ وہی راستے۔۔۔ گلی کی نکڑ پر انگلش میڈیم اسکول کی عمارت مزید بلند ہو چکی تھی۔ گلی کا موڑ مڑتے ہی سامنے کالونی کا بازار تھا۔ کچھ خاص تبدیلی نظر نہ آئی۔ بازار کے آغاز میں رہائشی مکانات جو دونوں طرف بنے ہوئی تھے۔ وہ مکان بھی اسی جگہ

موجود تھا مگر کچھ تبدیلیاں لیے ہوئے۔ گاڑی ایک طرف روک کر اس نے دزدیدہ نظروں سے اس گھر کی طرف دیکھا۔

گیٹ اور در و دیوار کا رنگ و روغن تبدیل ہو چکا تھا۔ دوسری منزل پر کچھ تعمیری تبدیلی آچکی تھی۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا۔ اس کی نیت میں کوئی فتور تھا نہ ہی من میں کوئی چور پھر بھی اس گھر کی طرف بڑھتے قدم کپکپا رہے تھے۔ وہ گیٹ کے قریب پہنچا۔ دیوار میں لگی پتھر کی تختی دیکھ کر چونکا۔ گھر بلاشبہ وہی تھا۔ مگر مکینوں کے سربراہ کا نام تبدیل تھا۔ اسی اثناء میں ایک بزرگ اس کے قریب آرکے۔

"برخوردار کون ہو۔ کس سے ملنا ہے؟" آواز سن کر وہ متوجہ ہوا۔۔۔ بزرگ کی آنکھیں اسے پہچاننے کی سعی کر رہی تھیں۔

"جی۔۔۔ یہاں جمیل احمد کی فیملی رہتی تھی؟"

"ہاں رہتے تھے وہ لوگ' پر پانچ سال قبل وہ یہاں سے چلے گئے۔ تب یہ گھر ہم نے خرید لیا تھا۔ آپ ان کے کوئی جاننے والے ہو؟" بزرگ نے کہا۔

"جی۔۔۔ میں دراصل ان کا کرائے دار تھا۔ آپ کو علم ہے کہ وہ لوگ یہاں سے کہاں شفٹ ہوئے؟"

اس نے بے جان آواز میں پوچھا۔

"نہیں ہمیں تو معلوم نہیں ہے۔" بزرگ نے نفی میں سرہلاتے ہوئے کہا۔

مزید سوال جواب اسے بے کار لگے۔

"شکریہ آپ کا میں چلتا ہوں۔" اس نے زبردستی کی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور پلٹ گیا۔

بزرگ چند ثانیے اسے دیکھنے کے بعد سبزی اور فروٹ کا تھیلا اٹھائے گیٹ سے ملحق دروازہ کھول کر اندر چلے گئے۔ واپسی کا سفر انتہائی ناآسودہ اور شکست خوردہ سا تھا۔

کار پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے وہ اندرونی حصے کی طرف بڑھا۔۔۔ کندھے جھکے ہوئے تھے۔ چہرے پر جیسے صدیوں کی مسافت کی تھکن تھی۔۔۔ وہ مضمحل سے انداز میں لاؤنج میں داخل ہوا۔۔۔ اماں سامنے جائے نماز پر عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

"السلام علیکم اماں جان۔" اس نے عادتاً کہا۔۔۔ جواب ندارد تھا۔۔۔ اماں نے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے دل پر ایک اور گھونسہ پڑا۔

اماں جو ہمیشہ صبح اپنی دعاؤں اور بے پایاں محبتوں کے ساتھ اسے رخصت کرتی تھیں۔ اور شام کو پُرتپاک والہانہ انداز میں اس کا استقبال کرتی تھیں گزشتہ دس دنوں سے مسلسل سرد سی ناراضی کا اظہار کر رہی تھیں۔۔۔ اس سے بات کرنا تو دور کی بات گھر سے جاتے ہوئے اسے خدا حافظ بھی نہ بولتیں (اگرچہ دل ہی دل میں آیتیں پڑھ کر اس کی سلامتی کی دعا مانگتیں۔ مجبور تھیں ناراضی دکھانے کے لیے) اور نہ اس کی آمد پر اس کے سلام کا جواب دیتیں۔ اس کی برداشت اب جواب دے رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے ماں کی اتنی سخت اور مستقل ناراضی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اپنے دل کی پکار کو تو وہ عرصے سے نظرانداز کر رہا تھا' یہ تو شاید ماں کی ناراضی تھی کہ وہ دل میں امید کا چراغ جلائے اسے ڈھونڈنے نکلا تھا جسے زندگی بھر کا ساتھی وہ بہت عرصہ پہلے چن چکا تھا۔ مگر تیرہ سالوں میں نجانے کیا کچھ بدلا تھا۔

ضروری تو نہیں وہ اس کے انتظار میں بیٹھی ہو۔ یہ بھی تو ممکن ہے وہ اپنا گھر آباد کر چکی ہو' کسی اور کا ہاتھ تھام چکی ہو۔ وہ کس امید کا دامن پکڑے اس کا انتظار کرتی۔

"اماں مجھے معاف کر دیں۔ اتنے دن ستایا آپ کو میں شادی کے لیے تیار ہوں۔ جہاں چاہیں۔۔۔ جس سے چاہیں میری شادی کر دیں اور اپنی بہو لے آئیں۔" اس نے لہجے کو حتی الامکان خوشگوار بناتے ہوئے کہا۔

"سچ۔۔۔ میرے لال میں صدقے۔۔۔ دیکھا منالیا نا۔ ماں کی ناراضی دور کرنے کے لیے ہاں کی ہے۔۔۔

دیکھنا۔ تیرا دامن خوشیوں سے بھر جائے گا۔ ایسی سوہنی بہو لاؤں گی کہ میرے بیٹے کی زندگی سج جائے گی۔" وہ ممتا بھری خوشی سے اس کا ماتھا چومتے ہوئے بولیں۔

وہ بظاہر مسکرایا۔۔۔ اندر بے تحاشا آنسو اتارتے ہوئے دل تو چاہ رہا تھا ماں کی گود میں سر رکھے اور دل میں امنڈتے سیلاب کا بند توڑ دے۔ مگر اتنے دن ماں کی خفگی برداشت کرنے کے بعد اب وہ ان کی رنجیدگی دیکھنے کا خواہاں نہیں تھا۔۔۔ سو اماں کی باتوں کا ضبط سے مسکراتے ہوئے جواب دینے لگا۔

☼ ☼ ☼

"اماں یہ موٹی موٹی خشک کتابیں پڑھ کر میں بھلا کیا کروں گی۔ دماغ چاٹ لیں گی یہ میرا۔۔۔ مجھے کون سی کوئی جاب کرنی ہے۔ میری تو بس اتنی سی خواہش ہے کہ شادی کر کے ایک مکمل اور پیور قسم کی ہاؤس وائف بنوں۔ ہاؤس وائف بننے کے لیے ایف ایس سی ہی کافی ہے۔۔۔ پھر آپ لوگ کیوں میری پڑھائی پہ حق حلال کی محنت کی کمائی ضائع کر رہے ہیں۔ وہی پیسے جمع کر کے میرا جہیز بنائیں اور میرا گھر بسا دیں۔ ہے نا بہترین آئیڈیا۔" چیونگم کو تیزی سے چباتی وہ زبان بھی اسی تیزی سے چلا رہی تھی۔

دوپٹے پہ کڑھائی کرتی اماں نے تحمل سے بات سنی تھی۔ اس کی بات مکمل ہونے پر ذرا سی جھکیں، چارپائی کے نیچے سے چپل اٹھائی اور کھینچ کے ماری۔ چپل نشانے یعنی سیدھی کمر پر لگی تھی۔ وہ جو آسمان کی طرف منہ اٹھائے اڑتی چڑیوں کے غول پہ غور و فکر کرنے میں مگن ہو گئی تھی۔ کراہ کر رہ گئی۔

"اماں! ایسی کیا ناجائز بات کہہ دی۔ بلاوجہ ہی غصہ کرتی ہیں۔" چھوٹی چاروں برآمدے میں بیٹھی کھی کھی کرنے لگیں۔ وہ غضبناک نگاہوں سے انہیں گھورنے لگی۔

"تیرے ابا کے خاندان میں ان پڑھ جاہلوں کی کمی نہیں۔۔۔ وہ سارے پہلے ہی لڑکیوں کی زیادہ تعلیم کے خلاف ہیں۔ مڈل میٹرک سے آگے پڑھنے نہیں دیتے۔ بیاہ دیتے ہیں چھوٹی عمروں میں ہی۔۔۔ شکر نہیں کرتی تیرے باپ کی سوچ بدل گئی ہے۔ وہ بھی میں نے کیسے بدلی میں ہی جانتی ہوں۔

وہ تیری پھپھو کی بیٹی نرگس تیری ہی عمر کی ہے۔ دو سال ہو بھی گئے شادی کو بچہ بھی گود میں آگیا۔ کھیلنے کی عمر میں بچہ پال رہی ہے۔۔۔ ابھی دیکھی تھی میں نے صغری کی منگنی میں آدھی رہ گئی ہے۔ شادی بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اتنا ہی ارمان چڑھ رہا ہے تجھے شادی کا۔۔۔ تو کان کھول کر سن لو ساری۔۔۔ سولہ سولہ جماعتیں پڑھا کر شادیاں کروں گی تم لوگوں کی۔۔۔ ایک باپ ہی ہے، بھائی کوئی ہے نہیں۔۔۔ کل مشکل وقت میں تعلیم ہی کام آئے گی۔۔۔ توجہ سے پڑھائی کیا کرو۔۔۔ بس یہ اوٹ پٹانگ مت ہانکا کرو۔" اماں نے سخت تنبیہی انداز میں کہا۔

وہ برے برے منہ بناتی چھوٹی بہنوں کی طرف چل دی جو لوڈو کھول رہی تھیں۔ کھیلنے کے لیے۔

"ہائے بے چاری اپیا ہماری۔۔۔ کتنا شوق ہے دلہن بننے کا۔۔۔ پر پورا ہونے کے آثار ابھی دور دور تک دکھائی نہیں دیتے۔" تیسرے نمبر والی بہن سعدیہ نے اسے قریب بیٹھتے دیکھ کر آہستہ سے کہا۔

"چل منحوس باتیں نہ کر۔ دیکھنا تم سب سے پہلے میں ہی دلہن بنوں گی۔" وہ پورے والیوم سے بولی۔ اماں کی سختی سے گھورتی نگاہوں نے اس کا طواف کیا۔

"ہم سب سے بڑی ہو تو تم ہی سب سے پہلے یہ شرف پاؤ گی۔" اس سے چھوٹی فوزیہ نے سرگوشیانہ انداز میں کہا۔ وہ مسکرائی۔

"بے شرم۔۔۔ بے حیا۔۔۔ کیسے منہ پھاڑ پھاڑ کے بولتی ہے۔۔۔ بھلا لڑکیاں یوں بے باکی سے بولتی اچھی لگتی ہیں۔۔۔ یہ تو مجھے ذلیل نہ کروا دے ایسی فضول کی ہانک کر۔" اماں کی غصے بھری بڑبڑاہٹ واضح سنائی دے رہی تھی۔ اسی اثناء میں نیچے بیل بجنے کی آواز سنائی دی۔

"سعدیہ! دیکھ نیچے کون ہے گیٹ پر؟" اماں نے کہا وہ کھیل چھوڑ کر اٹھی۔۔۔ دیوار کے ساتھ سیڑھی لگا کر اس کے اوپر چڑھ کر دیوار سے نیچے جھانکا۔

"اماں! ممتاز خالہ آئی کھڑی ہیں' ساتھ میں جیا بھی ہے۔" وہ خوشی سے چہک کر بولی۔

خالہ سے زیادہ جیا کے آنے کی خوشی تھی۔ جیا کزن ہونے کے ساتھ اس کی ہم عمر اور سہیلی بھی تھی۔

"چل جا پھر نیچے گیٹ کھول جا کر۔" اماں اپنے سامنے پھیلا سامان سمیٹتے ہوئے بولیں۔

"عافین بھائی کھول رہے ہیں۔" سعدیہ نے کہا۔ ممتاز خالہ کی آمد کا سن کر وہ سب بھی ادھر ادھر پھیلی چیزیں سمیٹنے لگیں۔

"خالہ ممتاز ہمیشہ اچانک ہی آتی ہیں۔ کبھی فون کر کے نہیں بتاتیں۔ اب دیکھو کتنی بے ترتیبی ہے ہر طرف' اتنی جلدی صفائی کیسے ہو۔" چٹائی پر بکھری کتابیں اکٹھی کرتے ہوئے وہ بوکھلا کر بولی۔

"اسی لیے کہتی ہوں گھر صاف ستھرا رکھا کرو۔ گھر میں اتنی لڑکیاں ہوں اور ایسی حالت ہو تو آنے والے کیا سوچیں گے بھلا؟" اماں نے جواباً کہا۔

خالہ ممتاز ابھی نیچے عافین سے ہی حال احوال دریافت کر رہی تھیں۔

"ادھر پیچھے اماں بہنیں سب ٹھیک ٹھاک ہیں نا؟" سیڑھی کی طرف قدم بڑھاتے خالہ ممتاز نے کہا۔

"جی خالہ' الحمد اللہ سب ٹھیک ہیں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

وہ اوپر جانے لگیں۔۔۔ خالہ کے والہانہ استقبال کی آوازیں نیچے تک آ رہی تھیں۔

وہ آج کل جلدی ڈیوٹی سے آجاتا تھا۔ آج بھی عصر کی نماز پڑھ کر آنے کے بعد وہ صحن میں کرسی رکھ کر اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا۔ یہاں جب وہ نیچے صحن میں بیٹھا ہوتا تو اوپر کی آوازیں اس تک پہنچ رہی ہوتی تھیں۔ وہ ساری بہنیں بہ آواز بلند بولنے کی عادی تھیں۔ اور فاریہ تو کبھی آہستہ آواز میں شاید بولتی ہی نہیں تھی۔

اسی لیے ابھی کچھ دیر قبل وہ فاریہ کی شادی کی اور باؤس وائف بننے کی خواہش سے آگاہ ہوا تھا۔ وہ تو اپنی دھن میں بات کر گئی تھی اور آگے سے تند و تلخ سن بھی لی تھیں مگر اس کی دھڑکنیں الگ ہی لے پہ دھڑکنے لگی تھیں۔ درمیانے قد کی نارمل سے نقوش اور دمکتی سانولی رنگت رکھنے والی نٹ کھٹ سی فاریہ کب کس لمحے اس کے دل میں اتر آئی تھی وہ جان نہ سکا۔۔۔ ابھی تک اس نے اپنے احساسات و جذبات کو زبان نہیں دی تھی۔ مگر نظریں سب کچھ بول دیتی تھیں۔ وہ اب اس کی نظروں میں دیکھنے سے کتراتی تھی۔ اس کی یہ ادا بھی اسے متاثر کرتی تھی۔ وہ مناسب وقت کے انتظار میں تھا۔ مگر فاریہ کی کچھ دیر قبل کی بات سن کر وہ کچھ غیر مطمئن ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے بڑا قلق ہے۔" ممتاز بیگم نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"کس بات کا آپا؟" سکینہ نے چائے کا کپ ان کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا۔

"نائلہ کی منگنی بھی ہو گئی اور ثمن کی شادی کی ڈیٹ ہی فکس ہو گئی۔ اس کا تو چٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا۔" وہ افسردگی سے بولیں۔

"ایں۔۔۔ اس میں قلق والی کیا بات ہے اچھا ہوا نا لڑکیوں کے رشتے طے ہوں تو یوں کہتے ہیں۔" سکینہ بیگم نے حیرانی سے کہا۔

نائلہ درمیان والی بہن ثمینہ کی بیٹی تھی اور ثمن بھائی کی۔۔۔ ان کے لیے ممتاز کی بات ہضم کرنا مشکل تھا۔

"اری تو کیا جانتی نہیں' ان دونوں لڑکیوں پہ میں نے نظر رکھی ہوئی تھی۔ بڑے کا رشتہ تو غیروں میں کر دیا تھا پر چھوٹے دونوں کے لیے میں نے ان دو لڑکیوں پہ نظر رکھی ہوئی تھی۔ اور میرا ناصر کتنا خواہش مند تھا ثمن کے لیے۔۔۔ جس دن سے سنا ہے' وہ تو ہر کسی سے

لڑنے مرنے کو تیار بیٹھا ہے۔۔۔ اب میں کیا کروں؟"
ممتاز خالہ کے انداز میں بے بسی تھی۔

"نظر رکھی تھی لڑکیوں پہ تو آج تک کسی سے رشتہ مانگا کیوں نہیں؟ اپنی ثمینہ کو تو انتظار بھی تھا کہ تو بات کرے۔ بیٹی والی تھی اس لیے خود سے نہیں کہا۔ تم لوگوں نے نہیں کہا تو اسے جو رشتہ مناسب لگا کر دی وہاں منگنی۔۔۔ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔" سکینہ نے بات کے اختتام پر محاورہ بھی بنا سا ڑا۔

"اے۔۔۔ لو لڑکیاں ابھی پڑھ رہی تھیں اور میرے بیٹے ابھی ابھی تو کمانے لگے ہیں۔ میں نے سوچا کچھ گھر کی تعمیر و مرمت ہو جائے۔ چار پیسے جمع ہو جائیں تو ہی بات کروں گی۔۔۔ مجھے کیا پتا اندر ہی اندر کیا ہو رہا ہے۔ ان لوگوں نے تو ہتھیلی پہ سرسوں جمانے کی۔۔۔ کی ہے۔" ممتاز بیگم کچھ بگڑ کر بولیں۔

"چلیں خالہ آئندہ کے لیے نصیحت ہی سہی۔ اب اگر کوئی لڑکی اچھی لگی تو اس پہ آنکھ ہی نہیں رکھنی ہاتھ بھی رکھنا ہے۔ آنکھ رکھنے کا کیا فائدہ بھلا آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل۔" فاریہ جو جیا کے ہاتھوں پہ مہندی لگانے کی پریکٹس کر رہی تھی اپنی مخصوص بلند آواز میں بولی اور نیچے لیٹے عافین کے کانوں تک اس کے الفاظ پہنچے۔ وہ چونکا۔

"اے لو اس کا کیا مطلب بھلا؟" ممتاز بیگم ہنوز خراب موڈ میں تھیں۔

"آسان لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ رشتہ مانگیں اور لڑکی کو انگوٹھی پہنا دیں پھر لڑکی کہیں نہیں جائے گی آپ سے دامن چھڑا کر۔"

"لڑکی! بات تو نے پتے کی بتائی ہے۔۔۔ آئندہ آنکھ لی۔ جائے ہاتھ ہی رکھوں گی۔" ممتاز بیگم کا لہجہ اب خوش گوار ہوا۔

"یہ تو ایسے ہی بونگیاں ہانکتی رہتی ہے اس کی باتوں پہ نہ جاؤ۔" سکینہ بیگم نے ہاتھ جھلا کر کہا۔

نیچے چارپائی پر لیٹا عافین بے چین سا ہو کر اٹھ بیٹھا۔ اس کا معمول تھا کچھ دیر باہر صحن میں لیٹنے کے بعد سونے کے لیے کمرے میں چلا جاتا۔ مگر آج کمرے میں جانے کے بجائے وہ صحن میں ٹہلنے لگا تھا۔ وہ اوپر کسی بات پر کھلکھلا رہی تھی۔ لاپرواہ سی کھنکتی ہوئی ہنسی۔ دل کے تاروں کو چھیڑ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

جمیل احمد کی پانچ بیٹیاں تھیں۔ فاریہ مفوزیہ سعدیہ ثوبیہ اور نادیہ۔ بیٹا نہیں تھا۔ بیوی سلیقہ مند پڑھی لکھی اور عقلمند تھیں۔ جمیل احمد خود مڈل پاس تھے۔ دو منزلہ اس گھر کے اوپر والے حصے میں دو کمرے کچن دو باتھ روم کمروں کے آگے برآمدہ اور پھر صحن تھا۔ یہ پورشن ان کے اپنے استعمال میں تھا۔ نچلے حصے میں ایک بڑا مستطیل نما کمرہ تھا۔ کمرے کے اندر ہی ایک طرف اسٹور کا دروازہ کھلتا تھا۔ کمرے کے آگے کم چوڑائی والا برآمدہ تھا۔ برآمدے کی ایک طرف کچن تھا تو دوسری طرف واش روم۔۔۔ درمیان میں صحن تھا۔

گیٹ کھلتے ہی ڈیوڑھی نما کاریڈور تھا۔ جہاں جمیل احمد اور عافین اپنی بائیکس کھڑی کرتے تھے۔ اسی پورچ سے سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھیں۔ یوں دونوں پورشن کے درمیان پردہ تھا۔ گیٹ کے ایک طرف ڈرائنگ روم تھا تو دوسری طرف جمیل احمد کی کپڑے کی دکان تھی۔ درمیانے درجے کی یہ دکان ان کی آمدنی کا مناسب ذریعہ تھی۔ کالونی کے بازار کے آغاز میں گھر تھا۔ عرصے سے یہاں رہ رہے تھے۔ گاہکوں سے ناجائز منافع نہیں کماتے تھے۔ اس لیے خود بھی کبھی تنگی کا سامنا نہ کیا۔ نچلے پورشن میں دکان کے علاوہ ڈرائنگ روم اور اسٹور ان کے اپنے استعمال میں تھا۔ باقی کمرہ کچن واش روم اور صحن وغیرہ کرائے پہ تھا۔ یہاں سے بھی آمدنی ہو رہی تھی۔

عافین احسن ان کا کرائے دار تھا۔ جو پچھلے ایک سال سے یہاں رہ رہا تھا۔ وہ بینک میں اچھی پوسٹ پر کام کر رہا تھا اور اب گھر کے فرد کی سی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ وہ خوش مزاج اور نیک اطوار کا مالک خاصا خوبرو

لڑکا تھا۔ اکثر ان کے گھر کے باہر کے کئی کام نبٹا دیتا۔ بل وغیرہ جمع کروانا اور دیگر اس طرح کے کام وہ کر دیتا تھا۔ صبح کا ناشتہ اور رات کا کھانا سکینہ بیگم ہی دیتی تھیں۔ دوپہر کا کھانا وہ آفس میں ہی کھاتا تھا۔

پندرہ دن بعد وہ سیالکوٹ جاتا جہاں اس کی فیملی رہتی تھی۔ کپڑے وغیرہ وہیں سے دھلوا کر لاتا مگر درمیان میں ضرورت پڑتی تو خود بھی دھو لیتا یا سکینہ بیگم کے ہاں جس دن واشنگ مشین لگتی وہ کپڑے لے جاتیں دھونے کے لیے۔۔۔ اسے اس گھر سے انسیت ہو گئی تھی۔ کرائے دار ہونے کے باوجود وہ گھر کے فرد کی طرح رہ رہا تھا۔

اس انسیت اور اپنائیت میں محبت کے رنگ کھلنے لگے تھے۔ وہ محبت جو فاریہ کے لیے اس کے دل میں چپکے سے آبسی تھی۔ وہ اس محبت کو پانے کا خواہش مند تھا۔ مگر حالات کا دھارا محبت کی مخالف سمت میں بہہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس دن ہفتہ تھا۔ وہ گھر پر ہی تھا۔ پورے گھر کی اچھی سی صفائی کرنے کے بعد اس نے اپنی دو شرٹیں اور ایک پینٹ دھو کر تار پر ڈالی۔ نہا کر واش روم سے نکلا تو سیڑھیوں سے کسی کے اترنے کی آواز آئی۔ اسی اثناء میں پورچ کے آگے ڈلا موٹا سا نیلا پردہ سرکا۔ سامنے سکینہ بیگم تھیں۔

"عافین بیٹا! فاریہ کے ابا کپڑا لینے فیصل آباد گئے ہوئے ہیں۔ میں دکان پہ بیٹھی ہوئی ہوں۔ ابھی کھانا کھانے اوپر گئی تھی۔ بند شٹر دیکھ کر ایک گاہک عورت تو پلٹ بھی گئی۔ ابھی میں چھت سے دیکھ رہی تھی۔ میں زیادہ دیر دکان بند نہیں کر سکتی۔ فاریہ کو اپنی سہیلی کی بہن کی شادی پر جانا ہے۔ ذرا بائیک پر چھوڑ آؤ۔ چھوڑ کے آجانا۔۔۔ میں پھر لینے چلی جاؤں گی۔" سکینہ بیگم نے کہا۔

"آنٹی میں چھوڑ آتا ہوں اور لے بھی آؤں گا۔۔۔ مجھے کچھ دیر کے لیے اپنے دوست کے ہاں جانا ہے۔ میں اتنی دیر اس کے پاس رک جاؤں گا۔" اس نے اپنائیت سے کہا۔

"چلو اچھا بھلا ہو تمہارا۔۔۔ فاریہ! اے فاریہ! آجا نیچے، عافین چھوڑ آئے گا۔" اسے دعا دے کر انہوں نے فاریہ کو آواز دی۔

"آگئی ایاں بس آگئی۔" سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

عافین نے پورچ میں آکر اپنی بائیک نکالی۔ گیٹ سے باہر لے جا کر وہ اس کا انتظار کرنے لگا۔ سکینہ نہ جانے اسے کیا سمجھا رہی تھیں۔ اس نے یوں ہی سرسری نظر اس پر ڈالی مگر نظریں بار بار اس کی طرف بھٹکنے لگیں۔

اس نے آسمانی رنگ کی شیفون کی کامدار فراک پہن رکھی تھی۔ ایک کلائی میں آسمانی رنگ کا چوڑیوں کا سیٹ تھا دوسری میں سلور کلر کا نازک سا ستاروں کے ڈیزائن کا بریسلیٹ۔۔۔ آنکھوں میں کاجل کی گہری دھار تھی۔۔۔۔۔ وہ اس وقت انتہائی پرکشش اور دلکش لگ رہی تھی۔ ہائی ہیل احتیاط سے فرش پر جماتی وہ بائیک تک آئی۔ ان دونوں کے جانے کے بعد سکینہ بیگم نے دکان کھول لی۔ جب کبھی جمیل احمد نہ ہوتے تو وہی وہاں کا کام سنبھالتی تھیں۔

"تم اتنی ہلکی رفتار سے بائیک کیوں چلا رہے ہو؟" کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد کہ بائیک اسپیڈ پکڑے وہ کچھ اکتاہٹ سے بولی۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"کہو کیا کہنا ہے۔" حسب عادت وہ فوراً بولی۔

"تم جانتی ہو نا۔۔۔ کہ میں تم میں انٹرسٹڈ ہوں؟"

عافین کا سوال فاریہ کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ ہمیشہ اعتماد سے بولنے والی فاریہ کی زبان اس لمحے جیسے تالو سے چپک گئی۔ دھڑکنوں میں عجب ہنگامہ بپا ہوا۔ کچھ لمحے انتظار میں گزر گئے۔ عافین کو جواب موصول نہ ہوا۔

"اچھا چلو۔۔۔ یہ بتاؤ میں تمہیں کیسا لگتا ہوں؟" و

اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے دوستانہ انداز میں بولا۔
"وہ جو بارہا اس کی نظروں کے پیغام پڑھ کر نظرانداز کر چکی تھی۔ خود کو نارمل کرتے ہوئے بولی۔
"اچھے ہو۔ اماں سے چھپا کے ڈائجسٹ بازار سے لا دیتے ہو۔ میری فرینڈز کے گھروں کے چکر لگا لیتے ہو وقت ضرورت۔ بلکہ سب گھر والوں کے کام آتے ہو اماں ابا کو تم سے کافی بدد ملتی رہتی ہے مختلف کاموں میں۔" اس کا جواب عافین کی توقع کے مطابق نہیں تھا شاید۔
اس نے اچانک ہی بائیک کی اسپیڈ بڑھا دی۔
"تمہیں کس دوست کے گھر جانا ہے؟" وہ بے تاثر لہجے میں بولا۔
"عینی کے گھر آتا بھی نہیں جانتے۔" وہ بھی تیکھے انداز میں بولی۔
باقی کا راستہ خاموشی سے کٹا۔ جب وہ عینی کے گھر کے گیٹ کے سامنے اتری تو عافین نے ترچھی نظر اس پر ڈالی۔
"واپسی کے لیے کب تک آؤں؟"
"آٹھ بجے تک آجانا۔ سات بجے تو رخصتی کا وقت ہے۔ مگر دیر بھی ہو سکتی ہے۔" اس نے کہا اور اپنا پرس سنبھالتی پلٹ گئی۔
"کس کے ساتھ آئی ہو۔ خالہ کہاں ہیں۔ انہیں نہیں لائیں ساتھ؟" عینی نے اس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔
"نہیں اماں کے پاس وقت نہیں تھا۔ میں عافین کے ساتھ آئی ہوں۔" اس نے بتایا۔
"اوہو۔ اتنی پیاری لگ رہی ہو۔ آج تو آنکھوں سے پی جائے زبان ہی پھسلی ہو گی۔ بولو! کچھ تعریف تو کی ہوگی۔ اب جھوٹ مت بولنا۔" عینی نے اسے چٹکی کاٹتے ہوئے کہا۔
"تعریف کرنے والا نہیں ہے۔ مگر بات واقعی کی۔ وہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔ ابھی تو دلہا دلہن کا دیدار کراؤ بھئی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
"یعنی اب تو تمہارا شک یقین میں بدل گیا نا کہ وہ واقعی تم سے محبت کرتا ہے۔" عینی جو اس کی بہترین دوست تھی، کچھ جاننے کو بے تاب تھی۔
"ہاں۔ مگر ابھی چھوڑو اس قصے کو۔" وہ کچھ جھلائی۔
"اوہو۔ برا نہ مانو۔ دوست ہوں اس لیے تجسس ہے۔ آؤ، تمہیں باراتیوں سے ملواؤں۔" عینی اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گئی۔
تقریباً سوا آٹھ بجے اسے عافین کے آنے کی اطلاع ملی۔ عینی کے گھر سے ان کے گھر کا فاصلہ بائیک پر پندرہ منٹ کا تھا۔ مگر ابھی پانچ منٹ کا فاصلہ ہی طے ہوا تھا کہ بائیک رک گئی۔ وہ دونوں بائیک سے اترے۔
"بائیک تو پنکچر ہو گئی۔" وہ بائیک کو دیکھتے ہوئے بولا۔
"اف۔" وہ یہی کہہ سکی۔
"اب کچھ دیر چل لو گی۔ ذرا آگے پنکچر لگانے والے کی دکان ہے۔ یا پھر کوئی ٹیکسی رکشہ کروا دوں۔" اس نے فاریہ سے پوچھا۔
"چل لیتی ہوں، ضرورت سے زیادہ کھا لیا ہے میں نے، وہ بھی ہضم ہو جائے گا۔" وہ اپنی سہولت دیکھ کر بولی۔
"کھانے کو کھایا کرو، پیٹ میں بھرا نہ کرو۔ موٹی ہو جاؤ گی۔" اس کا لہجہ مذاق کرنے کا سا تھا۔
"شادیوں میں تو بے احتیاطی ہو ہی جاتی ہے۔ اتنی نصیحتوں کی ضرورت نہیں۔" وہ برا مان کر بولی۔ عافین بائیک کو پکڑ کر چلنے لگا۔ وہ بھی ساتھ ساتھ چلنے لگی۔
"سنو۔ میری نظریں تو نجانے کب سے تم پر ہیں اگر مجھے تم پہ ہاتھ بھی رکھنا ہو تو مجھے کیا کرنا ہو گا؟" وہ گمبھیر لہجے میں بولا تھا۔
فاریہ نے لرزتی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ نظروں سے نظریں ملی تھیں۔ دھڑکنیں ایک ساتھ تھمی تھیں۔ اسے دو دن قبل چھت پہ ممتاز خالہ کے سامنے کہی اپنی بات یاد آئی۔ چند لمحے لگے تھے اسے اپنی کیفیت پہ قابو پانے میں۔

"رشتہ بھیجو۔ اپنے گھر والوں سے کہو کہ میرے گھر والوں سے بات کریں۔ ہاتھ رکھنے کا یہی بہتر طریقہ ہے۔" اس نے اپنے ازلی اعتماد سے حل بتایا۔

"کیا یہ ہی واحد طریقہ ہے؟" وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔" اس نے جواباً سوال کیا۔

"یہ طے ہو جانے کے بعد کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں تم کچھ سال انتظار کرلو۔" وہ ابھی بھی سامنے دیکھ رہا تھا۔

"کیا مطلب؟ کیا منگنی بھی ممکن نہیں؟" وہ تعجب سے بولی۔

جواباً" وہ مسکرایا۔ "تمہیں تو جلد شادی کا شوق چڑھا ہے نا۔۔۔ عجیب لڑکی سے پیار ہوا ہے مجھے۔۔۔ آج کل کی لڑکیاں ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر اور نجانے کیا کیا بننے کی پلاننگ کرتی ہیں، سوائے پیور ہاؤس وائف یا ڈومیسٹک وومن بننے کے۔ مگر تم پیور ہاؤس وائف بننے کے خواب دیکھتی ہو۔" وہ ذرا تاؤ" بولا۔

"تو کیا تم پسند نہیں کرو گے تمہاری بیوی ہاؤس وائف ہو۔"

"میں تمہیں پسند کر چکا ہوں۔ اب چاہے تم ہاؤس وائف بنو یا لیکچرار۔۔۔ یا بس ایسے ہی رہو۔" اس کے پوچھنے پر وہ سچائی سے بولا۔

"اچھا اگر اماں ابا کو جلدی نہ ہوئی تو انتظار بھی کر سکتی ہوں۔" وہ روڈ پر نیچے دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی۔

"فاریہ! جس طرح تم لوگ پانچ بہنیں ہو، ایسے ہی میری چھ بہنیں ہیں۔ بڑی دونوں میرڈ ہیں۔ مجھ سے چھوٹی ابھی چار ہیں۔۔۔ بڑی بہنوں کو نارمل سا جو جہیز دیا ہے ان کے سسرال والے اس سے خوش نہیں ہیں بہنیں سسرال میں اتنی آسان زندگی نہیں گزار رہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اپنی بڑی بہنوں کے لیے کچھ زیور وغیرہ بنوا دوں۔ اور اپنے سے چھوٹی کم از کم دو کی شادیاں اچھے طریقے سے کر دوں۔ پھر گھر میں اپنی شادی کا تذکرہ کروں۔۔۔ اماں اور بہنوں کو مجھ سے بڑی امیدیں ہیں۔ اگر ابھی سے میں نے کوئی ایسا اسٹیپ لے لیا تو شاید وہ خوش نہ ہوں۔ میں اماں کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ وہ مجھے بہت چاہتی ہیں لیکن بیٹیوں کے لیے بھی پریشان ہیں۔ ان کا اپنا خیال ہے جب تک بہنیں اپنے گھروں کی نہ ہو جائیں وہ میری شادی نہیں کر سکتیں۔

ابا بڑھئی ہیں۔ فی الحال گھر کے اخراجات ابا کی کمائی سے پورے ہو رہے ہیں۔ میرے پیسوں سے اماں بہنوں کا جہیز بنا رہی ہیں۔ اب تم ہی اندازہ کرو ایسے حالات میں میں کیسے اپنے لیے بات کر سکتا ہوں۔"

اس نے اسے انتظار کی وجہ بتائی تھی۔

فاریہ کو اچھا لگا کہ اس نے اس سے اپنے حالات شیئر کیے۔۔۔ "تم ٹھیک کہتے ہو عاقین! تمہاری بہنیں تمہاری پہلی ذمہ داری ہیں۔ تمہارا فرض ہے اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھاؤ۔ میں تو یوں ہی جب کتابیں پڑھ کر بور ہونے لگتی ہوں تو ایسے چکلے چھوڑنے لگتی ہوں۔ ورنہ جانتی ہوں اماں ماسٹر کروانے کے بعد ہی ہاتھ پیلے کریں گی۔"

اس کی بات پر وہ زیر لب مسکرایا۔

"فاریہ میری نیت سچی ہے تمہیں زندگی میں بے حساب خوشیاں دوں اور حتی الامکان آسائشیں بھی۔ اس کے لیے کچھ وقت درکار ہے۔۔۔ لیکن۔۔۔ میرے انتظار کے دوران کبھی کسی آزمائش سے واسطہ پڑا تو گھبراؤ گی تو نہیں۔۔۔ ہم اچھی زندگی کی خواہش کر سکتے ہیں۔ اچھا کرنے کی نیت کر سکتے ہیں اور اچھا عمل بھی کر سکتے ہیں مگر مستقبل کے دامن میں کیا ہے کوئی نہیں جانتا۔" وہ اب آہستہ آہستہ بائیک چلا رہا تھا۔

یہاں سے اب دکانیں نظر آ رہی تھیں۔

"میں گھبرانے کی گارنٹی تو نہیں دیتی ہاں ساتھ نبھانے کی گارنٹی دیتی ہوں۔۔۔ ہر طرح کے حالات میں کسی بھی آزمائش میں۔" وہ دوپٹے کو سر اور شانوں ٹھیک سے پھیلاتے ہوئے بولی۔

وہ مسکرایا۔ "تم کبھی مکمل سنجیدہ نہیں ہو سکتی نا۔"
"میں کہہ رہی ہوں۔۔۔ بندہ بشر ہوں۔۔۔ کسی آزمائش میں گھبرا جاؤں تو کوئی انہونی نہیں۔" اس نے کاجل کی آنکھیں پھیلا کر کہا۔
"ہاں ٹھیک کہتی ہو۔" وہ کہہ کر خاموش ہوا۔۔۔ چند لمحے آگے جا کر بولا۔
"تم خوب صورت نہیں ہو فاریہ۔۔۔ مگر مجھے بہت خوب صورت لگتی ہو۔ میری نظروں کو تم میں کشش محسوس ہوتی ہے۔" وہ ذرا ترچھی مسکراتی نظر اس پر ڈال کر بولا۔
"شکریہ۔۔۔ احسان ہے آپ کی نظروں کا ورنہ بندی اس قابل کہاں؟" وہ پوری سنجیدگی سے بولی۔
"میں کہہ رہا ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔
"ویسے اس دنیا میں حسین پری چہرہ لڑکیوں کی کمی تو نہیں۔" وہ شاید برا مان گئی تھی۔
"ہوں گی۔۔۔ بھئی ہمیں کیا غرض۔۔۔ دل پہ اختیار نہیں رہا نا۔ وہ کیا ہے محاورہ 'دل آجائے گدھی پہ تو پری کیا ہے؟'" وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔
"یہ بتاؤ یہ پنکچر کہاں سے لگے گا یا یونہی پیدل ہی لے جاؤ گے۔" وہ اس کی بات کا اثر لیے بنا بولی۔
"اس وہ سامنے ہی ہے پنکچر والا۔" وہ بائیک کو تیزی سے آگے کھینچتے ہوئے بولا۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز رات کا کھانا دینے وہی آئی تھی۔ بیف قورمہ، پیاتیوں اور سلاد سے سجی ٹرے اس نے میز پر رکھی۔
"یہ تمہارے کچھ پیسے ہیں میرے پاس 'رکھ لو۔" اس نے مافین سے کہا جو ہاتھ دھو کر کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔
"یہ کیسے پیسے ہیں؟" وہ حیران ہوا۔
"کل تمہاری شرٹ دھونے سے پہلے چیک کی تو اس میں سے یہ دو سو روپے نکلے۔۔۔ اور کچھ روز قبل تمہاری پینٹ میں سے یہ پانچ سو روپے ملے تھے۔ اس وقت مجھے پیسوں کی ضرورت تھی کالج میں لڑکیوں نے پارٹی کی تھی۔ وہ میں نے خرچ کر لیے تھے اس لیے اب واپس کر رہی ہوں۔" وہ پیسے اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔
"خرچ کر لیے تھے تو کیا ہوا۔۔۔ واپس کرنا ضروری نہیں' یہ بھی رکھ لو۔" وہ تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولا۔
"جی نہیں مجبوری تھی اس لیے خرچ کیے۔ ویسے تم کتنے لاپرواہ ہو۔ جیب میں پیسے رکھ کر بھول جاتے ہو۔ پھر خیال بھی نہیں آتا۔"
"اتنی سی بھول چوک تو ہو ہی جاتی ہے۔ تم میرے کپڑے دھو دیتی ہو' چلو مزدوری سمجھ کر رکھ لو۔" وہ کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔
"شکریہ اس فراخدلی کا میں کوئی دھوبن نظر آتی ہوں تمہیں۔۔۔ یہ رکھو اپنے پیسے۔" اس نے غصے سے کہہ کر پیسے میز پر رکھے۔
"کل شب برات ہے میری طرف سے کوئی گفٹ لے لینا۔" وہ بولا۔
"چلو ایویں' یہ اتفاقاً" پیسے ہاتھ لگ گئے تو گفٹ لے لینا۔ اونہہ۔۔۔ اتنا ہی خیال ہے گفٹ کا تو خود لے کر آنا۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تیزی سے نکل گئی۔
اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا اور کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

ماہ رمضان المبارک کا آغاز ہو چکا تھا۔ لگے بندھے معمولات تھے۔ وہ سب باقی دنوں میں نمازوں کی اتنی پابند نہیں تھیں۔ مگر ماہ مبارک میں خود بخود ہی پنج گانہ نماز کی ادائیگی کے علاوہ تلاوت قرآن پاک اور درود و تسبیحات کا اہتمام کرتیں۔
سکینہ بیگم اور جمیل احمد دونوں نماز پنج گانہ کے عادی تھے۔ مگر اس مہینے میں سکینہ بیگم کا زیادہ رجحان عبادت کی طرف رہتا۔ صبح سحری کے وقت وہ اٹھتیں ساتھ ہی جمیل احمد' فاریہ اور فوزیہ کو بھی اٹھا دیتیں۔

سب پہلے تہجد کے نوافل پڑھتے پھر جمیل احمد قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دیتے اور وہ تینوں ماں بیٹیاں مل کر سحری کا اہتمام کرتیں۔۔۔ سحری کرنے کے بعد جمیل احمد اور عافین مسجد چلے جاتے ان کی واپسی صبح سورج طلوع ہونے پر ہوتی۔۔۔ واپس آکر سونا ان معمولات میں شامل تھا۔

فاریہ سحری کے برتن دھو کر فجر کی نماز پڑھتی پھر قرآن پڑھتی۔ صبح کے وقت گھر کی صفائی کرنا چیزوں کو ترتیب سے رکھنا فوزیہ اور سعدیہ کی ذمہ داری تھی۔ پھر فوزیہ اور فاریہ کالج چلی جاتیں۔ باقی تینوں اسکول۔۔۔ سکینہ بیگم کچھ ضروری کام نبٹانے کے بعد قرآن پاک پڑھتیں۔ جمیل احمد کی دکان پر خوب بکری ہوتی۔ ان دنوں عید قریب ہونے کی وجہ سے ہر وقت ہی گاہک آئے رہتے۔ وہ نماز کے لیے مشکل سے وقت نکالتے۔

وہ ساری بہنیں ہی باتونی تھیں۔ اور فاریہ ان میں سب سے بڑھ کر باتونی تھی۔ مگر رمضان میں مصروفیت ایسی ہوتی کہ وہ خود بخود بولنا کم کر دیتیں۔ اور کم بولنے کی یہ روٹین رمضان کے بعد بھی ایک ڈیڑھ مہینے تک تو رہتی۔

"میری بیٹیاں۔۔۔ رمضان میں تمیزدار اور فرمانبردار ہو جاتی ہیں اس لیے بھی مجھے رمضان سے پیار ہے۔" سکینہ بیگم آنے جانے والوں سے کہتیں۔

سال میں یہ ایک تعریف ہوتی جو انہیں ماں کے منہ سے سننے کو ملتی تو وہ اور زیادہ تمیزدار بننے کی کوشش کرتیں مگر رمضان گزرتے ہی آہستہ آہستہ تمام کوششوں پہ پانی پھرنے لگتا۔

عافین کا یہاں دوسرا رمضان تھا۔ پچھلی بار وہ رمضان سے تین دن قبل یہاں شفٹ ہوا تھا۔ پہلے تین دن وہ بازار سے کھانا کھاتا پھر گھر میں گزارے لائق بنا لیتا۔ رمضان شروع ہوا تو سکینہ بیگم نے اسے بازار سے سحری کرنے سے منع کر دیا اور اسے سحری افطاری دینے لگیں۔ پھر رمضان کے بعد بھی صبح اور رات کا کھانا انہوں نے ہی دینا شروع کر دیا۔ اس نے کرائے میں اضافی پیسے دینے چاہے تو جمیل احمد نے منع کر دیا کہ دو وقت کے کھانے سے انہیں کوئی کمی نہیں آجاتی۔ مگر وہ درمیان میں کبھی کبھی بجلی گیس کا بل اپنے پیسوں سے ادا کر دیتا۔ یوں آہستہ آہستہ وہ ان کے گھر کا فرد ہی بنتا چلا گیا۔ کبھی فروٹ وغیرہ لاتا تو صرف اپنے لیے نہیں بلکہ اوپر دے آتا۔ اس سے ان کے درمیان اپنائیت پیدا ہو گئی تھی۔

اس دن چھبیسواں روزہ تھا۔ بینک سے وہ ڈھائی بجے ہی فارغ ہو گیا تھا پھر گھر جانے کی بجائے وہ بازار چلا گیا۔ دو دن بعد اسے سیالکوٹ جانا تھا۔ عید پر اماں اور بہنوں کے لیے کچھ تحائف لینے تھے۔ چھوٹی دونوں بہنوں نے پچھلی بار جانے پر ریڈی میڈ فراکیں لانے کی فرمائش کی تھی۔ اس نے ان کے لیے فراکیں لیں۔ ساتھ میں ٹراؤزر۔ بڑی بہنوں کے لیے اور ان کے بچوں کے لیے بھی چیزیں لیں۔۔۔ تمام چیزیں لے چکا تو اچانک ہی اسے فاریہ کا خیال بھی آگیا۔

چند ایک دکانوں پہ گھومنے کے بعد اس نے فاریہ کے لیے سنہری کام والی سنہری لمبی فراک لی اس کے ساتھ میچنگ چوڑیاں' سینڈل' جیولری سیٹ' مہندی اور ہیئر کلپ لیا تھا۔ پھر ان تمام چیزوں کو اس نے خوب صورت سے گفٹ باکس میں پیک کروایا۔۔۔ اور خوب صورت احساسات میں گھر اگھر کو لوٹا۔۔۔

اس کی شدید خواہش تھی کہ فاریہ کسی بہانے نیچے آئے۔ اور شاید یہ خواہش کے پوری ہونے کا وقت تھا۔ وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا' کسی کے تیزی سے سیڑھیاں اترنے کی آواز آئی۔ کچھ ہی دیر بعد فاریہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں شاپر میں ٹھنڈے پانی سے بھری دو بوتلیں تھیں۔ دوسرے ہاتھ میں اس نے ملک شیک سے بھرا گلاس اٹھا رکھا تھا۔

"آپ ابھی واپس جائیں گے نا مسجد میں؟" وہ داخل ہوتے ہی پوچھنے لگی۔ اسے دیکھ کر عافین کی

انھوں میں دیے سے جل اٹھے۔

"ہاں جاؤں گا۔" وہ آہستگی سے بولا۔

یہ پانی کی بوتلیں ہیں۔ ایک خود رکھ لیں ایک وہاں ابا کو دے دیجیے گا۔ پیاس لگتی ہوگی۔"

"ویسے اتنی گرمی ہے نہیں لیکن میں لے جاؤں گا۔" وہ جواباً بولا۔

"اچھا یہ ملک شیک ابھی بنایا تھا آپ بھی پی لیں۔" گلاس دینے کے بعد وہ پلٹنے لگی تھی جب اس نے پکارا۔

"سنو!" وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔ اس نے شیشے کا گلاس میز پر رکھا اور کرسی پر دھرا ایک بڑا سا اور ایک چھوٹا پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ حیرت سے بولی۔

"آج گھر والوں کے لیے کچھ تحائف لیے تھے' یہ تمہارے لیے ہے۔" اس نے کہا۔

"میرے لیے... مگر یہ تو کافی کچھ ہے۔" وہ مزید حیران ہو کر بولی۔

"رکھ لو... تحائف کم ہوں زیادہ۔ سستے ہوں یا مہنگے رکھ لیتے ہیں۔ اور یہ تو عیدی بھی ہے تمہاری عیدی بھی واپس نہیں کرتے۔" وہ اس کے تاثرات دیکھتے ہوئے بولا۔

"اچھا شکریہ۔" ایک شرمگیں مسکراہٹ اس کے چہرے پہ آئی۔

"سسٹرز کو جانے سے پہلے عیدی دوں گا۔ وہ اپنی مرضی سے جو چاہیں لے لیں۔" اس نے کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

"یہ سب میری خاطر کر رہے ہو؟" وہ نچلا لب دبا کر بولی۔

"یہ ہی سمجھ لو... مگر تم لوگوں کی ساری فیملی کے ساتھ اپنائیت اور انسیت کا جو رشتہ بن چکا ہے۔ اس میں اتنا حق تو بنتا ہے نا سب کا۔" وہ نرمی سے بولا۔

"اچھی سوچ ہے۔ پھر حق تو تمہارا بھی بنتا ہے۔ ہم نے تمہارے لیے کوئی گفٹ نہیں لیا۔"

"کوئی بات نہیں... آپ سب جو عزت دیتے ہو وہی سب سے بڑا گفٹ ہے۔ اب جاؤ... مجھے بھی مسجد جانا ہے۔" اس نے کہا تو وہ پیار بھری مسکراہٹ اس کی طرف اچھالتی کمرے سے نکل گئی۔

تحائف بانہوں میں بھرے ہوئے وہ دھک دھک کرتے دل سے اوپر پہنچی۔ ساری بہنیں کمرے میں تھیں۔ اماں نماز کی ادائیگی میں مشغول تھیں۔ اس نے خود میں اتنی جرات نہ پائی کہ یوں بے دھڑک سب کے سامنے عافین کے دیے تحائف اٹھا لے جاتی۔ سو چپکے سے کچن میں آگئی۔ نیچے والے کیبنٹ کھول کر تحائف فی الحال اسی میں رکھ دیے۔ ابھی انہیں دیکھنے کا رسک بھی نہیں لے سکتی تھی۔ اگرچہ دل چاہ رہا تھا فوراً ہی دیکھ لے۔

☼ ☼ ☼

سحری کے بعد ان سب نے نماز فجر ادا کی۔ اور سونے لیٹ گئیں۔ اماں بھی لیٹ گئی تھیں... تھکاوٹ اس کی آنکھوں میں بھی تھی... مگر دل کا تجسس چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ وہ کچن میں آئی... کیبنٹ کھول کر گفٹ نکالے اور برآمدے میں آگئی۔ تخت پر بیٹھ کر تسلی سے سارے گفٹ کھولے۔

بڑے والے پیکٹ میں سے فراک نکلی تھی۔ سنہرے رنگ کی سنہری کام والی جھلملاتی فراک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ وہ متحیر سی اسے الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے دوسرا پیکٹ کھولا۔ فراک سے میچنگ سینڈلز' چوڑیاں' جیولری کے علاوہ مہندی بھی تھی۔ اس کے دل کی زمین پر تو جیسے گلاب کھلنے لگے۔

یہ سب چیزیں عافین کی محبت اور جذبات کی عکاسی کر رہی تھیں۔ وہ اس کے ساتھ وقت گزاری نہیں کر رہا تھا۔ وہ مخلص تھا۔ سچائی اس کی آنکھوں سے جھلکتی تھی۔ وہ ایک ایک چیز کو پیار سے چھو رہی تھی۔ اسی اثناء میں سیڑھیوں کے اوپر لگے دروازے کے بجنے کی آواز آئی۔ "شاید ابا آگئے۔" وہ زیر لب بڑبڑائی...

اب اتنا وقت نہیں تھا۔۔۔ کہ وہ ان کو دوبارہ سے پیک کر کے یا سمیٹ کر رکھتی۔ جلدی میں ان کو ایک جگہ اکٹھا کر کے اوپر بڑی سی چادر ڈال کر وہ دروازہ کھولنے چلی گئی۔

ابا کمرے میں چلے گئے تو اس نے ساری چیزیں اکٹھی کر کے واپس کچن میں رکھ دیں۔ کیبنٹ میں رکھنے سے پہلے اس نے وہ تمام چیزیں بڑی سی پلاسٹک کی تھیلی میں ڈال دی تھیں۔

"اماں کو کیا بتاؤں گی اس فراک کے بارے میں۔۔۔ یوں چھپا چھپا کر تو نہیں رکھ سکتی۔ عید پر پہنوں گی تو سب پوچھیں گی۔۔۔ اماں نے جو کپڑے عید کے لیے سلوا کر دیے ہیں وہ اس فراک کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔ اب اتنی اچھی فراک کے ہوتے ہوئے وہ پہننے کو من بھی نہیں کرے گا۔ کیا کروں!" ان ہی سوچوں میں الجھی وہ لیٹے لیٹے سو گئی۔

☼ ☼ ☼

کالج سے لوٹنے کے بعد ابھی ظہر کی نماز ادا کی تھی کہ اماں کی پکار سنی۔ وہ ان کے کمرے میں چلی آئی کیونکہ وہ وہیں موجود تھیں۔

"جی اماں کیا بات ہے؟" وہ مودبانہ انداز میں بولی۔

"یہ تھیلی تم نے کچن میں کیوں چھپا کر رکھی اور صبح سحری کے بعد چپکے چپکے کیوں دیکھ رہی تھیں؟"

اماں کے سوال پر وہ بھونچکا ہی رہ گئی۔ وہ جو سمجھ رہی تھی کہ اماں سو رہی ہیں' بے خبر ہیں۔ ایسا بالکل بھی نہیں تھا۔ البتہ اس بات سے بے خبر تھیں شاید کہ یہ اسے کہاں سے ملیں۔

"کس نے دی ہیں یہ چیزیں تمہیں۔" اماں کے اگلے سوال نے تصدیق کر دی ان کی لاعلمی کی۔۔۔

"یہ میری دوست نے دی ہیں۔" اسے خیال آیا کہہ دے مگر کہہ نہ سکی اگلا خیال زیادہ پر اثر تھا۔ رمضان کے پورے مہینے میں جھوٹ نہیں بولا تھا۔ ابھی رمضان باقی تھا۔ سارے روزے' ساری عبادت و ریاضت ایک جھوٹ کا تاوان نہ بن جائے۔" اس سوچ نے اسے جھوٹ بولنے سے باز رکھا۔

"اماں! یہ عافین نے دیے ہیں گفٹس۔" وہ نظریں جھکا کر دھیمے سے بولی۔ اماں چند ثانیے خاموشی سے اسے گھورتی رہیں۔

"دروازہ بند کرو ذرا۔" اماں کے حکم کی اس نے فوراً تعمیل کی۔

"کب سے چل رہا ہے یہ کھیل؟" اماں نے خاصی کرختی سے پوچھا۔ وہ لرز سی گئی۔ "شک تو مجھے کئی دنوں سے ہو رہا تھا۔ تم تو سمجھی ہو گی ماں کی آنکھوں میں دھول جھونک دی۔ میں پانچ بیٹیوں کی ماں ہوں بی بی سوتے میں بھی آنکھیں بند نہیں رکھ سکتی۔ منہ پھٹ تو تو سدا کی ہے مگر یہ توقع نہیں تھی ایسے گل بھی کھلائے گی۔۔۔ اور اس کو دیکھو۔۔۔ کیسا شریف بنا پھرتا ہے۔ میری ناک کے نیچے' میری بیٹی سے کھیل رہا ہے۔ بے حیا' بے غیرت۔ تجھے خیال نہیں ماں باپ کی عزت کا۔۔۔ یہ تربیت ہے میری۔۔۔ جوانی میں پاؤں کیا پڑا' ہمارے سروں پہ خاک انڈیلنے لگی۔

اری کمبخت! تو میری پہلی بیٹی ہے اگر تو ہی یہ گل کھلائے گی تو باقیوں پہ کیا اثر پڑے گا؟"

"اماں! وہ کوئی کھیل نہیں کھیل رہا۔ وہ سنجیدہ ہے۔ اور ہم نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی کہ آپ کے سر پہ خدانخواستہ خاک پڑے۔ ہم محبت کرتے ہیں ایک دوسرے سے۔" اماں لحظہ بھر کو رکی تھیں تو اس نے غنیمت جان کر فوراً صفائی پیش کی۔

"اونہہ۔۔۔ محبت۔۔۔ دماغ خراب ہے تیرا۔ چلی ہے تو سوہنی سسی بننے۔۔۔ یہ شادیوں سے پہلے جو محبتیں ہوتی ہیں' نری خواری ہوتی ہیں۔ جان کا عذاب آج کل کے چھوکرے بڑے بے دید ہیں۔ ایسی ہی محبت تھی تو یوں چھپ چھپا کے کیوں دیا گفٹ۔۔۔ ہم نے اسے اتنی اپنائیت اور عزت دی ہے کہ سب کے سامنے بھی دے سکتا تھا۔ اتنا ہی سچا ہے تو رشتہ کیوں نہ بھیجا۔ تجھی کو بہلاتا پھسلاتا رہا۔۔۔ رشتہ بھیجے بھی تو میں کیا قبول کر لوں گی۔

اری بچھ بہنوں کا اکلوتا بھائی ہے۔ ساری زندگی ان
ہی کی ذمہ داریاں نبھائے گا۔ ہم سے بھی گئے گزرے
لوگ ہیں۔ میں کیا ایسی فیملی میں تیری شادی کروں گی۔
اس لیے تو نہیں پڑھا لکھا رہی کہ اگلے گھروں میں
ہاتوں میں ڈالنے کے لیے بھیج دوں۔
ہوش کے ناخن لے لڑکی۔۔۔ تیری پھپھیاں تایا۔
پچا تو پہلے ہی تاک میں ہیں کہ کوئی بات ملے تو وہ تم
لوگوں کی تعلیم کو نشانہ بنائیں۔ اگر تو یہ سب کرے گی تو
پھوپھیوں کے آگے بھی کانٹے بچھائے گی۔
فرض کر بھی لے میں اس سے تیرا رشتہ کر دوں تو
لوگ اور خاندان والے کیا ایسے ہی عقل سے گئے
گزرے ہیں۔ سب کہیں گے بیٹی کا چکر چلا ہو گا۔ غیر
ات برادری میں اسی لیے رشتہ کر دیا۔
دیکھ میرے جڑے ہاتھوں کو دیکھ۔ میری عزت
رہ لے نہ کر مجھے خوار۔۔۔ چھوٹی بہنوں کے لیے اچھی
مثال بن۔۔۔ وہ تجھ سے زیادہ خوب صورت ہیں۔ ان پہ
لڑکے ڈورے ڈالیں گے۔ تو انہیں کس بات کا لحاظ رہ
جائے گا جب بڑی بہن نمونہ ہو گی ان کے لیے۔۔۔ تو
میری بڑی بیٹی ہے' بڑی توقعات ہیں تجھ سے۔۔۔ ابھی
ماں کی خاطر اتنا کر کے اپنے دل کو قابو میں رکھ۔ جوانی
میں شیطان بڑے طریقوں سے نفس کو بہکاتا ہے۔ مگر
اصل باکردار انسان وہی ہے جو جوانی میں شیطان کے
وساوس سے خود کو بچا لے۔ اور لڑکیوں کی جوانی پر بدنامی
کا ذرا سا چھینٹا بھی پڑ جائے تو ساری زندگی بھی صاف
پانیوں سے دھوتی رہیں اس چھینٹے کا داغ نہیں جاتا۔۔۔
سمجھ میری بات کو اور اپنے نفس کو کڑے پہروں میں
رکھ۔۔۔ ورنہ خود تو پچھتائے گی ہی ہمیں بھی خوار
کرے گی۔" اماں بول بول کر جیسے ہانپ سی گئی تھیں۔
وہ ہونٹوں کو آپس میں پیوست کیے کھڑی تھی۔
آنکھوں سے آبشار کی مانند آنسو رواں رواں تھے۔ وہ
بے آواز بغیر سسکیوں کے آنکھوں سے آنسو بہا رہی
تھی۔

☼ ☼ ☼

نماز اور تراویح پڑھ کر آنے کے بعد وہ چارپائی پر لیٹا
ہوا تھا۔۔۔ جب اسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔
اس نے ذرا سا سر اٹھا کر دیکھا۔۔۔ سکینہ بیگم تھیں۔۔۔
وہ فوراً" کھڑا ہو گیا۔
"آیئے خالہ۔ بیٹھیں!" برآمدے کی لائٹ آن
کرتے ہوئے اس نے کہا۔
"نہیں بیٹھنے نہیں آئی۔" وہ سرد لہجے میں بولیں۔
"کیا ہوا خالہ! آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں؟" وہ
بغور انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔
"بیٹا! تمہاری چھ بہنیں ہیں؟" وہ اسی سرد انداز میں
بولیں۔
"جی ہاں۔" وہ نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں
دیکھنے لگا۔ ان کے ہاتھ میں بڑا سا تھیلا بھی تھا۔
"بیٹا تیری بہنوں میں سے کسی کو کوئی غیر لڑکا سب
گھر والوں سے چھپا کے تحائف دے تو کیا تو یا تیری ماں
پریشان نہیں ہوں گے۔ کیا خوش ہوں گے؟" ان کا
لہجہ تو اجنبی تھا ہی سوال بھی بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ پل
بھر کو گنگ سا ہو گیا۔

"میں تجھے بڑا شریف' سمجھ دار' باکردار سمجھی تھی۔
اس لیے تو اتنی عزت دے رکھی تھی۔ اتنا اعتبار تھا تم پر
۔۔۔ مگر میں کسی پر ایک بار ہی اعتبار کرتی ہوں۔ میری
صرف بیٹیاں ہی ہیں۔۔۔ جن ماں باپ کی صرف بیٹیاں
ہی ہوں ان کے پاس سب سے بڑا خزانہ عزت ہوتا
ہے۔ بیٹیاں عزت و آبرو کے ساتھ اپنے گھروں میں
چلی جائیں یہی انکا مقصد ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایک بیٹی
بھی بہک جائے تو اس معاشرے کے لوگ اس ایک
کی وجہ سے باقیوں کو بھی مشکوک کردار سمجھتے ہیں۔
اچھا وقت بیتا تمہارے ساتھ۔۔۔ مگر اب بات
عزت تک آ گئی ہے۔۔۔ تم کل پرسوں تک اپنے گھر جاؤ
گے تو پلٹ کر ادھر مت آنا۔۔۔ میرا گھر بیٹیوں سے بھرا
ہے۔۔۔ میں کسی بدکردار کو اپنے گھر میں کرائے دار
نہیں ٹھہرا سکتی۔ یہ اپنے تحائف پکڑو' کسی بہن کے
لیے لے جاؤ۔" تھیلا چارپائی پر رکھ کر وہ پلٹ گئیں۔
سرد انداز' سرد لب و لہجہ میں سرد الفاظ۔۔۔ وہ تو سن کر
اندر تک منجمد ہو گیا۔ اس سے کوئی وضاحت یا صفائی

مانگے بنا بہت تلخ باتیں کہہ کر وہ جا چکی تھیں۔ وہ کھڑا تھا مگر اپنی ہی نظروں سے گر گیا تھا۔

وہ تمام رات اس کی جیسے کانٹوں پہ گزری تھی۔۔۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہ سو سکا۔۔۔ اپنے ضروری سامان کی پیکنگ کرتا رہا۔۔۔ جلتا کلستا' ندامت کے سمندر میں غوطے کھاتا رہا۔۔۔ کوئی غلط نیت نہ ہونے کے باوجود وہ مجرم تھا اپنی ہی عزت اور وقار کا۔ رات بیتتی جا رہی تھی۔ اسے انتیسویں روزے کو جانا تھا مگر اب یہاں ایک لمحہ رکنا بھی دشوار تھا۔۔۔ اس نے اچانک ہی وال کلاک کی طرف دیکھا۔ سحری کا وقت ختم ہونے میں سات منٹ باقی تھے۔ آج اس کی سحری بھی نہیں آئی تھی۔ یعنی اس کے لیے ذرا سی مروت بھی نہیں رہی تھی۔

اس نے کمرے میں ڈبے میں رکھی کھجوروں میں سے تین کھجوریں کھائیں۔۔۔ پانی پیا اور روزہ رکھنے کی دعا پڑھی۔ فجر کی اذانیں ہونے لگیں تو۔۔۔ مسجد جانے کی بجائے اس نے گھر پر ہی نماز پڑھی۔۔۔ آج دعا مانگنے کے لیے الفاظ نہیں ملے درود شریف کا ورد کرتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔ اسے جانا تھا۔۔۔ اور جتنی جلدی چلا جاتا اتنا ہی بہتر تھا۔

اس نے کمرے میں سے اپنا بڑا سا بکس کھینچ کر نکالا ساتھ میں ایک سفری بیگ اور ایک بڑا بیگ۔۔۔ یہی تھا یہاں اس کا سامان۔۔۔ ساری چیزیں رکھ کر وہ رکشہ لینے چلا گیا۔

اسے بغیر کسی دقت کے رکشہ مل گیا تھا۔ واپس آکر اس نے برآمدے میں سے سامان اٹھا کر لا کر رکشے میں رکھا۔ سامان رکھوانے کے بعد وہ پورچ میں سے بائیک نکالنے آیا۔ سیڑھیوں پر آہٹ محسوس ہوئی تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔

فاریہ کھڑی تھی۔ بے حد مضمحل' بکھری بکھری سی۔ عافین کے دل کو کچھ ہوا۔ اس کی آنکھیں گلابی گلابی سوجی ہوئی تھیں۔ شاید وہ بھی تمام رات جاگتی رہی اور شاید روتی بھی رہی تھی۔

"عافین میں۔۔۔ انتظار کر سکتی ہوں۔ جتنا چاہو گے اتنا طویل انتظار بھی کر سکتی ہوں۔ بس اپنے لوٹ کر آنے کا عہد دے دو۔ میرا انتظار تھکے نا کبھی۔۔۔ کوئی امید دیتے جاؤ جس کے سہارے میں انتظار کر سکوں۔ مجھے اپنے لوٹ آنے کے عہد سے باندھ جاؤ۔ بس کافی ہے میرے لیے۔" وہ نم لہجے میں ملتجی انداز میں جیسے فریاد کر رہی تھی۔

عافین نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ لال انگارہ پُر حدت نگاہیں گلابی پُر نم آنکھوں سے ٹکرائی تھیں۔۔۔ وہ خاموش رہا تھا۔ سختی سے لب بھینچے اسے کچھ لمحے دیکھتا رہا۔۔۔ پھر پلٹ گیا۔ کچھ کہے بنا۔۔۔ کوئی عہد دیے بنا۔

اسے رکشہ اور بائیک کے ایک ساتھ اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تھی۔ شور بلند ہوا تھا۔ اس کا دل سمٹا تھا۔ یک بارگی بہت سی گھٹن اندر اتری تھی۔ بائیک کی آواز لمحوں میں دور چلی گئی۔ اور اس کا دل بھی۔۔۔ جیسے بائیک والے کے ساتھ ہی اڑ تا گیا تھا۔۔۔ وہ رگڑ رگڑ کر آنسو پونچھتی برآمدے تک آئی۔

وہاں چارپائی پہ گفٹس کا بھرا تھیلا رکھا تھا۔۔۔ جیسے سکینہ بیگم رکھ گئی تھیں بالکل ویسے ہی پڑا تھا۔ اس نے وہ تھیلا اٹھایا۔۔۔ اسٹور کی طرف آئی۔ پیٹی کا ڈھکن اٹھایا اور اسے اس کے اندر ڈال دیا۔ ان بے جان' بے ضرر چیزوں سے اماں کی دشمنی نہیں ہو سکتی۔ جو اماں کو برا لگتا تھا وہ چلا گیا۔ اب اماں اعتراض نہیں کریں گی چاہے یہ تحائف سالوں یہاں پڑے رہیں۔" پیٹی کا ڈھکن بند کرتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔۔۔ پھر وہاں بیٹھ کر اس نے بہت سے آنسو بہائے تھے۔

☼ ☼ ☼

عافین کا یوں چلے جانا جمیل احمد اور چھوٹی چاروں کے لیے خاصا تعجب انگیز تھا۔ سوائے سکینہ اور فاریہ کے کوئی نہیں جانتا تھا اس کے جانے کی وجہ۔۔۔ وہ دونوں ہی خاموش رہیں۔ اماں کی خاموشی میں سرد مہری ناراضی اور بے نیازی تھی۔ جبکہ اس کی خاموشی میں اداسی گھلی ہوئی تھی۔

چاند رات کو سب سے زیادہ ہمیشہ وہی پُر جوش ہوتی

تھی۔۔۔ بہنوں کو مہندی لگانا' سہیلیوں سے باتیں کرنا سارے گھر میں چہکتی پھرتی تھی۔ مگر اب تو چاند رات کو بھی اداسی نے ہی اسے گھیرے رکھا۔ عید والے دن ساری بہنیں تک سک سے تیار ہوئیں۔ کسی کی سہیلی آرہی تھی تو کوئی سہیلی سے ملنے جارہی تھی۔ اس نے صبح کا وقت جان بوجھ کر کچن میں گزارا۔ شیر خرما تو صبح اماں نے ہی بنایا۔ وہ عید کے روز آنے والے مہمانوں کی خاطر مدارت کے لیے دیگر لوازمات تیار کرتی رہی۔۔۔ اس نے مہندی بھی نہیں لگائی تھی اور تیار بھی نہیں ہوئی تھی۔

بس نہا دھو کر کپڑے بدل لیے تھے۔ بہنیں بے حد حیران تھیں۔ کیونکہ جانتی تھیں عید اور فنکشنز وغیرہ کے موقعوں پر اس کی تیاری ہمیشہ سب سے بڑھ چڑھ کر ہوتی تھی۔ آج اس کا یہ پلٹ پر حیران تھیں مگر وہ سب سے بے نیاز خود کو کاموں میں مصروف رکھے ہوئے تھی۔ اماں کی سرد مہری ہنوز برقرار تھی۔ وہ بس طنزیہ' سرد' کٹیلی نگاہوں سے اسے گھورتی رہیں۔

وہ سیالکوٹ پہنچا۔۔۔ دونوں بڑی بہنیں اپنے بچوں کے ساتھ آئی ہوئی تھیں۔ گھر میں رونق سی تھی۔ سب نے والہانہ اس کا استقبال کیا۔ وہ زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے سب سے ملتا رہا۔۔۔ سب اپنے اپنے گفٹ وصول کر کے بے حد خوش ہوئیں۔۔۔ ہنسی مذاق' چھیڑ خانیاں سب چل رہا تھا۔ وہ بجھا بجھا سا سب میں شامل تھا۔۔۔ اس کی ہنسی' شوخی' شرارت تو جیسے آتے ہوئے راستے کی دھول ہو گئی تھی۔ عید کا روز بھی یوں ہی بے سبب اداس سا گزر گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

عافین نے روزمرہ معمولات کے ساتھ زندگی شروع کرلی تھی۔ اس کی زندگی میں نظم و ضبط آگیا تھا۔ وہ اپنی جاب کو بہت لگن اور محنت سے کر رہا تھا۔ اس لیے اسے قبل از وقت پروموشن بھی مل گئی۔

چار سالوں میں اپنے سے چھوٹی دو بہنوں کی شادیاں کیں۔ اچھے گھرانوں میں اچھا جہیز دے کر رخصت کیا۔ پانچ سال سے وہ خود لاہور میں رہ رہا تھا۔ مگر اب فیملی کے بغیر رہنا دشوار لگتا تھا۔ دو بہنوں کی ذمہ داری سے فارغ ہو گیا تھا۔ اماں ابا کی رائے پا کر سیالکوٹ والا گھر بیچا اور مزید رقم ڈال کر لاہور میں گھر لے لیا۔ اماں ابا' دو بہنوں اور اس کے لیے وہ چار مرلے پہ مشتمل دو منزلہ گھر کافی تھا۔۔۔ اب اماں ابا اور بہنوں کی شدید خواہش تھی کہ اس کی شادی کردی جائے۔

"اماں میں ابھی کچھ سال شادی نہیں کرنا چاہتا۔۔۔ میری پوری توجہ اپنی جاب پر ہے۔ میں سمجھتا ہوں آج کل کے دور میں اچھی باوقار زندگی کے لیے کچھ کرنا پڑتا ہے۔ میں ابھی کوئی ایسی ذمہ داری نہیں اٹھانا چاہتا' آپ فی الحال میری شادی کا خیال بالکل ہی دل سے نکال دیں۔" اماں نے اسے چند لڑکیوں کی تصویریں دکھا کر اس کی رائے جاننی چاہی تو اس نے سرد اور سنجیدہ لب و لہجے میں قطعی جواب دیا۔ اماں چپ ہو گئیں۔ اصرار کرنا مناسب نہ لگا۔

آئندہ چار سالوں میں چھوٹی دونوں بہنیں بھی بیاہی گئیں۔۔۔ اس کی مزید پروموشن ہوئی۔۔۔ اماں اکیلی گھر میں بولائی بولائی پھرتیں۔۔۔ پھر بہو لانے کا سوچنے لگیں۔ مگر جب بھی عافین سے بات کرتیں وہ ٹال دیتا کبھی چڑچڑا ہو جاتا کبھی بے جا غصہ دکھاتا۔۔۔ مگر کبھی کسی لڑکی کو دیکھنے کے لیے راضی ہوتا نہ خود کسی کو پسند کرتا۔

اماں اس کے حوالے سے کئی ارمان پالے بیٹھی تھیں۔ اس کے مسلسل انکار اور حیل و حجت سے حیران و پریشان رہنے لگی تھیں۔

"ضرور ماموں کو ماضی میں کسی سے عشق ہوا تھا۔ وہ بچھڑ گئیں محترمہ اب ماموں اسی لیے شادی کا نام بھی نہیں لیتے۔" بڑی بہنوں کے بچے جوان ہو رہے تھے۔ وہ آپس میں بیٹھ کے تکے لگاتے۔

"ارے نا ہنجاروں ایسے نہ بکا کرو۔۔۔ میرا بیٹا ایسا نہیں ہے۔" اماں ان سے کہتیں۔

"اور اگر ایسا ہوا تو پھر ہمارے ماموں اس صدی کے سب سے سچے نرالے عاشق ہوں گے جو اتنی مستقل مزاجی سے اپنے عشق پر قائم ہیں۔ پھر تو ماموں کا نام گنز بک آف ورلڈ میں درج ہونا چاہیے۔" فرح نے

گا۔" وہ کہنا قطعاً" نہیں بھولا تھا۔

☼ ☼ ☼

بینک میں کام ختم ہو چکا تھا۔ وہ باجی کی طرف جانے کے لیے نکلا۔ ان سے کمیٹی لینی تھی۔ خوش کن خیالوں میں بہترین افطاری بجی تھی۔ اس نے پورا پلان ترتیب دے لیا۔

"پہلے کمیٹی لے گا' پھر آپا کو جا کر تھمائے گا' پھر وہاں سے گھر جا کر اچھا سا تیار ہو گا۔" تیاری کے خیال سے اپنے سارے جوتے ملبوس آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔ اسے ان میں سے وہ پسند کرنا تھا جس میں وہ بے حد اسمارٹ لگتا ہو۔ یہ اس کا وہم ہی تھا کہ وہ اسمارٹ بھی لگ سکتا ہے' کیوں کہ تمام کپڑوں میں وہ پوری کوشش کے باوجود ایک جیسا ہی لگتا تھا۔ سوکھا' لمبا' سانولا' بڑی بڑی آنکھیں پلکوں کی خشکی سے بجی۔ مگر سوچنے میں کیا حرج تھا۔ پھر اسے خوشبو کا خیال آیا اور ساتھ ہی پچھلے مہینے والا واقعہ ذہن گھوم گیا تھا۔

پچھلی دفعہ جب وہ حیا کے گھر ملنے گیا تھا۔ اچھا بھلا تیار تھا۔ جا کر ان کے صحن میں خالہ کے پاس بیٹھ گیا۔ خالہ سے اچھی بھلی باتیں کرتے ادھر ادھر نگاہیں دوڑا رہا تھا کہ شاید حیا کی جھلک دکھائی دے۔ وہ تو نہ آئی البتہ چھوٹی والی ندا چائے لے کر آگئی۔ تپائی پر ٹرے رکھتے ہوئے ناگواری سے ناک سڑکتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"بھائی آپ کسی دربار سے آرہے ہیں؟"

"نہیں۔ کیوں۔" عمر ایاز کو حیرت ہوئی۔

"آپ میں سے اگر بتیوں کی سی بو آرہی ہے۔" وہ اچھا خاصا کھسیانا ہوا۔ اب کیا بتاتا کہ اگر بتیوں کی لڑتی بھڑتی بو اس کی چھوٹی بہن کی دین ہے۔ ہوا کچھ یوں دوسرے نمبر والی آپا کچھ اللہ لوک سی تھی۔ خبط کی حد تک پیرنی بننے کا جنون تھا۔ ایک دن بیٹھے بٹھائے جنون وارد ہوا۔

"عمر ایاز کی رخصتی کی کسی ظالم نے بندش کروا رکھی ہے' توڑ کروانا پڑے گا۔" چھوٹی والی پاس بیٹھی تھی پہلے سر پیٹا۔ اگلے دن ایاز کو اپنے پاس بلا کر کہہ دیا۔ سنتے ہی عمر ایاز کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "ایاز کی رخصتی' ایاز کی رخصتی" سن سن کر تنگ آگیا تھا۔ چلا کر بولا۔

"میری رخصتی نہیں ہونی' حیا کو رخصت کروا کر لانا ہے۔"

"ہاں ہاں' ایک ہی بات ہے۔" چھوٹی نے پیار میں بھائی کو زوردار جھانپڑ مارا۔ پھر اگلے دن توڑ کرنے کے لیے چھوٹی کے دماغ نے کام کیا اور عمر ایاز کو فون کر کے بتایا۔

"لوبان' پرمل' اجوائن' آدھا آدھا پاؤ میری طرف لیتے آنا۔"

"کیوں۔ کیا کرنا ہے۔"

"تیرے بھوت دوڑانے ہیں۔" ایاز نے حیرت سے فون کو دیکھا پھر کان سے لگایا' وہ بتا رہی تھی۔

"ایک بزرگ سے پوچھا ہے' انہوں نے کہا ہے کہ ان تینوں جڑی بوٹیوں کو دہکتے کوئلوں پر پھینک کر دھونی دو' ہر اوپری اثر ختم ہو جائے گا۔ شاباش میرا بھائی! تو میری طرف داری کرتا ہے بھلا اب اور کون کرے گا تیرا یہ کام۔ یہ نہ ہو' عین رخصتی پر کوئی اوپری مخلوق رخنے ڈال دے۔" اس نے کچھ دیر سوچا پھر رخصتی میں رخنے سے ڈر کر فوراً" ہی چیزیں خرید پہنچ گیا۔ چھوٹی نے اسی وقت دھونی بنائی۔ عمر ایاز چارہ اس کے صحن میں بیٹھا تھا اور دھونی والی انگیٹھی چھوٹی لیے ایک کمرے سے دوسرے کمرے' کبھی کچن کبھی باتھ میں لیے پھر رہی تھی۔ ایاز کو حیرت ہوئی تو اس نے پوچھ ہی لیا۔

"کدھر یا باجی! اثر مجھ پر ہے یا آپ کے کمروں پر۔ میں یہاں ہوں اور دھونی کمروں کے دروازے بند کر کے دے رہی ہیں۔"

چھوٹی سنتے ہی ہنسنے لگی۔ پھر ہنستے ہنستے دہری ہو گئی۔ اس چھوٹی میں ایک بڑی خوبی تھی۔ بھلے جھوٹ بولنے میں کوئی ثانی نہیں رکھتی تھی مگر اپنے جھوٹ کو زیادہ دیر پیٹ میں پڑا نہیں رہنے دیتی تھی۔ تالی مار کر ہنسی کا

پڑا دورہ روکا۔

"کیا بتاؤں' میرے گھر میں مچھر بہت ہو گئے' پھر انہیں کھانے چھپکلیاں آجاتی ہیں۔ اب تو ہی بتا' چھپکلیوں کے گرنے کا خوف ایک طرف' اور مچھروں نے جو منہ پر نقش و نگار بنانے ہیں وہ الگ۔ اب تیری بارات میں میں چیچک زدہ منہ لے کر جاؤں گی۔" وہ آنکھیں سکوڑے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"پرسوں مارننگ شو میں سنا تھا' دھونی سے مچھر بھاگ جائیں گے۔ اب اگر تجھے اوپرے اثر سے نہ ڈراتی' بھلا تو لاکر دیتا لوبان ہر مل۔" ایاز کے دانت آپس میں رگڑ کھا گئے۔ جی چاہا چھوٹی کی چنی چنی آنکھیں نکال کر دھونی کی انگیٹھی میں جھونک دے۔ چھوٹی نے مذاق کرتے ہوئے ایک دوبار انگیٹھی اس کی جانب بھی لہرائی۔

"لے تیرے بھوت بھی بھاگ جائیں گے۔" وہ منہ بنا کر چلتا بنا۔

راستے میں ہی حیا کی رخصتی کا دلفریب خیال آگیا بنا سوچے سمجھے ان کی طرف چل بھی پڑا اور یہاں آکر سالی صاحبہ سے اگر بتیوں کا سن کر اچھی خاصی شرمساری ہوئی تھی۔ لیکن اس وقت بس میں بیٹھے اس نے دوبار بغلوں کی جانب گردن جھکا کر خوشبو سونگھی صبح کے لگے کلون پر اس وقت پسینے کی بو حاوی تھی۔ اس نے ناک چڑھائی اور نئی خوشبو کا سوچا۔ اتنے میں باجی کا گھر آگیا تھا۔ اس نے دروازہ بجا کر کمیٹی کی رقم طلب کرنا چاہی۔ باجی بھی انتظار میں بیٹھی تھی جھٹ سے دروازہ کھول دیا۔

"ہا آ۔۔۔ آگیا تو۔۔۔" حیرانی ایسے ظاہر کی جیسے امید نہ تھی۔

"اگر نہ آتا' تو جینے دیتیں آپ۔" ایاز منہ میں بڑبڑایا۔

"ہائے کتنا اچھا ہے تو' میرے لاڈلے بھائی' کب سے تیری راہ دیکھ رہی تھی۔ آجا شاباش اندر آجا۔۔۔ منہ ہاتھ دھولے' باہر بہت گرمی ہے۔ روزہ لگ رہا ہو گا۔ تجھے۔" باجی کی آواز میں اتنی حلاوت تھی بے ساختہ اسے اماں مرحومہ یاد آگئیں۔

ان کے بعد تو کان بے غرض حلاوت کو ترس گئے تھے۔ بس گھن چکر بنا اس وقت کو کوستا تھا کہ وہ دیر سے دنیا میں کیوں آیا۔ اگر آہی گیا تھا تو اماں کو ابا کے پیچھے پیچھے جانے کی کون سی ایمرجنسی تھی۔ ایسی بھی کیا بے اعتباری ہا نا کہ نیک لوگوں کو حوریں ملیں گی مگر محشر کے بعد۔۔۔ پھر دھاک بٹھا لیتیں حوروں پر اپنی مگر نہ جی۔۔۔ سال کے اندر اندر رستہ ناپ لیا تھا۔ اس کی مکمل خاموشی پر پھر سے کہا۔

"آجا۔۔۔ روزہ کھول کر چلے جانا۔"

"نہیں باجی' جلدی میں ہوں' آپ کمیٹی دے دیں۔"

"اے ہے۔۔۔ دے دوں گی' تو اندر تو آجا۔" وہ تھوڑا سا دہلیز میں آگیا۔

"ایاز کیسی دوزخ کی گرمی پڑ رہی ہے' توبہ توبہ۔۔۔" باجی نے اپنے پسینے والے گال پیٹے۔ "اور وہ تیری ساس' ذرا خیال نہیں ہے تیرا' کیا جاتا اگر فالسے' آلو بخارے کا شربت بنا کر تجھے بھجوا دیتی' بندہ افطاری میں پی لے' سارے دن کی گرمی دھل جائے۔۔۔ توبہ توبہ کیسے کنجوس ملے۔"

"باجی کمیٹی دے دیں۔" اس نے یاد دہانی کروائی مگر باجی تو اپنی تقریر کرنے میں لگی تھیں۔ "اللہ بخشے ہماری اماں کو دو دو بوتلیں ان سے بنوا کر لاتی تھی عقیق کے لیے۔"

"چلیں ٹھیک ہے' آپ کمیٹی تو دیں' دیر ہو رہی ہے۔"

"آئے ہائے' ہمیشہ ہوا کے گھوڑے پر سوار رہا کر' کبھی گھڑی دو گھڑی میرے پاس بھی آکر بیٹھ جایا کر۔ تیری صورت میں ماں باپ کی تصویر نظر آتی ہے۔ پر جی' جلدی جلدی مچا تا رہے گا۔"

اس نے ناگواریت سے لمبی سانس کھینچی' باجی سمجھ گئیں کہ وہ نہیں بیٹھے گا۔

"اچھا چل میں لاتی ہوں' کو رہاں۔۔۔ کل لازمی آنا'

عافین کے جانے کے بعد کچھ عرصہ اس کا مشکل میں گزرا۔ تنہائی ملتے ہی آنسو بہانا شروع کر دیتی۔ محبت ہوئی تھی اور شدت سے ہوئی تھی۔ تکلیف بھی پُر شدت تھی۔ اماں سے بھی خفگی رہی۔ پھر رفتہ رفتہ بہت کچھ سمجھ میں آنے لگا۔ وہ سنبھلنے لگی۔ وہی کتابیں جن سے جان چھڑانے کے بہانے ڈھونڈتی تھی ان ہی میں پناہ لی۔ خاموشی اور سنجیدگی اسے اپنی لپیٹ میں لینے لگی۔ بے تحاشا ہنسنے' بلاوجہ باتیں کرنے اور ہر کسی سے بے تکلف ہونے کی عادات ختم ہو گئیں۔

وہ پڑھائی میں سنجیدہ ہو گئی۔ ذہین تو تھی محنت کی تو نتیجہ بھی بہترین ملنے لگا۔ گھر میں مختلف کاموں میں اماں کا ہاتھ بٹاتی۔ بہنوں کے لیے وہ نرمی سے بات کرنے والی اور ایثار کرنے والی بنتی گئی۔ بہنیں حیران تھیں اب وہ ہر چیز کے لیے ان سے مقابلہ نہ کرتی بلکہ ان کی ضد پوری کر دیتی۔

وہ ماسٹر کر رہی تھی جب اس کے دو تین اچھے رشتے آئے۔ مگر اس نے اماں کو منع کر دیا یہ کہہ کر کہ اتنا پڑھ لکھ کے اب وہ کچھ کرنا چاہتی ہے۔ اس وقت اماں اس کی سوچ پر کافی خوش ہوئیں۔ ابھی اس کا ماسٹر مکمل ہی ہوا تھا کہ ان دنوں جمیل احمد کا کافی سیریس قسم کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ ایک مہینہ تکلیف میں گزارنے کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے ان سے بچھڑ گئے۔۔۔ ان سب کے لیے یہ سانحہ بہت بڑا تھا۔ ایک مرد کا آسرا بھی نہیں رہا تھا۔

"جوان بیٹیاں شادی کے قابل ہیں۔۔۔ جہاں جہاں رشتے ہوتے ہیں کر دو کیسے سنبھالو گی تنہا۔" زیادہ تر رشتے داروں کا یہی مشورہ تھا' کچھ اسی طرح کے الفاظ میں اور سکینہ بیگم تو جیسے بالکل ہی ڈھے گئیں۔

اس وقت وہی تھی جس نے ماں کو بھی ہمت دلائی اور بہنوں کو بھی سنبھالا۔۔۔ اس نے پرائیویٹ اسکول میں چند ماہ جاب کی پھر لیکچرر شپ کے لیے اپلائی کیا۔ قدرت نے ساتھ دیا۔ اسے گورنمنٹ کالج میں جاب مل گئی۔ ان ہی دنوں رشتے بھی آ رہے تھے۔ وہ تو شادی کے بارے میں بات بھی نہ کرتی تھی۔ اماں نے سعدیہ اور فوزیہ کے لیے رشتوں پر غور کیا۔ ان کی شادیاں ہوئیں۔ تب تک معاشی حالت کچھ سنبھل چکے تھے۔

فاریہ نے اکنامکس میں ماسٹر کیا ہوا تھا۔ اب ایم فل کر رہی تھی۔۔۔ نیچے دکان اب کرائے پر تھی۔ نچلا پورشن بھی۔۔۔ آمدنی مناسب تھی مگر وہاں سے فاریہ کا کالج خاصا دور پڑتا تھا۔ جن لوگوں نے دکان کرائے پر لی تھی ان کا اصرار تھا کہ وہ یہ لوگ یہ گھر ان کو بیچ دیں۔ وہ منہ مانگی رقم دیں گے۔ کچھ عرصہ سوچنے کے بعد انہوں نے یہ پیش کش قبول کر لی۔ یہ گھر بازار میں تھا' سارا دن گاڑیوں کے شور کے باعث سکینہ بیگم کے سر میں درد رہنے لگا۔ ان کی طبیعت کچھ خراب رہتی تھی۔ چنانچہ پانچ سال قبل وہ لوگ گھر بیچ کر جوہر ٹاؤن شفٹ ہو گئیں۔ یہاں آنے کے دو سال بعد ثوبیہ کی بھی شادی ہو گئی اب وہ اور نادیہ تھیں۔

نادیہ ابھی کالج جاتی تھی۔۔۔ اس سارے عرصے میں فاریہ نے مردانہ وار ہر طرح کے حالات کا سامنا کیا تھا۔ اسے آرام کی عادت نہیں رہی تھی سوائے رات کے چند گھنٹے آرام کے بقیہ کا سارا وقت اس کا مصروفیت میں گزرتا۔۔۔ گھر کی ساری ذمہ داری اس پر تھی جسے وہ احسن طریقے سے نبھا رہی تھی۔ بیاہی بہنوں اور ان کے سسرالی معاملات کو بھی دیکھتی۔ سکینہ بیگم اکثر اپنے ملنے والوں میں اس کا ذکر بڑے ناز اور مان سے کرتیں۔ انہیں اپنی اس بیٹی پہ واقعی ناز تھا۔

☼ ☼ ☼

"اماں ایک بار جا کر اس لڑکی کو تو دیکھیں آپ۔ دودھ ملائی سی نرم و ملائم سی نظر آتی ہے۔ آنکھیں ایسی کٹورا سی ہیں۔ ایم اے کیا ہوا ہے۔ عمر بھی زیادہ نہیں۔ میری جٹھانی نے جب مجھے اس کے بارے میں بتایا میں تو اگلے دن ہی دیکھنے چلی گئی۔ اور دیکھ کر فوراً" طے کر لیا یہ ہی لڑکی میری بھابھی بنے گی۔ فیملی خوشحال تو ہے ہی۔ پڑھے لکھے سلجھے ہوئے لوگ ہیں۔" بشریٰ نے اپنی جٹھانی کے رشتے داروں میں لڑکی دیکھی تھی اور

اب اماں کے پاس آئی تھی اور بڑے جوشیلے انداز میں بتا رہی تھی۔

کبریٰ بھی آئی ہوئی تھی۔ دونوں کے بچے لاؤنج میں اکٹھے تھے۔ وہ دونوں اماں کے کمرے میں تھیں۔

"تصویر لے آئی نا' عافین کو دکھا لیتی۔ وہ پسند کرتا تو پھر چلی جاتی اب گھر گھر جاؤں۔ لڑکی پسند نہ آئے تو ٹھکراتے ہوئے بھی دل ڈرتا ہے۔" اماں نے کہا۔

"اے لو اماں۔۔۔ اس لڑکی کو آپ ٹھکرا ہی نہ سکیں گی۔ میں یقین سے کہتی ہوں اور بھائی نے سارا معاملہ آپ پہ چھوڑا ہے۔ وہ پسند کرنے نہ کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لے گا۔" کبریٰ نے کہا۔

ہاں یہ تو ہے۔۔۔ چلو پھر ایک دو دن میں آؤں گی دیکھنے۔" اماں نے جواباً کہا۔

فرح کے کالج میں فن فیئر ہوا تھا۔ وہ تمام کزنز کو بٹھائے تصویریں دکھا رہی تھی۔ اسی وقت عافین لاؤنج میں داخل ہوا۔ اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے ٹی وی آن کیا۔ آج اتوار تھا اس لیے وہ گھر پر ہی تھا۔ فرح موبائل اٹھائے اس کے پاس آ گئی۔ تصویریں موبائل میں تھیں۔ وہ اسے بھی دکھانے لگی۔ وہ سرسری سے انداز میں دیکھ رہا تھا جب اچانک ایک تصویر پر اس کی نظر چونکی اس نے بے اختیار فرح کے ہاتھ سے موبائل لیا۔

"فرح یہ کون ہے۔ تمہارے ساتھ کون کھڑی ہے؟" وہ بے صبری سے بولا۔

"یہ میری فرینڈ ہے نادیہ۔" فرح نے بتایا۔

"نہیں یہ جو رائٹ سائیڈ پہ ہیں؟" اس نے کہا تو فرح کچھ چونکی۔ ماموں کے چہرے کے تاثرات ہی ایسے تھے۔

"ماموں! یہ ہماری اکنامکس کی ٹیچر ہیں۔ نادیہ کی بڑی سسٹر ہیں۔ مس فاریہ۔ بہت اچھی ہیں۔ میری فیورٹ ٹیچر ہیں۔ ویسے کالج میں ان کی ساری اسٹوڈنٹس ان کو پسند کرتی ہیں۔ میرے کہنے پر انہوں نے میرے ساتھ تصویر بنوائی تھی۔" فرح بتا رہی تھی اور کن اکھیوں سے ماموں کے چہرے کے تاثرات جانچ رہی تھی۔ یہ تاثرات اس کے لیے نرالے تھے۔

ماموں تو جیسے لمحہ بھر کے لیے آس پاس سے بیگانہ ہو گئے تھے اور اس تصویر میں ہی کھو گئے تھے۔

"فرح! یہ میڈ ہیں؟" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

"نہیں ماموں۔۔۔ آپ کی طرح ہی ہیں' اکیلی۔" اس نے جان بوجھ کر ان الفاظ کا چناؤ کیا تھا۔ اسے اپنا اندازہ درست محسوس ہو رہا تھا کہ یہی ہیں وہ جن کے عشق میں ماموں ماضی میں مبتلا رہے تھے۔ اور تصدیق کے لیے اس نے رازدارانہ انداز میں پوچھنے کی جسارت بھی کر لی۔

"ماموں کیا وہ مس فاریہ ہی ہیں جن سے آپ کو محبت ہوئی تھی؟" اور اس نے بے ساختہ اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"ہرا۔" فرح نے بے اختیار ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ سارے کزنز اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

عافین نے سرزنش آمیز نظروں سے اسے دیکھا تو وہ دبک گئی۔

عافین نے غیر محسوس طریقے سے وہ تصویر واٹس اپ پہ اپنے نمبر پر سینڈ کر دی۔۔۔ اور مزید تصویریں دیکھنے لگا۔

"ماموں! مس فاریہ کی صرف ایک ہی تصویر تھی۔ اب میں مزید اتار کے لاؤں گی۔" وہ ماموں کی حرکت نوٹ کر چکی تھی۔۔۔ عافین نے تلاشی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے موبائل میز پر رکھا اور اٹھ گیا۔

اس کے اٹھتے ہی فرح کمرے کی طرف بھاگی۔ "تائی ماں' امی' خالہ۔۔۔ سنو' سنو۔۔۔ آج کی گرما گرم بریکنگ نیوز۔۔۔" وہ بہ آواز بلند بولتی کمرے میں داخل ہوئی۔

"ارے کیا ہو گیا۔۔۔ کہیں آگ لگ گئی؟" نسیم بیگم نے گھبرا کر بیڈ پر سے پاؤں نیچے اتار لیے۔

"نہیں تائو۔۔۔ گڈ نیوز۔۔۔ ہمارے ماموں کی کھوئی ہوئی محبوبہ دریافت ہو گئی بالآخر۔۔۔ میں نہ کہتی تھی کہ

ماموں ہمارے گھنے ہیں۔دل دے کے بیٹھے ہوئے ہیں۔" وہ بڑے ترنگ میں بتا رہی تھی۔

"ایں۔۔۔ ہیں یہ کیا اول فول بکے جا رہی ہے۔ شرم نہیں آتی ایسی بات کرتے ہوئے۔" نانی اماں ہولا کر بولیں۔امی اور خالہ نے بھی یک بیک گھورا اسے۔

"سچ کہہ رہی ہوں۔ انہیں دیکھتے ہی ماموں کے چہرے پہ ایسی شادابی آئی کہ میں نوٹ کیے بنا رہ نہ سکی ۔۔۔ ماموں نے خود اقرار کیا ہے۔" وہ اتنے تیقن سے کہہ رہی تھی کہ وہ تینوں سنجیدگی سے متوجہ ہوئیں۔ فرح نے آنکھوں دیکھا کانوں سنا سب ان کے گوش گزار کیا۔

"چلو مسئلہ ہی حل ہو گیا۔اب اماں کو گھر گھر لڑکیاں دیکھنے نہیں جانا پڑے گا۔" کبریٰ ساری بات سن کر خوشدلی سے بولی۔

"اے لڑکی ذرا ہمیں بھی تو دکھا وہ تصویر۔" نانی اماں آنکھوں پہ چشمہ لگاتے ہوئے بے تابی سے بولیں۔

"بہت گریس فل ہیں نانی اماں۔" اس نے کہتے ہوئے موبائل میں سے گیلری اوپن کی۔

☼ ☼ ☼

بس ایک شخص میرے دل کی ضد ہے
نہ اس جیسا چاہیے نہ اس کے سوا چاہیے

جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ پورے قد سے کھڑکی کے سامنے کھڑا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ شام دھیرے دھیرے اپنے پر پھیلا رہی تھی۔ اس کے دل پر آج جیسے بہار اتری تھی۔ کتنے عرصے بعد اسے دیکھا تھا۔ اور بار بار اس کی تصویر دیکھی تھی۔ تیوسالوں نے اس کی شخصیت کو بہت پرکشش سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ متانت اور وقار تصویر میں بھی نمایاں تھا۔ وہ اسے ملنے سے زیادہ دلکش لگی تھی۔ دل تو مچلا جا رہا تھا اسے روبرو دیکھنے کو۔ مگر اب دل بے تاب کی یوں نہیں مانی تھی۔

"عزت۔۔۔ مرد ذات کو اپنی عزت عزیز ہوتی ہے۔ محبت کی راہوں میں مرد کو اپنی عزت داؤ پہ نہیں لگانی چاہیے۔" اس کے اندر سے آواز آئی تھی۔

"تیوسال عزت کی خاطر گزارے بنا اسے دیکھا۔ اس کی محبت میں تڑپ کر گزار لیے۔۔۔ عزت کے لیے ہی نا۔۔۔ اب دل کی مانو۔۔۔ آگے بڑھو اس کا ہاتھ تھام لو وہ بھی اکیلی ہے تمہارے انتظار میں ہے۔" دل نے جواباً کہا تھا۔

مگر اندر کا مرد اب بڑا مضبوط تھا۔۔۔ دل کی بات پہ یوں بھاگ کر عمل پیرا نہیں ہوتا۔

"بیٹا الفاریہ ہم سب کو پسند آئی ہے۔ کہو تو میں کل ہی رشتہ لے جاؤں۔" رات کے کھانے پر جب سب بیٹھے تو اماں نے پیار سے کہا۔

عافین نے پتلے بھانجی فرح کو دیکھا جو بے نیازی سے کھانے میں مصروف تھی۔ پھر باقی سب کو جو چہرے پہ شوق لیے جواب کے منتظر تھے۔

"نہیں ابھی رک جائیں۔ میں پہلے خود اس سے بات کروں گا۔" اس نے کہا تھا۔

فرح نے یہ بات گھر تک ہی نہ رہنے دی۔ پوری تفصیل کالج جا کر نادیہ کو بھی بتائی۔ وہ بے حد حیران ہوئی ۔۔۔ پھر دونوں نے اپنے اپنے ذہن لڑائے۔۔۔ نادیہ نے فاریہ کو منایا تھا اور فرح نے ماموں کو دلائل دے کر قائل کیا یوں دونوں کی ملاقات کا سبب بن گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اس وقت لانگ ڈرائیو پہ تھے۔ گاڑی عافین چلا رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

"خالہ کو بتا کر آئی ہو؟" عافین نے بات کا آغاز کیا۔

"نہیں۔۔۔ آج بھی بتانے کی ہمت نہیں تھی۔ البتہ نادیہ جانتی ہے۔ یہ سب نادیہ اور فرح کی بدولت ممکن ہوا۔۔۔ وہ تو بے خبر نہیں ہو سکتیں۔"

"اس میچور ایج میں یوں ملنا عجیب سا نہیں؟" وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اتنے سالوں بعد شاید نہیں۔۔۔ مگر مرد و عورت کے درمیان جب تک جائز حوالہ نہ ہو ان کا آپس میں

ملاقات کرنا ہمیشہ تعجب انگیز ہی ہوتا ہے۔" وہ اعتماد سے بولی۔

"سنو۔۔۔ کیا تم میرا انتظار کر رہی تھیں؟" وہ گھمبیر لہجے میں بولا۔

"ہاں مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔" وہ بلا جھجک بولی۔

"مگر کس امید پر؟" اگلا سوال ہوا۔

"دل کو امید تھی۔۔۔ جاتے وقت تمہاری آنکھوں نے لوٹ آنے کا عہد دیا تھا۔ دل اسی سے جڑا رہا۔" وہ سچائی سے بولی۔

"اتنا یقین تھا میری آنکھوں کی زبان پر۔" وہ کچھ حیران ہوا۔

"ہاں۔۔۔ یقین دل نے کیا تھا۔۔۔ کہ تمہاری آنکھیں سچ کہتی ہیں۔ مگر اصل میں یقین اللہ پر تھا۔ جو ہماری نیتوں' ہمارے دلوں کے اخلاص' ہمارے جذبوں کی پاکیزگی کو بہتر جاننے والا ہے۔" وہ ازلی اعتماد سے بولی۔

وہ خاموش رہا۔

"عافین۔۔۔ کیا تم اب اماں کی اس وقت کہی گئی باتوں کو نظر انداز کر سکتے ہو۔۔۔ وہ میری ماں تھیں۔ مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔۔۔ پانچ بیٹیوں سے آنگن بھرا ہو تو ذرا ذرا سی آہٹ پر بھی مائیں چونک جاتی ہیں۔ جوان بیٹیوں کی اک اک ادا پہ نظر رکھتی ہیں۔ کچھ باتیں وقتی طور پر چاہے لاکھ دل کو زخمی کریں اندر باہر لہو لہو کر دیں مگر گزرتا وقت ان باتوں کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کر دیتا ہے۔ خاص کر وہ باتیں وہ نصیحتیں جو ماں باپ کرتے ہیں ہمیں انہیں اپنے اوپر بوجھ نہیں بننے دینا چاہیے۔

تمہاری بھی تو خواہش تھی کہ میں کچھ بنوں اور تم چاہتے تھے میں انتظار کروں۔۔۔ بس قدرتاً" ایسا ہوا کہ تمہارے منہ سے نکلی باتیں پوری ہو گئیں۔ میں لیکچرار بن گئی۔ اتنی مصروف زندگی گزری کہ تیرہ سالوں میں انتظار اور جدائی کی اذیت کو خود پر حاوی نہ ہونے دیا۔ بولو۔۔۔ میرے انتظار کا کچھ حاصل ہے یا پھر یہ تمہاری انا اور عزت نفس کی بھینٹ چڑھنے والا ہے۔"

وہ پوچھ رہی تھی۔

عافین نے گہری سی نظر اس پر ڈالی اور گہرے لہجے میں گویا ہوا۔

گزرے ماہ و سال کی بے تابیوں' بے قراریوں کی
داستاں سنبھال رکھی ہے!
کبھی فرصت میں
سنائیں گے یار کو
ملن کی آس لگا رکھی ہے!

اس نے ایسی خوب صورتی سے جواب دیا تھا کہ فاریہ کے مزید سوال گنگ ہو گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"فاریہ! اگر واقعی تمہارے من میں میری اس وقت کہی گئی باتوں کی تلخی نہیں رہی تو عملی طور پر ثابت کرو۔ بہت اچھا رشتہ آیا ہے۔ میں تمہارا انکار نہیں سننا چاہوں گی۔ لڑکے نے ایم بی اے کر رکھا ہے۔ ایم فل بھی ہے۔ بینک میں منیجر ہے۔ اپنا گھر گاڑی۔۔۔ خوشحالی سب ہے۔ خوبرو ہے۔ عافین نام ہے۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر میری بیٹی! نجانے کب سے تمہارا طلبگار ہے۔ ایسی مستقل محبت آج کل کون کرتا ہے۔ وہی جن کے دل سونے جیسے ہیں۔۔۔ صاف شفاف نیتوں والے ہی محبت کے اصل معنی جانتے ہیں۔ میں اتنی سچے انسان کی سچی محبت کی ناقدری نہیں چاہتی۔ میں نے اسے دیر سے پہچانا۔ مگر پہچانا تو تمہارے نصیب پر رشک آ رہا ہے۔ کیا اب بھی نہیں مانو گی شادی کے لیے۔۔۔ میں تو آنکھیں بند کر کے اس کے ہاتھ میں تمہارا ہاتھ دینے کو تیار ہوں۔" سکینہ بیگم بڑی محبت اور نرمی سے بول رہی تھیں۔

"اماں اگر آپ کو اتنا ہی اطمینان ہے تو مجھے کیوں انکار ہو گا۔" وہ سر جھکا کر بولی۔ سکینہ بیگم بے ساختہ اسے دعائیں دینے لگیں۔

تیرہ سال قبل شب قدر کو مانگی دعا قبول ہو گئی تھی۔ مگر اس کی قبولیت آزمائش چاہتی تھی۔ ان کے صبر کو دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ دونوں سرخرو ہوئے تھے۔۔۔ اب

بھی رمضان تھا۔ شب قدر آنے والی تھی۔۔۔ اس کے پاس ابھی بھی بہت دعائیں تھیں۔ ماں باپ کے لیے بہنوں کے لیے امت مسلمہ کے لیے۔۔۔ اپنے اور عافین کے لیے۔۔۔ اس نے کبھی دعاؤں سے منہ نہیں موڑا تھا۔

اسے دعاؤں پہ یقین تھا کہ جائز دعائیں کبھی بے ثمر نہیں رہتیں۔

☼ ☼ ☼

ان کی شادی کو یادگار بنانے کے لیے انہوں نے عید کا دن چنا تھا' نکاح کے لیے۔۔۔ مہندی اور دیگر فنکشنز بعد میں تھے۔ نکاح کی تقریب عصر کے بعد ہونا تھی۔ نکاح کا جوڑا سسرال سے آیا تھا۔ صبح عید کے لیے جب وہ سب تیار ہو رہی تھیں تو اماں نے اسے وہی فراک تھمائی تھی جو تیرہ سال قبل عید پر عافین نے اسے دی تھی۔

"نکاح کے لیے تو بعد میں تیار ہونا ہے۔ ابھی یہ فراک پہن لو۔ اب اس پر تمہارا حق بنتا ہے۔" اماں نے کہا تو وہ حیران سی فراک دیکھنے لگی۔ وہ آج بھی اسی طرح تھی۔ شاید خاصی قیمتی تھی۔ اس لیے وقت نے اسے بدلا نہیں تھا۔ سینڈلز اور جیولری کا رنگ تبدیل ہو گیا تھا۔ مگر اس نے وہ ساری چیزیں پہنی تھیں۔

"اماں نے آج تک یہ فراک سنبھال رکھی تھی۔ شاید ان کے اندر بھی کوئی امید تھی۔" وہ حیرت سے سوچنے لگی۔

وہ دونوں جوانی کی دہلیز پار کر چکے تھے۔ نکاح کے وقت پھر بھی خوب جچ رہے تھے۔ سب کی سراہتی نظریں ان پر تھیں۔ فاریہ نے کامدار میکسی زیب تن کی تھی جس میں سلور اور پستہ کلر نمایاں تھا۔ عافین نے سفید شلوار قمیص کے اوپر واسکٹ پہنی تھی۔ دونوں کی مائیں دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہی تھیں۔ عافین نے ماں کی رضا کی خاطر شادی کے لیے ہامی بھری تھی۔ قدرت نے خوب صلے سے نوازا تھا۔ وہ خوش تھا' بے تحاشا خوش۔۔۔ دل کی اداسی تو جیسے اڑنچھو ہو گئی تھی۔

اب تو دل میں پھول کھل رہے تھے۔

اماں بھی خوش تھیں۔ من کی مراد بر آئی تھی۔ بہو کی دید ہو گئی تھی پھر عید کیوں نہ مناتیں۔ بیٹے کی خوشی اور اطمینان انہیں بہت بھلا لگ رہا تھا۔ عید نے آج الگ ہی سماں باندھا تھا۔ ہر چہرہ مسکرا رہا تھا۔ کل سارا دن اور رات بارش برستی رہی تھی۔ اس لیے فضا آج بھی ٹھنڈی تھی۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ وہ اس وقت ٹیرس پر موجود تھے۔ فوٹو شوٹ کے بعد وہ اس کے قریب آیا۔

"جانتے ہو تیرہ سالوں بعد آج میں نے دل سے عید منائی ہے۔" وہ اسے دیکھ کر بولی۔

"میری طرح۔۔۔ ہے نا۔۔۔ اس عید کے بعد تو جیسے ساری عیدیں ہی پرائی ہو گئی تھیں۔" وہ جواباً" نرمی سے بولا۔

"ہاں مگر اب ساری عیدیں ہماری ہوں گی۔ زندگی کے آخر تک۔ مسکراتی اور خوب صورت عیدیں۔۔۔ بھلے تم عیدی نہ بھی دیا کرنا!" وہ شرارت سے بولی۔

"اب تمہاری سب سے بڑی عید تو میں خود ہوں۔ جیسے میری عید اب تم ہو۔" اس کا حنائی ہاتھ پکڑتے ہوئے وہ شوخ ہوا۔

وہ شرما گئی۔ عافین لبوں پہ مسکراہٹ لیے دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔ اپنی منکوحہ کو دیکھنے کا پورا حق تھا اس کے پاس۔ ان کے جذبے پاکیزہ تھے جو انہیں پاکیزہ بندھن میں باندھ چکے تھے۔

"صبر کا پھل واقعی میٹھا ہوتا ہے۔ ہے نا۔" وہ بولا تھا۔

"بے شک۔" فاریہ نے دھیمے سے کہا۔

وقت' آج ان پر مہربان تھا۔ مگر اس مہربان وقت کو پانے کے لیے انہوں نے کڑے وقت میں واویلا نہیں کیا تھا۔ بے صبرا پن نہیں کیا تھا۔ لہٰذا آج وقت ان کے لیے مسکرا رہا تھا۔ فضا گنگنا رہی تھی۔ موسم سہانا ہو رہا تھا۔

ممتاز نعیم

عید پر میں ساس کو جلاؤں گی

عروبہ نے سوچ لیا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے اس عید پر وہ اپنی ہونے والی بھابھی کے لیے عیدی ضرور لے کر جائے گی۔ اور عید پر بھابھی کی عیدی کی شاپنگ اسے کہاں سے کرنی ہے یہ بھی سوچ لیا تھا۔ صرف سوٹوں کے رنگ زیر غور تھے کہ ہونے والی بھابھی کے لیے کون سے رنگ کے سوٹ زیادہ مناسب رہیں گے۔

"ہونے والی بھابھی کی عیدی کی شاپنگ کے پروگرام بن رہے ہیں جبکہ ہونے والی بھابھی کا دور دور تک اتا ہے نہ پتا ہے۔" امی بے حد چڑ چکی تھیں۔

"شرجیل کی بیوی کی تلاش کے ان اول جلول طریقوں کو دیکھتے ہوئے مجھے تو لگتا ہے کہ آئندہ سالوں میں بھی میں اپنی بہو کا منہ نہیں دیکھ پاؤں گی۔"

"امی! آپ صرف منہ ہی نہیں اپنی بہو کے ہاتھ اور پاؤں بھی دیکھیے گا۔"

"اب تک تو لڑکیوں کی پروفائل ہی دیکھ رہی ہوں۔ جو آئے دن تم مجھے دکھاتی رہتی ہو فیس بک پر، کسی کی سرکٹی تصویر، کسی لڑکی کے ہاتھوں کی تصویر، کسی کے پیروں کی تو کسی کے بالوں کی۔ پوری کی پوری ثابت لڑکی کب دکھاؤ گی تم مجھے۔ ارے میں پوچھتی ہوں کیا برائی ہے تمہاری پھپھو کی بیٹی فرحین میں۔ اتنی اچھی بچی ہے فرحین۔ تمہاری تو دوستی بھی بہت ہے اس سے۔ مگر اب اس نگوڑی فیس بک کی وجہ سے جانے کون سے کیڑے دکھائی دینے لگے ہیں تمہیں اپنی پھپھو کی بیٹی میں۔ بھاڑ میں جائے یہ فیس بک۔" امی بے حد غصے میں تھیں کیونکہ وہ اپنے بیٹے شرجیل کی شادی اپنی نند کی بیٹی فرحین سے کرنا چاہتی تھیں۔

عروبہ کی بھی فرحین سے بہت اچھی دوستی تھی مگر اب عروبہ اپنے بھائی کی شادی فرحین سے کرنے کے لیے ہرگز راضی نہ تھی۔

"فرحین سے دوستی اپنی جگہ مگر پھپھو کی بیٹی کو اپنی بھابھی بنا کر میں فیس بک پر مذاق نہیں بننا چاہتی۔ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ کتنا مذاق بنتا ہے فیس بک پر پھپھو کا اور پھپھو کے بچوں سے شادی کرنے والوں کا۔" اتنا کہہ کر عروبہ نے امی کو فیس بک پر موجود لطیفے سنائے جو کہ بیچاری پھپھو پر بنے تھے۔ اور پھپھو کے بچوں سے شادی کے مزاحیہ اسٹیٹس بھی عروبہ نے امی کو پڑھ کر سنائے۔ جنہیں سن کر امی کو بھی بے حد ہنسی آئی۔

☼ ☼ ☼

جب سے فیس بک کی آئی ڈی بنائی تھی عروبہ کی تو دنیا ہی بدل گئی تھی۔ اپنی اصل زندگی کی فرینڈز سے زیادہ وہ ان دیکھی فیس بک فرینڈز کے قریب ہو گئی تھی۔ گھر میں پکے کھانے، شاپنگ کیے گئے کپڑوں کی تصاویر، سب کچھ اپنی فیس بک فرینڈز سے شیئر کرتی۔ حتیٰ کہ گھر میں بھی امی سے ہر دم فیس بک فرینڈز کی باتیں کرتی۔

"امی وہ ستارہ ہے ناں۔ اس کے ابو دبئی چلے گئے جاب کے سلسلے میں۔"

"ستارہ کا باپ دبئی چلا گیا، کیسے۔" امی نے حیرت سے پوچھا۔

"بہت بڑی کمپنی ہے دبئی کی۔ ستارہ بتا رہی تھی

جیسی جاب پاکستان میں تھی ویسی ہی دبئی میں ملی ہے۔"

"یہاں تو ستارہ کا باپ بریانی کا ٹھیلا لگاتا تھا۔ کیا دبئی کی کمپنی نے بریانی پکانے کے لیے بلایا ہے۔ ایسی بری بریانی ہوتی تھی۔ کبھی مرچیں تیز تو کبھی نمک غائب۔ ہائے ہائے' دبئی کی کمپنی تو ڈوبی ہی ڈوبی۔" امی کو دبئی کی کمپنی کے ڈوبنے کا بے تحاشا افسوس کرتے دیکھ کر عروبہ کو ایسا لگا کہ جیسے اس کمپنی میں شاید امی کے شیئرز بھی تھے۔

"امی! میں اپنی ملازمہ ستارہ کی نہیں بلکہ اپنی فیس بک فرینڈ "بابا کی لاڈلی ستارہ۔" کی بات کر رہی ہوں۔ آپ سے اکثر ذکر تو کرتی ہوں میں اس کا۔ آپ میری فیس بک فرینڈ کا نام بھی بھول گئیں۔" عروبہ نے برا سا منہ بنایا۔

"آئے ہائے بھاڑ میں جائے تمہاری فیس بک۔" فیس بک پر بیٹھے لطیفے' جائے والے کے قصے۔ سیاستدانوں کی بنی درگت' بجلی کی لوڈشیڈنگ کے لیے لکھے گئے مزاحیہ اسٹیٹس۔ یہ سب کچھ وہ امی کو ہنس ہنس کر سناتی۔ اور امی "تمہاری فیس بک" کہہ کر اپنی جان چھڑاتیں۔

صورت حال یہاں تک تو ٹھیک تھی۔ مگر اب جو عروبہ کو ضد چڑھی تھی وہ عجیب ہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ چونکہ فیس بک پر پھپھو کا بہت مذاق بنتا ہے اور پھپھو کے بچوں سے شادی کے بہت زیادہ لطیفے فیس بک پر گردش کر رہے ہیں۔ اس لیے اگر شرجیل بھائی کی شادی پھپھو کی بیٹی سے ہوئی تو اس کی فیس بک فرینڈز اس کا بہت مذاق بنائیں گی اور عروبہ کی ضد کے آگے امی نے ہار مان لی تھی اور فرحین کو بہو بنانے کا

ارادہ ترک کردیا تھا۔ اور عروبہ نے بھابھی ڈھونڈنے کے لیے بالکل ہی مختلف راستے کا انتخاب کیا تھا۔

"بھائی ڈھونڈنا کون سا مشکل کام ہے۔ فیس بک سے ڈھونڈ لوں گی بھابھی۔ بہت اچھی اچھی اور پیاری پیاری لڑکیاں میری دوست ہیں۔" اور عروبہ کی یہ بات سن کر امی نے اپنا سر پکڑ لیا تھا حالانکہ دل تو عروبہ کا سر پکڑنے کا چاہ رہا تھا اور صرف پکڑنے کا نہیں بلکہ پکڑ کر دیوار میں مارنے کا بھی چاہ رہا تھا۔

"فیس بک پر نئے نئے دوستوں کے ساتھ اب بھابھیاں بھی ملیں گی۔ بھابھی کی بھی آن لائن ڈلیوری ہونے لگی ہے کیا؟"

"امی! سب کچھ ملتا ہے ایک چھت کے نیچے۔" عروبہ نے ٹی وی پر چلتے اشتہارات کی طرح ہاتھ ہلا ہلا کر ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا تو امی کا دل چاہا کہ ابھی ایک کس کے بجائے عروبہ کے کان کے پیچھے تاکہ اس کی ایک چھت کے نیچے والی بیماری بھی کانوں کے سوراخوں کے ذریعے باہر آجائے۔

"اب میری بہو بھی فیس بک کے ذریعے آئے گی کیا؟ ارے تمہاری فیس بک سے حد درجہ بڑھتی محبت ایک دن یہ رنگ لائے گی۔ مجھے نہیں معلوم تھا۔ بھاڑ میں جائے تمہاری فیس بک۔ ارے یہ کیسی عجیب و غریب رشتے والی بوا ہے۔"

"امی! فیس بک کو رشتے والی بوا کہہ کر فیس بک کی بے عزتی نہ کریں۔" عروبہ کو بے حد برا لگا تھا۔

"کام جب رشتے والی بوا کے ہیں تو نام سے کیا فرق پڑتا ہے۔" امی جانتی تھیں کہ عروبہ بہت ضدی ہے جو دل میں سما جائے وہ ہی کرتی ہے اور آج کل تو عروبہ کے دل دماغ پھپھڑے تلی سب میں فیس بک سمایا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

عروبہ نے فیس بک پر بھابھی ڈھونڈنے کی مہم کا آغاز کیا۔ اس نے اس مہم کا نام "فیس بک جاؤ بھابھی ڈھونڈھ کے لاؤ۔" رکھا۔

"بھابھی ڈھونڈ کے لاؤ۔" مہم نے عروبہ کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ ہر وہ کام جو کہ بظاہر آسان دکھائی دیتا ہے وہ اتنا بھی آسان نہیں ہوتا جتنا ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ پہلے عروبہ نے سوچا کہ اپنی آئی دی پر اسٹیٹس ڈالے کہ۔

ایک عدد بھابھی چاہیے
بھائی سے شادی کے لیے

مگر پھر سوچا کہ اس طرح تو اس کے ان باکس میں میسجز کی لائن لگ جائے گی کیونکہ ہر گھر میں کنواری لڑکیاں اتنی تعداد میں نہیں جتنی کہ فیس بک پر کنواریاں موجود ہیں۔ اس لیے اس نے اپنی قریبی فیس بک دوستوں میں سے اپنے ہی شہر کی رہنے والی چند دوستوں کو منتخب کیا۔

اس کا پہلا انتخاب رومیلہ ڈول تھی۔ رومیلہ ڈول سے عروبہ کی بہت اچھی دوستی تھی۔ رومیلہ ڈول سے باتوں باتوں میں عروبہ نے شادی کے ارادے اور سسرال والوں کے بارے میں خیالات معلوم کیے۔ رومیلہ ڈول سے سسرال والوں کے بارے میں اس کے خیالات سن کر عروبہ کے دانتوں تلے پسینہ آگیا۔ کیونکہ رومیلہ ڈول کا کہنا تھا کہ "لڑکا تنہا ہونا چاہیے۔ لڑکے کے امی ابو سرے سے ہونے ہی نہیں چاہئیں اور اگر ہوں بھی تو شادی سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائیں تو ہی اچھا ہے لڑکے کے والدین کے لیے ورنہ شادی کے بعد میری حرکتوں کی وجہ سے وہ خود ہی دار فانی سے کوچ کر جانا بہتر سمجھیں گے۔ اور نند تو ہرگز ہرگز نہ ہو اور اگر ہو گی بھی تو اس کی کسی بھی لولے لنگڑے، برے بھلے لڑکے سے فٹافٹ شادی کر کے جان چھڑا دوں گی۔ اور اگر شادی شدہ نند ہوئی تو وہ آنے پر ایسا برا کھانا پکاؤں گی کہ میکے آنے کا سوچے گی بھی نہیں اور اگر آئے گی بھی تو کھانا اپنے گھر والے جا کر ہی کھائے گی۔

رہ گیا شوہر۔ تو شوہر کے سامنے عورت کے آنسو بہترین ہتھیار ورنہ پھر بیلن تو ہر وقت موجود ہی ہے

ہے۔" رومیلہ ڈول نے اپنی بات پوری لکھ کر آخر میں زبان نکالتی ایموجی بھی لگادی تھی۔

رومیلہ ڈول کے خیالات جاننے کے بعد عروبہ کا دل چاہا کہ وہ لکھ دے۔

"رومیلہ ڈول! پہلے بات کو تول' اس کے بعد بول ورنہ منہ مت کھول۔"

مگر اس نے رومیلہ ڈول کو میسج لکھا۔ "رومیلہ! تمہارے خیالات اتنے زیادہ گھٹیا ہیں کہ تمہیں اپنا نام رومیلہ ڈول کی بجائے پھٹا ہوا ڈھول رکھ لینا چاہیے۔" اتنا لکھ کر اس نے رومیلہ ڈول کو بلاک کردیا حالانکہ دل تو چاہ رہا تھا کہ اسے ہلاک کردے مگر خیر بلاک کرکے بھی دل کو خاطر خواہ تسلی ہوئی۔

رومیلہ ڈول کو بلاک کرنے کے بعد عروبہ نے دوسری فیس بک فرینڈ امرحہ عالیان کو بھابھی بنانے کا سوچا۔ کیونکہ امرحہ عالیان اپنی پروفائل بک پر ہمیشہ خوب صورت گڑیا کی تصویر لگاتی اور بہت سمجھ داری کے کمنٹ کرتی تھی۔

"شادی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے امرحہ!" عروبہ نے میسنجر پر امرحہ عالیان سے پوچھا۔

"میرا سب سے بڑا پوتا تعلیم مکمل کرلے پھر اس کی شادی کے بارے میں سوچوں گی۔" امرحہ عالیان کا جواب پڑھ کر عروبہ کا منہ حیرت کے باعث پورا کا پورا کھل گیا۔

شکر ہے کہ ان باکس میں چہرہ نہیں دکھائی دیتا ورنہ امرحہ عالیان کچھ نہ کچھ کھانے کی چیز عروبہ کے منہ میں ضرور ڈال ہی دیتیں کہ بچی بھوکی ہے شاید۔

"مگر آپ کی ڈی پی پر تصویر ہمیشہ گڑیا کی لگی ہوتی ہے اور نام بھی آپ نے اپنا امرحہ عالیان رکھا ہے۔" عروبہ نے ٹوٹے دل کے ساتھ میسج ٹائپ کیا حالانکہ دل چاہ رہا تھا کہ دادی جان پر دھوکہ دہی کا مقدمہ کردے۔

لو بھلا' یہ کیا بات ہوئی۔ عمر ساٹھ سال اور ڈی پی لگائی ہے سات سال والی۔

"یہ آئی ڈی میری پوتی نے بنا کر دی تھی اور کہہ رہی تھی کہ میری دادا ای جان جوانی میں امرحہ جیسی خوب صورت ہوں گی اس لیے اس نے میرا نام امرحہ عالیان رکھ دیا فیس بک پر۔ اصلی نام میرا رضیہ بانو ہے اور ڈی پی پر تصویریں تو میں اپنی چھوٹی پوتی کی وجہ سے لگاتی ہوں۔ وہ تین سال کی ہے۔ بہت خوش ہوتی ہے گڑیاؤں کی تصویریں دیکھ کر۔"

امرحہ عالیان کا یہ میسج پڑھ کر عروبہ نے سوچا کہ تصویریں لگاتی ہیں گڑیا کی حالانکہ لگانی چاہیے بڑھیا کی۔ اس کے بعد فیس بکی امرحہ عالیان اور اصلی رضیہ بانو اپنے پوتا پوتی کے قصے سنانے لگیں اور عروبہ نے مایوس ہوکر اپنی آئی ڈی لاگ آؤٹ کردی۔

دادی کو ان فرینڈ کرنے کا عروبہ کا کوئی ارادہ نہ تھا کیونکہ دادی جان واقعی بہت اچھی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اس کے بعد بھی عروبہ نے ہمت نہ ہاری اور اپنی فیس بک فرینڈ زمرا اینجل کا انتخاب کیا۔ عروبہ کو یقین تھا کہ یہ بہترین انتخاب ہے۔ زمرا اینجل کی پروفائل پکس ہمیشہ پردے دار لڑکیوں کی ہوتیں۔ اس کی وال پر ہمیشہ عمدہ اقوال زریں اور نصیحت آموز تحاریر ہوتی تھیں۔ زمر سے اکثر پوسٹس کے کمنٹ پر بات چیت ہوتی رہتی تھی اور زمر کو اس نے ایک با اخلاق اور با ادب لڑکی محسوس کیا تھا۔ پہلی بار عروبہ نے زمر سے ان باکس میں شادی کے بارے میں بات کی تو زمر نے کہا۔

"میرا بس چلے تو میں آج ہی شادی کرلوں مگر۔" اتنا لکھ کر زمرا اینجل کے ان باکس میں خاموشی چھا گئی۔

"مگر کیا زمر!" عروبہ نے بے چین ہوکر میسج لکھا۔

"ایک بات بتاؤں عروبہ! تم ناراض تو نہیں ہوگی۔" زمرا اینجل قدرے ہچکچاتی محسوس ہوئی۔

"ہاں ہاں بتاؤ زمر۔ میں ناراض نہیں ہوں گی۔"

"تم مجھ سے وعدہ کرو عروبہ کہ جو بات میں تمہیں

اب بتاؤں گی وہ جاننے کے بعد بھی ہم ہمیشہ اچھے دوست رہیں گے۔"

"ہاں ہاں کہا نا میرا وعدہ ہے کہ ہم ہمیشہ اچھی سہیلیاں رہیں گے۔" عروبہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ زمرا اینجل سے وعدہ کیا۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ عروبہ ایک بار پھر تمہیں منہ کی کھانی پڑے گی۔

"مجھے زمر نہ کہئے عروبہ۔ ضمیر کہئے ضمیر۔ چالیس سال کا ہونے والا ہوں مگر اماں ابا نے اب تک شادی نہیں کی میری۔ جتنے بھی لڑکی والے مجھے دیکھنے آئے سب کے سب درفنٹے منہ کہہ کر چلتے بنے۔ شاید کسی دشمن نے ـــ میری شادی پر بندش کروائی ہے۔ شادی کے چکر میں ہی میں نے فیس بک پر ضمیر سیانا کے نام سے آئی ڈی بنائی اور اپنی تصویر بھی کینڈی کیمرے سے بنا کر پروفائل پک پر لگائی' تاکہ فیس بک کے ذریعے ہی میں بیوی والا بن جاؤں مگر بیوی والا تو نہ بن سکا ہاں مگر بیوقوف ضرور بنتا رہا لڑکوں کے ہاتھوں جو کہ مجھے لڑکی کی نقلی آئی ڈی سے فرینڈ بناتے تھے۔

پھر میں نے اپنی پروفائل پک پر شاہ رخ خان کی تصویر لگائی مگر پھر بھی کسی لڑکی نے میری فرینڈ ریکوسٹ ایکسپٹ نہ کی۔ بالآخر تنگ آکر میں نے زمرا اینجل نام کی فیک آئی ڈی بنالی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ڈھیروں لڑکیاں میری سہیلی بن گئیں۔ مگر میں کسی لڑکی کو نہیں بتا سکا کہ میں زمر نہیں ضمیر ہوں۔

آج تم نے شادی کے بارے میں بات کی تو میں اپنے آپ پر کنٹرول نہ رکھ سکا اور بتادیا۔" ضمیر سیانا تو یوں پھٹ پڑا جیسے صدیوں سے کنوارے پن کا دکھڑا سننے والا اسے کوئی نہ ملا تھا۔

"پلیز عروبہ! میرے لیے کوئی لڑکی دیکھو نا تاکہ میرا گھر بھی آباد ہو جائے۔" اتنا لکھ کر ضمیر سیانا نے اپنی تصویر سینڈ کردی جسے دیکھ کر عروبہ کے منہ سے بھی "درفنٹے منہ" ہی نکلا۔

"مجھے اپنے بھائی کے لیے لڑکی نہیں مل رہی اور تم جیسے باؤلے سیانے کے لیے لڑکی ڈھونڈوں۔ اتنے سیانے ہوتے تو لڑکی کی آئی ڈی بنا کر دلہن نہ ڈھونڈ رہے ہوتے۔ ابھی تمہیں بلاک کرتی ہوں ایڈیٹ۔" عروبہ نے غصے سے لکھا۔

"عروبہ دیکھو تم نے وعدہ کیا تھا کہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی ہم ہمیشہ دوست رہیں گے۔" ضمیر سیانا نے اس کا وعدہ یاد دلانا چاہا۔

"ہاں میں نے زمر سے ہمیشہ سہیلی رہنے کا وعدہ کیا تھا۔ ضمیر سیانا سے سہیلی پن کا وعدہ نہیں کیا تھا۔ الو کہیں کا۔" عروبہ نے بے حد غصے میں زمرا اینجل یعنی ضمیر سیانا کو بلاک کردیا۔

رمضان بھی شروع ہونے والے تھے اور وہ رمضان سے پہلے پہلے بھابھی کا انتخاب کرنا چاہ رہی تھی۔ تاکہ عید پر اپنی بھابھی کے لیے زبردست سی عیدی لے کر جائے اور عیدی کی تصاویر بھی اپنی آئی ڈی پر اپ لوڈ کرسکے۔ مگر یہ دریے ناکامیوں سے وہ ازحد مایوس ہونے لگی تھی۔ اور پھپھو کے ذریعے معلوم ہوا تھا کہ فرحین کا بہت اچھا رشتہ آرہا ہے۔ اب تو ہر دم' ہر لمحہ امی کے لبوں پر "ہائے اتنی اچھی تھی فرحین" ہی رہتا تھا اور ساتھ ہی ایک ٹھنڈی آہ بھی' اتنی ٹھنڈی کہ عروبہ بھی ٹھنڈی پڑنے لگتی تھی مگر پھر وہ دوبارہ سے پرجوش ہو کر "بھابھی ڈھونڈھ کے لاؤ" مہم کا آغاز کردیتی۔

عروبہ فرحین سے زیادہ اچھی لڑکی فیس بک سے ڈھونڈھ کر امی کے دل سے فرحین کا غم ختم کرنا چاہ رہی تھی مگر فیس بک سے بھابھی ڈھونڈنے کے چکر میں خود عروبہ کے غم بڑھتے جارہے تھے۔ اس کی بھابھی ڈھونڈھ کے لاؤ مہم" "مشن امپاسبل" بنتی جارہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اب کی بار عروبہ کی نظر انتخاب پر نسس چاندنی پر جا ٹھہری۔ پرنسس چاندنی سے عروبہ چند دنوں سے مسلسل ان پاکس میں گپ شپ کررہی تھی تاکہ پرنسس چاندنی کے خیالات اور عادات جان سکے اور عروبہ کو بہت خوشی تھی کہ پرنسس چاندنی کے خیالات

بہت اچھے تھے۔ وہ بہت محنتی اور سیدھی سادی لڑکی تھی۔ گھریلو کاموں میں طاق تھی۔ عروبہ پرنسس چاندنی سے تصویر کا مطالبہ بھی کر چکی تھی اور پرنسس چاندنی نے جلد ہی اپنی تصویر دکھانے کا وعدہ کیا تھا۔ اور اس بار عروبہ بہت پرامید تھی کہ یقیناً "اس بار اسے بھابھی مل جائے گی۔

مگر عروبہ کو ہرگز اندازہ نہ تھا کہ اس بار بھی وہ انتخاب کرنے میں غلطی کر چکی ہے۔

اس دن عروبہ امی کے ساتھ بیٹھی 'ہونے والی بھابھی کی عیدی کی تصویریں فیس بک پر ڈالنے کی باتیں کر رہی تھی کہ ان کی ملازمہ ستارہ بیچ میں بول پڑی۔

"باجی جی' آپ اپنے گھر کے دو تین سوٹ' سینڈل اور چوڑیوں وغیرہ کی تصویریں اپنی وال پر ڈال کر لکھ دینے کا میری بھابھی کی عیدی۔"

"فیس بک فرینڈز سے جھوٹ نہیں بولتی میں۔" عروبہ نے کہا۔

"جھوٹ نہیں بولتیں۔" ستارہ حیران ہوئی۔ "اور وہ جو ہر دوسرے تیسرے دن میرے ہاتھ کے پکے کھانوں کی تصویریں ڈالتی ہیں اور لکھتی ہیں 'میں نے آج کوفتے پکائے ہیں۔' وہ کیا جھوٹ نہیں ہوتا یا پھر آپ کی کوئی نئی قسم ایجاد ہوئی ہے اب۔"

"ستارہ! میں پہلے اپ لوڈ کرتی تھی مختلف قسم کے پکوانوں کی تصاویر' اب نہیں۔" عروبہ کھسیا کر بولی۔

"پرسوں ہی تو آپ نے میرے ہاتھ کی پکی بریانی کی تصویر ڈال کر اس پر لکھا تھا۔ "اتنی مزیدار بریانی پکائی ہے میں نے۔ امی جان نے ایک ہزار روپے انعام میں دیئے۔" ستارہ کی زبان پٹر پٹر چل رہی تھی۔

"میں کیوں دینے لگی تمہیں ہزار روپے۔" امی تو اچھل ہی پڑیں پیسوں کا سن کر۔ "ویسے کیا کم پیسے دیتی ہوں میں تمہیں۔"

"جی ہاں۔" عروبہ نے فٹافٹ جواب دیا۔

"کیا جی ہاں؟" امی کی سمجھ میں نہیں آئی عروبہ کی بات۔

"جی ہاں کا مطلب ہے کہ جی ہاں آپ کم پیسے دیتی ہیں مجھے۔ اور آپ اتنا افسوس نہ کیجئے امی' میں نے صرف پیسوں کا اسٹیٹس ڈالا ہے۔ آپ نے مجھے ہزار روپے سچ مچ دیئے نہیں ہیں۔" عروبہ نے امی کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"تو باجی جی! آپ نے بھی سچ مچ بریانی پکائی نہیں ہے بلکہ میری پکائی ہوئی بریانی کی تصویر اپنے نام سے لگائی ہے۔" ستارہ بیچ میں بولی۔

"ایک بات بتاؤ ستارہ' تمہیں کیسے پتا چلا' تمہیں تو میں تمہاری ان لگائی بجھائی والی باتوں کی وجہ ہی سے ان فرینڈ کر چکی ہوں۔" عروبہ نے خونخوار نظریں ستارہ پر ڈالیں۔

"وہ باجی جی! وہ نال میں نال' آپ کی وال پر گئی تھی نا تو دیکھی تھی تصویر۔" ستارہ سٹپٹا گئی۔

"مگر میں نے بریانی والی پوسٹ پبلک نہیں کی تھی' اوتلی فرینڈ تھی وہ پوسٹ۔" عروبہ کی کھوجتی نظریں ستارہ پر جمی تھیں۔

"وہ' وہ باجی جی' اچھا پھر وہ پرانی تصویر ہوگی کوئی۔" ستارہ گھبرا کر میز صاف کرنے لگ گئی۔

"ستارہ' سچ سچ بتاؤ اور کون سے نام سے آئی ڈی بنا رکھی ہے تم نے۔"

"ہائے اللہ باجی جی' سچی بس یہ ہی ستارہ نام کی آئی ڈی ہے۔"

"نہیں' تم نے میری۔ پوسٹ دیکھ لی اس کا مطلب ہے کہ تم کسی اور نام سے میری فرینڈ لسٹ میں موجود ہو۔" غصے سے کہتے کہتے عروبہ کے ذہن میں جھماکا ہوا۔ ایک بار پرنسس چاندنی نے اپنے گھر کے گارڈن کے پاس بیٹھی ہوئی اپنی آدھی تصویر اسے ٹیگ کی تھی جس میں اس کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تب عروبہ نے اس پوسٹ پر کمنٹ میں لکھا تھا۔ "تمہارے گھر کا گارڈن ہمارے گارڈن سے ملتا جلتا ہے۔"

"اف! تم پرنسس چاندنی ہو؟" مارے صدمے کے عروبہ کی آواز نے باہر نکلنے سے انکار کر دیا جبکہ اس کی آنکھیں باہر نکلنے کے لیے بے تاب ہو گئیں۔

"نہیں نہیں تو باجی جی۔" ستارہ کی گھبراہٹ دیکھنے کے قابل تھی۔

"میری پوسٹ پر کمنٹ میں آ آ کر باجی 'اپیا' آپی جان پرنسس چاندنی ہی کرتی ہے۔ یقیناً" یہ ہی تمہاری آئی ڈی ہے۔"

"وہ وہ باجی جی' پرنسس چاندنی کی آئی ڈی تو کبھی کبھی ہی استعمال کرتی ہوں میں۔" ستارہ معصوم بنی کہہ رہی تھی۔ اور عروبہ کا دل چاہا کہ اپنا سر دیوار میں مار لے' اپنے گھر کی ملازمہ کو بھابھی بنانا چاہ رہی تھی۔

"مجھ سے کیا' میرے بھائی سے بھی بڑی ہو تم اور مجھے باجی باجی کرتی ہو۔" عروبہ کا بے بسی والا غصہ دیکھنے والا تھا۔

"وہ باجی جی' مالک چاہے عمر میں بڑے ہوں یا چھوٹے پر رتبے میں تو بڑے ہی ہوتے ہیں ناں جی۔"

"ہاں اور اسی بہانے تمہارا انتھی کا کی بننے کا شوق بھی پورا ہو جاتا ہے۔ پرنسس چاندنی بن کر مجھ سے ان باکس میں بات تو ایسے کرتی ہو جیسے واقعی کہیں کی پرنسس ہو۔ اف فیس بک پر تو چاند اور ستارے کا فرق ہی ختم ہو کر رہ گیا ہے۔"

"بے چاری کو کیوں ڈانٹ رہی ہو۔ اب فیس بک پر بھی اپنی پسند کا نام نہ رکھے۔ وہ فیس بک ہی تو وہ جگہ ہے جہاں بندہ اپنے ماں باپ کے نام کو بہ آسانی بدل سکتا ہے۔ کیا ہوا جو یہ ستارہ سے چاندنی بن گئی تو۔" امی ستارہ کی حمایت میں بولیں۔

اب عروبہ امی کو کیا بتاتی کہ ستارہ کے چاندنی بننے سے کیا ہو گیا۔ اگر بتا دیتی تو پھر سے امی کا "ہائے اتنی اچھی بچی تھی فرحین۔" کا ریکارڈ بجنا شروع ہو جاتا۔

☼ ☼ ☼

عروبہ نے آخری بار قسمت آزمائی کا سوچا اور کرن عامر کا انتخاب کیا۔ کرن عامر سلجھے مزاج کی خوب صورت لڑکی تھی۔ دو تین بار بات چیت کے بعد ہی کرن نے اپنی تصاویر عروبہ کو دکھا دی تھیں۔ عروبہ تو ویسے ہی کرن کی پیاری پیاری باتوں کی گرویدہ ہو چکی تھی۔ اب جو کرن کی من موہنی تصویر دیکھی تو سو جان سے اس پر فدا ہو گئی۔ عروبہ نے پہلے ہی سرسری سا تذکرہ بھابھی کی تلاش کا کرن سے کر دیا تھا۔

اب اس نے فیس بک پر بھابھی ڈھونڈنے اور بھابھی ڈھونڈنے کے درمیان ہوئی خجل خواری کی تمام تفصیلات بھی کرن کو بتائیں اور پھپھو کی بیٹی سے انکار کا قصہ بھی سنایا۔ جسے سن کر کرن کو اتنی ہنسی آئی کہ کتنے ہی ہنستے ہوئے اسٹیکر اس نے بیک وقت سینڈ کر دیے۔

اب ان دونوں کے درمیان موبائل نمبرز کا بھی تبادلہ ہو چکا تھا اور موبائل پر بھی دونوں باتیں کرتی تھیں۔ عروبہ کو کرن ہر لحاظ سے بہت اچھی لگتی تھی اس لیے اس نے کرن سے بھابھی بننے کی فرمائش انوکھے انداز میں کی۔

"کرن تمہارے لیے ایک آفر ہے۔ پیش ہے ایک عدد دولہا ٹن ٹران ٹن ٹن اور دولہے کے ساتھ دولہے کی بہن پلس سہیلی فری۔" عروبہ نے یوں کہا جیسے ایک عدد پزا کے ساتھ کولڈ ڈرنک فری۔ عروبہ کے رشتہ پیش کرنے کے اس نئے اسٹائل پر کرن کو بہت ہنسی آئی۔

"مجھے یہ آفر قبول ہے' مگر ایک وعدے کے ساتھ کہ دولہے کی بہن ہمیشہ سہیلی رہے گی۔" کرن کی اس بات پر عروبہ نے وعدہ کیا اور امی سے شرجیل بھائی کا رشتہ کرن کے گھر لے جانے کا کہا۔

"آئے ہائے' فیس بک سے بہو لاؤں گی میں کیا۔" امی کو سب سے پہلا اعتراض لفظ "فیس بک فرینڈ" پر تھا۔

"لو ہو امی! فیس بک کے اندر گھس کر نہیں لانی ہے بہو ہمیں اپنے شہر میں ہی رہتی ہے کرن۔"

"نہ جان نہ پہچان' ایسے ہی کسی کے گھر پہنچ جاؤں۔" امی نے اعتراض پیش کیا۔

"رشتے والی بوا جب کسی لڑکی کے گھر لے کر جاتی ہیں تو وہ لوگ بھی تو انجان ہی ہوتے ہیں ناں۔ تب کیوں جاتی ہیں انجان لوگوں کے گھر۔" عروبہ نے پوچھا۔

"ہائے ہائے' وہ تو بوا ہوتی ہیں۔ وہ جو رشتہ بتاتی ہیں

"ان لوگوں کو جانتی ہیں۔"

"سمجھ لیجیے کہ میری فیس بک بھی بوا ہے۔ بس کل چل رہے ہیں ہم کرن کے گھر۔" عروبہ نے حتمی لہجے میں کہا اور امی کو ہمیشہ سے ہی اس کی ضد کے آگے ہار ماننا پڑتی تھی۔ پھر انہوں نے یہ بھی سوچا کہ چلو دیکھ لیتے ہیں کہ کون سی کمال لڑکی ڈھونڈ کر دی ہے فیس بک نے عروبہ کو۔

دوسرے دن ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد تھکن سے چور جب کرن کے گھر پہنچے تو کرن کو دیکھ کر عروبہ تو عروبہ امی کی تھکن بھی ہوا ہو گئی۔ اتنی پیاری من موہنی لڑکی۔ صاف ستھرا خوب صورت گھر۔ عروبہ اور امی سے یوں ملی جیسے جانے کب سے جانتی ہو۔ عروبہ نے بڑے فخر سے امی کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ "دیکھا! یوں ہی میری رشتے والی بوا (فیس بک) کو برا بھلا کہہ رہی تھیں۔ اب دیکھئے فیس بک کا کمال۔" امی بھی کرن پر واری صدقے جاری تھیں۔

کرن کی امی بھی بہت اچھی اور ملنسار خاتون تھیں۔

"میں شمسہ کو دیکھ کر آتی ہوں اٹھ نہ گئی ہو۔" یہ کہہ کر کرن کی امی اٹھ کر چلی گئیں۔

"شمسہ کون ہے۔" چپس کھاتے ہوئے عروبہ نے پوچھا۔

"شمسہ میری بیٹی ہے۔ ایک ہی بیٹی ہے میری۔ عامر اور میری شادی کو ڈیڑھ سال ہو چکا ہے۔" کرن نے کہا تو عروبہ کا چپس کھانے کے لیے کھلا ہوا منہ کھلا ہی رہ گیا۔

"بیٹا منہ بند کرلو۔ مکھی گھس جائے گی۔" امی نے آہستہ سے عروبہ سے کہا۔

"تمہاری شادی بیٹی یہ سب کیا مذاق ہے کرن۔" عروبہ حیرت سے بولی "پھر تم نے ہمیں کیوں بلایا؟"

"کرن بیٹا! کیا تم دوسری شادی کرنا چاہتی ہو۔" امی نے بھی بالآخر پوچھ ہی لیا۔

"آنٹی! میں نے اپنی پیاری دوست سے ملنے کی خاطر آپ لوگوں کو یہاں بلایا ہے اور عروبہ یار! آئی ایم سوری کہ میں نے تمہیں اپنی شادی اور بچی کے بارے میں نہیں بتایا۔"

"مگر تمہاری آئی ڈی پر تو ان میرڈ لکھا ہے۔" ٹوٹی ہوئی چارپائی پر جب کوئی بیٹھتا ہے تو اس میں سے احتجاجاً جیسی آواز نکلتی ہے بالکل ایسی آواز عروبہ کے حلق سے برآمد ہوئی۔

"یہ آئی ڈی میری شادی سے پہلے کی بنی ہے۔ شادی سے پہلے بھی کچھ خاص دلچسپی نہ تھی فیس بک میں اور شادی کے بعد تو دلچسپی نہ ہونے کے برابر رہ گئی اس لیے آئی ڈی ایڈٹ ہی نہیں کی۔ پچھلے دنوں جب آن لائن ہوئی تو تم سے بات ہوئی۔ عروبہ تم مجھے بہت اچھی لگیں اور میں نے پورے خلوص اور دل سے تم سے دوستی کی مگر جب تم نے اپنی بھابھی فیس بک کے ذریعے ڈھونڈنے کا احوال بتایا اور پھپھو کی بیٹی سے بھائی کی شادی سے انکار کی وجہ بتائی تو مجھے بہت افسوس ہوا کہ فیس بک تمہاری زندگی میں اس حد تک حاوی ہو چکا ہے کہ تم ہر چیز فیس بک کی نظر سے دیکھنے کی عادی ہو چکی ہو اور پھپھو کی بیٹی جو کہ تمہاری بہت اچھی دوست بھی ہے محض فیس بک پر مذاق بننے کی وجہ سے اسے بھابھی بنانے سے انکار کرنا' یہ تو حد ہو گئی بے وقوفی کی۔ کیا جو لڑکی تم فیس بک پر پسند کرو گی وہ فرحین سے اچھی ہو گی۔

اپنے ان قریبی رشتوں پر جنہیں تم سالوں سے جانتی ہو' ایسے لوگوں کو ترجیح دے رہی ہو جنہیں تم جانتی ہی نہیں ہو۔ جن کے اخلاق اور عادات کا اندازہ محض فیس بک پر بات چیت سے کیا ہے تم نے۔ دیکھو ہر چیز کا شوق ایک حد تک ہی ٹھیک رہتا ہے۔ فیس بک سے اتنی زیادہ اٹیچمنٹ بہت ہی نامناسب ہے۔"

کرن بول رہی تھی اور عروبہ کی امی خوش ہو ہو کر سر ہلا رہی تھیں۔ ان کا دل چاہ رہا تھا کہ اٹھ کر کرن کی بلائیں لے لیں۔

"تم نے یہ سب مجھے سبق سکھانے کے لیے کیا؟" عروبہ اداسی سے بولی۔

"نہیں بلکہ اس لیے کیا تاکہ کوئی اور تمہاری معصومیت اور سادگی سے فائدہ اٹھا کر تمہیں

بے وقوف نہ بنا سکے اور ویسے بھی ہم دونوں اتنی اچھی سہیلیاں بن چکے ہیں۔ ملنا تو بنتا ہی تھا ہمارا۔ اگر تم نہ آتیں میرے گھر، تو میں تمہارے گھر تم سے ملنے آجاتی۔" کرن نے بہت پیار سے عروبہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"اوہ کرن! تم بہت اچھی ہو۔ دیکھا فیس بک کا کمال۔ جس کی وجہ سے مجھے تمہاری جیسی بہترین دوست ملی۔" عروبہ نے کرن کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اف پھر وہ ہی فیس بک۔" امی بے زاری سے بولیں جو کہ بہت غور سے کرن کے ارشادات سن رہی تھیں اور کرن کی باتوں سے بے حد متاثر ہوتے ہوئے چپس کی پوری پلیٹ صاف کر چکی تھیں۔

کرن کے گھر سے واپسی پر امی کا افسوس قابل دید تھا۔

"ہائے ہائے تمہارے اس نگوڑمارے فیس بک کی وجہ سے اتنی اچھی بچی فرحین بھی ہاتھ سے نکل گئی۔"

"امی! فرحین نہ ہوئی بھاگتی ہوئی مرغی ہو گئی جو پکڑتے پکڑتے ہاتھ سے نکل گئی۔"

"آئے ہائے! اپنی پھپھو کی بیٹی کو مرغی سے ملا رہی ہو۔"

"پھر کیا کروں۔ اگر جو فرحین کا رشتہ کہیں اور ہو گیا تو۔ اب پسند کر لیجئے کوئی اور لڑکی۔" عروبہ اکتا کر بولی۔

"اب کیا پسند کر لوں۔ کل سے رمضان شروع ہو رہا ہے۔ رمضان میں کیا لڑکی ڈھونڈتی پھروں۔"

امی نے بے زاری سے کہا اور ان ہی باتوں کی تکرار میں راستہ تمام ہوا۔ گھر پہنچ کر عروبہ کمرے میں گھس کر لیٹ گئی۔ اب اس کو اپنی عقل پر ماتم کرنا تھا۔

☼ ☼ ☼

فرض اور نفل عبادات، صبح و شام سحری افطاری کی تیاریاں کرتے ہوئے رمضان تمام ہوئے۔ آج انتیسویں روزے کا بھی اختتام ہوا۔ وہ چھت پر چڑھ کر اداسی سے چاند ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دل کے کسی کونے میں افسردگی ڈیرہ جمائے ہوئے تھی۔ عروبہ کی فرحین سے بچپن سے ہی بہت اچھی دوستی تھی۔ اگر وہ فرحین سے بھائی کی شادی نہ کرنے کی فضول ضد نہ کرتی تو اچھا ہوتا۔ آج وہ لوگ بھی فرحین کے گھر عیدی لے کر جاتے، مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

دل کی اداسی کا یہ عالم تھا کہ اپنی ہر گھڑی، ہر لمحے کا اسٹیٹس اپنی آئی ڈی پر لکھنے والی پورا مہینہ فیس بک سے دور رہی تھی۔ فیس بک فرینڈز خواب و خیال ہو گئی تھیں۔ کرن سے موبائل پر بات ہو جاتی تھی۔

"عروبہ! اوپر کیا کر رہی ہو۔ نیچے آؤ جلدی۔" نیچے سے امی نے آواز دی۔

"امی چاند دیکھنے گئی تھی اوپر۔" عروبہ نیچے اترنے لگی۔

"ارے بیٹا! اب چاند دیکھنے کون جاتا ہے چھت پر۔ سب ٹی وی کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور چاند کی بجائے ان موئے اینکروں کو دیکھتے رہتے ہیں کہ کب ان کے منہ سے چاند دکھائی دینے کی بریکنگ نیوز نکلے اور میں بھی تو ٹی وی کھولے بیٹھی تھی۔ ابھی ابھی بریکنگ نیوز آئی ہے، چاند نظر آگیا ہے۔" امی نے خوش خبری سنائی۔

"آپ بھی ان "موئے اینکروں" کو دیکھ رہی تھیں۔" عروبہ مسکرائی اور "چاند مبارک" کہا۔

"بیٹا! اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ فرحین کی عیدی لے کر تمہاری پھپھو کے گھر جانا ہے۔" امی کے کہے جملے پر عروبہ نے افسوس سے امی کو دیکھا۔ "اف!! امی بے چاری صدمہ لگ گیا فرحین کو بہو نہ بنا سکنے کا۔" عروبہ نے دل میں سوچا پھر امی سے بولی۔

"امی آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ چلیے میں آپ کو ڈاکٹر کے لے چلتی ہوں۔"

"میں تمہاری پھپھو کے گھر چلنے کا کہہ رہی ہوں اور تمہاری پھپھو نے کب سے ڈاکٹری پڑھ لی۔ ہاں آدھی ڈاکٹر تو ہے۔ خطرناک سے خطرناک بیماری، علاج، پودینے کے پتے، بھنے ہوئے زیرے اور پکے ہوئے جائفل سے ایسے بتاتی ہے کہ لگتا ہے کہ سائنس دانوں نے خوامخواہ ہی صدیوں اتنی محنت اور ریسرچ کی بیماریوں کے علاج ڈھونڈنے میں۔"

"امی! آپ کے دماغ کو بہت صدمہ پہنچا ہے۔ کیونکہ آپ کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ آپ کی نند کی بیٹی آپ کے بیٹے کی بیوی نہ بن سکی۔ اس لیے آپ کے ذہن پر اثر ہو گیا ہے اور آپ فرحین کی عیدی لے جانے کی باتیں کر رہی ہیں۔ حالانکہ صدمہ تو مجھے ہونا چاہیے تھا کہ بھابھی کی عیدی لے کر جانے کا مجھے بہت ارمان تھا۔" عروبہ بے حد اداسی سے بولی۔

"بات سنو میری عروبہ! میرے دماغ کو اگر صدمہ لگنا ہوتا تو تم جیسی مخبوط الحواس بیٹی کی حرکتیں دیکھ کر اب کا لگ چکا ہوتا۔ جب تمہیں برداشت کر سکتی ہوں تو سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں میں۔ تمہاری بے وقوفی والے کاموں کے اثرات سہتے سہتے مجھے اب کچھ سہنے کی عادت ہو چکی ہے۔" امی نے بڑے ہی کھلے دل اور کھلے لفظوں کے ساتھ عروبہ کی بے عزتی کی۔

"امی بقول آپ کے مخبوط الحواس میں ہوں تو پھر آپ کیوں میری جیسی باتیں کر رہی ہیں۔ فرحین کے لیے عیدی فرحین کے سسرال والے لے کر جائیں گے اور ہم یہاں بیٹھ کر افسوس کریں گے اور دل جلائیں گے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے دل جلانے کی۔ فرحین کی باقاعدہ بات پکی نہیں ہوئی تھی۔ صرف زبانی کلامی بات چیت تھی وہ بھی سرسری سی۔ تمہاری اس نگوڑ ماری فیس بک والی حرکت کے بعد میں نے قادر بھائی اور رحمت باجی (نند، نندوئی) سے فرحین اور شرجیل کے رشتے کی بات کی انجانے لڑکے پر گھر کے دیکھے بھالے لڑکے کو ہی فوقیت دی جاتی ہے۔ تمہاری پھپھو نے ہاں کر دی ہے اور میں نے فرحین کی عیدی کی شاپنگ بھی کر لی ہے۔ کیونکہ تم سے تو امید یہ ہی تھی کہ تم فرحین کی عیدی کے لیے بھی آن لائن شاپنگ ہی کرنا پسند کرتیں۔ عروبہ جو ٹھہریں۔" امی نے عروبہ کو سرپرائز دیا۔

"اتنی بڑی خوشی کی خبر آپ نے مجھ سے کیوں چھپائی امی۔" عروبہ خوشی کے مارے امی سے چمٹ گئی۔

"تاکہ تمہیں ہر وقت فیس بک فیس بک کرنے کی سزا ملے۔"

"اللہ! کتنی سزائیں ملیں گی مجھے۔ پہلے اس کرن کی بچی نے سبق سکھایا اب آپ۔" عروبہ نے منہ بسورا۔

"لو اب سزا ختم ہو گئی ہے۔ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ شاپنگ اور آکر عیدی بھی دیکھ لو۔" امی ہنستے ہوئے کہہ کر چلی گئیں۔

عروبہ کی ساری اداسی ایسے اڑن چھو ہو گئی جیسے کوئی (گلوب) جلانے پر مچھر غائب ہو جاتے ہیں۔

اس نے فوراً موبائل اٹھا کر فرحین کا نمبر ملایا۔

"بھابھی جان! ہم لوگ عیدی لے کر آ رہے ہیں۔"

"میں منتظر ہوں پیاری نند۔" فرحین نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"ابھی نند کہہ رہی ہو شادی کے بعد گند نہ کہنا۔"

"شادی کے بعد نہیں کہوں گی ابھی کہہ دیتی ہوں پیاری گند! جلدی سے میری عیدی لے آؤ۔" فرحین کی بات پر عروبہ نے ہنستے ہوئے اللہ حافظ کہہ کر کال کاٹی اور اپنی الماری سے اپنے چار عید کے جوڑوں میں سے سب سے پیارا سوٹ نکالا جو بہت دل سے اس نے خریدا تھا اور لے جا کر فرحین کی عیدی کے سامان میں رکھ دیا۔

"امی آپ نے میری بھابھی کی عیدی میری پسند سے نہیں خریدی اس لیے میرا یہ سوٹ بھی فرحین کی عیدی میں رکھ دیجیے۔" پھر اس نے فرحین کی عیدی کے سامان کی تصویریں بنائیں۔

"اب یہ تصویریں میں اپنی فیس بک آئی ڈی پر ڈالوں گی۔" عروبہ خوشی خوشی بولی۔

"ارے پھر سے وہی نگوڑ ماری فیس بک۔ آئے بھاڑ میں جائے فیس بک۔" امی فیس بک کی شان میں قصیدے پڑھنا شروع ہو چکی تھیں۔

عروبہ نے ہنستے ہوئے امی کا ماتھا چوما اور تیار ہونے چل دی۔ آخر بھابھی کی عیدی لے کر جانا تھا تو تیار بھی تو زبردست سا ہونا تھا۔

☼

سحرش بانو

یہ عید کتنی سعید ہے

کھڑکی کے کھلے پٹ سے چپکی زیب اور مشی، دروازے میں آدھی اندر اور آدھی باہر والی حالت میں کھڑی فضہ بتول کے چہرے سے چھلکتے تجسس اور بے چینی کے برعکس اس کا شفاف گلابی چہرا بنا کوئی تاثر ظاہر کیے حالت سکون میں تھا۔ ڈائجسٹ کا تازہ شمارہ ہاتھ میں لیے وہ مکمل طور پر اس میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے ارد گرد کے ماحول سے بھی بے نیاز تھی۔ کمرے میں موجود باقی لڑکیوں کے چہروں پر سامنے سے آتی صبا کو دیکھ کر ذرا سکون آیا تھا۔ ساتھ ہی اس سے جلدی جلدی سب سن لینے بلکہ اگلوا لینے کی بھی جلدی تھی۔

"بمباسٹک قسم کی نیوز ہے یار!" کمرے میں قدم رکھتے ہی اس نے اعلان کیا تھا پھر فضہ بتول کو اندر کھینچ کر دروازہ پورا بند کیا تھا۔ ایشاع بھی رسالہ چٹائی پر رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"اب بک بھی چکو۔" صبا کے ڈرامائی قسم کے طویل خاموشی کے وقفے سے اکتاتے ہوئے اس نے جمائی لیتے اسے گھورا تھا۔

"تو بالآخر پچھلے چند روز سے جاری گھر کے تمام بڑوں کے درمیان خفیہ میٹنگ کا نتیجہ سامنے آچکا ہے۔"

ناولٹ

"وہ کیا؟" لڑکیوں کا تجسس سے برا حال تھا۔

"جی تو معزز سامعین!"

"وہ کون ہیں؟" مشی نے حیرت سے ارد گرد دیکھا تھا۔

"کون؟" فضہ بتول نے پوچھا۔

"معزز سامعین۔"

"اف! تمہیں کہا ہے ایڈیٹ۔" صبا نے سر پیٹا تھا۔

"اوہ! اچھا۔" اس نے سکون کا سانس بھرا تھا۔

"جی تو جناب گھر کے تمام بڑوں اور سرکردہ افراد کا خیال ہے اور بہت ہی نیک خیال ہے کہ اس گھر کی نیک جنریشن اس قابل ہو گئی ہے کہ اس کی شادی خانہ آبادی۔" "دراصل بربادی۔" ایشاع نے لقمہ دینا ضروری سمجھا تھا۔

"بکو مت۔" صبا نے اسے گھوری سے نوازتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

"ہو جانی چاہیے اس لیے تمام بزرگوں نے صلاح مشورے کے بعد شادی کے قابل تمام افراد کی قسمتوں کے فیصلے کر دیے ہیں۔" یہاں آکر اس نے ذرا وقفہ لیا تھا۔

"یہ سب ہم پہلے سے جانتے ہیں۔ تم وہ خبر بتاؤ جسے لانے کے لیے بھیجا تھا۔" فضہ بتول نے بے زاری سے کہا تھا۔

"ہاں تو دل تھام کے سنیے۔ آنسہ زیب عثمان کے لیے محترم شاہ نواز کو چنا گیا ہے۔" اس نے اصلی اور اہم خبر نشر کرنا شروع کی۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے، تو نے مجھے افریقوں کی متوقع والدہ ہونے سے بچالیا۔" سب کے ردعمل سے پہلے ایشاع نے شکر ادا کرنا ضروری سمجھا تھا مگر یہ بات افریقوں کی متوقع والدہ کو کچھ خاص پسند نہیں آئی تھی تب ہی کھینچ کر اسے کشن سے مارا گیا تھا جو اسے تو نہیں البتہ دروازہ کھول کر اندر آتی چاچی اماں کے سر پر کسی ڈرون کی طرح لگا تھا۔ وہ بے چاری اس افتاد کے لیے کہاں تیار تھیں۔ چکرا کر رہ گئیں۔ اور پھر جو انہوں نے زیب عثمان صاحبہ کی خبر کی کہ اللہ دے اور بندہ لے۔

"ہاں آگے بولو۔" ان کی تمام تر ڈانٹ شرافت سے سن کر ان کے جانے کے بعد فضہ بتول نے بے چینی سے پوچھا تھا۔ اسے نجانے کیا دھڑکا کھائے جا رہا تھا۔ "آمنہ مشی زبیر کو جناب عمیر فاروق کے پلے باندھا جائے گا۔"

"یا اللہ میں کس منہ سے تیرا شکر ادا کروں کہ تو نے مجھے کن کٹے عمیر کی بیگم کہلوانے سے بچالیا۔" ایشاع زبیر نے اب بھی شکر ادا کرنا ضروری سمجھا تھا مگر اس بار دوسری طرف سے انتہائی ضبط کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ "اور محترم بلال فاروق کے لیے خنسا پھپھو کی لاڈلی فضہ بتول کو چنا گیا ہے۔" خبر کا اگلا حصہ فضہ بتول کے لیے اطمینان کا باعث تھا سو طمانیت بھری مسکراہٹ اس کے گلابی لبوں پر پھیلی تھی۔

"یا مولا میں کس طرح سے تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں کہ تو نے مجھے انسپکٹر چغل خور سے بچالیا۔"

ایشاع بدتمیزی کی لن ترانیاں جاری تھیں۔

"بکواس مت کرو ایشاع کی بچی۔" فضہ بتول نے فوراً ایک سال کی بڑائی کا فائدہ اٹھایا تھا چہرے پر سکون اور تشکر کے احساسات لیے اس نے فوراً سرزنش کیا۔

"اور تمہارے لیے کیا فیصلہ کیا گیا ہے؟" اپنا اطمینان کر لینے کے بعد مشی نے صبا سے پوچھا۔ "دیں گی تو کچھ لیں گی بھی۔ یہ میرا نہیں پھپھو کا اپنا بیان ہے۔"

مشی کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے صبا نے کہا۔ وہ چاروں چونکی تھیں، ایشاع تو باقاعدہ سیدھی ہو کے بیٹھی تھی۔

"یا اللہ خیر!" کا ورد بھی لبوں پر جاری تھا۔

"اب میرے جیسی خوب صورت، ایجوکیٹڈ، سگھڑ، خوش اخلاق لڑکی کے ہوتے ہوئے ان کی نظر انتخاب کسی اور پہ کیسے پڑ سکتی تھی۔ انہوں نے خود محبت سے مجھے مانگا ہے۔" صبا نے اترا کر کہا تھا۔ تو اس کا کب کار کا سانس بحال ہوا۔

"باوجود تمہارے بیان پر انتہائی شدید اعتراض، اتنی اچھی خبر سنانے پر میں تمام اعتراضات حلق سے اتار لیتی ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا، پھر دونوں ہاتھ بلند کیے۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے کہ۔۔۔"

"بس۔" صبا نے غصے سے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوکا تھا۔

"اوکے، میں بعد میں ادا کر لوں گی۔" وہ بھی فوراً راضی ہوئی تھی۔

"اب پیچھے کون کون بچا ہے۔ محترمہ ایشاع زبیر اور محترم شاہ یار حسن۔"

"اوہ! ہاں شکر ہے، کسی کی قسمت تمہارے جلاد بھائی کے ساتھ نہیں پھوڑی گئی۔" وہ جاتے جاتے پلٹی۔

"ہاں مگر ان کی قسمت ضرور کسی کے ساتھ پھوٹی

لگتی ہے۔" صبا نے بازو لپیٹے معنی خیز سی نظر اس پر ڈالی۔

"کس کے ساتھ؟" فضہ بتول کو جاننے کی بہت جلدی تھی۔

"ایشاع زبیر کے ساتھ۔" صبا نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا۔

"کیا؟" ان تینوں کو ہی حیرت کا جھٹکا لگا تھا مگر صبا کے پاس غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ تو حیرت سے ایشاع زبیر کے سفید پڑتے چہرے اور تیزی سے نفی میں ہلتے سر کو دیکھ رہی تھی۔

سنی شاہ یار سے اس کی بے تحاشا محبت۔ ان چاروں کو لگتا تھا وجہ کہیں نہ کہیں شاہ یار حسن بھی تھا مگر وہ غلط تھیں سیہ ایشاع زبیر کے رد عمل نے بتا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگر آنسہ ایشاع کو کھڑوس شاہ یار حسن سے شادی پر اعتراض تھا تو محترم شاہ یار حسن کو بھی بد تمیز اور بگڑی ہوئی (بقول شاہ یار حسن کے) ایشاع سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ مہرین کی بے وفائی کے بعد اس نے شادی جیسا تجربہ دوبارہ نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا کہ پہلا تجربہ ہی بہت تلخ اور ناکام ثابت ہوا تھا' مگر اماں ابا کی ہزار کوششوں' تاویلوں اور دلیلوں کے بعد وہ بمشکل ہی سہی' مگر شادی پر رضامند ہوا تھا مگر ایشاع زبیر ہرگز نہیں، کبھی نہیں اس کا فیصلہ قطعی اور دو ٹوک تھا۔ یہاں پھر اماں ابا آگے آئے تھے۔

"اماں میں کسی سادہ اور سمجھ دار سی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ جب کہ ایشاع میں ابھی تک بچپنا ہے۔ کچھ آپ سب کے لاڈ پیار نے اسے مزید بگاڑ رکھا ہے۔" اس نے اپنے اعتراضات سامنے رکھ دیے تھے۔

"جب شادی کی ذمہ داری پڑے گی تو خود بخود سنجیدگی آجائے گی لاپروائی بھی سلیقے میں بدل جائے گی اور سب سے اہم بات اب تم اکیلے نہیں ہو شاہ یار' سنی بھی ہے تمہارے ساتھ۔ جسے ماں اور اس کی محبت کی ضرورت ہے۔ بالفرض ہم باہر سے کوئی لڑکی تمہاری بیوی بنا کر لے آتے ہیں اور وہ سنی کو ماں کا پیار نہ دے سکی تو پھر یہ تو نہیں ماننا ہو گا کہ ایشاع سنی سے بہت محبت کرتی ہے اور وہ بھی بنا کسی غرض لالچ یا کھوٹ کے۔"

ان کی اس بات پر وہ خاموش ہو گیا تھا کہ واقعی پانچ سال پہلے جب مہرین کے جانے کے بعد وہ تین سالہ سنی کو لے کر انگلینڈ سے لوٹا تھا تو ایشاع ہی تھی جس نے سنی کو سنبھالا تھا' سنی جو ہر وقت ماں کے لیے روتا' تڑپتا' بلکتا رہتا تھا۔ اس ماں کے لیے جس نے اسے اپنی آزادی کی راہ میں رکاوٹ سمجھا تھا اور جاتے ہوئے باپ کے پاس ہی چھوڑ گئی تھی۔ ایشاع نے بہت اچھے سے سنبھالا تھا اسے اور سنی اس کی تو جان تھی ایشاع آپی میں۔ ایک پل وہ اس کے بغیر نہیں رہتا تھا اور پھر ان ہی دنوں ہونے والے ایک اور واقعہ نے بھی اسے ایشاع سے شادی کے لیے رضامند ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

یہ تقریباً ایک ماہ پہلے کی بات تھی جب اماں نے اس سے ایشاع کے بارے میں رائے پوچھتے پھر سمجھاتے ہوئے سوچنے کا وقت دیا تھا۔ زبیر چاچو کے دوست اپنے بیٹے کے لیے ایشاع کا رشتہ لائے تھے وہ اپنے کمرے میں تھا' جب دروازہ کھول کر سنی دبے پاؤں اندر آیا تھا۔

"پاپا! چھوٹے دادا کے فرینڈ ایشاع آپی کا پرپوزل لے کر آئے ہیں۔" آٹھ سالہ سنی اس کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔

"ہوں!" اس نے سر ہلایا تھا۔

"پھر ان کی شادی چھوٹے دادا کے فرینڈ کے بیٹے سے ہو جائے گی؟" پہلے سوال کا جواب ملتے ہی اس نے اگلا سوال کیا تھا۔

"ہاں! ہو سکتا ہے۔" سنی کو جواب دیتے اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں میں برش کرنا شروع کیا تھا۔

"تو پھر وہ یہاں سے چلی جائیں گی۔ ہیں نا پاپا؟"
اس نے ایک اکتائی ہوئی نظر سنی پر ڈالی جو آج سوال پر سوال کیے جا رہا تھا۔
"تو پھر میں ان کے بغیر کیسے رہوں گا پاپا؟" منہ بسور کر بہت آگے کا سوچتے اس نے پوچھا تھا۔ وہ جواباً خاموش رہا تھا۔
"پاپا! آپ ایشاع آپی سے شادی کر لیں نا پھر وہ ہمیشہ یہیں رہیں گی۔" سنی نے پرجوش سا ہو کے اپنے تئیں بڑا مفید مشورہ دیا تھا۔
"سنی!" برش رکھتے اس نے سنی کو تنبیہی لہجے میں پکارا تھا۔
"آئندہ میں ایسی کوئی بات نہ سنوں تمہارے منہ سے۔"
سنی خاموشی سے واپس چلا گیا تھا۔ وہ اپنے پاپا سے ضد نہیں کر سکتا تھا ان سے بات نہیں منوا سکتا تھا مگر وہ اور "بہت کچھ" کر سکتا تھا اور اس نے کہا تھا کہ اپنی ایشاع آپی کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے مہمان خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ چائے اور دیگر لوازمات سے ان کی خاطر تواضع کی جا رہی تھی جب وہ خاموشی سے اندر داخل ہوا تھا۔
"سنی! ادھر آجاؤ بیٹا۔" تائی اماں نے فوراً پکارا تھا مگر وہ سنی ان سنی کرتا چھوٹے دادا کے فرینڈ کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا سب نے ہی حیرت سے اسے دیکھا تھا۔
"آپ ایشاع آپی کا پرپوزل لے کر آئے ہیں؟"
انہوں نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔
"مگر ایشاع آپی کی شادی تو میرے پاپا سے ہو گی وہ میری نئی ممی بنیں گی۔" اس کی بات نے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے مہمانوں اور میزبانوں کے علاوہ اندر داخل ہوتے شاہ یار حسن کو بھی اپنی جگہ پتھر کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے سوئے ہوئے سنی پر نظر ڈالی دائیں گال پر ابھی تک اس کی انگلیوں کے نشان واضح تھے پلکوں پہ ابھی تک موتی اٹکے تھے آنسوؤں کے نشان اس کے سرخ اور سفید چہرے پر جم چکے تھے۔ اپنے ہاتھ سے اس کے بال سنوار کے وہ کھڑکی میں آکھڑا ہوا سگریٹ سلگاتے بکھرے بالوں کہنیوں تک کف الٹائے گلابی ہوتی آنکھوں کے ساتھ وہ مضطرب کھڑا تھا۔
زندگی میں پہلی بار اس نے سنی پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ اس نے بے اختیار اپنا دایاں ہاتھ جھٹکا جو اس نے سنی پر اٹھایا تھا تب ہی اماں چلی آئی تھیں۔
"تمہیں کیا لگتا ہے شاہ یار اس مسئلے کا یہی حل ہے ڈانٹ ڈپٹ' مار کٹائی۔ یہ سب کرو تم مگر اس کے دل سے ماں کی خواہش ختم نہیں کر سکتے۔ تم اسے دبا سکتے ہو۔ اس کی ماں کی ضرورت ختم نہیں کر سکتے۔"
اور آنے والے دنوں میں اس نے دیکھا کہ بھلے سنی اس کے ڈر کی وجہ سے خاموش ہو گیا تھا' مگر اس کی شوخی' شرارت سب ختم ہو گئی تھی۔ اماں ابا کی رضا اور سنی کی خوشی کے لیے وہ یہ کڑوا گھونٹ بھرنے کو تیار ہو گیا تھا۔ اسے ایشاع زبیر سے شادی پر اعتراض نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

اسے بھلے ایشاع زبیر سے شادی پر اعتراض نہیں تھا' مگر ایشاع زبیر کو تھا اور بہت شدید تھا۔ تب ہی احتجاج کرنے اماں کے پاس چلی آئی تھی۔
"اماں! مجھے شاہ یار سے شادی نہیں کرنی۔"
زیورات کے ڈبے نکالتی اماں ٹھٹکی تھیں۔
"اچھا تو پھر کس سے کرنی ہے؟" ساتھ ہی پوچھ بھی لیا تھا۔
اب کے وہ ذرا سنبھلی۔ "کیا مطلب اماں' اب اگر شاہ یار سے نہیں کرنی تو اس کا مطلب یہ کہاں سے نکلتا ہے کہ کسی اور سے کرنی ہے۔"
"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ساری زندگی اماں بابا کے سینے پر مونگ دلنی ہے۔" اماں بھی آخر اس کی اماں تھیں۔

"اماں۔۔۔!" وہ ٹھٹکی۔

"بس بی بی بس۔ وہ مشی بھی تو ہے۔ اس نے تو ہنسی خوشی اماں بابا کے فیصلے پر سر جھکا دیا۔ وہ زیب فضہ صبا جیسی فرماں بردار اور ایک یہ نرالی بی ہیں۔ سب بابا کا لاڈ ہے مگر کان کھول کے سن لو بی بی! میں اس معاملے میں تمہارے باپ کی بھی نہیں سننے والی۔ غضب خدا کا اتنا اچھا سلجھا ہوا بچہ شاہ یار اور یہاں نخرے ہی نہیں ختم ہو رہے۔"

تب ہی ابا چلے آئے تھے۔ اماں کا جلالی انداز اور اس کی رونی صورت۔

"کیا ہوا کیوں ڈانٹ رہی ہو میری مینا کو۔۔۔"

"ہاں' وہ سالن جلا دیا تو۔۔۔" اماں نے بات بنانے کی کوشش کی۔

"ابا! مجھے شاہ یار سے شادی نہیں کرنی۔" اس نے اماں کی کوشش پر پانی پھیرا۔

"لو ایسی بے شرمی کہیں دیکھی؟" اماں کا بس نہیں چلتا تھا پاس پڑی قینچی سے اس کی زبان کاٹ دیں البتہ ابا نے تحمل سے مسکرائے۔ ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھایا۔

"لو! اب بابا بیٹیا کا لاڈ شروع۔" جو دیکھنے کی فی الحال اماں میں تاب نہیں تھی۔ سو جلتی کلستی باہر نکل گئیں۔ ابا خاموش بیٹھے سارے اعتراضات سنتے رہے وہ بولتے بولتے تھکی تو ایک سوال پوچھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے ایشاع! اس پوری دنیا میں تم سے سب سے زیادہ محبت کون کرتا ہے؟"

"آپ اور صرف آپ۔۔۔" اس کا جواب جھٹ سے حاضر تھا۔

"تو پھر میری پیاری بیٹی اطمینان رکھے کہ اس کا باپ ساری دنیا میں اس سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے کبھی اس کا برا نہیں چاہ سکتا۔"

اب وہ اور کیا کہتی یا بولتی۔ سر جھکائے واپس آ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے ہار مان لی تھی وہ شاہ ہاؤس کے مکینوں کو کبھی نہیں سمجھا سکتی تھی سمجھاتی تو جب وہ کچھ سننے یہاں کوئی سننے کو تیار ہی نہیں تھا۔

"شاہ یار بہت سلجھا ہوا اور سمجھ دار بچہ ہے۔" یہ تایا ابا سے لے کر چھوٹے چچا تک سب کی متفقہ رائے تھی جس میں اختلاف کی گنجائش نہیں تھی۔ اسے اس جملے میں تینوں صفات پر اختلاف تھا۔ نمبر ایک سلجھا ہوا' نمبر دو سمجھ دار' نمبر تین بچہ؟

"شاہ یار بہت پیارا بیٹا ہی نہیں بہت پیارا انسان بھی ہے۔"

یہ تائی اماں سے لے کر چھوٹی چچی سب کا ماننا تھا۔ پہلا نہیں' دوسرا فقرہ اس کی ہمیشہ جان جلاتا تھا۔ "شاہ یار بھائی بہت ہینڈسم اور اسمارٹ ہیں۔" یہ صبا' فضہ' مشی وغیرہ کا خیال تھا جس سے وہ چاہ کر بھی اختلاف نہیں کر پائی تھی۔

"اتنے اچھے اور پیارے ہیں شاہ یار بھائی' کیا کمی ہے ان میں جو یوں منہ پھلائے پھر رہی ہو؟" مشی نے آج دو' دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"میں نے کب کہا کہ کمی ہے' اس میں تو زیادتی ہے۔"

"اچھا! کس چیز کی؟" مشی فوراً متجسس ہوئی تھی۔

"سڑیل' کھڑوس' بددماغ' مغرور' اکھڑ۔ یہ وہ ساری خوبیاں ہیں جو تم سب کی نظروں سے ہمیشہ اوجھل رہی ہیں۔"

وہ بات نہیں کر رہی تھی انگارے چبا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ان دونوں کے ہزار نہ چاہنے کے باوجود بھی انہیں ایک دوسرے سے منسوب کر دیا گیا تھا۔ شادی کے لیے تین ماہ کا وقفہ رکھا گیا تھا۔

منگنی کو ہفتہ ہو چلا تھا جب فیروزہ پھپھو اور سہانہ مبارک باد دینے آئی تھیں۔ فیروزہ پھپھو بہت مغرور اور بددماغ خاتون تھیں اور یہی خوبی ان کی اولاد میں بھی پائی جاتی تھی۔ پھپھو بڑی خواتین کے ساتھ تھیں

جب سمانہ لڑکیوں کے روم کی طرف بڑھی تھی۔ پہلی مڈبھیڑ سیڑھیاں اترتی ایشاع سے ہی ہوئی تھی۔

"مبارک ہو ایشاع! بالآخر تمہاری محبت رنگ لے ہی آئی۔"

"کیا مطلب؟" سینے پہ بازو لپیٹے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولتی سمانہ کو اس نے حیرت سے دیکھا تھا۔

"مطلب سنی کے ساتھ اتنی محبت تم نے شاہ یار کو پانے کے لیے ہی تو کی تھی۔ تو مبارک ہو تمہاری محنت ثمر بار ہوئی۔" نفرت سے کہتے اس نے ایشاع کو گھورا تھا۔

"ہاں بالکل!" گرل سے ٹیک لگائے وہ اطمینان سے گویا ہوئی۔ ویسے بھی اس کا ایک اصول تھا جو آپ سے جلے اسے مزید جلانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

"محنت میں عظمت اور حرکت میں برکت والے مقولے تو آپ نے سن رکھے ہوں گے۔"

"تو مطلب تم نے شاہ یار تک پہنچنے کے لیے سنی کو سیڑھی بنایا؟" وہ پھنکاری تھی۔

"جی بالکل! آپ کا اندازہ درست ہے۔" مسکرا کر کہتے وہ بے خبر تھی۔ اس کے الفاظ سمانہ کے ساتھ ساتھ شاہ یار نے بھی سنے ہیں۔

☼ ☼ ☼

"شاہ نواز نے میرون کلر منتخب کیا ہے ویڈنگ ڈریس کے لیے۔" زیب نے جوس کے ڈبے سے بڑا سا گھونٹ لے کر سب کو مطلع کیا تھا۔ "بقول ان کے انہوں نے جب بھی تصور کی آنکھ سے مجھے دلہن بنے دیکھا۔ میرون کلر میں ہی دیکھا۔"

اترا کر کہتے اس نے سب پر نگاہ ڈالی تھی۔ نفاست سے کٹے سیب کی قاش کو منہ میں ڈالتے ایشاع نے سر جھٹک کر خود کو میگزین میں گم کیا۔

"اور عمیر کا تو بس نہیں چلتا ویڈنگ ڈریس کے علاوہ بھی سارے ڈریسز پنک کلر میں بنوالیں۔" مشی نے بھی مسکراتے ہوئے عمیر کی فرمائش نشر کی تھی۔

"اور بلال نے گولڈن اور ریڈ کلر منتخب کیا ہے۔" کونے سے فضہ بتول کی بھی شرماتی لجاتی آواز ابھری تھی۔

"گڈ! اور ایشاع شاہ یار نے کون سا کلر منتخب کیا ہے۔"

سمانہ نے بظاہر مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔ بنا چونکے سر اٹھا کر اس نے سمانہ کو دیکھا تھا پھر مسکرائی۔

"شاہ یار کہتے ہیں میں جو بھی کلر پہنوں گی۔ وہ ہی مجھ پر جچے گا کیوں کہ بقول ان کے انہیں لگتا ہے وہ کلر بنا ہی میرے لیے ہے۔"

فراٹے سے بولے جھوٹ نے سمانہ کے چہرے پر غصہ جب کے باقی سب کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسٹیج پر موجود چاروں دلہنیں ہی بے حد پیاری لگ رہی تھیں۔ دولہا صاحبان کو ابھی تک اسٹیج پر ساتھ نہیں بٹھایا گیا تھا۔ چاروں میں سے تین کے چہرے پہ موجود انبساط و اطمینان کے رنگ بہ آسانی دیکھے جا سکتے تھے جب کہ چوتھی دلہن کچھ خاموش اور بے زار نظر آرہی تھی۔

"اتنی بری شکل بنا کر بیٹھی ہو سچی متیرا لگ رہی ہو۔"

زیب نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ وائٹ کلر کے دیدہ زیب لہنگے میں جس پر سلور کلر کا انتہائی خوب صورت کام ہوا تھا پہنے وہ جھٹ سے زیب کی طرف مڑی جو سامنے دیکھتی اب مسکرا رہی تھی۔

"اور میں تمہیں وارن کر رہی ہوں زیبی خدارا شاہ نواز کے پہلو میں بیٹھ کر اتنی دیدہ دلیری سے دانت مت نکالنا سچی لگے گا۔ افریق باندر کے پہلو میں لمبے دانتوں والی چڑیل برا جمان ہے۔" فوراً حساب چکتا کر کے اس نے پھلجڑی چھوڑی تھی۔

"قسم اٹھوالو ایشاع! یہ جو تمہیں شاہ یار جیسے بندے کے پلے باندھا گیا ہے نا اس میں زیادہ حصہ تمہارے

ان ہی "بڑے بولوں" کو رباتی کا ہماری خاموش آہوں کا ہے۔"

زیب کی بات نے اسے چند لمحوں کے لیے چپ کروا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی جب وہ اپنے روم میں آیا تھا۔ اسے سو فیصد یقین تھا وہ اب تک سو چکی ہوگی کیوں کہ انتظار اور وہ بھی اتنا لمبا انتظار ایشاع زبیر کے بس کی بات نہیں تھی مگر خلاف توقع محو انتظار تھی۔ وہ سیدھا بیڈ کی طرف ہی آیا جہاں سر جھکائے وہ بیٹھی تھی۔ بنا ایشاع کی طرف دیکھے اس نے ذرا سا جھکتے ریسٹ واچ اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی۔ پھر جیب سے سگریٹ لائٹر موبائل وغیرہ نکال کر رکھا اور فریش ہونے چل دیا تھا۔

"مجھ سے شادی کا اتنا ہی شوق تھا تو خود مجھ سے کہتیں۔ سنی کو استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

تکیہ سیدھا کر کے لیٹتے اس نے سرسری نظر اس کے بنے سنورے روپ پر ڈالتے کہا تھا۔ ایشاع نے جھٹکے سے سر اٹھایا تھا۔

"ایکسکیوزمی! سنی کو میں نے نہیں، آپ نے استعمال کیا۔ مجھ سے شادی کرنے کے لیے۔" وہ تڑخی تھی۔

وہ ہنسا۔ "مائی گڈنس! اتنی غلط فہمی کس بنا پر؟"

"اور آپ کو اتنی خوش فہمی کس بنا پہ اور جہاں تک شادی کا تعلق ہے مجھ میں ایسی کوئی کمی نہیں جو مجھے شادی کرنے کے لیے کسی کا سہارا لینا پڑے۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ بیڈ سے اتر گئی تھی۔

ولیمہ کے بعد سارے کپلز ہنی مون کے لیے نکل چکے تھے۔ شاہ یار نے کام کا گھسا پٹا بہانہ کر کے جانے سے معذرت کر لی تھی۔

وہ نہا کر نکلا تو وہ سنی کو ریڈی کرنے کے ساتھ ساتھ خود بھی تیار ہو چکی تھی۔ وہ سنی کے اسکول میں ٹیچر تھی۔

"سنی! اپنی مما سے کہو اب انہیں مزید جاب کرنے کی ضرورت نہیں۔" ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے سنی سے کہتے در پردہ اسے حکم سنایا تھا۔ وہ کلسی۔

"سنی! اپنے پاپا سے کہو، میں پہلے بھی یہ جاب کرتی تھی اب بھی کروں گی۔"

وہ اسے مخاطب نہیں کرنا چاہتا تو وہ کون سا مری جا رہی تھی۔

"سنی! اپنی مما سے کہو کہ پہلے کی بات اور تھی اب وہ کوئی الٹرا ڈیزیز نہیں شادی شدہ خاتون ہیں، بہتر ہوگا اپنی نئی ذمہ داریوں کو سنبھالیں۔"

خود پر پرفیوم اسپرے کرتے اس نے استہزائیہ لہجے میں کہا تھا۔

"سنی! اپنے پاپا سے کہو کہ۔۔۔" "بس" اس کی بات شاہ یار نے ہاتھ اٹھا کر روکی تھی۔

"سنی! اپنی مما سے کہو مجھے بحث پسند نہیں، اینڈ دیٹس اٹ۔" وہ بات مکمل کرتا باہر نکل گیا تھا۔ پیچھے اس کا غصے سے برا حال تھا۔

"سنی! تمہارے پاپا۔۔۔"

"بہت ہینڈسم لگ رہے ہیں نا۔ ہیں ہی ہینڈسم۔ حمزہ اور عفی بھی یہی کہتے ہیں۔"

سنی کے چہک کر کہنے پر وہ جو بہت کچھ کہنے والی تھی بمشکل خاموش رہی تھی اور پہلا خیال حمزہ اور عفی کا دماغ ٹھیک کرنے کا ہی آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے دو کپوں میں چائے نکالی پھر کپ ٹرے میں رکھ کر لاؤنج میں آ گئی تھی جہاں تایا ابا اور شاہ یار ٹاک شو بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ تایا ابا کو کپ پکڑا کر اس نے ٹرے شاہ یار کے آگے کی تھی۔

"تو تھینکس!" اس نے کندھے اچکائے آرام سے کپ اٹھا کر صوفے پہ بیٹھتے لبوں سے لگایا ہی تھا۔

"بیٹا شاہ یار کو بھی دینی تھی۔" تایا ابا نے اس کی طرف دیکھا۔

"دی تھی انہوں نے تو تھینکس کہہ کر لوٹا دی۔"

"بیٹا! شاہ یار اس وقت کافی لیتا ہے۔"

"تو بتا دیتے نا تایا ابا! اب مجھے الہام تو نہیں ہوتے نا۔" بظاہر مسکرائی تھی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا اب بتا لاؤ!" تایا ابا کے اگلے حکم نے اس کے اندر کڑواہٹ بھر دی تھی۔

"جی!" کہہ کر وہ اٹھنے لگی تھی جب شاہ یار نے منع کر دیا تھا۔

"ضرورت نہیں ابا! جب ہوگی۔ میں چندو سے بنوا لوں گا۔"

وہ "مائی فٹ۔" کہہ کر رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ گلاس ٹیبل پر لیپ ٹاپ رکھے کام میں بزی تھا جب سنی نے ذرا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔ سر اندر دھڑ باہر والی پوزیشن میں چند لمحے کھڑے رہنے کے بعد اس نے دھڑ اندر کھینچا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے پاس آیا۔

"پاپا۔۔۔!" اس نے بہت میٹھے لہجے میں پکارتے اس کے دائیں طرف والی جگہ سنبھالی تھی۔

"ہوں۔۔۔!" کی بورڈ پر تیزی سے چلتی انگلیاں صرف ایک سیکنڈ کو رکی تھیں۔

"یو نو پاپا! آج آپ بہت ہینڈسم لگ رہے ہیں۔"

"ہم چھا!" کہہ کر اس نے ایک نظر سنی پر ڈالی اور دوبارہ اپنے کام میں بزی ہوا تھا۔ "کل حمزہ اور عفی بھی کہہ رہے تھے کہ تمہارے پاپا بہت ہینڈسم ہیں۔ میں نے کہا۔ آخر پاپا کس کے ہیں۔ میں نے رائٹ کہا نا پاپا۔۔۔؟" معصومیت بھری آنکھیں شاہ یار پر تھیں۔

"رائٹ۔" کام میں مصروف وہ اس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔

"اور میں نے ان سے کہا میرے پاپا صرف ہینڈسم اسمارٹ ہی نہیں بہت اچھے بھی ہیں۔"

اب کی بار شاہ یار نے ہاتھ روکا تھا صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کی خوشامد کی وجہ جاننا چاہ رہا تھا۔

"اور یہ کہ میرے پاپا مجھے میری فیورٹ اسٹوری بکس لا کر دیتے ہیں۔ اور کارٹونز سی ڈیز بھی۔ میرے ساتھ کرکٹ کھیلتے ہیں اور مجھے آئس کریم کھلانے لے جاتے ہیں میں نے ٹھیک کہا نا پاپا؟"

روانی سے بولتے اس نے دوبارہ تصدیق چاہی تھی۔ شاہ یار نے بلا تامل سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"تو آئس کریم کھانے چلیں پاپا؟" شاہ یار کی مسکراہٹ اس نے فوراً کیش کروانی چاہی تھی۔ شاہ یار نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"آج موسم کتنا پیارا ہے نا پاپا؟" سنی نے ہمت نہیں ہاری تھی۔

شاہ یار نے پھر سے سر کو اوپر نیچے جنبش دی تھی۔

"تو چلیں پھر؟"

شاہ یار نے نفی میں سر ہلایا۔

"پاپا پلیز۔۔۔"

"سنی۔۔۔!" اب کی بار اس کا انداز تنبیہی تھا۔ سنی دو سیکنڈ خاموش سا اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ باہر نکلنے سے پہلے وہ مڑا تھا۔

"بے شک میرے پاپا مجھے کارٹونز سی ڈیز اور اسٹوری بکس نہیں لا کے دیتے، میرے لیے مزیدار ڈشز نہیں بناتے، کرکٹ بھی نہیں کھیلتے اور آئس کریم کھلانے بھی نہیں لے جاتے پھر بھی میرے پاپا دنیا کے سب سے اچھے پاپا ہیں۔"

وہ باہر نکل گیا تھا۔ پیچھے وہ اس کے لفظوں پر غور کرتا رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے پندرہ منٹ میں وہ سنی اور ایشاع کو آئس کریم کھلانے لے جا رہا تھا۔ ایشاع ہرگز ہرگز نہیں جانا چاہ رہی تھی، مگر سنی کی ضد اور تائی اماں کا اصرار۔۔۔ اسے جانا پڑا تھا اور اب فرنٹ سیٹ پر بیٹھی وہ خاصی سنجیدہ

سی تھی۔ شاہ یار بھی لب بھینچے ڈرائیو کر رہا تھا۔ البتہ پیچھے بیٹھا سنی خوب چہک رہا تھا۔

فوڈ کورٹ پہنچ کر وہ دونوں تو ادھر ادھر کی رونقوں میں گم ہو گئے تھے۔ آرڈر شاہ یار نے ہی کیا تھا اور جب ویٹر نے کانچ کے نفیس پیالے میں ٹھنڈی میٹھی آئس کریم لا کر ان کے آگے رکھی تو۔۔۔

اسٹرابری فلیور کبھی بھی اس کا فیورٹ نہیں رہا تھا۔

"پاپا! آپ نے مما کے لیے اسٹرابری فلیور کیوں منگوایا۔ انہیں چاکلیٹ فلیور پسند ہے۔" سنی نے اس کے منہ کے بگڑتے زاویوں کو دیکھتے کہا تھا۔

"تو آپ کی مما کو بتانا چاہیے تھا اب مجھے الہام تو نہیں ہوتے نا۔"

مسکرا کر کہتے اس نے اس کا فقرہ بہت خوب صورتی سے لوٹایا تھا۔

"کوئی بات نہیں پاپا آپ دوسرا فلیور منگوا لیں۔" سنی نے بڑا سا چمچہ لیتے آنکھیں پٹ پٹائی تھیں۔

"اٹس اوکے سنی! میں یہی کھا لوں گی۔" بے دلی سے چمچہ اٹھاتے اس نے کہا تھا البتہ دل ہی دل میں شاہ یار کو کوسنے کا سلسلہ جاری تھا۔

☼ ☼ ☼

"سچی اماں! اتنی بوریت مجھے کبھی نہیں ہوئی تھی جتنی اب ہو رہی ہے اور کیا کہتی ہیں یہ بیگمات کب تک واپس آئیں گی۔" اماں کے پاس ان کے بیڈ پر بیٹھتے اس نے اپنا رونا رویا تھا۔

"ابھی تو کچھ پتا نہیں۔۔۔" انہوں نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"تو آپ کہیں ناں مشی سے، بہت ہو گیا گھومنا پھرنا بس اب واپس آنے کی کرے۔" اب کی بار انہوں نے گھورا اسے۔

"ہائیں! میں کیوں کہوں، یہی تو گھومنے پھرنے کے ساتھ وقت گزارنے کے دن ہیں اور تم نے کیا حال بنایا ہوا ہے اپنا؟ لگتا ہے بیس دن پہلے شادی ہوئی ہے تمہاری؟ صاف کہتی ہوں بی بی رنگ ڈھنگ بدلو اپنے، غضب خدا کا نہ مہندی، نہ چوڑی، نہ زیور۔۔۔ اگلے کا امتحان مت بنو ایشاع! خود کو بدلو۔"

"لو نہ خود کو بدلو؟ کس کے لیے مہندی چوڑی پھنکاتی پھرپور سجتی۔ خوشبو میں بسی وہ ہوتی ہیں جنہیں چاہا جائے، سراہا جائے یہاں تو نجانے بے خبری ہے، بے نیازی ہے یا ناپسندیدگی؟"

وہ دیر تک کڑھتی رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ اماں کے پاس بیٹھی تھی جب سنی بھاگتا ہوا آیا تھا۔

"آپ کو پاپا بلا رہے ہیں۔"

"اس مجھے؟" اسے حیرت نے گھیرا تھا۔

"مجھے کب عقل آئے گی ایشاع؟ شوہر وہاں اکیلا بیٹھا ہے اور تجھے یہاں گپیں ہانکنے سے فرصت نہیں۔" اماں نے فوراً لتاڑا تھا۔ "چل اب جلدی جا۔"

"جا رہی ہوں اماں۔" جلدی جلدی الٹے سیدھے سلیپر زا ڑستے وہ چلی آئی تھی۔

وہ اکتایا سا کھڑا تھا۔

"میری بلیو شرٹ کہاں ہے؟" اسے دیکھتے ہی سوال داغا تھا۔ اب اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ کون سی شرٹ؟ کیسی شرٹ؟

"مجھے کیا پتا، چندو کو پتا ہو گی۔" کہہ کر جانا چاہا تھا۔

"اچھا؟" اس نے پھر سے دیکھا تھا "بیوی تم ہو یا چندو؟" تمسخرانہ لہجے میں دریافت ہوا تھا۔

"ہاں تو بیوی ہوں ملازمہ نہیں جو اس چندو کے فرائض سرانجام دوں۔" تڑخ کر اس نے جواب دیا تھا۔

"اچھا تو بیوی والے کون سے فرائض پورے کیے ہیں تم نے؟" لہجہ صاف مذاق اڑاتا ہوا تھا۔

اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا تھا جواب دینا چاہا مگر اس کی گہری آنکھیں خود پر جمی دیکھ کر سارے لفظ گڈمڈ ہو

گئے تھے۔

"مم' میں ڈھونڈ دیتی ہوں۔" سٹپٹا کر کہتے وہ کترا کے نکلی تھی۔

چند لمحوں بعد وہ اس کی شرٹ تھامے کھڑی تھی۔

"یہ لیں۔" اس کی طرف دیکھے بنا اس نے شرٹ آگے کی تھی۔

"گڈ' اور آئندہ کے لیے خود خیال رکھنا مجھے بات دہرانے کی عادت نہیں ہے۔" کہتے وہ چلا گیا تھا۔

"اونہہ' دہرانے کی عادت نہیں ہے۔" اس نے سر جھٹکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اٹھو اور ناشتہ بناؤ۔"

وہ مندی مندی آنکھوں سے شاہ یار کو آفس جانے کے لیے تیار ہوتا دیکھ رہی تھی۔ رات دیر تک جبا سے بات کرنے کی وجہ سے وہ بہت دیر سے سوئی تھی۔ ابھی بھی آنکھ شاہ یار کی کھٹ پٹ سے کھلی تھی جب وہ ایٹم بم کی طرح اس کے سر پر پھٹا تھا۔

"کون؟" وہ جھٹکے سے اٹھی تھی۔

"اگر تمہارے علاوہ بھی یہاں کوئی ہے تو کم از کم وہ مجھے نظر نہیں آرہا۔"

ایک تو مجال ہے یہ کھڑوس طنز کی زبان کے علاوہ بھی کوئی زبان استعمال کرلے۔

"اب اٹھو بھی۔۔۔ لیٹ ہو رہا ہوں میں۔" وہ اب اس کے سر پر کھڑا تھا۔

"مما میرے لیے بھی پراٹھا اور چیز آملیٹ۔" سنی نے بھی فوراً" فرمائش جھاڑی تھی۔ اس نے حتی المقدور اسے گھورا۔

کچن میں الٹے سیدھے ہاتھ چلاتے وہ چندو کو کوسنے میں مشغول تھی جو ان دنوں گاؤں اپنی بے بے سے ملنے گئی ہوئی تھی۔

"مما! جلدی کریں۔" سنی کی دہائی جاری تھی شاہ یار بھی نیوز پیپر کی شہ سرخیاں دیکھتا بار بار ریسٹ واچ پہ نظر ڈال رہا تھا۔

"ناشتا تیار ہے سنی' اتنے اتاؤلے کیوں ہو رہے ہو۔" ہاتھ میں پکڑی ٹرے ٹیبل پر رکھتے اس نے سنی کو ڈانٹا مگر اس کے پاس غور کرنے کا ٹائم کہاں تھا۔ وہ تو حیرت بھرے تاثرات کے ساتھ پلیٹ میں نظر آتی کچھ مستطیل کچھ گول چیز کو گھور رہا تھا۔

"پاپا! یہ کیا ہے؟" ان ہی تاثرات کے ساتھ اس نے شاہ یار کی طرف دیکھا تھا۔

"بقول تمہاری ڈیرسٹ مما کے اسے پراٹھا کہتے ہیں۔"

"اور یہ پھر آملیٹ ہو گا؟" سنی کی خود ساختہ سنجیدگی۔ شاہ یار کا فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا تھا۔ سنی بھی اب دل کھول اور پیٹ بھر کے ہنس رہا تھا۔

"بدتمیز' گدھا۔ جلتی کلستی ایشاع زبیر نے نجانے یہ خطاب کسے دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"شکر ہے تم لوگوں کی واپسی تو ہوئی۔" ایشاع نے زیب کے بیگ کی اچھی طرح تلاشی لینے کے بعد مونگ پھلی نکالی اور ٹک ٹک کھاتے کہا تھا۔

"اور ہمارے لیے مقام شکر ہے کہ محترمہ ایشاع زبیر کو ہماری قدر تو محسوس ہوئی۔" مشی نے لفافے میں ہاتھ ڈال کر بچی کھچی مونگ پھلی نکالتے زیب کو اشارہ کیا تھا۔

"ہاں بالکل۔" وہ فوراً" متفق ہوئی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ کہاں کہاں گئیں؟ کیا کیا دیکھا؟ اس نے چھلکے مشی کی گود میں ڈالتے تجسس سے پوچھا تھا۔

"وہ تو ہم بتائیں گے ہی۔ پہلے تم بتاؤ تم لوگوں کے حالات میں کچھ تبدیلی آئی کہ نہیں؟" ہینڈ بیگ سے میک اپ کی چیزیں نکال کر ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھتے زیب نے پوچھا تھا۔

"تبدیلی وہاں آتی ہے یار! جہاں محبت ہو اور ہمارے درمیان ایسا کوئی سین نہیں۔"

"ایک بات کہوں ایشاع۔۔۔!" زیب سب چھوڑ چھاڑ اس کے قریب آئی۔ "بعض دفعہ محبت ہوتی ہے کم

ہماری بے خبری اور لاپروائی کی دھند میں دکھائی نہیں دیتی۔ تم بھی اس گرد کو جھاڑ کے دیکھو ہو سکتا ہے اندر کہیں محبت موجود ہو۔"

وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

اس دنیا میں اگر کوئی چیز نعمت ہے تو وہ ہے بے خبری۔ جب تک یہ نعمت اس کے پاس تھی مزے ہی مزے تھے۔ نہ پریشانی نہ فکر اور اب ادراک کی دولت ملی تو نہ وہ سکون رہا نہ چین۔

کم بخت ناس پٹی محبت کو ذرا سی لفٹ کیا کر دی سر چڑھ کے ناچنے لگی اور من جوگا دل کسی شریر بچے کی طرح اس چیز کی امید رکھنے لگا جس کا خواب وہ سوتے میں بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ شاہ یار کی محبت اور توجہ۔ عجب بے قراری تھی جو اس کے وجود سے آلپٹی تھی اور کسی پل قرار نہ لینے دیتی تھی۔ اس کا دل چاہتا کہ جائے اور کس کر دو تھپڑ لگائے زیب شاہ نواز کو جس نے اس کی ہنستی مسکراتی زندگی میں بھونچال پیدا کر دیا تھا۔ مگر اس سے بھی کیا ہو جاتا کون سا دل سدھر جاتا۔ انٹ شپٹ لاڈ پیار سختی سب کر کے دیکھ لیا وہ دل ہی کیا جو مان جاتا۔ مان جاتا تو دل کیسے کہلاتا؟

تنگ آ کر وہ مدد لینے وہیں پہنچی تھی۔ وہاں مشورے تھے مفت اور مفید اور کسی کو دینے ہوں تو بے شمار لا تعداد ڈھیروں ڈھیر۔ وہ تینوں ہی بڑھ چڑھ کر بول رہی تھیں۔

"حق منواؤ رعب جتاؤ احساس دلاؤ۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ عورت چاہے تو مرد کو مٹھی میں قید کر سکتی ہے۔ توجہ اور پیار سے اسے اپنا گرویدہ بنایا جا سکتا ہے۔ خدمت پیار محبت ایثار۔ عورت یہ سارے ہتھیار پکڑے تو کبھی ہار نہیں سکتی۔"

ادھر اماں کے بھاشن اسے دیکھتے ہی شروع ہو جاتے۔ وہ خاموشی سے سنتی جاتی۔

"کافی!" وہ فائلیں کھولے کمپیوٹر سنبھالے بیٹھا تھا جب اس نے کپ نزدیک کیا۔

"رکھ دو۔" بنا اس پہ نظر ڈالے کہا گیا۔

"میں نے خود بنائی ہے۔" بتانا ضروری سمجھا۔

"اچھا پھر تو پینے کے قابل بھی نہیں ہو گی۔"

شکریہ اور تعریف تو ایک طرف اس میں موت بھی نہیں تھی۔

"جی نہیں میں بہت اچھی بناتی ہوں۔" بہت مشکل سے اس کا کڑوا جملہ حلق سے اتارتے اس نے سابقہ لہجے میں کہا تھا۔

"اوکے مان لیا اب میں کچھ کام کر لوں؟"

"شیور۔" وہ مسکرائی اور سیدھا زیب کے پاس رپورٹ دینے پہنچی تھی۔

"پہلے خود پہ توجہ دو بے وقوف سچ سچ بتانا آخری بار منہ کب دھویا تھا۔"

"کل شام کو کیوں؟" حیرت سے اپنی سنہری آنکھیں پٹپٹاتے اس نے پوچھا تھا تو دل چاہا اسے کھڑے کھڑے مرحومین کی فہرست میں شامل کر دے۔

"گدھی! حلیہ دیکھو اپنا تم سے بہتر کام والی ماسی منتو کا ہو گا۔" زیب نے جھلاتے ہوئے کہہ کر اسے آئینے کے سامنے کھڑا کیا تھا۔

"نہیں یہ میں نہیں ہو سکتی۔" زیب کو گھورتے اس نے آئینے پر نظر ڈالی وہ زیب کے الفاظ سچ ہونے کی گواہی دے رہا تھا اس کے لبوں سے چیخ برآمد ہوئی تھی۔

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں یہ تم نہیں ہو سکتیں۔ ایشاع زبیر نہیں ہو سکتی ایشاع زبیر تو کوئی اور تھی۔ ہر وقت تک سک سے تیار چمکتی آنکھوں اور دمکتے چہرے والی۔ کہاں گم کر دیا ہے تم نے اسے؟"

زیب کے سوال نے اسے ٹھٹک جانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں نے نیا ہیئر کٹ کروایا ہے کیسا ہے؟"

وہ بیڈ پہ نیم دراز کسی کتاب کی ورق گردانی میں

مصروف تھا جب ایشاع نے اندر داخل ہوتے پوچھا تھا۔ "وہ پہلے والا اچھا نہیں تھا۔"

"کس نے کہا؟ اس میں کم از کم انسان تو لگتی تھیں۔"

"کیا مطلب اس میں چڑیل لگ رہی ہوں۔"

"خود شناسی اچھی چیز ہے۔" اطمینان بھرے لہجے میں کہہ کر اس نے سگریٹ سلگا لیا تھا۔

ایشاع نے اس کے چہرے پہ مذاق کے تاثرات ڈھونڈنے چاہے مگر اسے شدید ناکامی ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ان ہی دنوں رمضان المبارک کا مہینہ آپہنچا۔ وہ سب دل و جان سے ان پرنور ساعتوں خوش آمدید کہنے کو تیار تھے۔ شاہ ہاؤس کی فضا بھی ان دنوں منور معطر سی رہتی تھی۔ خود وہ بھی اس بار بار زیادہ عقیدت سے روزے رکھنے اور عبادت کرنے میں مصروف تھی۔

دوسری طرف ان تینوں کے مشورے جاری و ساری تھے۔

"ہمیں تو وہی ایشاع چاہیے جو پر اعتماد تھی۔ زندہ دل تھی۔ جسے چیلنجز قبول کرنے میں مزہ آتا تھا اور جسے کے پاس جیتنے کے گر تھے۔"

آج زیب کا ہاتھ بٹانے کو صبا اور مشی بھی تھیں اس کی برین واشنگ جاری تھی۔ نتیجتاً" افطاری کے بعد اس نے نماز تراویح ادا کی اور اس کے سر پہ آکھڑی ہوئی۔

"مجھے آپ کا وقت اور پیسے چاہئیں۔"

اس کا پُر اعتماد انداز شاہ یار کو ہلکی سی حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔

"کیوں؟" اس نے اطمینان بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

"عید کی شاپنگ کرنی ہے۔"

"یہ لو۔" سیاہ والٹ اس کے آگے رکھ دیا گیا تھا۔

"میں نے وقت بھی کہا ہے۔"

"وہ نہیں ہے میرے پاس۔" صاف کھرا لہجہ اور دوٹوک انداز۔

"تو پھر کس کے ساتھ جاؤں میں؟" ابرو اٹھا کر اس نے سوال کیا تھا۔

"اس گھر میں بہت سارے لوگ بستے ہیں۔ کسی کے بھی ساتھ چلی جاؤ۔"

سکون بھرے انداز میں دیا گیا مشورہ اسے پتھر کی طرح لگا تھا۔

"میں ان سب کی نہیں آپ کی بیوی ہوں۔ اور آپ کے وقت پہ میرا بھی حق ہے اور دوسری بات میں اگر جاؤں گی تو آپ کے ساتھ ہی ورنہ نہیں جاؤں گی۔"

اس کے اٹل انداز پر وہ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کہاں تھے آپ؟" وہ خاصا لیٹ واپس آیا تھا کب سے محو انتظار ایشاع نے فوراً" پوچھا تھا۔

"کیوں؟ اور یہ کون سا طریقہ ہے سوال کرنے کا؟" فراخ پیشانی لمحوں میں سکڑی تھی۔

"وہ مجھے آپ سے ضروری بات کرنی تھی۔" اب کچھ تو کہنا تھا۔

"تو چلو وہ ضروری بات ابھی کر لیتے ہیں۔" وہ بیڈ کے کنارے پہ بیٹھا پھر ہاتھ بڑھا کر اسے بھی سامنے بٹھا لیا تھا۔

"ہاں اب بولو۔" اس کے صبیح چہرے کو دیکھتے شاہ یار نے پوچھا تھا اور اسے یوں یک ٹک اپنی طرف دیکھتے پا کر اسے جو یاد تھا وہ سب بھی بھول گیا تھا۔ "ہاں وہ میں نے پوچھنا تھا کہ یہ برف سفید ہی کیوں ہوتی ہے سیاہ کیوں نہیں؟" (دھت تیرے کی) اس نے بنا چھوئے اپنا ماتھا پیٹا تھا۔ بد حواسی میں الٹا سیدھا ہی منہ سے نکلا تھا۔

"(اور یہ جو مجھے دنیا کی سب سے بے وقوف اور احمق لڑکی سمجھتا ہے تو میں نے آج خود ہی اس کے اندازوں کی تصدیق کر دی)"

"ہوں سوال تو غور طلب ہے۔ سوچتے ہیں اس پہ

اسی مگر رائے کرم تم ذہن پر زیادہ بوجھ مت ڈالنا۔"
کاہلی پوروں سے اس کا گل تھپتھپاتے وہ اٹھ گیا تھا۔ وہ خود کو کوستی رہ گئی تھی۔

تایا ابا اور شاہ یار عشاء کی نماز پڑھ کر واپس لوٹے تو انہوں نے اسے اسٹڈی میں بلوا لیا تھا۔

"جی ابا!" وہ نماز والی ٹوپی سر سے اتارتا ان کے سامنے آبیٹھا تھا۔

"بیٹو میری بات پوری توجہ اور غور سے سننا شاہ یار! بیٹا رشتے صرف بنانا اہم نہیں ہوتا۔ انہیں نباہنا بھی اہم ہوتا ہے۔ پوری ایمان داری اور سچائی کے ساتھ۔ میں جانتا ہوں بیٹا من چاہے رشتوں کے ساتھ من ان چاہے رشتوں کو نباہنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ہر قدم پہ پل صراط پر چلنے کا گمان ہوتا ہے۔ یا ننگے پاؤں کانٹوں پہ چلنا اتنا ہی تکلیف دہ اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ من چاہے رشتوں کے لیے انسان ہنستے ہنستے جان بھی قربان کردے اور اف تک نہ کرے۔ ان چاہے رشتوں کے لیے سوئی برابر قربانی بھی قیامت جھیلنے کے مترادف لگتا ہے مگر بیٹا اصل قربانی بھی تو وہی ہوتی ہے وہ بیوی ہے تمہاری، تمہاری محبت، توجہ کی سب سے زیادہ حق دار۔ تمہاری سب سے بڑی ذمہ داری۔ کچھ فیصلے غلط ہوتے ہیں مگر جب ہو جاتے ہیں تو انہیں نباہنا پڑتا ہے۔ میاں بیوی کا رشتے کی بنیاد ان ہی چند چیزوں پر ہوتی ہے محبت، اعتماد، بھروسا، اعتبار اور احساس۔ یہ چیزیں اسے دو گے تو ہی یہ رشتہ مضبوط ہوگا۔ یہ گھر مضبوط ہوگا۔ ہم سب تمہارے خیر خواہ ہیں بیٹا اور تم دونوں کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔"

تایا ابا اب خاموش تھے وہ ابھی بھی سر جھکائے بیٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

رمضان المبارک کے پہلے دو عشرے گزر چکے تھے تیسرا عشرہ شروع ہو چکا تھا وہ آج آفس سے جلدی گھر آیا تھا لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتا وہ ایشاع کی آواز پر رکا تھا۔

"ایک اچھا شوہر وہ ہوتا ہے جو اپنی بیوی کو چاہے سراہے اس پہ توجہ دے۔"

ایشاع کے الفاظ سے وہ چاروں متفق تھیں اس نے خاموشی سے سنا تھا اور پلٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

اس کی نظریں کتنی دیر سے ایشاع پر تھیں جو بہت خشوع و خضوع سے نماز پڑھ رہی تھی۔ نماز پڑھ کے وہ مصلے سے اٹھی تھی۔

"تم نے دعا کیوں نہیں مانگی؟" وہ اچانک ہی پوچھ بیٹھا۔

"مانگنے سے ہر چیز کہاں ملتی ہے۔" وہ یاسیت سے کہتی مسکرائی۔

"یقین اور صبر سے مانگو تو مل بھی جاتی ہے۔" شاہ یار کے نرم لہجے پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

بوٹی مکس کا نعم کردہ
Herbal
سوہنی شیمپو
SOHNI SHAMPOO

اس کے استعمال سے چند دنوں میں خشکی ختم
گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے
قیمت -/90 روپے
رجسٹری سے منگوانے پر ایک شیشی آپ کے منگوانے والے
دو شیشیاں -/250 روپے تین شیشیاں -/350 روپے
اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔
بذریعہ ڈاک سے منگوانے کا پتہ
پوسٹ بکس 53 ملیر گلشن پلازہ کیٹ ایجنسی بنارس روڈ کراچی۔
وسیع فروخت کے لیے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 ملیر ہاؤزنگ کراچی۔ فون نمبر 32216361

وہ سب خنساء پھپھو کے گھر افطار ڈنر پہ مدعو تھے' جامنی رنگ کے لباس میں سلیقے سے بندھے بالوں اور ہلکا پھلکا میک اپ' وہ نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔ تب ہی شاہ یار حسن کی نظریں بھی بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

"کیا ضرورت تھی وہاں لفنگوں کی طرح مجھ پر نظر جمانے کی۔ کیا سوچتے ہوں گے سب؟" واپسی پہ گاڑی میں اس نے نکتہ اعتراض اٹھایا تھا۔

"بٹ مما کل تو آپ کہہ رہی تھیں تمہارے پاپا بہت سڑیل ہیں۔ کبھی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور آج کہہ رہی ہیں کہ کیوں دیکھا۔" سنی نے بہت غلط ٹائمنگ پہ بھانڈا پھوڑا تھا۔

(کھوتے تجھے تو گھر جا کے پوچھتی ہوں میں)

"اچھا!" شاہ یار نے ایک معنی خیز سی نظر اس پہ ڈالتے سنی سے مزید اپنے بارے میں اس کی گوہر افشانیوں کا پوچھا تھا۔ وہ بے بس سی بیٹھی سنی کی لن ترانیاں سن رہی تھی جو جوش میں ہوش کھوئے اس کے سارے راز افشا کرنے کے درپے تھا۔ گدھا!

☼ ☼ ☼

وہ لیپ ٹاپ تھامے سیڑھیاں چڑھتا ٹیرس پہ آیا تھا۔ آج چاند رات متوقع تھی۔ ٹیرس پہ پہلے ہی سے کسی کی موجودگی نے اسے کھٹک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ تو سب کو نیچے خوش گپیاں کرتے ہوئے چھوڑ آیا تھا۔

ایک قدم آگے بڑھا تو سفید آنچل لہراتا نظر آیا۔ وہ بالکل اس کے پاس جا کھڑا ہوا تھا۔ وہ دور آسمان پہ نظریں ٹکائے کسی اور جہاں میں کھوئی ہوئی تھی۔ جب ہی اس کی آمد سے بے خبر رہی تھی۔

"ایشاع....!" بہت نرم لہجے میں اس نے پکارا تھا۔ وہ چونک کر سیدھی ہوئی اور نجانے کتنے سارے آنسو پلکوں سے ہوتے گالوں پر چھلک آئے۔

وہ اسے سامنے دیکھ کر خاصی نروس ہوئی تھی پھر ایک ہاتھ سے چہرہ صاف کر کے واپس جانے کے لیے مڑی تھی۔ اور کسی دل کے قریب انسان کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے شاہ یار حسن نے زندگی میں پہلی بار جانا تھا۔

اور یہ ٹھیک ایک گھنٹے بعد کا منظر تھا جب چاند نظر آچکا تھا اور سفید رنگ کے کاٹن کے لباس میں ملبوس شاہ یار حسن اور بلیک ساڑھی میں سجی ایشاع شاہ یار گاڑی میں بیٹھے ڈنر کے لیے جا رہے تھے۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔" شاہ یار نے ذرا سا اس کی طرف جھکتے کہا۔

"آج یہ انقلاب کیسا؟ پہلے ساتھ ڈنر اور شاپنگ کی آفر اور اب تعریف۔" وہ مشکوک ہوئی تھی۔

"میں ایک اچھا شوہر بننے کی پریکٹس کر رہا ہوں یار۔" وہ مسکراہٹ دبائے بتا رہا تھا۔

اس نے اچنبھے سے شاہ یار کی طرف دیکھا تھا۔

"تم نے ہی تو کہا تھا اچھا شوہر وہ ہوتا ہے جو اپنی بیوی کو دیکھتا ہے اس پہ توجہ دیتا ہے۔ اسے سراہتا ہے۔ اس سے محبت کرتا ہے۔ پہلی تین کے لیے تھوڑی محنت کرنا پڑتی مگر چوتھی تو خود بخود ہی ہو گئی۔ محبت کی بات کر رہا ہوں یار۔ اور مجھے یقین ہے یہ آنے والا دن اور گزرنے والا ہر لمحہ اس میں اضافہ ہی کرے گا۔"

اپنے سامنے موجود شخص کے الفاظ اسے عجیب طرح کی خوشی دے رہے تھے۔ عجیب طرح کے سرور سے آشنا کر رہے تھے۔

"کیا تم میری محبت کو قبول کرتی ہو ایشاع شاہ یار حسن؟"

اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا وہاں آس تھی وہ کیسے اس آس کو توڑ دیتی وہ بھی تب جب اسے خود اس شخص سے بے پناہ محبت ہو گئی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا اور اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ عید کل تھی مگر ایشاع شاہ یار کے لیے تو اب ہر دن ہر شب عید سعید تھا۔

سلویٰ سیف اللہ بٹ

سنہری دھوپ

دعا کی والدہ کا اچانک انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ماں اور سوتیلے بھائی حماد کے ساتھ رہتی ہے۔ دعا کے دو ماموں' ریاض احمد جن کی بیوی رابعہ احمد ہیں اور الیاس احمد جن کی بیوی مریم ہے۔ رابعہ احمد کے کہنے پر ریاض احمد دعا کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں کہ سوتیلے بھائی کے ساتھ رہنے کا اب جواز نہیں ہے۔

ریاض احمد کے دو بیٹے عمیر اور عمر ہیں اور ایک بیٹی نوال ہے۔ عمیر بہت سلجھا ہوا نوجوان ہے جس نے باپ کے ساتھ مل کر ان کا کاروبار بھی سنبھال رکھا ہے۔ جبکہ عمر ایک بگڑا ہوا ضدی اور خود سر نوجوان ہے۔

الیاس احمد اپنے بڑے بھائی ریاض احمد کے برابر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ آنے جانے کے لیے درمیان میں دروازہ ہے۔ ان کی بیوی مریم ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ بیوی کی جائیداد ہتھیانے کی کوشش میں ہیں۔ مریم کا ایک بھائی ایکسیڈنٹ میں معذور ہو جاتا ہے اور اس کی بیوی مر جاتی ہے وہ ذہنی طور پر بھی ڈسٹرب ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اس کا علاج شادی تجویز کرتے ہیں۔

انعم اور احسن ایک خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن اولاد کی کمی ان کی زندگی میں ہے۔ انعم کے شک کرنے پر احسن اپنا ٹیسٹ کرواتا ہے۔ انعم بہت پریشان ہے' احسن اسے تسلی دیتا ہے۔ لیکن اس کے بار بار پریشان ہونے پر ناراض ہو کر اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ اس کی رپورٹ پازیٹو آتی ہیں' وہ بالکل نارمل ہوتا ہے۔ انعم کا نروس بریک ڈاؤن ہو جاتا ہے۔ کمی اس میں ہوتی ہے۔

مکمل ناول

الیاس احمد بنیادی طور پر لالچی آدمی ہے۔ اسے رشتوں کا بھی پاس نہیں۔ وہ اپنی بیوی سے بھی اکھڑا اکھڑا رہتا ہے اور اپنے بھتیجے عمر کو بھی باپ بھائی کے خلاف بھڑکاتا ہے۔

عمیر اور دعا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ رابعہ احمد یہ پسند نہیں کرتیں۔ عمیر اور نوال دونوں بہن بھائی دعا کو اپنی ماں کے غم سے باہر نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ریاض احمد کو بہن اور بھانجی سے بہت محبت ہے۔ وہ اس کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ عمر کو دعا ایک آنکھ نہیں بھاتی' وہ اسے ہر وقت ذلیل کرتا رہتا ہے۔

دعا کو دیکھ کر الیاس احمد کا لالچی ذہن مختلف منصوبے بنانے لگتا ہے۔

دوسری قسط

رابعہ احمد کو مریم کی طرف کم ہی جانے کا موقع ملتا' وہ خود ہی چند روز بعد چکر لگا لیتی اگر کبھی ضروری کام ہوتا تو وہ بھی جانے کی زحمت کر لیتیں۔ رابعہ احمد ایک گرہستن عورت تھیں۔ انہوں نے اپنی ساس کی نصیحت کے مطابق کچن' بچوں اور شوہر کے کاموں کا مکمل اختیار اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔

مریم کی گھر کے کاموں میں دلچسپی کم تھی لیکن وہ ایک اچھی منتظم تھی۔ ملازموں پر کڑی نگاہ رکھتی اور فارغ وقت ٹی وی دیکھنے میں گزارتی جو اس کی زندگی کی واحد تفریح تھا۔ وہ مریم کی طرف آئیں تو وہ ٹی وی دیکھنے میں مگن تھی۔ رابعہ احمد کو دیکھ کر' والیوم کم کر کے سیدھا ہونے کی کوشش کی۔

"ہائے اللہ بھابھی جان آپ۔"

یہ ہائے کی آواز جوش بھری نہیں بلکہ تکلیف سے مشابہہ تھی۔ وہ ہاتھوں پر وزن ڈال کے بمشکل اٹھنا چاہ رہی تھی۔

"خیر تو ہے مریم! تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔" وہ مریم کے اٹھنے کے انداز سے بھانپ گئیں۔

اس سے بہت کوشش کے باوجود بھی اٹھا نہ گیا تو واپس اپنی جگہ پر ڈھیر ہو گئی۔

"کل سے کمر میں درد ہے' نہ بیٹھا جاتا ہے نہ ہی لیٹ کے سکون ملتا ہے۔ بہت درد ہے۔" اس کا تنفس بگڑ گیا تھا۔ رنگت زردی مائل ہو رہی تھی۔

"تمہیں کسی اسپیشلسٹ سے کنسلٹ کرنا تھا۔" اس کے قریب بیٹھتے' انہوں نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ وہ بھی فکر مند ہو گئیں۔

"رات کو الیاس ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے تھے۔ انجکشن بھی لگا اور میڈیسن بھی کھائی ہے لیکن اتنا افاقہ نہیں ہوا۔" مریم نے چھوٹا کشن اٹھا کے کمر کے پیچھے اڑسا۔

"ایک بہت اچھے نیورو سرجن' ریاض احمد کے فرینڈ ہیں۔ اگر شام تک تکلیف میں کمی نہ ہو تو مجھے فون کر دینا' میں تمہیں ان کے پاس چیک اپ کے لیے لے جاؤں گی۔" ان سے کسی جانور کا بچہ تک درد میں مبتلا دیکھا نہیں جاتا تھا۔ ملازم بیمار پڑ جاتے تو خود ان کی دیکھ بھال کرتیں۔

"پروین۔۔۔ پروین۔" اس نے کچن کی طرف منہ کر کے آواز لگائی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں مریم میں ناشتہ کر کے آئی ہوں' ابھی کچھ بھی کھانے کو جی نہیں چاہ رہا۔" وہ ملازمہ کو بلانے کا مقصد سمجھ گئی تھیں۔

"ایسے تو نہیں چلے گا بھابھی جان' آپ نے اتنے عرصے بعد چکر لگایا ہے' میں آپ کو لنچ کیے بغیر نہیں جانے دوں گی۔" اپنی تکلیف کے باوجود بھی وہ آداب میزبانی نبھا رہی تھی۔

وہ پہلے دن سے بھابھی جان کا بہت احترام کرتی تھی کیونکہ وہ اس کی واحد سسرالی رشتے دار تھیں۔

"اچھا صرف ایک کپ چائے اور لنچ کے لیے معذرت' مجھے ریاض احمد کا پرہیزی کھانا آفس بھجوانا ہوتا ہے۔ ابھی جا کے اس کی بھی تیاری کرنی ہے۔"

رابعہ احمد نے معذرت کی وجہ بھی بتا دی۔ وہ اپنی دیورانی کے خلوص کی قدردان تھیں۔

"پروین! دو کپ اسٹرانگ سی چائے۔ ساتھ میں کچھ نمکین لے آؤ۔" اس نے قریب آئی ملازمہ کو آرڈر دیا۔

"مریم! میں تم سے ایک ضروری بات کرنے آئی ہوں۔" وہ مطلب کے موضوع پر آگئیں۔

"جی کہیے بھابھی جان۔" وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

"مریم! آپا جان کے بعد ان کی واحد نشانی دعا اب ہماری ذمہ داری ہے۔ ہمیں اس کی دیکھ بھال اور اس کے بہتر مستقبل کا فیصلہ کرنا ہے۔ اب ماشاء اللہ سے وہ شادی کے قابل بھی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کوئی اچھا سا رشتہ ڈھونڈ کے وقت پر اسے گھر بار کا کردیں۔" رابعہ نے تفصیل سے آگاہ کیا۔

"ماشاء اللہ اچھی بات ہے۔ میں الیاس احمد سے بات کروں گی کہ اگر ان کی نظر میں کوئی اچھی فیملی ہو تو ضرور بتائیں۔"

مریم نے اثبات میں سر ہلاتے ان کی ہاں میں ہاں ملائی لیکن اس کے ماتھے پر پریشان کن بل پڑ گئے تھے۔

"جتنی جلدی ممکن ہو میں اس فرض سے سبکدوش ہونا چاہتی ہوں۔ پرائی امانت عزت سے رخصت ہو جائے تو میں بھی آپا جان کی روح کے سامنے سرخرو ہو جاؤں گی۔" رابعہ احمد آپا کے ذکر پر آبدیدہ ہو گئیں۔ وہ دونوں بہت اچھی سہیلیاں تھیں۔ رابعہ احمد کی ان سے بہت سی اچھی یادیں وابستہ تھیں۔ مریم کا دھیان ان کی طرف نہیں تھا۔ وہ کسی اور ہی سوچ میں گم تھی۔

☼ ☼ ☼

شام تک مریم کے درد میں افاقہ نہیں ہوا تھا۔ وہ رابعہ احمد کے ساتھ نیورو سرجن کے پاس چلی گئی۔ موسم بہت سہانا اور بھیگا بھیگا سا ہو رہا تھا۔ دعا بیرونی سیڑھیوں پر اکیلی بیٹھی بارش کا انتظار کر رہی تھی۔ اچانک سے بدلتے موسم کے رنگ اس کی کمزوری تھے۔

نوال کے امتحانات شروع ہونے والے تھے' وہ کالج سے آکر خود کو کمرے میں بند کرلیتی۔

بارش کی پہلی بوند گری تو دعا دیوانہ وار اٹھ کے اندر بھاگی۔ اس نے اور نوال نے بہت سی بارشیں اسی لان میں بھیگتے بتائی تھیں۔

"کم ان نوال! ہری اپ' سارے کام چھوڑ کے میرے ساتھ آجاؤ۔ یو نو' سرمئی بادل رم جھم برس رہے ہیں۔" وہ بغیر دستک دیے پُرجوش بولتی اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ نوال رجسٹر پر جھکی کچھ لکھ رہی تھی۔ اس کا ضروری ٹیسٹ تھا۔ اس کے گرد کتابوں کا ڈھیر اور شیٹس کا پلندہ تھا۔ دعا نے ساری چیزیں دائیں بائیں کھسکا کر' اس کے بیڈ سے نیچے اترنے کے لیے جگہ بنائی اور اس کا ہاتھ تھام کر باہر کو کھینچنے لگی۔ نوال اس کے دیوانے پن سے اچھی طرح واقف تھی اسی لیے بنا چوں و چراں کیے اس کے ساتھ نکلتی گئی۔ بہت عرصے بعد اسے دعا کا پرانا روپ دیکھنے کو ملا تھا۔

وہ دونوں بارش میں بھیگتی' ناچتی گنگناتی رہیں۔

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
ذرد موسم
ذرد موسم
راحت جبیں

قیمت -/1000 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - فیصل روڈ کراچی۔ فون نمبر: 32735021

ایک دوسرے پر پانی کے چھینٹے اڑاتی' وہ دونوں چھوٹی بچیاں بنی ہوئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم چاچو جان!" عمر سیڑھیاں اترتے ہوئے فون پر بات کر رہا تھا۔

"وعلیکم السلام' خیریت سے ہی فون کیا ہے ناں۔" الیاس احمد نے کام چھوڑ کے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔ عمر شاذ و نادر ہی انہیں کال کیا کرتا تھا۔

"جی چاچو جان' مجھے آپ سے کہنا تھا کہ جو اس روز آپ نے مجھے مشورہ دیا تھا ناں۔۔۔" عمر اتنا کہہ کر رکا تاکہ وہ اپنے ذہن میں دہرالیں۔

"ہاں تو۔۔۔" الیاس احمد کو یاد آگیا۔

"میں چاہ رہا تھا کہ آپ پاپا جان سے بات کریں۔" عمر نے بڑے آرام سے کہہ دیا۔

"کیا بات کروں تمہارے پاپا سے۔۔۔" الیاس احمد کو جھٹکا لگا۔

"یہی کہ وہ مجھے الگ سے بزنس کر کے دیں پلیز چاچو! آپ انہیں میری سچویشن اچھی طرح سے ایکسپلین کر سکتے ہیں۔ میں انہیں فیس نہیں کر سکوں گا۔" عمر نے اپنی بزدلی بتا دی۔ اس میں اتنی جرات نہیں تھی کہ باپ سے لاکھوں' کروڑوں کی ڈیمانڈ کرتا۔

"یو نو عمر! بھائی جان تمہارے معاملے میں پہلے ہی مجھ سے نالاں رہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ میں نے تمہیں بگاڑا ہے۔ اب اتنی بڑی سفارش کروا کے' کیوں جوتے لگوانے کا ارادہ ہے۔" بظاہر الیاس احمد نے ہنس کر اسے ٹالا لیکن ان کے ماتھے پر خاصے بل پڑ چکے تھے۔

"پلیز۔۔۔ پلیز چاچو' ماما تو کبھی بھی میری بات نہیں مانیں گی' پلیز میری خاطر۔" عمر منت و سماجت کرتا بیرونی دروازے تک آگیا۔

"اچھا۔۔۔ دیکھتے ہیں' کچھ کرتا ہوں۔" مبہم سا اقرار۔ الیاس احمد جو اسے چڑھانے کو پیٹھ ٹھونکتے تھے اب اس کا بھرم توڑنا ہی تھا۔

"میں ماما سے بات کروں گا کہ وہ آپ لوگوں کو ڈنر پر انوائٹ کریں پھر آپ پاپا جان سے۔۔۔" عمر بولتا ہوا پورچ میں آگیا تھا اور اس کی پہلی نظر بارش میں بھیگتی نوال سے ہو کر دعا پر جا ٹھہری۔

"نہیں' ابھی نہیں' فی الحال تھوڑا بزی ہوں۔ فری ہوتا ہوں تو خود انفارم کروں گا۔" الیاس احمد نے اسے کچھ عرصہ کے لیے ٹالنا چاہا۔ عمر انہیں کہاں سن رہا تھا وہ تو صرف دیکھ رہا تھا بھیگی ہوئی دعا کو۔۔۔ اسی ٹرانس کی کیفیت میں موبائل بند کر کے پاکٹ میں ڈالنے لگا۔ تب ہی چوکیدار نے اپنے کیبن سے نکل کر گیٹ کھولا اور عمیر کی گاڑی روش کو تیزی سے عبور کرتی پورچ میں آرکی۔ عمر کا تسلسل ٹوٹ گیا اس نے ایک ناگوار سی نگاہ عمیر پر ڈالی جو گاڑی سے نکل رہا تھا اور پھر سے دعا کو دیکھنے لگا۔ اب کے نگاہوں میں دلچسپی اور شرارت نمایاں تھی۔ عمیر نے گاڑی کا دروازہ بند کر کے' اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ دعا کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی اور وہ نوال کو پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ نوال نے پینٹ کے اوپر کرتا پہنا تھا جبکہ دعا سبز رنگ کے پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس تھی۔ دونوں کے کپڑے جسم سے چپک گئے تھے اور عمر کی حریص نظریں دعا پر چپکی تھیں۔

"اف۔۔۔"

کافی اونچی آہ بھرتے اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا۔ عمیر کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ عمر کی آنکھیں نکال دے لیکن وہ دعا کا تماشا نہیں بنا سکتا تھا۔

"نوال' دعا۔۔۔" وہ پورے زور سے چلایا۔ ان دونوں کے قدم زمین پر جم گئے۔ دعا نے آنکھوں سے پٹی اتار دی۔ عمیر کا سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگا۔ عمر کندھے اچکاتا' کھل کر مسکراتے ہوئے گلاسز آنکھوں پر لگانے لگا۔

"جی عمیر بھائی۔" نوال سہمی ہوئی قریب آئی۔ اس کے پیچھے اپنے کندھوں اور کمر کے گرد دوپٹہ لپیٹتی

بہ کا ئے دعا تھی۔

"پلو اندر۔" اس کے جبڑے بھنچ گئے تھے۔

رخ پھیر لیا۔ وہ باوجود کوشش کے اپنے لہجے کی

لی کو چھپا نہیں پایا تھا۔

"قیامت ۔۔۔ قیامت ۔۔۔" عمر نے قریب سے

رتی دعا کو آخری بار جی بھر کر دیکھتے بائیک کو کک

کا۔

اس کی گھٹیا گنگناہٹ نے بھیگی دعا کے جسم میں

کا رے دہکا دیے۔ وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں

عمر کی نحسی کی وجہ جان گئی۔ وہ شرم سے جھکا سر لیے

پنے کمرے کی طرف دوڑ پڑی۔

☼ ☼ ☼

رابعہ احمد دودھ کا گلاس لیے کمرے میں آئیں تو

اض احمد تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔

"میں سمجھی شاید آپ سو گئے ہوں گے۔" انہوں

ے دودھ رکھتے ہوئے کہا۔

"مریم کی سناؤ کچھ سیریس تو نہیں۔" انہیں اپنے

ال کی لاپروا طبیعت کا پتا تھا۔ وہ دونوں مریم اور اس

بچوں کا ہر ممکن حد تک خیال رکھنے کی کوشش

تے تھے۔

"نہیں ڈاکٹر نے پوری تسلی دی ہے۔ کوئی بھی

والی بات نہیں معمولی درد ہے ان شاءاللہ فرق

جائے گا۔" رابعہ احمد نے انہیں اطمینان دلایا۔

"میں صبح آفس جانے سے قبل چکر لگاؤں گا بچوں

بھی کافی روز سے ملاقات نہیں ہوئی۔" ریاض

نے کہتے ہوئے دودھ کا گلاس اٹھالیا۔

"میں نے دو تین نزدیکی رلیٹوز (رشتے داروں)

رشتے کی بات کی ہے۔" رابعہ احمد نے ان کے برابر

ٹھتے ہوئے بتایا۔

"کس کے رشتے کی؟" ریاض احمد یکسر بھول چکے

ھے۔

"دعا کے رشتے کی آپ نے ہی تو کہا۔"

"کیا کہا تھا میں نے۔" انہوں نے فوراً سے پیشتر

انہیں ٹوکتے ہوئے دودھ کا گلاس واپس میز پر رکھ دیا۔

"یہی کہ دعا کی شادی کرنی ہے۔" رابعہ احمد ان کے تاثرات بھانپ کر گڑبڑا گئیں۔

"لیکن یہ تو نہیں کہا تھا نا کہ مجھے اس کی شادی کہیں باہر کرنی ہے۔" ان کا لہجہ دو ٹوک تھا۔

"کیا مطلب۔" وہ بمشکل پوچھ پائیں۔ ان کا ذہن کھٹک گیا تھا۔

"مطلب یہ کہ مجھے دعا کی شادی اسی گھر میں اپنے بیٹے عمیر سے کرنی ہے۔ اور یہی آپا جان کی بھی خواہش تھی۔ جو تم بھی اچھی طرح سے جانتی ہو۔" انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں انہیں یاد دلایا۔

رابعہ احمد اپنی نند کی خواہش سے بخوبی آگاہ تھیں لیکن جان بوجھ کر اس معاملے میں انجان بن رہی تھیں۔

"ہاں ۔۔۔ ایک دو بار ذکر کیا تو تھا۔" انہوں نے مبہم سا اعتراف کیا۔ جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ ان کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"بچوں کی بھی رضامندی لینی ہوگی۔ کیا خیال ہے آپ کا؟" رابعہ احمد نے معنی خیزی سے جانچا۔

"آف کورس میں نہیں چاہتا کہ دعا کے ساتھ کسی بھی قسم کی زیادتی ہو۔ اس شادی کے لیے اس کی ہنڈرڈ پرسینٹ رضا کا شامل ہونا ضروری ہے۔" انہوں نے رابعہ احمد کے دل میں چھپی بات کہہ دی تھی۔ وہ ایسا ہی کوئی عذر ڈھونڈ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے میں ان دونوں سے پوچھ کے آپ کو انفارم کر دوں گی۔" رابعہ احمد کے ذہن سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ انہوں نے لمبی سانس خارج کی۔ اب وہ اطمینان سے اس مسئلے پر غور و فکر کر سکتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

عمیر برائے نام کھانا کھا کے پورچ میں آگیا۔ کیونکہ عمر معمول سے ہٹ کر میز پر موجود تھا۔ کھانا ختم کر کے وہ سیدھا پورچ میں آتا رات گئے آوارہ گردی کر کے لوٹتا تب تک عمیر کے لیے انتظار کرنا

ہیں۔ بھائی اکیلے ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ آصف بھی تمہارا پوچھ رہا ہے۔ بچوں کے جانے سے ان کا دل بہل جائے گا۔" مریم نے ان کا مزاج دیکھ کے بڑی نرمی سے تفصیل بتائی۔

"اور میرے بارے میں کیا کہہ رہے تھے وہ۔" انہیں اپنا وہم ستانے لگا۔

"یہی کہ آصف کی شادی کروا دیں، کوئی لڑکی ڈھونڈیں، اور دوسری طرف بھابھی جان نے بھی دعا کے رشتے کا کہا ہے کہ اس کے لیے بھی کوئی اچھی سی فیملی دیکھیں۔" مریم کو بروقت دعا بھی یاد آگئی۔

"میں نے کیا پارٹ ٹائم میرج بیورو کھول رکھا ہے، کبھی میں تمہارے اس نفسیاتی بھائی کے لیے لڑکی ڈھونڈوں اور اب دعا یتیم کا بھی اضافہ ہو گیا۔ میں ان دونوں کا گارجین ہوں؟" الیاس احمد کمر کے پیچھے سے تکیے نکال کر درست کرنے لگے۔

"میرا تو خیال تھا کہ بھابھی جان، دعا کو گھر میں رکھیں گی۔" مریم نے ان کی کسی بھی بات کا برا منائے بغیر اپنے خیالات کا اظہار کر دیا۔

"کیا مطلب اس کی شادی نہ کریں، گھر کے کسی شو کیس میں سجا لیں۔" الیاس احمد نے ناک بھوں چڑھائی۔ انہیں بیوی کی گھریلو گفتگو سے چڑ تھی۔

"شو کیس میں کیوں، عمیر یا عمر میں سے کسی کے کمرے میں سجا دیں۔ بھائی جان کے علاوہ اس کا اس دنیا میں اور ہے ہی کون؟ اس گھر رہ جاتی تو اسے کم از کم کسی خون کے رشتے کی کمی۔۔۔"

الیاس احمد ایک دم سے اٹھ بیٹھے۔ مریم مزید کیا کہہ رہی تھی ان کی سمجھ میں آنے والا نہیں تھا۔ ان کے دماغ میں چند جملے گونج رہے تھے۔

"آصف نفسیاتی، دعا یتیم، عمر لالچی اور مریم کا جائیداد میں حصہ۔"

"میں پوچھ رہی ہوں اب آپ کیا سوچنے لگے ہیں۔" مریم نے کئی بار مخاطب کر کے اب کے زور سے بازو ہلایا۔

"کک۔۔۔ کچھ بھی نہیں، تمہیں ہر بات بتانا ضروری نہیں۔" وہ چادر ایک طرف پھینک کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اب کہاں جا رہے ہیں؟" اس نے پھر ٹانگ اڑائی۔ کیونکہ وہ سونے کے لیے لیٹ چکے تھے۔

"پھر مداخلت، آخر تمہیں تکلیف کیا ہے؟" وہ غصے سے مڑے، جاتے ہوئے اتنی زور سے دروازہ بند کیا کہ مریم دبک گئی۔ منہ میں بڑبڑاتی ہوئی لیٹنے لگی۔

☼ ☼ ☼

دعا کو شام سے کسی پل چین نہیں تھا۔ اس کا ذہن عمر کی آر پار ہوتی نظروں اور عمیر کے تلخ لہجے میں اٹکا ہوا تھا۔ کھانے کی میز پر بھی عمیر تھوڑے سے چاول پلیٹ میں ڈال کے۔۔۔ سر جھکائے کھاتا رہا تھا۔ وہ اکتا کے اٹھی اور کچن میں آگئی۔

"کیا کر رہی ہیں ممانی جان؟" اس نے بے دلی سے استفسار کیا۔

"دودھ بنا رہی تھی، بس یہ آخری کام ہے۔ آج میں بہت تھک گئی ہوں۔" ان کے انداز سے تھکاوٹ نمایاں تھی۔

"لائیں دیں، عمیر کو میں دودھ دے آتی ہوں۔" دعا نے جلدی سے آگے بڑھ کر دودھ کا بھرا گلاس اٹھا لیا۔

"اسے اپنی نگرانی میں ختم کرانا مجھے لگتا ہے کہ اس نے ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھایا۔" انہیں اپنی تھکن کے باوجود بھی بیٹے کی پروا تھی۔

"جی۔" دعا اثبات میں سر ہلاتی نکلی۔ اسے عمیر سے معذرت کرنا تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اس کے اور نوال کے لیے کتنا حساس ہے۔ وہ موقع محل کے لحاظ سے ہزار ہا نصیحتیں کرتا۔ اسے یقیناً غصہ تھا۔ اسے عمیر کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے جھجک محسوس ہوئی تھی۔

"یس کم ان۔۔۔" جلد ہی بلاوا آگیا۔ اس نے ناب

گھمائی۔ دل کی دھڑکن قدرے تیز ہوئی۔ وہ تولیہ اسٹینڈ پر ڈالتا ہوا پلٹا۔

"آئی ایم سوری ماں۔۔۔" دعا کو سامنے پا کر اس کی زبان کو تالا لگ گیا۔ وہ اسے دیکھنے کی بالکل توقع نہیں کر رہا تھا۔

"میں سمجھا ماما جان ہیں۔" وہ وضاحت دیتا لیپ ٹاپ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔

"میں آپ کے لیے دودھ لائی تھی۔" دعا خفت چھپاتے ہوئے بولی۔

"رکھ دو۔" مختصر جواب دے کر لیپ ٹاپ کھول لیا۔

"کہاں؟" دعا نے یہ سوال جان بوجھ کر پوچھا۔

"میرے سر پر انڈیل دو۔" وہ ڈسٹرب ہو گیا۔ لیپ ٹاپ زور سے بند کیا اور کھڑکی کی طرف چل دیا۔ دعا بھی اس کے پیچھے ہولی۔

"یہ۔۔۔" اس نے گلاس آگے کیا۔

"تم جا سکتی ہو۔" اس نے گلاس تھام کر تحکم بھرے لہجے میں کہا۔

"اتنے سخت ناراض ہیں کہ معافی کا موقع بھی نہیں دے رہے۔" دعا کی آواز میں نمی گھل گئی۔ عمیر کا دل پسیج گیا۔

"میں تم سے معافی کا نہیں احتیاط کا تقاضا کرتا ہوں۔ اب تم اتنی چھوٹی بچی نہیں رہیں دعا کہ ہر اچھے برے کی تمیز میں سکھاؤں اپنی عقل کو بھی استعمال کرنا سیکھو۔" اس کی آنکھ میں ٹھہری نمی نے اسے نرم کر دیا۔ وہ ذو معنی الفاظ میں اسے بہت کچھ سمجھا گیا۔

دعا کی معافی نے اسے باور کروا دیا تھا کہ اس نے بھی عمر کے رویے میں گھٹیا پن دیکھ لیا تھا۔

"میں آئندہ کبھی بھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔" اس کے چہرے پر شرمندگی تھی۔

"اور آئندہ سے ایسی بچکانہ حرکت بھی نہیں کرنی۔" اس نے تنبیہہ کی۔

"کبھی نہیں کروں گی کیونکہ میں آپ کی ناراضی برداشت نہیں کر سکتی۔" یہ ڈھکا چھپا سا اتنا خوب صورت اور دلکش اعتراف تھا کہ عمیر کا شام سے جھلستا دل ایک دم سے ٹھنڈا پڑ گیا۔

"آئی پرامس' نہ کبھی تمہیں ڈانٹوں گا اور نہ ہی ناراض ہوں گا۔" بہکتے جذبات کی رو میں کیا گیا وعدہ ہوا کے سپرد ہوا۔ ستاروں کے جھرمٹ میں روشن چاند ان دونوں کی اس معصومیت پر مسکرا دیا۔

☼ ☼ ☼

الیاس احمد لمبے کوریڈور میں سست روی سے چکرا رہے تھے لیکن ان کا ذہن بہت تیزی سے تانے بانے بن رہا تھا۔ وہ پچھلے دس سال سے مریم کو وراثت میں ملنے والی جائیداد پر نظریں گاڑے تھے۔ تبریز ملک بہت سخت گیر اور بارعب شخصیت تھے۔ ان کا بہت اثر و رسوخ تھا۔

الیاس احمد خود میں اتنی ہمت نہیں پاتے تھے کہ ان سے مریم کا حصہ طلب کرتے۔ لیکن اب حالات یکسر بدل گئے تھے۔

مریم کے چھوٹے بھائی آصف ملک اور اس کی بیوی کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اس کی بیوی موقع پر جاں بحق اور اس کی ریڑھ کی ہڈی متاثر ہوئی تھی تبریز ملک کی بیوی اپنے تین بچوں کے ساتھ امریکہ شفٹ ہو گئی تھی۔ بچے وہاں زیر تعلیم تھے۔

آصف ملک نے اپنی معذوری اور تنہائی کو ذہن پر سوار کر لیا تھا۔ اسے ڈپریشن کے دورے پڑتے تھے۔ کوئی بھی نرس یا اٹینڈنٹ اس کی خدمت کے لیے زیادہ عرصہ نہ ٹکتا۔ تبریز ملک ایک ماہر نفسیات کے مشورے کے مطابق بھائی کی شادی کروانا چاہتے تھے۔ تاکہ اس کے اندر زندگی کی جینے کی امنگ پھر سے جاگ اٹھے۔

ان کے اپنے حلقہ واحباب میں کوئی بھی آصف کو رشتہ دینے کو راضی نہیں تھا حالانکہ ڈاکٹرز کو نوے فیصد امید تھی کہ وہ میجر آپریشن کے بعد اپنے پیروں پر چلنے کے قابل ہو جائے گا۔ تبریز ملک کا ارادہ آصف کی کسی غریب گھرانے کی لڑکی سے شادی کروا کے مریم کو

اس کی جائیداد میں حصہ دے کر امریکہ شفٹ ہو جانے کا تھا۔ وہ بھائی کا آپریشن وہیں سے کروانا چاہتے تھے۔ ابھی وہ صرف اس کی شادی کے لیے رکے ہوئے تھے اور کئی بار الیاس احمد کو بھی لڑکی ڈھونڈنے کا کہہ چکے تھے۔

الیاس احمد کے ذہن نے ساری پلاننگ کر لی تھی۔ انہوں نے سارے مہرے ترتیب دے لیے' اب صرف چال چلنی تھی۔ وہ کرپشن کے میدان کے بڑے اچھے کھلاڑی تھے۔ انہیں پتا تھا کہ کس سے اپنا مطلب کیسے نکلوانا ہے۔

بہت احتیاط اور ہوش مندی کے ساتھ وہ سب طے کر سکتے تھے۔ رات کے دو بج گئے تھے لیکن ان کی آنکھوں میں نیند کے بجائے خوشی کا راج تھا۔ وہ ایک تیر سے کئی شکار کھیلنے جا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"شکر ہے کہ تمہاری تکلیف دور ہوئی ورنہ میں تو بہت پریشان تھی کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ تم گھر کیسے مینج کرو گی۔" وہ دونوں چلتی ہوئی برآمدے میں دھری کرسیوں پر آ بیٹھیں۔ مریم جٹھانی کی فکر پر مسکرا دی۔ اسے ان کے خلوص پر یقین تھا۔

"مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی تھی بھابھی جان جو مجھے بہت ڈسٹرب کر رہی ہے۔" مریم اسی مقصد کے لیے آئی تھی اسے اپنے دماغ کی الجھن دور کرنا تھی۔

"ہاں ضرور پوچھو اور یہ تم اجازت کب سے لینے لگیں۔" انہیں اس کی اس بچکانہ حرکت پر حیرت ہوئی۔

"بھابھی جان! دعا آپ کے گھر میں پل بڑھ کر جوان ہوئی ہے۔ بہت نیک اور سوبر بچی ہے پھر اپنی دیکھی بھالی' آپ عمیر کے لیے اسے کیوں نہیں چوز کر رہیں۔" مریم نے تمہید باندھے بغیر پوچھ لیا۔

رابعہ احمد کو ذرا بھی گمان نہیں تھا کہ وہ یہ سوال کرنے والی ہے۔ ان کا ذہن متضاد سوچوں میں گھرا اور چہرے کا رنگ بدلا۔ ابھی نجانے اور کس کس نے یہ پوچھ گچھ کرنا تھی۔ وہ اور لوگوں کے ساتھ مبالغہ آرائی سے کام لے لیتیں لیکن مریم کے ساتھ جھوٹ نہیں بولا جا سکتا تھا۔

"تمہاری بات بالکل درست سہی لیکن مریم! ہم دونوں نے پانچ سال ایک گھر میں' ساتھ گزارے ہیں پھر عورت ذات ہونے کے ناتے ایک دوسرے کے دکھ سکھ سانجھے ہیں' تم عمر کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہو۔ اسے عمیر کی ہر چیز پر قبضہ کرنے کی عادت ہے وہ کبھی۔۔۔"

"لیکن بھابھی جان! دعا کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کے اپنے جذبات اور ایک مضبوط سوچ ہے۔ وہ خود عمیر کے حق میں فیصلہ دے گی۔"

وہ فوراً" انہیں بیچ میں ٹوک گئی کیونکہ وہ ان کی ادھوری بات کا پورا مطلب سمجھ گئی تھی۔

"اور آپ کو کم از کم اس معاملے میں عمر سے ڈرنے کی قطعی ضرورت نہیں' دعا کے سرپرست بھائی جان ہیں ناں' وہ خود اس کے۔۔۔"

"تمہارے بھائی جان کی وجہ سے ہی تو میں کڑوا گھونٹ بھرنے لگی ہوں۔" رابعہ احمد نے ٹھنڈی سانس بھرتے مریم کی بات کاٹی۔

"وہ دعا سے بہت محبت کرتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ ان باپ بیٹوں کے بیچ کوئی بڑا اختلاف پیدا ہو' تمہیں حالات کی سنگینی کا ٹھیک سے اندازہ نہیں ہے۔ اگر میں نے غلطی سے بھی عمیر اور دعا کے رشتے کا ذکر چھیڑ دیا تو عمر بہت بڑا طوفان کھڑا کر دے گا۔"

رابعہ احمد اس موضوع پر ہی بات کرتے ہوئے اندر سے سہم گئیں۔ مریم عمر کی فطرت سے واقف ان کا ڈر سمجھ سکتی تھی۔ یہ واحد مریم ہی تھی جس سے انہوں نے بہ آسانی اپنے دماغ کی سوچ اور ڈر شیئر کر لیا تھا۔

"ویسے دعا ہمارے عمیر کے لیے بہتر انتخاب ہے۔ دونوں ماشاء اللہ سے بہت نیک اور اچھے بچے ہیں۔" مریم نے بھی ان کے دکھ کو دل سے محسوس

کیا۔

"وہ اتنی سعادت مند اور سلجھی ہوئی بچی ہے کہ خدا قسم، مجھے زندگی بھر اس چیز کا دکھ رہے گا۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ اتنی نیک ماں کی نیک بیٹی، میرے فرمانبردار بیٹے کی قسمت میں نہیں۔" رابعہ احمد نے افسوس سے ہاتھ ملے۔

ابھی آگے اور بھی بہت سے مشکل مراحل درپیش تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ کچن میں آیا تو دعا لنچ کی تیاری کر رہی تھی۔ اس نے ماتھے پر دس بل ڈال کے اسے مخاطب کرنے کی زحمت کی۔

"ماما کدھر ہیں؟" وہ سو کر اٹھا تھا۔ اسے صرف ماں کے ہاتھ کا ناشتہ لینا تھا۔ دعا نے مڑ کر دیکھا۔ اس کے دل میں غصے کی تیز لہر اٹھی۔

"پتا نہیں۔" اس نے جھوٹ بولا۔

وہ اس کے ساتھ کچن میں کام چھوڑ کے اپنی بہن کا فون سننے گئی تھیں۔

"ایک گلاس پانی دو۔" وہ حکم صادر کرتا کرسی کھینچ کے وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اسے عمر کا اس دن والا فقرہ اور نظروں کی گندگی یاد آگئی۔ اس نے سر پر دوپٹہ بھی اچھی طرح اوڑھ لیا۔

"بوتل فریج میں پڑی ہے۔" اب کے مڑے بغیر کڑوے لہجے میں جواب دے دیا گیا۔

"تمہارے ہاتھ ٹوٹ گئے ہیں۔" عمر کا پارہ چڑھا۔

"میں نہ تو فارغ ہوں اور نہ ہی ملازمہ۔"

اب کے مزے کا خاصا منہ توڑ جواب دیا گیا۔ وہ بلاوجہ اس سے دبک نہیں سکتی تھی۔ اس کے ساتھ عمیر کا اعتماد تھا۔

"ہاؤ ڈیر یو، یہ تم کس لینگویج میں، مجھے ریفوز کر رہی ہو۔ تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو۔ پتا نہیں کیوں میرا باپ تمہیں اٹھا کے گھر لے آیا ہے۔ مجھے تم جیسی چیپ لڑکیاں سخت بری لگتی ہیں، جو خود کو۔۔۔"

"عمر کیا ہوا عمر، کیوں چیخ رہے ہو؟" رابعہ احمد اس کے چلانے کی آواز سن کر دوڑی آئی تھیں۔

"یہ کیا نحوست آپ گھر میں اٹھا لائی ہیں؟" اس کے غصے کو مزید تپ چڑھی۔

"کیا ہو گیا ہے، کیا کر دیا ہے دعا نے۔" رابعہ احمد سخت گھبرا گئی تھیں۔ انہوں نے دعا کو دیکھا جس کا چند لمحے قبل والا اعتماد رفوچکر ہو گیا تھا، وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"ذرا سا کام کہہ دیا، زبان درازی کرنے لگی۔ اسے مینرز سکھائیں ورنہ میں اس کا منہ توڑ دوں گا۔" اس نے غصہ نکالنے کے لیے سلیب پر دھری پلیٹوں کو زور سے ہاتھ مارا کے گرا دیا۔

"نکلو عمر، میں ابھی تمہارے لیے ناشتہ بنا کے لاتی ہوں۔" رابعہ احمد نے دعا سے کوئی وضاحت نہیں مانگی تھی کیونکہ وہ ان دونوں کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھیں اور پھر دعا کی غیر ہوتی حالت سب بتا رہی تھی۔

"خالی پیٹ تمہارا دماغ ویسے ہی کام نہیں کرتا۔" رابعہ احمد نے اسے بازو سے دبوچ کے باہر کو دھکیلا۔ عمر بکتا جھکتا سیڑھیاں چڑھ گیا۔

دعا ہچکیوں سے رونے لگی۔ اسے کبھی اتنی سبکی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ عمر پہلے بھی کئی بار اس کی انسلٹ کر چکا تھا لیکن تب کی بات اور تھی۔ اب وہ خود کو ان کی فیملی میں ان فٹ اور ان پر بوجھ سمجھتی۔

"تم بھی چلو اپنے بیڈ روم میں اور اس بدتمیز کی بکواس کو سیریس مت لینا۔" انہوں نے نرمی سے دعا کا بازو پکڑ کر اسے چولہے کے سامنے سے ہٹایا۔ ان کے پاس اسے چپ کروانے اور تسلی دلاسے دینے کا وقت نہیں تھا۔ اگر عمر کا ناشتہ مزید لیٹ ہو جاتا تو وہ پھر سے واویلا شروع کر دیتا۔ انہیں دعا کی بجائے فی الحال اس کی فکر دامن گیر تھی۔

☼ ☼ ☼

آج چھٹی کا دن تھا۔ الیاس احمد نے ڈیڑھ گھنٹے سے

ناشتہ کر کے لاؤنج میں بیٹھے' پانچویں کاروباری کال ریسیو کی۔ "جی رندھاوا صاحب' چلیں آپ کے اطمینان کے لیے مال کی تیاری ہوتے دکھا دیتے ہیں۔ آپ کل فیکٹری آجائیں اور جس طرح سے چاہیں گے' میں آپ کی تسلی کرا دوں گا۔" مریم بچوں کو ناشتہ کروا' ملازمہ سے کچن صاف کرواتے شوہر پر بھی نظر رکھے ہوئے تھی۔

"چلیں پھر کل ملاقات ہوگی' اللہ حافظ۔" انہوں نے فون بند کیا تو مریم فوراً" ان کے پاس آ بیٹھی مبادا کہیں چھٹی کال نہ آجائے۔

"ایک ہی تو دن ہوتا ہے چھٹی کا' اس میں بھی آپ بزی رہتے ہیں۔"

انہوں نے اپنی بیزاری الیاس احمد پر ظاہر نہ کی ورنہ وہ بھڑک بھی سکتے تھے اور وہ چھٹی کا دن خراب نہیں کرنا چاہتی تھی اسے اپنا مطالبہ بھی منوانا تھا۔

"میں خود تھوڑی کال کر رہا ہوں' ان جاہل کلائنٹس کو چھٹی والے روز بھی سکون نہیں۔ آج کا دن تو فیملی کے ساتھ گزارنے دو۔" وہ خود اکتائے ہوئے تھے۔

"آپ ایسا کریں' موبائل سوئچ آف کر دیں۔" مریم نے مسکرا کر آئیڈیا دیا۔

"مجھے تم سے ایسے ہی نایاب مشورے کی امید تھی۔" انہوں نے سنجیدگی سے سر نفی میں ہلایا۔

"ایک ماہ ہو گیا ہے' بھائی صاحب کی طرف چکر نہیں لگایا۔ بچے بھی ماموں کے گھر جانے کی فرمائش کر رہے ہیں۔" مریم نے ان کا موڈ نارمل پا کے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ چھٹی والے دن اس کا جی چاہتا کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ سارا دن گھومے پھرے' وہ دونوں بچوں اور گھر کے لیے شاپنگ کریں لانگ ڈرائیو اور ڈنر پر جائیں۔ لیکن الیاس احمد نے اس کے دل کی خواہش پوری کرنے پر بھی اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔

"کیا ضرورت ہے بھلا کہیں جانے کی' ایک ہی تو ہفتے میں دن ملتا ہے وہ بھی بندہ دوسروں کے گھر منہ اٹھا کے چل دے۔" ان کا ہمیشہ والا اصاف کورا جواب حاضر تھا۔

"بھائی صاحب کی فیملی تو امریکہ میں ہے۔ اگر ہم ان کے ساتھ لنچ کریں گے تو وہ خوش ہوں گے اور پھر آصف۔" مریم نے نرمی سے ایک اور کوشش کرنی چاہی تھی۔ لیکن الیاس احمد نے انگلی اٹھا کے اس کی زبان کو بریک لگا دیا۔

"اپنے اس آصف بھائی سے' میرے بچوں کو دور ہی رکھو' اس نے اپنے پاگل پن میں انہیں کوئی نقصان پہنچا دیا تو کون ذمہ دار ہوگا' جاہل عورت۔"

الیاس احمد آخری جملہ زیر لب بڑبڑاتے وہاں سے اٹھ گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جتنی دیر بیٹھے رہے مریم بحث کیے جائیں گی اس لیے اٹھ جانا ہی بہتر تھا۔

☼ ☼ ☼

عمر کی بدتمیزی رات دیر تک اس کے ذہن پر سوار رہی۔ وہ ٹھیک سے سو بھی نہیں پائی۔ یہی وجہ تھی کہ صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی۔ وہ منہ ہاتھ دھو کے واش روم سے نکلی تو دروازے پر دستک ہونے لگی۔

"یس کم ان!" اس نے تولیہ اسٹینڈ پر ڈالتے ہوئے اجازت دی۔

"السلام علیکم!" آنے والے ریاض احمد تھے۔

"ماموں جان آپ' آپ نے کیوں زحمت کی۔ مجھے بلوا لیا ہوتا۔" وہ پہلی بار اس کے کمرے میں آئے تھے۔ دعا کو حیرت ہوئی۔

"کیوں میں اپنی بیٹی کے پاس چل کر نہیں آ سکتا۔" انہوں نے دعا کو سینے سے لگا کے اس کا سر چوما۔

"آئیں بیٹھیں ناں۔" وہ کشن ترتیب سے دھرنے لگی۔

"تم ناشتے کی ٹیبل پر نہیں آئیں تو میں سمجھا شاید تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔" انہوں نے اپنا خدشہ بتایا۔

"نہیں طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ بس آج ذرا آنکھ دیر سے کھلی۔" اس نے صاف جھوٹ بولا۔

"ادھر میرے پاس بیٹھو۔" انہوں نے کہتے ہوئے

ہاتھ سے پکڑ کر اسے اپنے قریب بٹھالیا۔
"تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں دعا۔"
یہ وہ سوال تھا جو وہ بچپن سے ان کی زبان سے سنتی آ رہی تھی۔ جواباً "وہ لمبی لسٹ ماموں کو تھما دیا کرتی۔ مگر اب ایسا نہیں تھا۔ حالات و واقعات نے اسے بہت سمجھ دار بنا دیا تھا۔
"نہیں ماموں جان' کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ ہے میرے پاس۔" اس نے سر جھکا لیا۔ اس کے جھکے سر اور عاجزی نے ریاض احمد کو قدرے حیرت میں ڈال دیا۔
"پھر بھی میں تمہیں نیکسٹ ویک اینڈ پہ شاپنگ پر لے جاؤں گا' تمہارا جو جی چاہے وہ خرید لینا۔" انہوں نے اپنے دل کی تسلی کے لیے کہا۔
"یہ بتاؤ تمہارا دل لگ گیا ہے ناں' تم ہمارے ساتھ خوش تو ہو ناں' کسی سے کوئی شکایت ہے تو مجھے بتاؤ۔" دعا کی چپ اور چہرے پر پھیلی اداسی نے انہیں مضطرب سا کر دیا۔
"نہیں ماموں جان' مجھے کسی سے شکایت نہیں۔" اس نے بے دلی سے کہا۔
وہ اتنی شفقت اور محبت سے پوچھ رہے تھے کہ اس کا دل چاہا وہ ان کی گود میں سر رکھ کے زار و زار رو دے' اتنا کہ اس کا غبار سے بھرا دل ہلکا ہو جائے اور اس کے سارے دکھ آنسوؤں میں بہہ جائیں۔
"آپ یہاں ہیں' میں سارے گھر میں آپ کو ڈھونڈ رہی ہوں۔" رابعہ احمد حواس باختہ سی کمرے میں داخل ہوئیں۔
"بھئی میں اپنی بیٹی کے پاس بیٹھا ہوں۔ تم مجھے کیوں ڈھونڈ رہی تھیں۔" ریاض احمد نے مسکراتے ہوئے دعا کے کندھے کے گرد بازو لپیٹا۔
"نہیں' وہ آپ نے ناشتہ نہیں کیا نا' اس لیے میں۔" رابعہ احمد نے بغور دعا کا چہرہ جانچا۔ وہ دعا کے شکایت کرنے کے خوف سے دوڑی آئی تھیں۔
"میں اپنی بیٹی کو لینے آیا تھا' تم ہم دونوں کے لیے اچھا سا بریک فاسٹ ریڈی کرو۔" ریاض احمد کا موڈ کافی بہتر ہو گیا۔
"دعا فریش ہو گئی ہو تو آجاؤ۔" ان کے دل کا وہم انہیں جانے نہیں دے رہا تھا۔
"چلیں آئیں ماموں جان۔" دعا فوراً" اٹھ گئی ریاض احمد نے بھی اس کی تقلید کی۔
"ہاں چلو' باقی ساری باتیں ناشتے پہ کریں گے۔" دعا محض اثبات میں سر ہلا کے رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

مریم لاؤنج میں مغموم سی بیٹھی تھی۔ چھٹی والے روز وہ خود بہ طور خاص الیاس احمد کے لیے لنچ بنایا کرتی تھی لیکن آج اس نے بچوں کو سینڈوچ بنا کر فارغ کر دیا تھا اور خود صوفے پر سر نیہوڑائے بیٹھی تھی۔
الیاس احمد باہر سے ہی بولتے ہوئے داخل ہوئے۔
"بچے کہہ رہے ہیں تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں' تم نے کھانا نہیں بنایا۔"
"میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن میرا کھانا بنانے کو دل نہیں چاہ رہا۔" مریم نے جھکا سر اٹھا کے دو ٹوک جواب دیا۔
اسے اپنا غصہ یونہی نکالنا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ الیاس احمد اچھا کھانے کا کتنا شوقین ہے۔ آج فرمائشی کھانا بنا تھا۔ وہ طنزیہ مسکرا دیا وہ سمجھ گئے تھے کہ وہ ان سے بدلہ لے رہی ہیں۔ لیکن وہ فی الحال اس کے ساتھ بحث میں نہیں پڑنا چاہتے تھے اس لیے موبائل نکال کے کال ملانے لگے۔
"السلام علیکم بھابھی جان! کیسی ہیں آپ؟" ٹھیک ہیں۔ جی خیریت سے ہی کال کی ہے۔ میں چاہ رہا تھا آج آپ لوگ ہماری طرف ڈنر پر آئیں' بہت عرصہ ہو گیا ہے ہمیں مل بیٹھے ہوئے۔" الیاس احمد کی اتنی شائستہ گفتگو نے اس کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ اسے دلی دکھ ہو رہا تھا انہوں نے اپنے بھائی کو ترجیح دی تھی۔ وہ پچھلے ایک ماہ سے میکے نہیں جا پائی تھیں۔ آصف اس کا معذور بھائی اسے یاد کر رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ الیاس احمد نے یہ حرکت اسے جلانے کے

لیے کی ہے۔ کیونکہ وہ شاذ و نادر ہی مریم کے بے حد اصرار پر بھائی جان کی فیملی کو مدعو کیا کرتے تھے۔

"اچھا سا ڈنر ارینج کرنا' کم از کم چھ سات ڈشز ہوں۔ جو چیز نہیں ہے لسٹ بنا کے ملازم سے منگوالو۔" فون بند کر کے وہ اسے ہدایات دے رہے تھے۔ انہیں بیوی کے چہرے پر پھیلی تکلیف سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

"میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ میں سونے جا رہی ہوں۔ کھانا کسی ریسٹورنٹ میں آرڈر کر دیجئے۔" وہ ان کی جلی بھنی سننے کی بجائے جھٹکے سے اٹھی اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی الیاس احمد کے ماتھے پر تیوریاں پڑ گئیں لیکن خاموش رہے۔ کیونکہ وہ آج کی دعوت میں ہونے والی گفتگو ترتیب دے رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

کھانا بڑے خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ مریم نے سارا کھانا خود تیار کیا تھا البتہ وہ خود بہت خاموش سی تھی۔ الیاس احمد بڑی شائستگی سے بھائی جان کے ساتھ محو گفتگو تھے۔ عمر نے دوسری بار انہیں آنکھ سے اشارہ دیا۔

"بھائی جان' مجھے آپ سے ایک ریکویسٹ کرنی ہے اگر آپ برا منائے بغیر تحمل سے سنیں۔" الیاس احمد نے گلا کھنکھار کے تمہید باندھی۔ انہیں بھی بھائی جان کی اصول پسند طبیعت سے ڈر لگتا تھا۔

"چاچو! آپ تو پاپا جان سے چھوٹے بچوں کی طرح ڈر رہے ہیں حالانکہ میرے پاپا بہت پولائٹ اور سوئٹ پرسنالٹی ہیں۔" عمیر ان کی اجازت لینے پر مسکرا رہا تھا۔ عمر کو سراسر جھوٹ اور لفاظی لگا۔

"ہم بھائیوں کے بیچ ایک تعلق ریسپیکٹ کا بھی ہے۔ ان کی شفقت نے کبھی مجھے باپ کی کمی نہیں محسوس نہیں ہونے دی۔" انہوں نے چالاکی سے مزید جال پھیلایا۔

"بھائی جان! میں اسٹریٹ فارورڈ ہوں۔ عمر آپ کا چھوٹا بیٹا ہے' ابھی نادان ہے۔ کچھ جذباتی بھی ہے۔ آپ اس پر بھی اپنا دست شفقت رکھیں یہ سدھر جائے گا۔ آپ کی ہر بات مانے گا۔ ایک بار اعتماد کر کے تو دیکھیں۔" الیاس احمد کے لہجے میں خاصا وزن تھا۔ عمر نے وکٹری کا اشارہ دیا۔ ریاض احمد نے سب غور سے سن کے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ذرا توقف کیا۔

رابعہ احمد' مریم' نوال اور دعا جو پچھلی طرف رکھے صوفوں پر بیٹھی بات چیت کر رہی تھیں' وہ بھی خاموش ہو کر ان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"ایکچولی الیاس ہم سے قبل رابعہ اور عمیر بھی اس کی کئی بار سفارش کر چکے ہیں۔ میرے دو ہی بیٹے ہیں' میں بھلا کیوں ان میں فرق کرنے لگا۔ مجھے عمر بھی بہت عزیز ہے۔ میں اس کی بھی بہتری چاہتا ہوں لیکن یہ بہت جذباتی اور اڑیل بھی ہے۔ بزنس کرنے کے لیے صرف پیسہ ہی نہیں بلکہ تجربہ بھی چاہیے ہوتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہے۔ یہ کچھ کاروبار کی شدھ بد سیکھے' اپنے مزاج میں عاجزی اور نرمی پیدا کرے۔ میں اسے جلد ہی ان شاء اللہ بزنس کروا دوں گا۔ یہ میرا آپ سب سے وعدہ ہے۔"

عمر کے چہرے کی رنگت بدل گئی کیونکہ ریاض احمد نے اپنا واضح موقف بیان کر دیا تھا۔ ان کی تمام شرائط بہت کڑی تھیں۔

"او کے' آپ عمیر کو اسلام آباد والی برانچ میں شفٹ کر دیں۔" عمر کے دماغ نے بہت تیزی سے کام کیا۔ جان بوجھ کر عمیر کی ٹانگ کھینچی۔

"کیوں؟ تمہیں اس سے کیا تکلیف ہے۔ یونو اس نے چار پانچ سالوں میں بزنس کو کتنا وسیع کیا ہے۔ فارن کنٹریز تک ہمارے کنٹیکٹس صرف اسی وجہ سے بن پائے ہیں۔" ریاض احمد نے وجہ بتاتے ہوئے قریب بیٹھے عمیر کے کندھے پر ہاتھ دھرا۔ عمیر اس ساری بحث میں خاموش ہی رہا تھا۔

"عمیر کے پاس بھی کوئی ایکسپیرنس نہیں تھا لیکن پھر بھی آپ نے اس پر اندھا اعتماد کیا۔" عمر بہت جبر کر رہا تھا۔

"اس کے پاس بیشک ایکسپیرنس نہیں تھا لیکن

فرمانبرداری اور مستقل مزاجی تھی جو تم میں نہیں ہے۔" ریاض احمد کا موقف اٹل تھا۔

دور بیٹھی دعا کے دل کو اس طرف داری پر ڈھارس ملی۔

"آپ منیجر کو فائر کردیں، مجھے اسی سیٹ پر بیٹھنا ہے، مجھے اتھارٹیز بھی دی جائیں اور وائز مجھے ایک ایمپلائی کے طور پر بالکل کام نہیں کرنا۔"

عمر نے چھوٹا منہ بڑی بات کردی تھی۔ الیاس احمد بالکل خاموش تماشائی بن گئے تھے کیونکہ عمر بہت اچھا کھیل رہا تھا اور یہی وہ چاہتے تھے۔ سب ان کی خواہش کے مطابق ہوتا جارہا تھا۔

"دوسروں سے جلنا اور ان کی برابری کرنا چھوڑ دو عمر اپنے آپ میں کچھ گٹس پیدا کرو۔ مجھے اپنے کروڑوں کے بزنس کی نیا نہیں ڈبونی، بہتر یہی ہے کہ تم گھر میں فارغ پڑے تین وقت کی روٹی کھاؤ اور شیخ چلی کی طرح منصوبہ بندی کرو۔" وہ غصے سے بولتے کھڑے ہوگئے۔ ان کا نظام تنفس بگڑ گیا۔ عمیر نے تیزی سے آگے بڑھ کر ان کی پشت سہلائی۔

"آئندہ کوئی بھی، اس لڑکے کی سفارش ہرگز نہ کرے ورنہ میں اس سفارشی کو گولی ماردوں گا۔" وہ غصے سے چلاتے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئے۔ عمیر بھی ان کے ساتھ تھا۔ رابعہ احمد بھی تیز قدموں سے ہراساں سی پیچھے بھاگیں۔

عمر نجانے منہ میں کیا بڑبڑا رہا تھا۔ الیاس احمد ہاتھ جھاڑتے کھڑے ہوگئے۔ آج کی رات کا اختتام ان کے حسب منشا ہوا تھا۔ خوشی ان کے انگ انگ میں ناچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

رابعہ احمد قرآن پاک کی تلاوت کرکے، تسبیح پڑھتی لان میں سیر کررہی تھیں۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا۔ ابھی انہوں نے دو چکر لگائے تھے کہ درمیانی رستے سے مریم آتی دکھائی دی۔ رابعہ احمد وہیں رک گئیں۔

"السلام علیکم بھابھی جان!" اس نے قریب آکر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، مریم اتنی صبح، خیریت تو ہے نا۔" وہ اس طرح سے کبھی نہیں آئی تھی کوئی ضروری کام ہوتا تو کال کرلیتی۔ پھر وہ رات اس کی طرف تھے۔

"جی سب خیریت ہے، آپ آئیں بیٹھیں، مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" اس نے کرسیوں کی طرف ہاتھ کا اشارہ کیا۔

"جلدی بتاؤ مریم، مجھے تو ٹینشن ہو رہی ہے۔" رابعہ احمد گھبرا گئیں۔

"بھابھی جان! رات آپ نے عمر کا رویہ اور غصہ دیکھا تھا، وہ کس طرح روڈ ہو رہا تھا اور بھائی جان بھی ذرا نرمی کا مظاہرہ نہیں کررہے تھے۔ اگر دونوں باپ بیٹے کے بیچ یہی سرد جنگ چلتی رہی تو آپ کا گھر اور بیٹے ٹوٹ جائیں گے۔" مریم نے جو رات دیکھا تھا بالکل وہی دہرایا۔

"میں نے تو ساری زندگی اس گھر اور رشتوں کو سنوارنے میں گزار دی، کبھی کسی کو دکھ یا شکایت کا موقع نہیں دیا۔ اب تو ہر وقت دعا گو رہتی ہوں کہ اللہ عمر کو ہدایات عطا کرے۔ کیا کروں، اسے اتنا سمجھاتی ہوں، اس کی عقل کام ہی نہیں کرتی۔ اب اس عمر میں مجھے یہ ذلت بھی سہنی پڑ رہی ہے۔" رابعہ احمد اس موضوع پر افسردہ ہوگئیں۔ "رات ریاض احمد کا بی پی ہائی ہوگیا تھا۔ عمیر نے ڈاکٹر کو کال کی اور دیر تک باپ کے سرہانے بیٹھا ان کے ہاتھ پاؤں دباتا رہا، عمر کا غصے سے برا حال تھا۔"

"بھابھی جان! میرے ذہن میں رات سے ایک آئیڈیا ہے۔ آپ عمر کی شادی کردیں۔" مریم نے دھماکا کیا۔ یہ کہنے کے لیے وہ رات ٹھیک سے سو بھی نہیں پائی تھی۔

"شادی۔۔۔ یہ کیسا آئیڈیا ہے؟" وہ گڑبڑا گئیں۔

وہ اس کی شکایتوں کا پٹارا کھولے بیٹھی تھیں۔ کام دھندہ وہ نہیں کرتا تھا اور مریم انوکھا آئیڈیا پیش کررہی تھی۔

"کیا آپ نہیں چاہتیں کہ عمر اور بھائی جان کے

تعلقات بہتر ہو جائیں' وہ عمیر کا احترام کرے اور ان کے ساتھ آفس جانے لگے۔" مریم نے ایک ایک کر کے ان کے دل کی حسرتیں گنوائیں۔

"لیکن یہ سب ممکن نہیں ہے مریم' ابھی عمر سے بڑا عمیر اور دو جوان بیٹیاں نوال اور دعا بھی ہیں' ریاض احمد تو کبھی بھی نہیں مانیں گے۔" رابعہ احمد کو حیرت ہو رہی تھی کہ مریم صبح صبح انہیں کیسے عجیب سے مشورہ دینے آگئی ہے۔

"بھابھی جان! عمیر اور عمر کی شادی ایک ساتھ کر دیں۔ عمیر کے لیے اچھی سی لڑکی ڈھونڈیں اور عمر کی شادی دعا سے۔" مریم کے الفاظ نے رابعہ احمد کے حواس پر بم گرا دیا تھا۔ اس نے کتنی بڑی اور غیر متوقع بات کر دی تھی۔

"عمر اور دعا کی شادی!!" ان کے منہ سے یہی نکل

"کیونکہ دعا عمر اور بھائی جان کے بیچ ایک پل کا کردار ادا کرے گی۔ بھائی جان دعا کی وجہ سے عمر کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ دعا ان کی کمزوری ہے۔ اور اس کی نیک فطرت کا رنگ عمر پر بھی ضرور پڑے گا۔ وہ اسے اپنے صبر سے سدھار لے گی۔ پھر آپ بھی تو ہیں ناں دعا کا ساتھ دینے کو۔" مریم نے متوقع حالات کو پوری جزیات کی ساتھ بیان کیا۔ اس کا ایک ایک لفظ رابعہ احمد کے دل کو روشن کر تا گیا۔ ان کے چہرے پر پھیلی پریشانی خوشی و مسرت میں بدل گئی۔

"تم۔۔۔ تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو' پہلی بار' مجھے اتنا اچھا مشورہ دیا ہے۔ میں' میں بہت خوش ہوں' بالکل ایسا ہی ہونا چاہیے۔ دعا واقعی بہت اچھی اور نیک بچی ہے۔ وہ عمر کی بھلی بری سب برداشت کر لے گی۔"

رابعہ احمد متضاد کیفیات کا شکار تھیں۔ کبھی حیران و بے یقین ہو کے مریم کے ہاتھ تھام لیتیں اور کبھی مسکرانے لگتیں۔

"اب پہلے جلدی سے عمیر کا رشتہ پکا کر دیں تاکہ بھائی جان کے پاس کوئی آپشن ہی نہ بچے۔" اس نے اگلا لقمہ بھی دیا۔

"میں۔۔۔ میں بہت جلد کوشش کرتی ہوں' تم بھی میرا ساتھ نبھاؤ گی نا۔" رابعہ احمد نے بڑے جوش سے ارادہ باندھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہاں ضرور' کیوں نہیں بھابھی جان۔" مریم نے زور سے سر اثبات میں ہلاتے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

☼ ☼ ☼

الیاس احمد صوفے پر بیٹھے تھے۔ ان کی آنکھوں میں شاطرانہ چمک تھی۔ وہ رات سے بہت پرسکون تھے ان کی ترتیب دی گئی منصوبہ بندی کے مطابق پہلا وار بالکل ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ عمر ایک بار خود اپنے کانوں سے باپ کے منہ سے اپنی شان میں قصیدے سن لے تاکہ انہیں اپنا اگلا تیر چلانے میں آسانی ہو۔ ریاض احمد نے اپنے بیٹے کو ہزاروں بار برا بھلا کہا ہو گا' اس سے بھی زیادہ سخت اور برے القابات دیے ہوں گے لیکن کل رات جو انہوں نے الیاس احمد کے سامنے کہہ دیا تھا۔ وہ اب انہوں نے عمر کے ذہن میں باپ اور بھائی سے نفرت پیدا کرنے کے لیے فیڈ کرنا تھا۔ ان کے الفاظ کو غلط رنگ میں کیسے رنگنا تھا' یہ وہ اچھی طرح جانتے تھے۔

انہوں نے وال کلاک میں وقت دیکھا اور کال ملانے لگے۔ عمر ڈریسنگ کے دراز میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ موبائل کی گھنٹی پر اپنی تلاش چھوڑ کے فون کان سے لگایا۔

"کوئی کام ہے آپ کو؟" اس کا لہجہ اجنبی تھا۔

رات والی بے عزتی ابھی تازہ تھی' وہ موقع پر موجود کسی بھی شخص کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"تم کہیں جا رہے ہو؟" الیاس احمد کو اس کا مایوس لہجہ پا کر مزید حوصلہ ہوا۔

"ناشتہ کرنے۔" مختصر سا جواب۔

"ایسا کرو۔ میرے آفس آجاؤ' یہیں تگڑا سا ناشتہ کرتے ہیں۔"

"سنا نہیں تھا آپ نے' میرے والد صاحب نے مجھے تین وقت کھانا کھانے کی پرمیشن دی ہے۔ شکریہ" عمر کے الفاظ زہر خند اور لہجہ بے تاثر تھا۔

"اتنی معمولی سی بات کو دل پر مت لو بھتیجے' اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا وقت آگیا ہے۔" الیاس احمد نے چند لمحوں کا توقف کیا۔

"مجھے تم سے صلاح و مشورہ کرنا ہے۔" انہوں نے تجسس پھیلایا۔

"کیسا صلاح و مشورہ؟" عمر کو تشویش ہوئی۔

"تمہارے نام کا قرعہ نکل آیا ہے۔ اپنے حصے کے لیے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں۔ بس بیٹھے بٹھائے لاکھوں پکڑو' اور اپنی مرضی کی لائف سیٹل کرو۔" الیاس احمد کا انداز اتنا سنجیدہ اور ذو معنی تھا کہ وہ یقین و بے یقینی کے درمیان پھنس گیا۔ جہاں تک وہ چاچا کو جانتا تھا وہ ہمیشہ دوسروں کے پیسے پر نظر رکھنے اور قرض مانگنے والے انسان تھے اور کسی کو پھوٹی کوڑی دینے کے روادار نہ ہوتے۔

"آپ بالکل سچ کہہ رہے ہو۔" وہ مشکوک ہوا۔

"میں گھٹیا مذاق کر کے' تمہارے زخموں پر نمک کیوں چھڑکوں گا۔ فوراً" پہنچو۔"

عمر ضرورت مند تھا' یقین کرنا مجبوری تھی۔

"اوکے' نکلتا ہوں۔" اس کی مایوسی قدرے حیرت میں بدل گئی۔ وہ موبائل جیب میں ڈالتا باہر کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

ریاض احمد لاؤنج میں کافی دیر سے خاموش' ہونٹوں پر ہاتھ رکھے پرسوچ سے بیٹھے تھے۔ رابعہ احمد کی نظر پڑی تو پاس آبیٹھیں۔

"کیا بات ہے؟ کوئی پریشانی ہے۔" انہوں نے بھانپ لیا تھا۔

"میں دعا کے متعلق سوچ رہا ہوں' وہ مجھے بہت کنفیوژ اور چپ چپ سی لگی ہے۔ کیا ابھی تک وہ اپنی ماں کا دکھ بھلا نہیں پائی۔" وہ اپنا زیادہ وقت رابعہ احمد کے ساتھ گزارتی تھی۔ وہی اس کے بارے میں کچھ بتا سکتی تھیں۔

"ہیں' ایسا تو کچھ بھی نہیں۔۔۔ بلکہ اب تو وہ پہلے سے کافی بہتر ہے۔"

رابعہ احمد گھبرا گئیں۔ وہ دعا کی خاموشی کی وجہ سے آگاہ تھیں۔ ریاض احمد اس سے بچپن سے اتنی محبت کرتے آئے تھے کہ چند منٹوں کی ملاقات میں بنا پوچھے اس کے چہرے سے بھانپ لیا تھا۔

"تم نے اس سے عمیر کے پرپوزل کا ذکر کیا تھا۔" ان کا ذہن اس طرف نکل گیا۔

"جج۔۔۔ جی۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ وہ۔" وہ شش و پنج میں پڑ گئیں کیونکہ یہ ذمہ داری کافی روز سے سونپی گئی تھی۔ اگر وہ انہیں ٹالنے کے لیے' اپنی لاپروائی ظاہر کرتیں تو وہ سخت ناراض ہوتے۔

ریاض احمد کا ذہن بھانجی میں اٹکا ہوا تھا وہ بیوی کی گھبراہٹ نوٹ نہ کر پائے۔

"وہ اس پرپوزل کو لے کر اپ سیٹ تو نہیں۔" ایک اور اندازہ لگایا گیا۔

رابعہ احمد کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ انہیں شوہر سے جھوٹ بولنا اور بہانہ گھڑنا نہیں آتا تھا لیکن بات برائے بات مبالغہ آرائی کی جاسکتی تھی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں شاید' مجھے بھی یہی لگا تھا کہ وہ اس بات کو لے کر کنفیوژ سی ہے۔" یہ کہتے ہی انہوں نے دل میں فوراً" توبہ استغفار بھی کیا۔

وہ شوہر سے صرف عمر کی حرکتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے مصلحت آمیز جھوٹ بول دیا کرتی تھیں تاکہ گھر میں جھگڑا و غیرہ نہ ہو کیونکہ عمر بھی زبان درازی کرنے لگا تھا اور ریاض احمد کی چیخنے چلانے سے طبیعت بگڑ جاتی تھی۔

"وہ عورت ہونے کے ناتے' تم سے اپنی فیلنگز بہ آسانی شیئر کر سکتی ہے۔ اس سے پوچھو' اعتماد میں لو' اس کی زندگی کا فیصلہ مکمل اس کی رضا سے ہو گا۔" ریاض احمد تمام مسدود راہیں خود بخود ہموار کرتے چلے گئے' رابعہ احمد نے سوچ تو بہت کچھ لیا تھا لیکن وہ اپنے

جیتے جی' شوہر کے سامنے عمر کا پرپوزل کبھی نہیں رکھ سکتی تھیں اور نہ ہی انہیں دھوکہ دہی اور جھوٹ بول کے کام نکالنا آتا تھا۔

"جی آپ فکر نہ کریں' وہ میرے بہت نزدیک ہے۔ مجھ سے سب کچھ شیئر کرلے گی۔" انہوں نے بڑے پُراعتماد لہجے میں شوہر کو اطمینان دلایا۔ سب کچھ اتنا آسان اور اچانک ہو جانا' ان کی خوش قسمتی ہے یا بدقسمتی' یہ تو آنے والا وقت ثابت کرتا۔

☼ ☼ ☼

الیاس احمد سے عمر کے انتظار میں وقت بہت مشکل سے کٹ رہا تھا۔ مسلسل چکر لگانے سے ٹانگیں بھی دکھنے لگیں۔ جیسے ہی عمر آفس میں داخل ہوا۔ الیاس احمد نے فوراً" آگے بڑھ کر اندر سے مقفل کر لیا۔

"اتنی دیر کردی' میں کب سے ویٹ کر رہا ہوں۔" انہوں نے اپنی سیٹ سنبھال لی۔ عمران کے مقابل کرسی پر براجمان ہو گیا۔

"اتنی بھی دیر نہیں ہوئی لیکن شاید آپ کو' کچھ زیادہ ہی جلدی ہے۔" عمر نے طنزیہ کہا۔

"ہیلو' ہاں کسی کو بھی میرے روم میں نہ آنے دیا جائے اور نہ ہی کوئی کال ٹرانسفر کرنا۔" انہوں نے انٹر کام پر ہدایات دیں۔

"جب میری پلاننگ سنو گے تو تمہارے بھی پسینے چھوٹ جائیں گے۔" الیاس احمد نے دھیمے سے کہتے اس کے تجسس کو ہوا دی۔

"اچھا پھر بتا بھی دیں۔" عمر کرسی پر آگے کو ہوا۔

"بھابھی جان کہہ رہی ہیں کہ دعا کے لیے کوئی رشتہ ڈھونڈا جائے' مطلب اس کی شادی؟" انہوں نے ریوالونگ چیئر سے ٹیک لگا کے' خود کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

"تو میں کیا کروں۔" وہ تنک کر بولا۔

"اگر تم دعا سے شادی کی ہامی بھر لو' تو بہت فائدے میں رہو گے۔"

انہوں نے بڑے آرام سے اس کے تاثرات کا بغور جائزہ لیا۔

"مثلاً" کون سے فائدے' جو آپ کے شاندار خیالات کے مطابق ہوں گے۔"

عمر تلخ ہوا' اس کا تجسس ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ وہ یہاں اس منحوس لڑکی کا ذکر سننے نہیں آیا تھا۔

"اگر ریاض احمد کی بھانجی سے شادی کرو گے تو وہ شاید تمہیں بزنس کے لیے رقم دے دیں یہ بھی ممکن ہے عمیر کو ہٹا کے' تمہیں ایم ڈی کی سیٹ گفٹ کر دیں۔" الیاس احمد نے لالچ کا دو سرا رخ دکھایا۔

"ریاض احمد صاحب کو اس حد تک بلیک میل کرنے کے لیے میرا دعا سے شادی کرنا ضروری ہے۔ جو وہ کم از کم اپنے جیتے جی کبھی نہیں ہونے دیں گے۔" عمر نے اتنے نزدیک کی بات بتاتے چاچو کی عقل پر ماتم کیا۔

"اور اگر میں بھائی جان کو راضی کرلوں۔" انہوں نے پیپر ویٹ ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کیا۔

"فار گاڈ سیک' مجھے دعا میں کوئی انٹرسٹ نہیں اور رہا بزنس تو وہ آج نہیں تو کل' میرے ہی حصے میں آئے گا۔ کوئی میرا حق نہیں مارے گا اور شادی میں کسی امیر ترین لڑکی سے کروں گا جو دس پندرہ کروڑ تو اپنے حصے میں لائے۔ اور دعا منحوس کی شادی اسی جیسے کسی کنگلے یتیم سے کروا دیں۔" عمر نے کہتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیے۔

"واہ' واہ میرے شہزادے' جی چاہتا ہے تیرا منہ چوم لوں۔ میں یونہی نہیں کہتا کہ تو بالکل مجھ پر گیا ہے۔" الیاس احمد کا انگ انگ جھوم اٹھا' جی چاہ رہا تھا اٹھ کے خوب بھنگڑا ڈالیں۔

"حق' ہاہ۔۔۔" پھر یکدم انہوں نے سنجیدہ ہو کر ٹھنڈی آہ بھری۔ "میں نے بھی تیری چاچی سے شادی بیس کروڑ کے چکر میں کی تھی۔ جو دس سال گزارنے کے باوجود بھی میرے ہاتھ نہیں لگے۔" انہیں اپنی قسمت پر افسوس ہونے لگا۔ عمر کو کوفت ہونے لگی۔ اسے لگا کہ اس نے یہاں آکر صرف وقت کا ضیاع کیا ہے۔

"تم میرے سالے آصف سے ملے تھے ناں' وہی جس کا دو سال قبل کار ایکسیڈنٹ ہوا تھا' بیوی بھی مر گئی' خود بھی بھری جوانی میں معذور ہو گیا' اب اسے فرسٹریشن اور ڈپریشن کے دورے پڑتے ہیں۔ ڈاکٹرز کا مشورہ ہے کہ اس کی کسی اچھی سی لڑکی سے شادی کر دیں جو اس کا بے حد خیال۔۔۔"

"انف از انف چاچو جان! میں نے کوئی میرج بیورو نہیں کھول رکھا' کبھی دعا کا رشتہ اور اب معذور سالے کی اسٹوری۔ میں تو چند روپوں کے چکر میں دوڑا آیا اور آپ۔۔۔"

"چند روپے نہیں میری جان' پورے گن کے ایک کروڑ۔" الیاس احمد نے اسے ٹوک کے شہادت کی انگلی کھڑی کی۔ عمر نے پہلے انگلی اور پھر بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ اسے اپنی سماعت کا دھوکا محسوس ہوا۔

"ایک کروڑ۔۔۔" اس کا حلق خشک ہو گیا۔

"بالکل۔۔۔" الیاس احمد نے اسے بے چین کر کے خود پرسکون ہو کر کرسی سے ٹیک لگالی۔

"میں کیسے مان لوں۔" عمر دھڑام سے واپس کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

"مفت میں تھوڑی ملیں گے' تمہاری محنت کا انعام ہو گا۔"

"کیسی محنت' پلیز ٹو دی پوائنٹ بتائیں۔" اب اس سے صبر کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"تیمور ملک' اپنے معذور بھائی کا امریکہ میں آپریشن کروانا چاہتا ہے اور وہ خود بھی ہمیشہ کے لیے وہاں شفٹ ہو جائے گا۔ اس کی خواہش ہے کہ جانے سے قبل بھائی کی' کسی غریب سی لڑکی سے شادی کروا کے' وہ تمام جائیداد کا بٹوارہ بھی کر دے لیکن کوئی اس کو لڑکی دینے پر راضی نہیں۔ میں نے سوچا ہے۔۔۔"

الیاس احمد آگے ہو کر' بڑے محتاط انداز میں آہستہ سے اسے اپنی اگلی منصوبہ بندی بتانے لگے۔ جیسے جیسے عمر سنتا جا رہا تھا اس کا سر کبھی نفی اور کبھی اثبات میں ہل رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

دعا اس روز کے بعد کچن میں نہیں آئی تھی۔ عمر کے تلخ جملے اس کی عزت نفس کو گھائل کرتے تھے۔ مریم کے مشورے کے بعد رابعہ احمد نے اس کی کمی کو شدت سے محسوس کیا تھا۔ اب تو انہوں نے شوہر کو بھی چکمہ دے دیا تھا۔ وہ سوچوں میں گھری اس کے کمرے کی طرف بڑھیں' وہ اسے منانے جا رہی تھیں۔

"کیا میں یہ سب ٹھیک کر رہی ہوں۔" سست روی سے کمرے کی طرف بڑھتے قدم رکے۔

"کیا یہ دھوکا نہیں ہے' ریاض احمد کو' آپا جان اور دعا کو۔۔۔" ان کا ضمیر جاگا۔

"لیکن عمر۔۔۔ عمر۔۔۔ اگر دعا اور عمر کی شادی ہو گئی تو ریاض احمد کبھی بھی عمر کی شادی نہیں کریں گے اور نہ ہی وہ کبھی سدھرے گا۔ کسی طرح دعا اور عمر کی شادی ہو جائے تو میرے سارے مسئلے حل ہو جائیں۔ جہاں عمر کے اتنے پردے ڈالنے پڑتے ہیں وہاں ایک کوشش اور سہی۔"

رابعہ احمد نے کبھی شوہر سے جھوٹ نہیں بولا تھا لیکن عمر اور ان کے درمیان بہتر تعلقات استوار کرنے کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ ان کی فیملی ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی خوشی اور امن کے ساتھ رہے۔ انہوں نے دروازے پر دستک دی۔

"یس کم ان۔۔۔" اندر سے فوراً آواز آئی۔ رابعہ احمد دروازہ کھول کے اندر داخل ہو گئیں۔

"کیسی ہو دعا؟" بڑی محبت سے پوچھا۔ آج ان کے لہجے میں خود بخود چاشنی گھل گئی۔

"آئیں ممانی جان' میں ٹھیک ہوں۔" وہ انہیں دیکھ کے بیڈ سے نیچے اتر آئی۔

"میری بیٹی ناراض ہے مجھ سے۔" انہوں نے اس کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لیا۔ انہیں آج یہ صورت بہت پیاری لگ رہی تھی کیونکہ ان کے دیکھنے اور سوچنے کا انداز بدل گیا تھا۔

"نہیں میں بھلا کیوں ناراض ہوں گی۔" اسے ممانی سے کوئی گلہ نہیں تھا وہ عمر کی بدتمیزی کا قصوروار انہیں نہیں ٹھہرا سکتی تھی۔

"پھر کچن میں کیوں نہیں آرہیں۔" وہ دونوں باتیں کرتی بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"عمر کو شاید میرا کچن میں آنا اچھا نہیں لگتا۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے گھر میں بدمزگی ہو۔" دعا کے دل میں جو تھا سچ سچ بتا دیا۔ وہ جانتی تھی کہ جس دن ریاض احمد یا عمیر میں سے کسی نے عمر کی زبان سن لی تو طوفان آجائے گا۔

"کیا تمہیں بھی دوسروں کی طرح عمر اچھا نہیں لگتا۔" رابعہ احمد اسے عمر سے بدظن پا کر مایوس ہوئیں۔

"عمر اچھا ہے لیکن اس کی زبان اچھی نہیں ہے۔" اسے زبان پلٹنی نہیں آتی تھی۔ جو دل میں ہوتا وہی زبان پہ۔

"اگر تم چاہو تو زبان بھی اچھی ہو جائے گی۔" بے اختیار ان کے منہ سے پھسلا۔

"جی میں!!" دعا حیران رہ گئی۔

"ہاں۔۔۔ میرا مطلب ہے' میرے علاوہ کوئی اسے اچھا نہیں سمجھتا' کسی کی اس سے دوستی نہیں' تمہیں اسی گھر میں رہنا ہے' ہماری فیملی ممبر بن گئی ہو۔ تمہیں سب سے بنا کے رکھنی چاہیے۔ جیسے تمہاری نوال اور عمیر سے دوستی ہے' ویسے ہی عمر کے ساتھ بھی نرمی سے پیش آیا کرو۔ دیکھنا' وہ بھی بہت جلد تمہارا دوست بن جائے گا' دل کا برا نہیں ہے میرا بیٹا بس تھوڑا اکھڑ ہے۔"

وہ اپنے طور پر اس کے دل میں عمر کا رستہ ہموار کر رہی تھیں۔ ان کا بس چلتا تو ابھی دونوں کو پکڑ کر دوستی کروا دیتیں۔

"لیکن مجھے اسے ہرگز دوست نہیں بنانا۔" دعا یہ صرف دل میں سوچ کے رہ گئی۔

"عورت میں بہت زیادہ صبر کا مادہ ہوتا ہے دعا۔ وہ محبت کے خمیر سے گوندھی جاتی ہے۔ عورت ہر برے' اچھے حالات کا مقابلہ کر کے' رشتوں اور گھر کو ٹوٹنے نہیں دیتی۔ تم بھی میری بہت اچھی بیٹی ہو۔ میں عمر کو بھی سمجھاؤں گی تم بھی خود میں برداشت پیدا کرو۔ اتنی معمولی سی بات پر غصہ نہیں کرتے۔" رابعہ احمد بہت شائستگی سے اسے سمجھا رہی تھیں۔ دعا کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا جنہوں نے عمر کی اتنی بدتمیزی کو معمولی بات کہہ دیا تھا۔ اس نے ان کی تمام باتوں کو غور سے سنا تھا لیکن پیچھے چھپا مقصد نہیں سمجھ پائی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مریم کل بچے اسکول سے آجائیں تو بھائی صاحب کی طرف چکر لگا لینا۔"

مریم کمرے میں آئی تو الیاس احمد نے ٹی وی کا والیوم کم کر دیا۔

"مجھ پر آپ یہ احسان نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔" مریم سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئی۔ اس کے دل کا زخم ہر دم تازہ رہتا تھا۔ وہ گھر سے باہر کہیں بھی شوہر کی اجازت کے بغیر نہیں جا سکتی تھی اور یہ اجازت اسے مہینوں بعد ملتی تھی۔

"احسان ہی تو کر رہا ہوں' تمہارے معذور اور نفسیاتی بھائی کے لیے لڑکی تلاش کر لی ہے۔ اپنے بھائی صاحب کو بتا دو کہ وہ مزید خوار ہونا چھوڑ دیں۔"

الیاس احمد کا لہجہ بڑا جتلاتا تھا۔ مریم بے یقینی سے انہیں دیکھ اور سن رہی تھی۔ وہ اس کے میکے کے لیے کبھی کچھ بلکہ "اتنا کچھ" کر سکتے ہیں۔ اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

"اب آپ نے' واقعی' ان بلیو ایبل۔" مریم کے منہ سے بے ربط الفاظ نکل رہے تھے۔ لیکن وہ اتنا سیریس مذاق بھی نہیں کرتے تھے۔

"تمہیں تو کبھی اچھے کام کی' مجھ سے توقع ہی نہیں رہی اور نہ ہی مجھ پر اعتماد ہے۔ ورنہ مجھ سے زیادہ آصف کی شادی کی فکر کسی کو نہیں' میں تو خود چاہتا ہوں کہ تمہارے بھائی کا گھر بس جائے۔" انہوں نے اپنے لہجے میں زمانے بھر کی فکرمندی سمو لی۔

"کون ہے وہ لڑکی؟ مجھے کب ملوا رہے ہیں اس سے۔" مریم بڑی بے چینی سے استفسار کرتی ان کے نزدیک جا کے بیٹھی۔

"صبر کرو' جلدی ملواؤں گا' ابھی تھوڑی سی مشکلات ہیں لیکن تم فکر نہ کرو۔" انہوں نے بڑی پُرامید سی تسلی دی۔

"ویسے آج ایک مشورہ' میں نے بھی بھابھی جان کو دیا ہے۔" اسے اپنی کارگزاری بھی یاد آئی۔

"کیسا مشورہ؟" وہ تقریباً" اچھل پڑے۔ انہیں مریم کی عقل پر ہمیشہ سے شبہ تھا۔

"دعا اور عمر کی شادی کا۔" الیاس احمد کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ ہاں' ٹھیک کیا تم نے' عمر اور دعا کی شادی' پرفیکٹ کپل' بہت خوب' بہت اچھا۔" سوچ کر وہ دھیرے دھیرے مسکرائے جا رہے تھے۔ پھر وہ اونچے اونچے قہقہے لگانے لگے۔ مریم حیرانی سے ان کا ردعمل دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

عمر بڑی سنجیدگی سے اپنے نفس اور جذبات کو ضبط کا درس دیتا کچن کی طرف بڑھا۔

"ماما جان کہاں ہیں؟" اس نے بڑی ایکٹنگ کا مظاہرہ کرتے ادھر ادھر دیکھا۔ حالانکہ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے رابعہ احمد کو لان میں گوڈی کرتے دیکھ چکا تھا۔ وہ ان کی غیر موجودگی میں دعا سے مراسم بڑھانے آیا تھا۔

"وہ شاید باہر ہیں۔" دعا اسے دیکھ کے فوراً" کھڑی ہوگئی اور اپنے لہجے کو حتی الامکان نرم رکھا تھا۔ اس روز کے بعد آج ان کا سامنا ہوا تھا۔

"مجھے ایک کپ چائے بنا دو۔" اس کے پاس تنہا ٹھہرنے کے لیے بہانے کی ضرورت تھی جو وہ سوچ کے آیا تھا۔

"جی اچھا۔" اس نے ہولے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسے ممانی جان کی اس روز کی تقریر ازبر تھی وہ پھر سے انہیں شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

"میرے روم میں لے آنا۔" وہ فوراً" لمبے لمبے ڈگ بھرتا سیڑھیاں چڑھ گیا۔ اس میں دعا سے نظر ملانے کی ہمت نہیں تھی۔ دعا اس کی فرمائش پر سر جھٹکتی چولہے کی طرف بڑھ گئی۔ چائے کے ساتھ وہ خود بھی کھولتی جا رہی تھی۔ اس نے ہمیشہ اس کی عزت نفس کو مجروح کیا تھا۔

"کیا بنا رہی ہو؟" رابعہ ہاتھ پونچھتی اندر آئی تھیں۔

"عمر کے لیے چائے۔" چائے چھانتے نروٹھے پن سے بتایا گیا۔

"عمر کے لیے۔" رابعہ احمد نے خوشی سے دہرایا۔ وہ جواب دیے بغیر چائے انڈیلتی رہی۔

"کیا اس نے خود تم سے فرمائش کی ہے' تمہیں بلایا تھا اس نے' ڈانٹا تو نہیں۔" وہ اپنی خوشی میں مخمور اس کی ناراضی نوٹ نہ کر پائیں۔

"آپ یہ چائے اسے دے آئیں۔" اس نے پھر سے سوال کا جواب گول کر کے' چھوٹی ٹرے میں کپ رکھ کے ان کی طرف بڑھا دیا۔ وہ عمر پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تم دے آؤ نا' اس نے تم سے مانگی تھی۔" وہ جھٹ سے سنجیدہ ہو کر' فوراً" سے فریج کی طرف بڑھ گئیں۔ وہ خود کو مصروف ظاہر کر کے دعا کو بھیجنا چاہ رہی تھیں۔

"میں نہیں جا رہی اس کے روم میں۔" دعا کہہ کر بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔ اسے ان کا گریز بہت عجیب اور برا لگا تھا۔

رابعہ احمد کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ زور سے فریج بند کر کے انہوں نے سلیب پر پڑی چائے کی ٹرے اٹھالی۔

☼ ☼ ☼

مریم' الیاس احمد کی بہت ممنون تھی کہ انہوں نے آصف کے لیے لڑکی ڈھونڈلی ہے۔ اس کے ذہن میں

بہت سے سوالات اور شکوک و شبہات گڈمڈ ہوئے تھے۔ لیکن وہ کچھ بھی غلط سوچ کے اپنی خوشی کو برباد نہیں کرسکتی تھی۔ اگلے روز اس نے بھائی صاحب کو بھی فون کرکے مطلع کردیا۔

"جی بھائی صاحب! آپ کو پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں' آصف کی شادی' الیاس کی ٹینشن ہے' وہ سب دیکھ لیں گے' ان شاء اللہ سب آسان ہوجائے گا۔" مریم بڑے وثوق اور اعتماد سے انہیں یقین دلارہی تھی۔

"الیاس کہہ رہے تھے تھوڑی سی پرابلم ہے' چند دنوں میں اس کے گھر والوں سے بھی ملوادیں گے' آپ اپنی تیاری کریں' رشتہ پکا ہے۔"

وہ شوہر کے کہے پر انہیں بڑی امید دلارہی تھی۔ اس سے بے خبر کہ یہ سب کتنا مہنگا پڑنے والا ہے۔

"جی میں آپ کو بتادوں گی' او' کے جی اللہ حافظ۔" اس نے کہہ کر فون بند کردیا۔

☼ ☼ ☼

اس کے کمرے کا دروازہ بند تھا' انہوں نے ناب گھمائی تو دروازہ کھلتا گیا۔ عمر نے جھٹ سے مڑ کر دیکھا' ماں کو سامنے پاکے اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

"تم نے چائے مانگی تھی۔" انہوں نے کپ اسے تھمایا۔

"جی۔۔۔" وہ محض یہی کہہ پایا۔

"لیکن تم تو دن میں چائے نہیں پیتے۔" وہ کبھی کبھار ہی چائے پیتا تھا۔ اس لیے پوچھنا ضروری تھا۔

"بس دل چاہ رہا تھا اس لیے' آپ نہیں تھیں تو اسے کہہ دیا۔" اس نے جان بوجھ کر نام لینے سے احتراز برتا۔

"چائے اسی نے بنائی ہے۔ تم سے ڈرتی ہے اس لیے دینے نہیں آئی۔" انہوں نے نرمی سے وجہ بتائی۔

"میں کوئی جن بھوت ہوں' جس سے وہ ڈر گئی ہے۔" عمر کو برا لگا' اس کا موڈ آف ہوگیا تھا۔ پہلی کوشش ہی ناکام ہوگئی تھی۔

"بچی ہے' ہمارے آسرے پہ ہے' تم بھی نرمی اور محبت سے پیش آیا کرو' کیا ضرورت ہے اس پہ چیخنے چلانے کی۔" وہ مریم کے دیے گئے مشورے پر عمل کرنے کا کام شروع کرچکی تھیں اور اپنے طور پر بڑے سبھاؤ سے سمجھا رہی تھیں۔

"جی میں کوشش کروں گا کہ آئندہ سے بدتمیزی نہ ہو۔" وہ فوراً" راضی ہوگیا۔ یہ نصیحت اس کے لیے فائدہ مند تھی۔ ضد یا ہٹ دھرمی کی گنجائش نہیں تھی۔ وہ بھلا اتنی جلدی بات کب مانتا تھا' وہ ماں تھیں اس لیے حیران ہونے کے بجائے اس کی فرمانبرداری پہ سرشار ہوگئیں۔

"بلکہ میں چاہتی ہوں کہ تم اس سے دوستی کرلو' دیکھو ناں تمہارا کوئی کزن دوست نہیں' دعا اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے یہ جو تم صنف نازک سے چڑے رہتے ہو ناں یہ بالکل مناسب نہیں' مجھے تمہاری شادی بھی کرنی ہے۔"

رابعہ احمد اس کے کندھے پر ہاتھ پھیرتی' بڑے میٹھے لہجے میں اس کے رستے آسان کررہی تھیں۔ وہ چائے کو زہر مار کرتے خود کو خوش قسمت ترین کہہ رہا تھا۔ آج ہی اس نے پلان پر کام شروع کیا تھا اور رابعہ احمد نے خود اسے دوستی اور انڈراسٹینڈنگ کی کھلی چھوٹ دے دی تھی۔

"سوری مام! نیکسٹ ٹائم آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے یقین دلایا۔ اس کی آدھی سے زیادہ مشکل آسان ہوگئی تھی۔ اب وہ بہ آسانی کھیل سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

عمیر آفس میں داخل ہوا تو ریاض احمد ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔ ان کی توجہ عمیر کی آمد پر بھی نہیں ٹوٹی تھی۔ اس کو زور سے گلا کھنکھارنا پڑا۔

"تم کب آئے؟" انہوں نے چونک کر سانس

خارج کی۔

"آپ کیا سوچ رہے تھے؟" وہ ان کے مقابل بیٹھ گیا۔

"کچھ بھی نہیں یار، میری تمام سوچیں عمر کے گرد گھومتی ہیں۔ اس روز الیاس کو اپنی سفارش کے لیے لے آیا، اس لڑکے نے مجھے از حد پریشان کر رکھا ہے۔" وہ اپنا ہر دکھ سکھ، شریک حیات کے بعد اس بیٹے سے شیئر کرتے تھے۔

"پاپا جان، آپ اسے اسلام آباد والی برانچ میں شفٹ کر دیں۔ وہ ہم سے بدظن ہے۔ ایک دفعہ ٹرائی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

عمیر چاہتا تھا کہ جب تک دعا اس کی نہ ہو جائے عمر اسلام آباد یا بیرون ملک چلا جائے۔ وہ خود سے باپ سے اس کی سفارش نہیں کر سکتا، انہوں نے خود ذکر چھیڑا تو اس نے بھی ہمت پکڑی۔ وہ آفس آجاتا تب بھی اسے پیچھے دھڑکا لگا رہتا۔

"تم جانتے ہو عمیر! اٹ از ناٹ پاسیبل۔ اسلام آباد والی برانچ میں ہمارے ایکسپرینسڈ اور قابل اعتماد منیجرز ہیں، جنہیں میں نے یہاں سے شفٹ کیا ہے، مجھے انہیں فائر کرنا پڑے گا۔" عمر کا کردار ان کے لیے کبھی قابل بھروسا نہیں رہا تھا۔

"یہ اسٹینڈ تو لینا پڑے گا پاپا جان۔" عمیر نے اصرار کیا۔

"عمر کی ناتجربہ کاری ہماری سالوں کی محنت سے بنائی گئی ساکھ متاثر کرے گی، کلائنٹس ٹوٹ جائیں گے، مارکیٹ ویلیو خطرے میں جا سکتی ہے۔ ہمارا یہ سارا نقصان کر کے، وہ سب چھوڑ چھاڑ کے گھر پڑ جائے گا، اور بھگتیں گے ہم۔" ریاض احمد بالکل سچ کہہ رہے تھے۔ عمر کی غیر مستقل مزاجی اور ہٹ دھرمی انہیں کھٹکتی تھی۔ وہ کسی کے ماتحت کام نہیں کر سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کچن سمیٹ کے ذرا ستانے لاؤنج کے صوفے پر آبیٹھی۔ رابعہ احمد فیرنی میں چمچ ہلا رہی تھیں۔ عمر نے کوئی تیسری بار رینگ پہ کھڑے ہو کے لاؤنج میں جھانکا۔ دعا کچن میں کام کرتی نظر آئی مگر اب وہ تنہا صوفے پر بیٹھی تھی، یہی اس کے قریب جانے کا مناسب موقع تھا۔ وہ جلدی سے سیڑھیاں اتر آیا۔

"ہیلو دعا، کیسی ہو؟" بڑے دوستانہ انداز میں پوچھتا اس کے سامنے والے صوفے پر ٹک گیا۔

رابعہ احمد نے اس شیریں لہجے اور آواز پر مڑ کے دیکھا، چہرے پر لمحہ بھر کی حیرت گزری اور پھر دور اندیشی کی مسکراہٹ سجائے رخ موڑ لیا۔

"فائن۔" دعا سے اس کا رویہ ہضم نہیں ہو رہا تھا لیکن جواب نہ دینا بد تہذیبی ہوتا۔

"کیا کر رہی ہو؟" اس نے بات بڑھائی۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے اپنے ناخنوں پر دھیان رکھے سنجیدگی سے بتا دیا۔

"پھپھو جان کے چلے جانے کے بعد تم خود کو بہت تنہا اور اداس فیل کرتی ہو گی۔" اس کا ذہن بہت تیزی سے گفتگو بڑھانے کے الفاظ ڈھونڈ رہا تھا۔ اس نے جھکنا یا عاجزی سیکھی ہی نہیں تھی۔

رابعہ احمد کو عمر کے الفاظ اور لہجہ بہت عجیب اور کھوکھلے سے محسوس ہوئے۔ وہ ان کا بیٹا تھا، اس کی رگ رگ سے واقف تھیں۔ لیکن ان کا شعور کسی غلط فہمی کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ انہیں بیٹے کی اتنی مہذب گفتگو، دعا کے ساتھ تمیز سے بیٹھنا اپنی خوش قسمتی لگا تھا۔ وہ کچھ بھی برا سوچنے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھیں۔

"اوب سیلی۔" وہ مسلسل ہاتھوں کو گھور رہی تھی۔ اسے اس بے تکی بات چیت پر غصہ آرہا تھا لیکن ممانی جان کی موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے، وہ اٹھ کے نہیں جا سکتی تھی۔

"تم میرے ساتھ اتنی ریزروڈ سی کیوں رہتی ہو۔" الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے، وہ بڑی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ دعا کے چودہ طبق روشن ہو گئے اس کا جی چاہا کہ اسے خوب کھری کھری سنائے لیکن پھر ممانی جان کی موجودگی آڑے آگئی۔

"آئی تھنک ہمارے بیچ کبھی اچھا ریلیشن نہیں رہا۔" اس نے ضبط کے باوجود کہہ ڈالا۔

"تو ریلیشن بنا لیتے ہیں۔ آج سے ہم دونوں فرینڈز۔" عمر نے بڑے زور کا بلینڈر کیا تھا۔

رابعہ احمد کی فیس پک گئی تھی۔ وہ چولہا بند کر کے ادھر آئیں۔

"دیکھیں مما جان' آپ ہی تو کہتی ہیں کہ دعا کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آؤ' اب میں نے اسے دوستی کی آفر بھی کر دی ہے۔" اس نے ماں کو اپنا ہمنوا بنایا۔

دعا کے حواس گم اور ہونٹ سل گئے۔

"ہاں کیوں نہیں' جیسے دعا' عمیر اور نوال کی فرینڈ' ویسے ہی تمہاری بھی پکی والی دوست' پھر تم دونوں دن بھر اکیلے ہوتے ہو۔ ایک دوسرے کو کمپنی دیا کرو' اسی طرح انڈر اسٹینڈنگ ڈیولپ ہو گی۔" رابعہ احمد بہت دور کی کوڑی لائیں۔

دعا آنکھیں پھاڑے' ماؤف ذہن کے ساتھ ماں بیٹے کی چلتی زبان سن رہی تھی۔ اس کی مرضی کوئی نہیں پوچھ رہا تھا۔ ان دونوں نے سب خود ہی طے کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

رابعہ احمد نے سلام پھیرا اور دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھا لیے۔ ان کے حلق سے آواز نکل نہیں پا رہی تھی۔ ہونٹ کپکپائے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

"یا میرے خدا۔۔۔" بھیگے لبوں سے رب کو پکارا گیا۔

"مجھے معاف کر دینا' میرا گناہ میرے نزدیک بہت چھوٹا ہے۔ میں بھی بہت چھوٹی انسان ہوں' خود کو جھوٹی دلیلیں دے کر اپنا مطلب سیدھا کر رہی ہوں۔ دلوں کا حال جانتا ہے میں نے کبھی اپنے مجازی خدا کو دھوکا نہیں دیا اور نہ کبھی جان بوجھ کر کسی کا برا چاہا' میں کتنے برسوں سے اس گھر اور مکینوں کو جوڑنے کی سعی کر رہی ہوں لیکن ہمیشہ ناکام رہی۔ اب ایک آخری کوشش کرنے جا رہی ہوں' میرے رب مجھے اس میں کامیابی عطا فرمانا۔ کیونکہ میری نیت بالکل صاف اور کھری ہے۔ میرے بیٹے کو بھی ہدایت عطا کر کے دعا جیسی اچھی اور نیک لڑکی کے قابل بنا دے۔ میری اس کوشش کو' مجھ پہ بوجھ نہ بنا دینا' مجھے معاف کر کے' میرے مقصد میں مدد فرمانا۔ میرے لیے آسانیاں پیدا کر دے۔ مجھے معاف کر دے۔۔۔"

وہ چہرے کو ہاتھوں میں چھپا کے پھوٹ پھوٹ کے رو دیں۔

☼ ☼ ☼

دعا کپڑے بیڈ پر ڈھیر کیے تہہ لگا لگا کے رکھ رہی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔

"یس کم ان۔۔۔" اس نے ملازمہ یا رابعہ ممانی کے خیال سے اجازت دے دی۔ آنے والی شخصیت چونکا دینے والی تھی۔ اس نے دوپٹہ کندھوں پر درست کیا۔

"کیسی ہو؟" کمرے کے بیچوں بیچ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا بڑی اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے بکھرے بالوں کا جلدی سے جوڑا بنایا۔

"کیا کر رہی تھیں؟" اس نے بڑے غور سے اس کی دونوں جلد بازیاں نوٹ کی تھیں۔

"کچھ نہیں' بس یونہی کپڑے۔" دعا نے ہچکچاتے ہوئے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا دل عمر کو اپنے کمرے میں پا کے تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ دوستی اس حد تک نہیں گئی تھی کہ منہ اٹھا کے اس کے بیڈ روم میں چلا آتا۔

"لنچ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" عمر اسی مقصد کے تحت آیا تھا۔

"جی کیا۔۔۔ مطلب۔۔۔؟" اس کا ذہن حیرت کی زد میں تھا۔ وہ واقعی کچھ نہ سمجھی۔

"لنچ پہ چلیں' تھوڑی آؤٹنگ ہو جائے گی۔" اس نے مسکرا کے بڑی دلفریب آفر دی۔

دعا نے حیرت سے اسے گھورا۔ وہ بہت زیادہ پھیل رہا تھا۔ یہ رویہ اس کی عقل سے باہر تھا۔ اسی دم رابعہ احمد داخل ہوئیں۔

"عمر! تم یہاں ہو میں تمہیں اوپر ڈھونڈ کے آئی ہوں۔" انہیں ملازمہ نے بتایا تھا کہ وہ دعا کے کمرے کی طرف گیا ہے۔

"ہاں میں دعا سے کہنے آیا تھا کہ لنچ پر چلتے ہیں۔ ہر وقت گھر میں پڑی رہتی ہو' تھوڑی آؤٹنگ ہوگی تو دل بہل جائے گا۔" عمر نے اپنے نیک خیالات سے ماں کو آگاہ کیا۔

دعا نے بڑی آس سے ممانی کو دیکھا وہ یقیناً" عمر کو انکار کرنے والی تھیں۔

"ہاں... ہاں ضرور' کیوں نہیں' تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ جب سے یہ آئی ہے ایک بار بھی گھر سے باہر نہیں نکلی۔ تم لے جاؤ اسے اور خوب گھماؤ پھراؤ۔" رابعہ احمد کو اس کا یہ نیا قدم بہت بھایا تھا انہوں نے فوراً" سے پیشتر اجازت دے دی۔ انہیں عمر کی پھرتی پر فخر تھا۔ جو اتنی فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے' دعا کے دل میں گھر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"لل... لیکن ممانی جان... ماموں جان کا لنچ اور بہت سے کام وہ..."

"میں ہوں ناں' سب دیکھ لوں گی۔ تم جاؤ انجوائے کرو' اتنا اچھا موقع مل رہا ہے گھومنے پھرنے کا اور تم ریفوز کر رہی ہو۔" انہوں نے دعا کی حیل و حجت رد کر دی۔ عمر نے آگے بڑھ کر' بیڈ پر پڑا گہرے سبز رنگ کا سوٹ اٹھالیا۔

"دعا مجھے بہت خوشی ہوگی اگر تم یہ ڈریس پہنو گی' یہ رنگ بہت جچے گا تم پہ۔" عمر نے سوٹ اس کی طرف بڑھایا۔ رابعہ احمد کو اس کا اتنا بڑھنا لمحہ بھر کو اچھا نہیں لگا تھا۔ لیکن وہ خود ان کے درمیان بہتر تعلقات کی خواہاں تھیں۔ اس معمولی سی فرمائش سے درگزر کر گئیں۔

"عمر نے کتنا اچھا مشورہ دیا ہے' ہر وقت ڈل کلر پہنے رکھتی ہو' تھوڑا چینج اچھا لگے گا۔" رابعہ احمد نے پھر عمر کی طرف داری کی۔ دعا حیرت کا بت بنی' سائیں سائیں کرتے ذہن سے ان کے رویے سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے باری باری دونوں کو دیکھا۔ وہ رابعہ احمد کے حکم کی تعمیل کے لیے تیار تھی۔

☼ ☼ ☼

ریاض احمد کے سر میں ہلکا سا درد تھا۔ عمیر زبردستی انہیں گھر کے گیٹ پر ڈراپ کر کے' دوسری فیکٹری کا چکر لگانے چلا گیا۔ گاڑی سگنل پر رکی تو اس نے یونہی ادھر ادھر دیکھا۔ اچانک اس کی نگاہ اپنے گھر والی گاڑی پر جا پڑی۔

جو نوال کو کالج سے لانے' لے جانے اور رابعہ احمد کو بازار یا عزیز و اقارب کے ہاں لے جانے کے لیے استعمال میں لائی جاتی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر عمر اور ساتھ والی یہ دعا بر اجمان تھی۔ وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ عمیر کو شدید جھٹکا لگا۔ اس نے دوبارہ بغور دیکھا۔ گاڑی بھی وہی تھی اور نفوس بھی۔

اس کا دل ماننے کو تیار نہیں تھا۔ بھلا دعا عمر کے ساتھ کیا کر رہی تھی؟ لیکن اس کے ہوش و حواس پورے قائم تھے۔ اسے دھوکا نہیں ہو رہا تھا۔ ان کی گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی۔ سگنل کھل گیا۔ پیچھے گاڑیوں کا ہارن سن کر وہ حال میں واپس لوٹا اور کپکپاتے ہاتھوں سے اسٹیئرنگ تھاما۔

☼ ☼ ☼

"تم نے دعا سے بات کی تھی؟" ریاض احمد کو کئی روز بعد یاد آیا تھا کہ انہوں نے بیوی کو ایک ذمہ داری سونپی تھی۔

وہ شوہر کے لیے پانی کا گلاس اور ٹیبلٹ لائی تھیں ان کے پاس ٹک گئیں۔

"جی ہاں کی تھی۔" وہ بھی اسی انتظار میں تھیں کہ وہ خود موضوع چھیڑیں۔

"تو پھر کیا کہا اس نے۔" وہ بے تاب ہوئے۔

"ریاض احمد مجھے لگتا ہے کہ دعا اس رشتے کے لیے دل سے راضی نہیں۔" انہوں نے پہلے سے سوچا ہوا

جواب دیا۔
"اس نے خود تم سے کہا۔" انہیں ان کے جواب پہ یقین نہ آیا۔
اس رستے کی دیوار کو کس طرح ہٹانا ہے وہ اچھی طرح سوچ بچار کر چکی تھیں۔
"وہ کہہ رہی تھی کہ عمیر اس کا اچھا دوست ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ ہم اچھے دوست ہی رہیں۔"
یہ ترتیب انہوں نے سیٹ کر لی تھی کہ جب ریاض احمد اس سے متعلق استفسار کریں گے تو انہیں کیا جواب دے کر مطمئن کرنا ہے۔
"ان بلیو ایبل' دعا بہت لکی ہے عمیر سے' وہ کیسے ریفوز کر سکتی ہے۔ وہ بہت سینس ایبل بچی ہے۔"
انہوں نے سر سختی سے نفی میں ہلایا۔ ان کے چہرے پر پریشانی رقم ہو گئی۔ رابعہ احمد کو ان کا بھانجی پر اتنا بھروسا اندر سے سہما گیا۔
"آپ خود بات کریں' شاید وہ آپ کے احترام میں مان جائے۔"
انہوں نے مشورہ دیا۔
"نہیں ہرگز نہیں' میں اس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالوں گا۔" انہوں نے فوراً اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ یہی وہ چاہتی تھیں۔
"شاید وہ کسی اور میں انٹرسٹڈ ہو۔" انہوں نے نظریں چراتے' شبہ ظاہر کرتے لہجے کو حتی المقدور سرسری رکھا۔
"کیا تمہیں شک ہے؟" وہ اچھے خاصے چونک گئے۔ وہ شوہر کی فطرت سے اچھی طرح آگاہ تھیں کہ وہ کسی کے کردار پر شک کو گناہ کے زمرے میں رکھتے ہیں۔
"میں کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتی' چند دن بعد اس سے پوچھوں گی پھر ہی کوئی حتمی رائے دی جا سکتی ہے۔" انہوں نے ٹال مٹول سے کام لیا۔ وہ کبھی عمر کا نام لینے کی جرات نہیں کر سکتی تھیں۔ انہیں بہت ہوشیاری سے اس بساط پر کھیلنا تھا کیونکہ سارے مرد ہی بہت زیرک اور فہم والے تھے اور خود وہ پہلی بار کسی کو چکمہ دینے والی تھیں۔
"آپ یہ پین کلر کھائیں اور فریش ہو کے چینج کر لیں' میں کھانا لگاتی ہوں۔" وہ پانی کا گلاس ان کی طرف بڑھاتی کھڑی ہو گئیں۔
وہ مزید بحث میں نہیں پڑنا چاہتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

ریسٹورنٹ میں زیادہ رش نہیں تھا لیکن دعا کو ایسا لگ رہا تھا کہ اس نے بہت بڑے ہجوم میں سرعام کوئی گناہ کر دیا ہے۔ اب سب لوگ اسی کو گھور رہے ہیں۔
اس کے دل میں بار بار عمیر اور ماموں جان کا خیال آ جاتا۔ اگر انہیں اس لنچ کی خبر مل گئی تو ان کا رد عمل کیا ہو گا۔ اگر وہ باز پرس کرتے تو وہ ممانی جان یا عمر کی شکایت بھی نہیں لگا سکتی تھی۔ عمر کی مہربانیاں اسے بہت بھاری لگ رہی تھیں۔
"آر یو فائن دعا؟" وہ اس کی خاموشی سے اکتا گیا۔
"یا۔۔۔" وہ اپنے ڈر سے چونکتے' ادھر اُدھر دیکھتی ہاتھ موڑنے لگی۔
"کیا کھاؤ گی؟" عمر نے اس پر ایک نگاہ غلط ڈال کر مینو کارڈ اٹھایا۔
"کچھ بھی' جو تمہیں پسند ہو۔" اس کا دل یہاں سے اٹھ کے بھاگ جانے کو چاہ رہا تھا اسے کسی بھی چیز کی طلب نہیں تھی۔
"ریئلی۔۔۔" عمر نے بھویں اچکا کے تصدیق چاہی۔ دعا نے پھیکی سی مسکراہٹ کا احسان جتایا۔
اس نے ہاتھ سے ویٹر کو اشارہ دیا اور مینو نوٹ کروایا۔
"یہ تم کون سے مراقبے میں بیٹھی ہو' فار گاڈ سیک ایسی شکل کیوں بنا رکھی ہے جیسے میں تمہیں اپنے ساتھ گھسیٹ کے لایا ہوں۔"
بہت کنٹرول کے باوجود وہ تلخ ہو گیا۔ وہ سرعام عمر سے بگاڑ نہیں سکتی تھی' وہ ہمیشہ اس کے چیخنے چلانے اور غصے سے ڈرتی آئی تھی۔ لیکن اس میں اتنی عقل ضرور تھی کہ چوں و چراں کر کے اس سے جان چھڑا

لیتی۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ اگر۔۔۔ ماموں جان کو پتا چلا کہ ہم دونوں۔۔۔" اس نے رک کر عمر کے ماتھے کے بل گنے۔

"تو۔۔۔؟" وہ نارمل رہا۔

اس نے بھلا کب کسی کے اتنے ناز نخرے اٹھائے تھے۔ اس کی خاموشی اور اتنے برے تاثرات اس کی انا پر چوٹ لگا رہے تھے۔

"انہیں شاید برا لگے کہ کزانہیں تم سے بہت سی کمپلینز ہیں۔" دعا نے ذو معنی الفاظ میں اسے دھمکی دی تاکہ آئندہ وہ اسے گھر سے باہر لانے کی ہمت نہ کرے۔

"اوکی چمچی۔۔۔" عمر نے دل میں اسے لقب سے نوازا۔

اب وہ اتنا بیوقوف نہیں تھا کہ اس کی اتنی معصوم سی دھمکی میں آجاتا۔ اپنا ٹارگٹ حاصل کرنے کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتا تھا۔ اس نے ٹیبل پر کہنیاں ٹکائیں۔

"تمہارے ماموں جان کو میری ہر بات، حرکت اور کام سے نفرت ہے۔ لیکن دعا۔۔۔ جس طرح سے تم عمیر اور نوال کی دوست ہو گئی میری فرینڈ کیوں بن سکتیں۔ میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میری فیملی فرینڈز ہو جس سے میں اپنی فیلنگز، خوشی، دکھ شیئر کروں۔ میں اتنا برا نہیں ہوں دعا جتنا بظاہر نظر آتا ہوں یا پھر شاید تم سب نے میرا امیج پینٹ کر لیا ہے۔ بہت غصیلا، بدتمیز وغیرہ وغیرہ۔" اس نے خاصی جذباتیت دکھائی اور افسوس سے سر جھٹکا۔ دعا کا معصوم دل لمحہ بھر کی تقریر سے پگھل گیا۔ اسے عمر کے متعلق الٹا سیدھا سوچنے پر شرمندگی ہونے لگی۔ وہ اس کے ساتھ کتنی شائستگی سے پیش آرہا تھا۔

"ویسے تم اس سوٹ میں بہت جچ رہی ہو، دل میں کھبی جا رہی ہو۔"

عمر نے اس کا دھیان بٹانے کو تعریف جھاڑی۔ دعا کو اس گھٹیا پن پر، اپنی چند لمحے پہلے والی سوچ پر نظر ثانی کرنی پڑی۔

* * *

نوال کالج سے آکر فریش ہو کے سو گئی تھی۔ اس نے لنچ کے لیے منع کر دیا تھا۔ رابعہ احمد میز پر کھانا لگا رہی تھیں جب ریاض احمد چینج کر کے آئے۔ پین کلر لینے سے ان کی طبیعت کافی بہتر ہو گئی تھی۔

"دعا اور نوال کدھر ہیں؟" انہوں نے اپنے لیے کھینچ کر کرسی نکالی۔

"نوال نے کالج میں کچھ کھا لیا تھا وہ سو رہی ہے۔ اور دعا، عمر کے ساتھ لنچ پر گئی ہے۔" انہوں نے بڑے نارمل لہجے میں اطلاع دی۔

"دعا اور عمر لنچ پہ، یہ۔۔۔ یہ کیا ماجرا ہے؟" انہیں خاصی حیرت ہوئی، یہ آج کی تاریخ میں دوسرا حیرت کا جھٹکا تھا۔ دعا نے کبھی عمر کو مخاطب تک نہیں کیا تھا۔

"کیوں کیا ہوا؟ وہ عمر کے ساتھ نہیں جا سکتی؟" وہ انہیں ان سے پوچھنے لگیں۔ انہوں نے شوہر کے چہرے کے بدلتے رنگ کو نظر انداز کر دیا۔

"اس نے خود کہا تھا کہ ہر وقت گھر میں رہنے سے اس کا دم گھٹنے لگا ہے۔ وہ کھلی فضا میں نکلنا چاہتی ہے۔" رابعہ احمد نے بغیر نظریں ملائے خاصی صفائی سے جھوٹ گھڑا اور ساتھ دعا کا بھی بچاؤ کر گئیں۔

وہ غیر مرئی نقطے پر نظریں ٹکائے تھے۔ وہ کچن میں پانی کا جگ لینے چلی گئیں۔ وہ بیٹے کی تعریف میں بلا تامل آدھا ان بول سکتی تھیں۔ ان کے سامنے رزق رکھا جا رہا تھا۔ وہ کسی بحث میں پڑ کے، اس کی بے حرمتی نہیں کر سکتے تھے۔

"عمر گھر پر ہوتا ہے تو دونوں کا کافی اچھا ٹائم پاس ہو جاتا ہے۔ کبھی مووی دیکھ لی اور کبھی ان کے باتھوں کچن کی شامت آجاتی ہے۔ جب سے آپا گئی ہیں عمر کا ایٹی ٹیوڈ دعا سے بہت بہتر ہے۔ وہ بہت اچھے سے پیش آتا ہے، دعا کا بھی دل بہلا رہتا ہے ورنہ بچی بیچاری تو مرجھا کے رہ گئی تھی۔" انہوں نے مبالغہ آرائی کی حد کر دی۔ ایک چور نگاہ شوہر پر بھی ڈالے جاتیں جو گم صم ہو گئے تھے۔

وہ انہیں ایسا ہی جھٹکا پہنچانا چاہتی تھیں تاکہ بتدریج ان کے ذہن میں ان دونوں کا تعلق راسخ ہو۔

عمیر بریف کیس لاؤنج کے صوفے پر پھینک کے بیگم صاحبہ کو سلام کیے سیدھا دعا کے بیڈ روم میں گیا۔ بنا ناک کیے ناب گھمائی تو دروازہ کھلتا گیا۔

وہ کروٹ کے بل لیٹی تھی۔ اس نے دروازے کھلنے کی آواز پر سر اٹھا کے آنے والے کو دیکھا اور پھر سے تکیے پر ڈال دیا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" اس نے پل بھر میں اس کا مرجھایا ہوا چہرہ پڑھ لیا۔ وہ جرح کرنا بھول کے' طبیعت دریافت کرنے لگا۔

"ہوں۔۔۔" مبہم سا جواب آیا۔ اس شناسائی کے لمحے سے بچتی وہ چہرے چھپائے پڑی تھی۔

"تو پھر اتنی اداس شکل کیوں بنا رکھی ہے۔" اس نے اپنے تئیں اعصاب کو بمشکل کنٹرول کیا۔ ایسا لگتا تھا اس کی بہت اچھی فرینڈ' ہر بات شیئر کرنے والی' وہ اسے دیکھتے ہی عمر کے ساتھ باہر جانے کا ذکر کر دے گی وہ یہ آج کی تاریخ کی ان ہونی تھی۔

"تنہائی جان یاد آ رہی ہیں۔" آنکھ کے کنارے سے آنسو ٹپ کے تکیے میں جذب ہو گیا۔ اس نے وہ منظر جھیل دیا۔ اسے جھوٹ بولنا نہیں آتا تھا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے وہ مصلحتاً مبالغہ آرائی بھی نہیں کر سکتی تھی۔

اس کی اداسی پر دوپہر سے جاتا عمیر کا دل پیگم ہوا۔ اسے دعا سے بہت فہم و فراست کی توقع تھی۔ اتنے برسوں کی دوستی میں اس نے کبھی بھی قابل اعتراض حرکت نہیں کی تھی۔

"اچھا چلو' اٹھو شاباش' آؤ ہم اکٹھے چائے پیتے ہیں۔" اس نے اپنے ذہن سے سب کھرچ کے اسے بھی سے پچکارا۔

"پلیز عمیر' مجھے فورس مت کریں' میرا کچھ بھی کھانے یا باہر جانے کو جی نہیں چاہ رہا۔ پلیز لیو می الون۔" اس نے چہرے پر بازو رکھ لیا۔ اس کا دل بہت بھرا ہوا تھا وہ اس رونی صورت کے ساتھ کسی کا بھی سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ لاؤنج میں عمیر' ریاض احمد اور نوال تینوں نفوس پائے جاتے اور اسے پاؤں جوڑ کے جھوٹ بولنا نہیں آتا تھا۔

عمیر تاسف میں گھرا چند لمحے شش و پنج میں کھڑا رہا اور پھر زور سے دروازہ بند کر کے نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

الیاس احمد نے ریوالونگ چیئر پر گھومتے ہوئے موبائل پر نمبر ڈائل کر کے کان سے لگایا۔

"کیسے ہو بیٹے؟" عمر سے بات کرتے ہوئے ان کی ٹون ہی بدل جاتی۔

"آئم فائن۔۔۔" وہ اوندھے منہ لیٹا تھا۔

"ہوں' اور کار کردگی سناؤ۔" انہوں نے یہی پوچھنے کے لیے فون کیا تھا۔

"بہت فاسٹ چاچو جان' میں نے دعا سے دوستی بھی گانٹھ لی ہے اور کل ہم دونوں لنچ پر بھی گئے تھے۔" اس نے خوشی سے پھیلتے ہوئے بتایا۔

"ویری گڈ۔۔۔ گڈ ایفی شینسی۔۔۔" الیاس احمد نہال ہو گئے۔

"تمہیں خاص احتیاط سے کام لینا ہے عمر' اور جتنی جلدی ہو سکے ہمیں اس کھیل کو وائنڈ اپ کر دینا ہے۔" الیاس احمد نے اسے ہدایات دیں۔

"بٹ وائے چاچو' ابھی تو مزہ آنا شروع ہوا ہے۔" اس نے منہ بسورا۔

"ایڈیٹ' آپ سے قبل کہ تمہارا کھیل تمہارے باپ اور بھائی کی نظر میں آئے' ہمیں اپنا ناٹ کیو کرنا ہے۔ یہ دونوں اس لڑکی کے معاملے میں بہت پوزیسیو اور پی ہیں۔ تم پر تو ایک روپے کا اعتبار نہیں کرتے۔ اگر تمہارے مراسم ان کے نوٹس میں آ گئے تو ریاض احمد تمہیں گریبان سے پکڑ کر گھر سے باہر پھینک دیں گے۔" الیاس احمد نے بہت دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے درست تجزیہ کیا۔

"پاپا تو نہیں لیکن عمیر ضرور ایکشن لے سکتا ہے۔ مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ دعا اس سے کچھ شیئر نہ کر

دے کی کا زوہ اس فرینڈ شپ پر دل سے خوش ہے۔"
عمر نے بھی اپنا خدشہ بیان کیا۔
"اس سے پہلے کہ سارے گھر والے چوکنا ہو جائیں ہم اپنا مشن پورا کرلو۔" الیاس احمد نے اسے سختی سے تنبیہہ کی۔
"او' کے بس چند دن اور دیں۔" اس نے ذہن میں حساب کتاب لگایا۔
"بھابھی جان تو کوئی رکاوٹ نہیں ڈال رہیں۔" اس نے پنسل انگلیوں میں گھمائی۔
"نو نیور' ان فیکٹ ماما جان نے خود یہ فرینڈ شپ کروائی ہے۔ انہوں نے ہی دعا کو میرے ساتھ باہر جانے کی پرمیشن بھی دی تھی۔"
ماں کی مہربانی پر وہ بھی حیران تھا۔ اس شوہر پرست عورت نے کیسے شوہر کی لاڈلی بھانجی کو اس کے سپرد کرنے کا رسک لے لیا تھا۔ اس کے مقصد میں' وہ اس کی بہت زیادہ معاونت کررہی تھیں۔
"او کے' سنو اب' تمہیں اس کھیل کو آگے کیسے بڑھانا ہے اور جو میں بتا رہا ہوں وہ کل ہی سرانجام دے دینا۔" انہوں نے پنسل میز پر ٹھونکتے قطعیت سے کہا اور اسے آہستہ آواز میں تفصیل سمجھانے لگے۔

☼ ☼ ☼

عمیر کے دل میں کھدبد سی لگی ہوئی تھی وہ دعا کے رویے سے سخت مایوس ہو کر ماں کے پاس چلا آیا۔ اس کے اعصاب پر تھکن سوار تھی۔ دعا کا ستا اور مرجھایا ہوا چہرہ اسے کوئی اور کہانی سناتا تھا۔ آخر یہ ماجرا کیا تھا۔
"عمیر تم کہاں گئے تھے۔ چینج بھی نہیں کیا' میں نے تمہارے لیے کٹلس بنائے ہیں' جلدی سے فریش ہو کے آجاؤ۔"
وہ اپنے کام میں مگن کڑاہی میں کفگیر ہلا رہی تھیں۔ وہ آج اتنی خوش تھیں کہ کمرے میں بند دعا اور بیٹے کے چہرے پر پھیلا تفکر دیکھ نہ پائیں۔
"دعا کہاں ہے؟" وہ جان گیا تھا کہ ماں دعا کے بیڈ روم میں جانے سے بے خبر ہے۔
"اپنے روم میں ہوگی۔" انہوں نے کٹلس نکال کے پلیٹ میں رکھے اور چائے کو دم دیا۔ دعا کی حالت نے اسے باور کروا دیا تھا کہ کوئی خاص بات ہے جو وہ اس سے چھپانا چاہتی ہے اور رابعہ احمد' عمر کی کسی بھی حرکت کا ذکر انہی آسانی نہیں کرنے والی تھیں۔
"ہر وقت گھر میں گھسی رہتی ہے' باہر کی دنیا سے کٹ کے رہ گئی ہے۔ جس دن سے وہ ہمارے گھر آئی ہے' آئی تھنک ایک دفعہ بھی آؤٹنگ پہ نہیں گئی۔ آپ ہی اسے اپنے ساتھ بازار وغیرہ لے جایا کریں۔" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے اس نے بڑے عام سے انداز میں ماں کو مشورہ دیا۔
اس کا اندازہ تھا کہ ماں ابھی دعا اور عمر کا' باہر جانے کا ذکر کریں گی یا پھر اپنی گھر سے غیر موجودگی کا۔ رابعہ احمد کے کپ نکالتے ہاتھ رک گئے۔ اور نظام تنفس بھی۔ البتہ دماغ بہت تیزی سے چل رہا تھا۔
وہ بساط پر صرف ریاض احمد کو ہی مشکل ترین مہرہ سمجھتی تھیں۔ یہ ان کی غلط فہمی تھی۔ عمیر' دعا کا بیسٹ فرینڈ سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ جسے بلاوجہ دعا کے لیے ہول اٹھتے رہتے تھے۔
"ہا۔ ہاں۔ ہاں لے جانا' اس ویک اینڈ پہ' تم لوگ چلے جانا۔" لمبے توقف کے بعد کافی اٹک اٹک کے ہامی بھری گئی۔ عمیر نے ماں کا توقف' اٹکنا بہت شدت سے نوٹ کیا تھا۔ سچ کیا تھا؟ وہ جو اس نے دیکھا یا پھر وہ جو ماں اور دعا کہہ رہی تھیں۔ انہوں نے ان دونوں کے باہر جانے کا ذکر کیوں نہیں کیا تھا؟" وہ پرسوچ سے اٹھا اور چل دیا۔
"عمیر چائے تیار ہے' کٹلس بھی ٹھنڈے ہو جائیں گے' تم فریش بعد میں ہو لینا' پہلے کھالو۔" رابعہ احمد مڑ کر اسے روکنا چاہا۔
"میری طبیعت بوجھل سی ہے' کچھ بھی کھانے کو دل نہیں کر رہا۔" وہ مڑے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔
"اسے کیا ہوا؟" انہوں نے ناسمجھی سے ہاتھ

ہائے اور شوہر کے لیے ٹرے تیار کرنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح جب سب گھر سے روانہ ہو گئے۔ وہ اٹھ ئے خوب اچھا سا تیار ہوا۔ کلائی پہ بندھی گھڑی میں وقت دیکھا اور نیچے اتر آیا۔

دعا کچن کا کام ختم کر کے اپنی مخصوص جگہ صوفے پر بیٹھی کتاب پڑھتی یا ٹی وی وغیرہ دیکھ لیتی۔ رابعہ احمد کچن میں لنچ کے لیے گوشت دھو رہی تھیں۔

"السلام علیکم ایوری ون۔۔۔"

دعا کو پا کر اس کے چہرے پر رونق دوڑ گئی۔ اس نے پہلی بار "ہائے یا ہیلو" کی بجائے بہ آواز بلند سلام کیا تھا۔ رابعہ احمد نے خوشگوار حیرت سے مڑ کر دیکھا۔

"وعلیکم السلام۔" انہوں نے مڑ کر بہ آواز بلند ہی جواب بھی دیا۔ دعا نے زیر لب اس پر سلامتی بھیج دی۔

"کیا ہو رہا ہے دعا؟" وہ اس کے برابر میں دھنس گیا۔ دعا جس نے سلام کا جواب بھی جھکے سر سے دیا تھا اس کے یوں نزدیک بیٹھنے پر بدک کے کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہوا؟" اس نے خاصی معصومیت سے دعا پر نظر کیا۔ رابعہ احمد نے مڑ کر دیکھا اور لمحے میں معاملہ بھانپ لیا۔

"کک۔۔۔ کچھ نہیں۔" اس نے کتاب میز پر رکھ دی۔ اس طرح کبھی عمیر نے بھی اس کے نزدیک ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"تو پھر بیٹھو نا۔" اس نے اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ رابعہ احمد پھر سے گوشت دھونے میں مگن ہو گئیں۔

"آپ کے لیے ناشتہ لاؤں۔" اس نے جان چھڑانے کو وہاں سے ہٹنا چاہا۔

"ہاں ضرور، میں بھی دیکھوں، ماما جان نے تمہیں کتنا ایکسپرٹ کر دیا ہے۔"

وہ اس کے ساتھ ہی کچن میں جانے کے لیے اٹھ گیا۔ دعا کے ہاتھ کپکپانے لگے۔ اس کا اعتماد اور رابعہ ممانی کی طرف داری اسے اندر سے سہما دیتے۔

"کیا لیں گے آپ؟" اس نے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ وہ خود کو کمزور ظاہر کر کے، اسے اپنے اعصاب پر سوار نہیں کر سکتی تھی۔

"کل تم نے لنچ میری مرضی سے کیا تھا، آج میں ناشتہ تمہاری پسند کا لوں گا۔ وہ جو تم دس منٹ میں ریڈی کر دو۔" وہ بلاوجہ فریفتہ ہوئے جا رہا تھا۔

رابعہ احمد جیسے وہاں موجود ہو کے بھی نہیں تھیں۔ دعا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو انڈے نکال کے پھینٹنے لگی۔

"ماما جان! یہ ہر روز اتنے ڈل کلرز کیوں پہنتی ہے۔" اس نے ماں کو مخاطب کیا۔

"شاید اسے اچھے لگتے ہوں۔" وہ مسکرا دیں۔

دعا نے فرائی پین میں گھی ڈال کے چولہے پر رکھا۔ عمر کی گفتگو اور آنکھیں اس کا ایکسرے کر رہی تھیں۔ اس کا شدت سے جی چاہا کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے، خود کو کمرے میں بند کر لے۔

"لیکن مجھے پھیکے رنگ، اداس آنکھیں اور خاموش سی زندگی بالکل فیسی نیٹ نہیں کرتی۔" وہ اپنے خوشگوار خیالات اس پر مسلط کرنے لگا۔

"آف کورس! یہ تمہارا پرسنل پوائنٹ آف ویو ہے۔" انہوں نے اچھی طرح ہاتھ دھوتے ہوئے کہا۔

"لیکن دعا ابھی اتنی بوڑھی اور بد مزاج نہیں ہوئی کہ اس نے ہنسنا، قہقہے لگانا، رنگ اوڑھنا سب چھوڑ دیا ہے۔" عمر کو اس کے لائف اسٹائل پر خاصا افسوس ہو رہا تھا۔ وہ سب سنتی یوں انجان بنی، جیسے یہ ساری بات چیت کسی اور کے متعلق ہو رہی ہو۔ اس نے پلیٹ میں انڈے نکالتے خود کو صبر اور حوصلے کا سبق دیا۔

"یہ تم دعا سے پوچھو۔" رابعہ احمد نے اس کی توجہ پھر سے اس کی جانب مبذول کروائی۔

"دعا ایسے نہیں سمجھے گی، میں آج اسے شاپنگ پہ لے جا رہا ہوں۔" دعا کے ہاتھ سے کفگیر چھوٹ گیا۔

"دھیان سے دعا، آئل گرم ہے۔" عمر فوراً اٹھ کے اس کے قریب ہوا۔

"تم ہٹو' میں بناتی ہوں۔" رابعہ احمد نے اسے نرمی سے پیچھے ہٹا دیا۔

"جب تک میں ناشتہ کرتا ہوں' تم تیار ہو جاؤ۔ ہم دونوں شاپنگ کے لیے نکل رہے ہیں۔ تمہارے پاس صرف ففٹین منٹس ہیں۔" اس نے خود ہی سارا پروگرام ترتیب دے کے اسے حکم دیا۔

"مم۔۔۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" اس نے زور سے نفی میں سر ہلایا۔

"چلی جاؤ ناں دعا' تمہیں مفت میں ڈریسز مل رہے ہیں۔ دونوں ساتھ گھومو پھرو گے تو ایک دوسرے کی پسند و ناپسند کا پتا چلے گا' ایسے ہی انڈر اسٹینڈنگ ڈیولپ ہوتی ہے۔" رابعہ احمد نے بڑے کھلے دل و دماغ سے اجازت دیتے' بیٹے کی پیٹھ ٹھونکی۔

دعا نے ہول کر ممانی جان کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بہت سے سوال اور شکوے تھے۔

"جاؤ ناں' یہاں کھڑی ٹائم کیوں ویسٹ کر رہی ہو۔"

عمر نے اسے جانے کا اشارہ دیا۔ وہ اپنی آنکھوں میں آئے پانی کے ریلے کو چھپانے کے لیے دوڑتی ہوئی وہاں سے نکلی۔

☼ ☼ ☼

الیاس احمد لیپ ٹاپ پر ویب سائٹ کھولے بیٹھے تھے۔ جب موبائل کی گھنٹی بجی۔ اسکرین پر گھر کا نمبر چمک رہا تھا۔

"ہیلو۔۔۔"

مریم شاذ و نادر ہی' ایمرجنسی کی صورت میں کال کرتی تھی۔ "الیاس بھائی صاحب کی کال آئی تھی۔ وہ پوچھ رہے تھے تم کب انہیں لڑکی والوں سے ملواؤ گے۔" مریم جو شوہر کے رشتہ ڈھونڈنے کا سن کر بہت ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی۔ اب اتنی تاخیر پہ سخت غصہ میں تھی۔

"آخر ایسی بھی کیا جلدی ہے تمہارے بھائی صاحب کو' کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" انہیں تپ چڑھ گئی۔

"ہم نے ایسا کب کہا الیاس' لیکن بھائی صاحب کہہ رہے تھے اس لڑکی کا پاسپورٹ اور ویزا بنوانے میں بھی ٹائم لگے گا جبکہ ڈاکٹرز نے آپریشن کا کہہ دیا ہے۔" مریم نے انہیں وضاحت سے سب بتایا۔

"ٹھیک ہے۔ تم بھائی صاحب سے چند دن کا کہہ دو۔ میں کرتا ہوں جلد از جلد کچھ۔" انہوں نے مبہم جواب دے کر بات ختم کر دی۔ مریم نے نفی میں سر ہلاتے فون رکھ دیا۔

☼ ☼ ☼

عمر دعا کو بوتیک میں لایا تھا۔ وہ اس کی خاموشی اور چہرے پر واضح پھیلی اکتاہٹ سے بے خبر نہیں تھا۔ اسے اپنا مطلب سیدھا کرنا تھا ورنہ اسے اس سڑیل لڑکی کو منہ لگانے اور اس سے علیک سلیک بڑھانے کا قطعاً شوق نہیں تھا۔

ابھی اسے مزید برداشت کرنا تھا۔ اس نے ایک بعد ایک کئی ڈریس اتار کے دعا کے آگے کیے۔ وہ ہوں ہاں میں مبہم سی رائے دے دیتی۔

عمر کا جی چاہا اسے سڑک پر لے جا کے کسی گاڑی کے نیچے دے دے۔ لیکن وہ ایسی کوئی بھی جذباتی حرکت کر کے ایک کروڑ سے ہاتھ نہیں دھو سکتا تھا۔

بالآخر اس کے گونگے پن سے تنگ آ کے اس نے خود ہی گہری نیلی اور سرخ رنگ کی فراک اس کے لیے پیک کروا لیں۔

☼ ☼ ☼

اس کی گاڑی پورچ میں آ کر رکی تو اس کی نگاہ گھر والی گاڑی پر پڑی جو کالی کیچڑ سے بھری تھی۔ عمر نے غور سے اس کے ٹائروں کو دیکھا اور چوکیدار کو ہاتھ سے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"جی صاحب۔۔۔" وہ بندوق کندھے پر سیدھی کرتا دوڑتا آیا۔

"یہ گاڑی کس نے باہر نکالی تھی۔" اس کے دماغ نے اسے سائرن دے دیا تھا۔

"عمر صاحب لے کر گئے تھے۔" یہ سچ اسے گھر میں کوئی نہ بتاتا۔

"ماما جان ساتھ گئی تھیں۔" اس نے گاڑی سے نکلتے سرسری سا استفسار کیا۔

"نہیں دعا بی بی گئی تھیں۔" چوکیدار اس تفتیشی کاروائی کے مقصد سے بے خبر تھا۔

"آج..." اس نے "پھر" کا لفظ ہونٹوں میں دبالیا۔

"جی تھوڑی دیر قبل ہی لوٹی ہیں۔"

عمیر میں مزید کچھ پوچھنے یا سننے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ خود کو گھسیٹتا اندر کی طرف بڑھا۔

☼ ☼ ☼

وہ ریاض کے کپڑے نکال رہی تھیں۔ جب انہوں نے رسٹ واچ اتارتے پوچھا۔

"تم نے دعا سے دوبارہ بات کی تھی۔"

انہیں عمر اور دعا کی دوستی کی خبر بہت کھٹکی تھی۔ ان کے دل کو دھڑکا سا لگا رہتا۔ جوان 'کنواری' پرائی لڑکی اور ان کا بدتمیز اور خود سر بیٹا۔

"ہاں پوچھا لیکن اس نے ٹھیک سے کچھ بتایا نہیں' جھجک رہی ہے یا شاید ڈر رہی ہے۔" انہوں نے الماری میں منہ دیے دیے ہی جھوٹ گھڑا۔

"لیکن تم اسے اعتماد میں لو' اس سے پوچھو تاکہ معاملہ کچھ آگے بڑھے' میں جلد از جلد اس کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔"

انہیں مایوسی سے کوفت ہوئی' انہیں اس شخص کو بھی جاننے کی جلدی تھی جس کے چکر میں ان کی فرمانبرداری بھانجی نے ان کے ہیرے صفت بیٹے کو ٹھکرا دیا۔

"آئی تھنک عمر سے کہتی ہوں' وہ اس سے پوچھے کیونکہ وہ آج کل اپنا زیادہ تر ٹائم اسی کے ساتھ اسپینڈ کرتی ہے' اچھی فرینڈ شپ ہے ان کی۔"

انہوں نے جتلانا ضروری سمجھا۔ اب الماری سے منہ باہر نکال لیا تھا ان کے ہاتھ میں کریم کلر کا شلوار سوٹ تھا۔ شوہر کے اوسان خطا کر کے وہ مسکرا رہی تھیں۔ ریاض احمد نے خاموشی سے سوٹ پکڑ لیا۔

"میں شاور لوں گا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے واش روم کی طرف بڑھ گئے۔ بیٹی کا معاملہ تھا۔ وہ بیوی یا عمیر پر چیخ چلا کے' انہیں برا بھلا کہہ کے' اس کی عزت نہیں اچھال سکتے تھے۔ انہیں بہت جلد کوئی مثبت قدم اٹھانا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ چینج کر کے سیدھا دعا کے کمرے میں گیا۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ اسے ڈھونڈتا ہوا پچھلے کوریڈور کی طرف نکل گیا۔ وہ سیڑھیوں پر کسی غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں جمائے بیٹھی تھی۔ عمیر نیچے والی سیڑھی پہ' اس کے رخ چہرہ موڑے بیٹھ گیا۔ اس نے ایک طائرانہ سی نگاہ اس پر ڈالی اور زمین کو گھورنے لگی۔

"تم اتنی اداس کیوں رہنے لگی ہو۔" اسے وہ خاموش کے بجائے ویران لگی تھی۔ آنکھیں بے تاثر' زرد چہرہ اور پپوسٹ ہونٹ۔

"کچھ نہیں' میں بھلا کیوں اداس ہونے لگی۔" وہ روزماں کی یاد کا بہانہ نہیں بنا سکتی تھی۔ وہ اس کے چہرے کو نظروں کے حصار میں جکڑے ہوئے تھا۔

وہ عمر کی زبردستی مسلط ہونے کی شکایت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ہمیشہ سے اس پر چیختا چلاتا اسے منحوس کہتا آیا تھا۔ اب اچانک سے اس کا اخلاق اچھا ہو گیا تھا۔ اسے سب کچھ عمیر سے مخفی رکھنا تھا۔ وہ بھی اس صورت میں کہ گھر کی سربراہ اس کی ہمنوا بن گئی تھی۔

"ادھر میری طرف دیکھ کے بولو دعا۔" عمیر بہت سنجیدہ تھا۔

"کہنے کو کچھ نہیں عمیر' چھوڑو کوئی اور بات کرو' تمہارا آفس کیسا جا رہا ہے۔" اس نے موضوع بدل دیا۔

"تم کیوں کونوں کھدروں میں منہ چھپاتی پھر رہی ہو۔" اسے غصہ آنے لگا۔ وہ ٹلنے والا نہیں تھا۔

"ضروری نہیں کہ تمہارے سارے اندازے درست ہوں۔" اس نے پھر سے ڈاج دینا چاہا۔ اس نے لمحہ بھر کو بھی دعا کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔ اس کا رنگ بدلتا چہرہ، جھکی نگاہیں جھوٹ بولنے کی چغلی کھاتی تھیں۔

"آؤ نوال کے بیڈ روم میں چل کے چائے پیتے ہیں۔"

وہ اس کی توجہ سے کھڑی ہوں۔ اسے اپنی عزت نفس کا بھرم قائم رکھنا تھا۔

"تم مجھ سے کیوں چھپا رہی ہو دعا۔" اس نے جاتی دعا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے جبڑے سختی سے بھینچ گئے تھے۔ دعا کا گریز اسے تپا گیا تھا۔

"ہر سیکرٹ شیئر کرنے والا نہیں ہوتا۔ اینڈ آئی ہوپ کہ تم دوستی کے نام پہ میرے پرسنل میٹرز کو نہیں کریدو گے۔" وہ پسینے میں بھیگتا ہاتھ چھڑا کے نکل گئی۔

"مطلب کچھ ایسا ہے جو تمہارے، ماما اور عمر کے بیچ چل رہا ہے۔" اس کی عقل ابھی حاضر تھی۔ اسے دعا کے رویے سے سخت تکلیف پہنچی تھی۔ اب اس نے خود سے اصل بات جاننے کی ٹھان لی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس کا موڈ لان میں واک کرنے کا تھا۔ وہ دعا کو بھی زبردستی کمرے سے کھینچ لایا۔ وہ روکتی رہ گئی اس نے ہاتھ بھی چھڑایا۔ لیکن وہ اس کے شکنجے میں جکڑا گیا تھا۔ دعا کا دل بہت زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ عمیر اور ریاض احمد کے آنے کا وقت ہونے والا تھا۔

"تم کوئی جاب کیوں نہیں کر لیتے۔" وہ اس کا نام لینے سے ڈرتی تھی۔

اس نے سوچا خاموش رہنے کی بجائے، چند ایک باتیں کر کے اندر کھسک جائے۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے دیکھتا رہا۔ دعا نے گھبرا کے اور پھر کوفت سے نظریں جھکا کے ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔

"کیا میرے ستارے گردش میں ہیں، حالات میری فیور میں کیوں جا رہے ہیں۔" وہ دل میں خود سے مخاطب تھا۔ یہ لڑکی اس کی قسمت بدلنے والی تھی۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔" دعا کو غصہ آنے لگا۔ وہ اس کا وقت ضائع کر رہا تھا۔

"آئی تھاٹ، ہم اتنے روز سے دوست ہیں، پھر میں نے اپنا سیکرٹ، تم سے شیئر کیوں نہیں کیا۔" وہ بڑے دلکش انداز میں دھیما دھیما بول رہا تھا۔ دعا کے اندر خطرے کا الارم بجنے لگا۔

"تم جانتی ہو میری زندگی کا سب سے بڑا خواب کیا ہے، مجھے بچپن سے ایکٹر بننے کا شوق ہے۔ تمہیں یاد ہو گا، میں آئینے کے سامنے کھڑا ہو کے، کتنی اوٹ پٹانگ حرکتیں کیا کرتا تھا۔ اور ایک لمبے عرصے تک باتھ روم سنگر بھی رہا ہوں۔" وہ خود ہی بولتا اور ہنستا جا رہا تھا۔

دعا ہونق بنی سن رہی تھی۔ وہ عمر سے صرف دو برس چھوٹی تھی۔ اور اس کی یادداشت میں ایک بھی ایسا منظر نہیں تھا۔ جیسا وہ دہرا رہا تھا۔ بلکہ اس نے ہمیشہ اسے ظالم، سفاک، منہ پھٹ اور بکتے جھکتے دیکھا تھا۔ وہ آرٹسٹک مائنڈڈ تو کبھی نہیں رہا تھا۔ یا پھر شاید اس کی یادداشت کمزور ہو گئی تھی۔

"اب میرا دیرینہ خواب، پورا ہونے جا رہا ہے۔ پاکستان کے بہت بڑے پروڈیوسر نے، مجھے اپنے نئے سیریل میں رول دینے کا وعدہ کیا ہے۔ میں نے پاپا اور عمیر سے سب چھپایا تھا کیونکہ پاپا جان مجھے کبھی بھی یہ اسٹیپ نہ لینے دیتے، ابراڈ بھیج دیتے، اس لیے میں خاموشی سے ان کی ہر بری بھلی سنتا رہا۔" وہ نان اسٹاپ بولتا جا رہا تھا۔

تب ہی عمیر کی گاڑی گیٹ سے داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے ریاض احمد کی گاڑی بھی۔ جب تک دعا نے مڑ کر دیکھا اس کی رنگت زرد پڑ گئی۔ عمیر نے گاڑی روش پر روک لی تھی اور ریاض احمد بھی ٹھہر کر ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

عمر کا دل عش عش کر اٹھا۔ اس کی ٹائمنگ بالکل درست تھی۔ وہ ان دونوں کو دکھانے کے لیے ہی دعا کو لان تک لایا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

پنچھی جوق در جوق اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے اور انسان گھروں سے باہر نکل رہے تھے۔ اندھیرے کے ساتھ ساتھ مارکیٹ میں رش بھی بڑھ رہا تھا۔ اپنے نازک ہاتھوں میں کئی برانڈز کے تھیلے اٹھائے مدح منصور نے بے چارگی سے گندم کے خوشوں جیسی اس سنہری لڑکی کو دیکھا جو اس کو نظر انداز کرتی اس سے دس قدم آگے چل رہی تھی۔

"ایشا! اب یہاں سے کیا لینا ہے؟" گلاس ڈور دھکیلتی ایشل جاوید کو اس نے تقریباً ڈانٹتے ہوئے پوچھا۔

"جوتوں کی دکان سے کتابیں لینی ہیں۔۔۔" کمال بے نیازی سے کہتی وہ اندر گھس چکی تھی۔

"کتنے جوتے لے گی یہ لڑکی۔۔۔" ہاتھ میں اٹھائے جوتوں کے ڈبوں کو دیکھ کر بے بسی سے سوچا۔ ایک ملٹی کلر سینڈل اس نے منتخب کیے۔

"غالباً" یہ آپ کی شادی کی شاپنگ نہیں ہے۔" بل ادا کر کے وہ باہر نکلیں تو مدح نے اپنے اور ایشل کے ہاتھوں میں اٹھائے شاپرز کو دیکھ کر چوٹ کی۔

"یونی میں ایڈیشن" شادی سے بڑا واقعہ ہے۔" گھنے سیاہ ریشمی بالوں کی ہائی پونی ٹیل کو ہلاتی وہ اپنے لاپروا انداز میں بولی۔ مدح مسکراتی ہوئی پارکنگ کی طرف بڑھنے لگی۔

"کیا مطلب۔۔۔ کچھ کھلاؤ گی نہیں؟" صدمے سے دوچار ایشل مارکیٹ کے ساتھ پر بنے ریسٹورنٹ کے باہر کھڑی رو دینے کو تھی۔ مدح نے مڑ کر دیکھا۔

"ماہی کا دوبار فون آچکا ہے ایشا۔۔۔" معذرت خواہانہ انداز میں مدح بولی۔

"اچھا اور جو صبح سے میں تمہاری یونیورسٹی میں تمہارے بورنگ دوستوں کے ساتھ تمہارے فضول سے تھیسز کے لیے خجل خوار ہو رہی ہوں تب تو

سارہ عرفان

سرہ حیات کی آخر

مکمل ناول

تمہاری ماہی نے ایک بھی فون نہ کیا؟" پھولے منہ کے ساتھ بولتی پانچ چھ سال کی بچی لگ رہی تھی۔ مدح نے گہری سانس بھری۔ جان سے پیاری ایشل کے اس انداز پر وہ بے بسی سے مڑی۔

"مدح۔۔۔؟" اب وہ باقاعدہ چیخی تھی' اپنا احسان جتانے والا حربہ بے اثر جاتا دیکھ کر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"یہ گاڑی میں رکھ آؤں۔۔۔؟" اپنے ہاتھ میں پکڑے شاپرز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مدح نے اپنے مڑنے کی وضاحت دی۔

"ہرے۔۔۔ میری سب سے اچھی بہنا۔۔۔ تیرا کیا کہنا۔" پریشانی اداسی اور تھکاوٹ کے بادل چھٹ گئے اور خوشی تحفے کی طرح اس کے سنہری چہرے پر بکھر گئی۔

وہ ایسی ہی تھی۔۔۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ خوش ہو جانے والی من موجی۔۔۔ اپنے دل کی سنتی۔۔۔ اس کے لیے دل کی مان لینا خوشی تھا۔۔۔ مدح اس سے چھ سال بڑی تھی۔۔۔ جب چھوٹی تھی تو سب نے سکھایا کہ یہ تمہاری اپیا ہے۔۔۔ لیکن وہ ایشل تھی اسے مدح کہنے سے خوشی ملتی تھی۔۔۔ سو آج تک وہ اس کی مدح ہی تھی۔

لیکن مدح ایسی نہیں تھی۔۔۔ وہ ہر طرح سے ایشل کی متضاد تھی۔ وہ گہری پلکوں' لانبے بالوں والی گلابی لڑکی۔۔۔ کوئی افسانوی کردار لگتی۔ دھیمے لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بولتی۔۔۔ سب کو خوش رکھنے میں ہلکان ہوتی جاتی۔۔۔ اور کسی افسانوی کردار کی ہی طرح چپکے چپکے کسی کی محبت کے راز کو شعروں میں ڈھالتی رہتی۔۔۔ اور کئی چیزوں کو فرض کر کے خوش ہوتی رہتی۔۔۔ واحد ایشل تھی جو بنا کہے اس کے ہر راز سے واقف تھی۔

"ماہی کالنگ۔۔۔" ڈیش بورڈ پر پڑے اپنے موبائل کی چمکتی اسکرین دیکھ کر مدح نے ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھا دیا۔

"ایک تو میں تمہاری ماہی سے بڑی تنگ ہوں یار۔۔۔ مائنڈ نہ کرنا۔" ایشل کولڈ ڈرنک کا گھونٹ بھرتے سامنے جاتی گاڑیوں کی بیک لائٹس دیکھتی بے نیازی سے بولی۔

"وہ تمہاری بھی کچھ ہوتی ہیں۔۔۔" مدح ہلکا سا مسکرا کر بولی۔

"ہوتی تھیں۔۔۔ آج کل تو مجھے دیکھتی بھی ایسے ہیں جیسے کبھی دیکھا ہی نہ ہو۔"

"اچھا فضول باتیں نہ کرو۔۔۔ تم بھی تو انہیں بہت تنگ کرتی ہو۔۔۔" مدح نے ماہی کی طرف داری کی۔

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ آج میں نے کیا تنگ کیا ہے جو فون پہ فون کھڑکا رہی ہیں؟" ایشل جلی بھنی بولی۔

"تم شاید بھول رہی ہو کہ آج گیارہ بجے کی فلائٹ سے تہمینہ خالہ آ رہی ہیں۔۔۔ ماما اور ماہی کی کچن میں ہیلپ کروانی ہے۔۔۔ اور آج عابدہ بھی نہیں آئی۔۔۔ سارے گھر کی ڈسٹنگ بھی ہونے والی ہے۔۔۔" مدح تفکر سے بولی۔

"اوہ۔۔۔ میں بھول کیسے گئی۔۔۔ جلدی کرو مدح کتنا وقت ضائع کرتی ہو تم؟" شرارت سے ہونٹ دبا کے بولی۔

"اور عابدہ کی تو بات ہی نہ کرو۔۔۔ جب ہمارے گھر کوئی تقریب ہو یا کسی نے آنا ہو اس کے سسرالیوں میں فوتگی ہو جاتی ہے۔" اپنے بھول جانے کا غصہ وہ عابدہ پر اتار رہی تھی۔

"ایسا نہیں کہتے پگلی۔۔۔" گھر کی طرف جانے والی چھوٹی سڑک پر گاڑی موڑتے ہوئے مدح نے تنبیہہ کی۔

"نہیں تم حساب لگا لو۔۔۔ جب ماموں آئے تھے تب اس کے جیٹھ کے سسر گزرے تھے اور جب ماما کے دوستوں کی دعوت تھی تب۔۔۔" اس کو عابدہ کے سارے سسرالی یاد تھے جو وقتاً "فوقتاً" رخصت ہوئے تھے۔۔۔ مدح بس مسکراتی رہی۔

☼ ☼ ☼

تہمینہ خالہ تو وہ تہمینہ خالہ تھیں ہی نہیں جنہیں وہ جانتی تھی۔ جس تہمینہ خالہ کو وہ جانتی تھی۔ ان کے

ہوں سے مسکراہٹ تو کبھی جدا ہی نہیں ہوتی تھی۔ لال گلابی پھولے پھولے گال اور موتی روشن آنکھیں ان کے سجیج چہرے کو چار چاند لگائے رکھتیں۔ لیکن یہ کل رات سے خاتون تہمینہ خالہ کے روپ میں ان کی مہمان بنی ہوئی تھیں یہ تو کوئی اور تھیں۔ پیلے سرسوں

گال لال پپوٹے دھنسی ہوئی آنکھیں اور لپ اسٹک سے بے نیاز ہونٹ۔۔۔ ایشل کو تو یقین ہی نہیں آرہا تھا اور اس پر۔۔۔ مستزاد یہ کہ ان کی آنکھوں میں امڈتا آنسوؤں کا طوفان جو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

"تابندہ۔۔۔ میرے تو سارے ارمان ہی چکنا چور ہو گئے۔۔۔ نہ مایوں پہ شگنوں کا تیل لگایا نہ مہندی پہ لڈی ڈالی۔۔۔ اس لڑکے نے تو جیتے جی مار دیا مجھے۔۔۔" ماما کے گلے لگ کر روتے روتے دہائی دی۔

"ایسا نہ کہو تہمینہ۔۔۔ اللہ سلامت رکھے اذان اور ندان بھی تو تمہارے بیٹے ہیں۔۔۔ سارے ارمان پورے کرنا۔" ماما نے گویا تسلی دی۔۔۔ ایشل پانی کا گلاس ہاتھ میں پکڑے کھڑی تھی۔

"چلو پانی پیو۔۔۔" ماما نے ایشل کے ہاتھ سے گلاس لیا۔ خالہ کے آجانے سے ماما کا رویہ بھی ایشل سے تھوڑا نرم پڑ گیا تھا۔ ورنہ پچھلے ایک مہینے سے جو سرد جنگ جاری تھی' ایشل کا ماما کے سامنے کھڑا ہونا بھی محال تھا۔

"پر نہیں تابندہ۔۔۔ حسان تو میرا سب سے فرمانبردار بنا تھا۔۔۔ یہ دونوں تو پہلے ہی میری کم سنتے ہیں۔" پانی پکڑ تو لیا مگر ابھی پیا نہیں۔

"تابندہ۔۔۔ کیا گوریاں بھی تعویذ دھاگے کرواتی ہوں گی۔" پر سوچ انداز میں پوچھا تو ماما نے بمشکل اپنی ہنسی چھپائی اور ایشل نے چھپانے کی کوئی زحمت نہ کی۔ اسے تو حیرت ہو رہی تھی کہ دنیا کے حالات بدلنے کی طاقت رکھنے والا امریکہ خالہ کے اندر کی پاکستانی ماما کا بال نہیں بگاڑ سکا۔ حسان نے گوری سے شادی کیا کر لی' خالہ امریکہ اور امریکیوں کو لات مار کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وطن واپس آگئیں۔ خالو اور اذان بھی ساتھ تھے۔ جبکہ حمدان اگلے مہینے آنے والا تھا۔ اور اس ایک مہینے میں گھر خریدنا اور اذان کا ایس ایس میں ایڈمیشن ان کا ٹاسک تھا۔ ایشل کو بے حد کوفت ہوئی یہ جان کر کہ ایک مہینہ مہمان داری کرنا پڑے گی۔ لیکن چند ہی دنوں میں اس کوفت کا نام و نشان نہ رہا۔ وہ سب ایسے گھل مل گئے جیسے ہمیشہ سے یہاں رہ رہے ہوں۔۔۔ تہمینہ خالہ بابا کی فرسٹ کزن کے ساتھ ساتھ پھپھو کی بیسٹ فرینڈ بھی رہ چکی تھیں۔۔۔ سو ان کی تو اسکول کالج کی باتیں ہی ختم نہ ہوتیں اور خالو بھی کافی خوش مزاج انسان تھے اور اذان۔۔۔ وہ ویسے تو ایشل سے ایک سال بڑا تھا لیکن حرکتیں بالکل بچوں والی' مدح اور ایشل کا دوست تو وہ ملاقات کے فوراً بعد ہی بن گیا تھا۔ البتہ محب بھائی کو کیرم بورڈ اور لوڈو تک لانے میں اسے دو چار دن لگ گئے تھے۔ ورنہ محب بھائی کا گھر والوں سے کبھی کھیل کود والا کوئی تعلق رہا نہیں تھا۔۔۔ کبھی اگر فراغت ملتی اور موڈ اچھا ہوتا تو مدح اور ایشل کو آئس کریم کھلانے لے جاتے' اس سے زیادہ کچھ نہیں' ایشل تو کہتی ہی اسے سڑو تھی۔۔۔ وہ اکثر سوچتی کہ اگر محب اس کا بھائی نہ ہوتا تو وہ مدح کو کبھی اس سے محبت نہ کرنے دیتی۔۔۔ کہاں مدح جیسی شاعرانہ مزاج والی افسانوی لڑکی اور کہاں میڈیکل کی موٹی موٹی کتابوں کا ڈسا ہوا خشک مزاج محب جاوید۔۔۔ لیکن شاباش اذان کو کہ جس کی وجہ سے وہ گھر میں جتنا بھی پائے جاتے اکثر اپنے کمرے سے باہر ملتے۔۔۔ یہی بہت تھا۔

☼ ☼ ☼

نسیم زہرہ۔۔۔ جس کا نام رکھنے کی مہلت بھی اس کی ماں کو نہ ملی۔ چند گھنٹوں کی پھول جیسی بچی کو چھوڑ کر اپنے آخری گھر روانہ ہو گئی۔ نسیم کی دادی' جو اپنے سارے فرائض سے سبکدوش ہو کر خاتمہ بالایمان کی دعائیں مانگ رہی تھیں ننھے جاوید کی گود میں بلکتی نسیم کو دیکھ کر گویا پھر سے جوان ہو گئیں۔ اور پھر انہوں نے دادی سے ماں بننے کا حق ادا کر دیا۔ غلام حیدر پر دوسری شادی کا بہت زور ڈالا پر وہ اللہ کا بندہ بھی ٹس سے مس

نہ ہوا اور اپنی ساری توانائیاں ان دو اولادوں کی پرورش پر صرف کرنے میں جت گیا۔

جاوید، نسیم سے تین سال بڑا تھا اور نسیم تو جیسے کسی اجنبی چہرے کی رنگین چڑیا ہو۔ سارا سارا دن پھدکتی پھرتی۔ ہر چیز کو حیرت سے دیکھتی اور ہر وہ چیز جو اسے حیران کرتی، اس سے متعلق ایک طویل سوالنامہ اس کے پاس تیار ہوتا۔ کیا؟ کیوں؟ کب؟ کیسے؟ اور دادی پونیاں بناتے، چرخہ کاتتے، سوت تانتے ان سوالوں کا جواب دیتی ذرا نہ تھکتی۔ نسیم بھائی کی پکی سہیلی، ابا کی لاڈو اور دادی کی سیما رانی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سیما رانی جوان ہو گئی۔ دادی اور ابا۔ دونوں کو ہی بچوں کی اعلیٰ تعلیم کا بہت شوق تھا۔ مگر گاؤں میں تو سکول انٹرنس تک ہی تھا۔ جاوید کو تو چھٹی میں ہی ہاسٹل بھیج دیا گیا۔ جبکہ سیما دسویں تک دوسرے گاؤں میں جاتی رہی اور پھر اس کے بعد وہ بھی ہاسٹل۔ جاوید انجینئر بنا۔ دادی اور ابا کی تو منو من کی مراد پوری ہوئی۔ گاؤں بھر میں موتی چور کے لڈو تو بانٹنے ہی ساتھ ہی سر اسجانے کی فکر بھی لاحق ہو گئی۔ خاندان بھر [illegible] کے پھولوں کی طرح لڑکیوں کی خوشبو میں آنے لگی۔ لیکن قرعہ بڑے چچا کی بیٹی تابندہ کے نام نکلا۔ جو خوب صورت اور ذہین تو تھی ہی۔ رکھ رکھاؤ [illegible] وہ بھی ہاسٹل میں ہی رہ کر پڑھ رہی تھی۔ سو طے یہ ہوا کہ چونکہ جاوید کی نوکری بھی شہر میں تھی اور لڑکیوں کا کالج بھی تو شہر میں ہی ڈیرے لگا لیے جائیں۔ دادی دل سے تو راضی نہ تھیں پر بچوں کی خوشی کے لیے آنا پڑا۔

سیما نے تو بھائی کی شادی پر سارے ارمان پورے کیے۔ خوب صورت تو تھی ہی۔ سادگی اور معصومیت نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے۔ جاوید کے دوست منصور کی اماں تو دل و جان سے فدا ہو گئیں۔ اور جاتے جاتے دادی کے کان میں رشتہ بھی ڈال گئیں۔ صلاح مشورے کے بعد منگنی بھی کی گئی لیکن شادی کے لیے [illegible] تک کی مہلت لے لی۔ کیونکہ سیما امتحانوں سے پہلے شادی کے لیے بالکل راضی نہیں تھی اور دادی تو جیسے اسی انتظار میں بیٹھی تھیں۔ ابھی سیما کی شادی کو ہفتہ بھی نہ گزرا ہو گا کہ دادی گزر گئیں۔ اور اگر منصور، سیما کو نہ سنبھالتا تو وہ دادی کا غم اتنی آسانی سے نہ بھول پاتی۔ منصور تو جیسے اس کی دادی کی قبولیت کی گھڑی میں مانگی گئی دعا تھا۔ بے پناہ خیال رکھنے والا۔ محبت کرنے والا۔ سیما کی خوشی کی خاطر جان تک نچھاور کرنے والا۔ سیما کو زندگی نے بھر بھر کے دیا تھا۔ ایک ماں کی کمی کے بعد اور کوئی کمی اس کے حصے میں نہیں آئی تھی۔ منصور کی اماں ذرا سخت مزاج تھیں۔ مگر منصور اس طریقے سے معاملات سنبھالتا کہ سیما کو رشک آتا۔

جاوید کے ہاں محب کی پیدائش ہوئی تو منصور نے سیما کی خواہش کے احترام میں ایک سے بڑھ کر ایک کھلونے اور کپڑے لے کر دیے۔ حالانکہ اس کی اماں کو یہ فضول خرچی لگ رہی تھی۔ لیکن منصور نے سہولت سے اماں کو سمجھا لیا اور پھر جب ایک سال بعد ان کے ہاں مدح کی پیدائش ہوئی تو منصور تو جیسے ہواؤں میں اڑنے لگا۔ بار بار اس کے ہاتھ، پاؤں کل چھوتا اور بے یقین سا کہتا۔

"یقین نہیں آتا سیما! کہ یہ پیاری سی بچی ہمارے وجود کا حصہ ہے۔" اور سیما مسکرائے جاتی اور کون جانتا تھا کہ یہ آسودہ مسکراہٹیں سیما کے نصیب میں اب اور نہیں تھیں۔ اور گزرتی شاموں میں ایک ایسی شام آئی کہ منصور کے آنے کے بجائے اس کے بچھڑنے کی اطلاع آئی۔ ٹرالر اور موٹر سائیکل کے تصادم میں نسیم اور مدح کی دنیا اجڑ گئی۔ ہر چیز ساکن ہو گئی۔ دنیا، وقت، موسم، حسیات، احساسات۔ بس ایک ننھی بچی کی چیخیں تھیں جو ہر ساکن چیز کو جھنجھوڑ دینا چاہتی تھیں۔ تابندہ، سیما اور بچی کو سنبھالتے سنبھالتے ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔ ابا اپنی لاڈو کو دیکھتے اور پھر اس کی لاڈو کو دیکھ کر آنسوؤں کے گولے حلق میں اتارنے لگتے۔ اور جاوید تو بے بس تھا کہ کیسے اپنی پیاری بہن کی آنکھوں سے آنسو چن کر ستارے بنا

دے۔

چند دن بعد ہوش میں آئی۔ مدح کو سینے سے لگا کر منصور کے چلے جانے کا یقین کرتی پھر سے بیا گھر سدھار گئی۔ منصور نہیں رہا تو کیا ہوا۔ اس کا گھر تھا، کمرہ تھا۔ ہر چیز منصور کی تھی جس میں سے اس کی خوشبو آتی تھی۔ وہ اسی خوشبو میں گم ہو کر زندگی گزار دینا چاہتی تھی۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ ساس اور سسر کی طرف سے بال بچے دار جیٹھ سے نکاح کرنے پر اتنا زور ڈالا گیا کہ وہ منصور کی خوشبو کو مدح کے وجود میں لپیٹ کر باپ کی دہلیز پہ آ بیٹھی۔ کبھی واپس نہ جانے کے لیے۔ ہنستی بستی رنگین چڑیا کے رنگ جیسے وقت کی جلتی دھوپ میں جل گئے تھے۔ ابا سے بیٹی کا دکھ دیکھا نہ گیا اور تین ماہ بعد وہ بھی چل بسے۔ جاوید، نسیم اور تابندہ تو جیسے پے در پے دکھوں سے لڑتے جینا ہی بھول گئے تھے۔ لیکن محب اور مدح کی ننھی کلکاریاں ان کی انگلیاں تھام کر زندگی کی طرف کھینچ لائیں۔ زندگی پھر سے وہیں سے شروع ہو گئی جہاں پر رکی تھی۔ ہاں البتہ اب کچھ پیارے ساتھ نہ تھے۔

تابندہ نے یونیورسٹی میں ٹاپ کیا تو اس کے لیے سے لیکچرر شپ کی آفر کو قبول کرنا سیما کی محبت نے آسان کر دیا۔ محب اور مدح دونوں سیما کی مہربان آغوش میں پلنے لگے اور پھر چھ سال بعد ایشل کی آمد تو گویا ان کی زندگیوں میں دھنک رنگ لے آئی۔ وہ بھی رنگین چڑیا تھی۔ مدح کی تو وہ گڑیا بن گئی۔ پڑھائی اور ایشل کے علاوہ مدح کی کوئی مصروفیت نہ تھی اور ایشل بھی ماں سے زیادہ مدح کے آنے کا انتظار کرتی۔ اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر اس کا استقبال کرتی۔ وقت کے ساتھ یہ محبت مزید گہری اور مضبوط ہوتی چلی گئی۔ ایشل مدح کے بغیر نامکمل تھی اور مدح ایشل کے بغیر ادھوری۔

☼ ☼ ☼

تہمینہ خالہ کچھ کچھ پرانی جون میں آ رہی تھیں۔۔۔ سب کے ساتھ وقت گزارنے کی وجہ سے حسان کی شادی کا غم کم ہو رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کل رات بہت دیر تک گپ شپ چلتی رہی۔۔۔ پرانی والی خالہ تہمینہ کے قہقہے بھی گونجے اور خالو کے مزے مزے کے لطائف نے بھی سماں باندھ رکھا تھا۔ رت جگے کی وجہ سے ایشل جن مشکلوں سے صبح اٹھ کر کالج گئی تھی یہ وہی جانتی تھی اور اب واپسی پہ گاڑی میں ہی سو جانے کی خواہش کو بمشکل دبا کر وہ گیٹ میں داخل ہوئی۔

اتنی نیند اور بوجھل پن کے باوجود اسے پہلے اپنے ہاؤس کو دیکھنا تھا۔ اذان جو ابھی ابھی کمرے سے باہر نکلا تھا۔ ایشل کو پچھلے صحن میں جاتا دیکھ کر اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔ اور وہ حسب معمول میاؤں میاؤں کرتے چیکو، ٹونا، ٹائیگر اور پنی کے بیچ میں گھری ساری تھکاوٹ بھولے بیٹھی تھی۔ ایشل اور ماما کے اختلافات میں ایک وجہ گیٹ ہاؤس بھی تھی۔۔۔ لیکن ایشل کو اس سے خوشی ملتی تھی سو پچھلا صحن اس کا اور

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی نئی پیشکش

سوچ نگر کی رانی

رضیہ جمیل

قیمت -/350 روپے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

اس کی کیٹ کا تھا۔

"یار! یہ چیکو تو مجھے دے، دو بہت پسند ہے مجھے۔" سفید دودھیا لمبے بالوں سے بھرے بھرے چیکو کو گود میں لیے اذان بولا۔

"خبردار۔۔۔ سوچنا بھی مت۔" وہ جوان کے برتنوں میں کھانا ڈال رہی تھی تیکھے چتونوں سے مڑی۔

"کیوں جی؟" وہ بھی ٹیڑھا ہوا۔

"جب میں نے انہیں خریدا تھا تب مجھے پتا نہیں تھا کہ بلیوں اور کتوں کی خرید و فروخت ممنوع ہے۔ اس لیے میں چیکو تمہیں بیچوں گی۔۔۔ سوچنا بھی مت۔" اب وہ صحن کے کونے میں لگے بیسن پر ہاتھ دھو رہی تھی۔

"میں تم سے خریدوں گا بھی نہیں۔"

"تو کیا گفٹ دے دوں تمہیں؟ اتنی دوستی نہیں ہوئی ہماری۔" ہاتھ جھاڑتی وہ لاؤنج میں چلی آئی۔ وہ بھی پیچھے ہی تھا۔

"کتنی روڈ ہو تم۔۔۔"

"میں اس سے بھی زیادہ روڈ ہو سکتی ہوں۔۔۔ لیکن تم تو میری خالہ کے بیٹے ہو اور دوسرا مہمان ہو۔۔۔ سو بخشا تمہیں۔" وہ سیڑھیاں چڑھتی شان بے نیازی سے بولی۔

"بہت شکریہ۔۔۔ اس رعایت کے لیے۔" بدمزہ سا ہو کر بولا۔

"یو مور دین ویلکم ڈیئر۔۔۔" اس کو چڑاتی بہ آواز بلند کہتی وہ اپنے کمرے میں داخل ہو چکی تھی۔۔۔ اسے بہت دیر تک سونا تھا اب۔

☼ ☼ ☼

حمدان آ چکا تھا۔۔۔ ایشل اور مدیح کیا، گھر کا ہر فرد اس کی شخصیت کے زیر اثر آ چکا تھا وہ کوئی ساحر تھا۔ چھ فٹ سے نکلتا قد کاٹھ اسے سب میں ممتاز کرتا۔ اس کی پرکشش آنکھوں کی چمک اس کے پورے چہرے کو روشن رکھتی۔۔۔ اس کی کشادہ پیشانی پر گرے سیدھے بال جنہیں وہ وقتاً فوقتاً ہٹاتا رہتا۔ اس کی شخصیت کو نمایاں کرتے تھے اور سب پر حاوی اس کی ٹھہری ہوئی صاف اور بھاری آواز گو کہ وہ بہت کم بولتا تھا۔ مگر جب بولتا تو سب یکدم خاموش ہو کر توجہ سے اسے سنتے۔ سب کے درمیان بیٹھا ہوا۔۔۔ خاموش ہونے کے باوجود پوری محفل پہ چھایا ہوتا۔ بات بے بات مسکراتا نہیں تھا۔ پھر بھی ایک مستقل مسکراہٹ تھی جو اس کے پورے وجود کو حصار میں لیے ہوئے تھی۔ ایشل سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اذان جیسے بے ڈھنگے کھلاڑی ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی تو صحیح معنوں میں بولتی بند ہو چکی تھی۔

حمدان امریکہ کی جس سافٹ ویئر کمپنی میں کام کرتا تھا وہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی تھی۔ سو اس کو ٹرانسفر کا بالکل مسئلہ نہیں ہوا تھا۔ ہاں اب یہاں ایڈجسٹ کرنے میں اسے کافی مشکلات پیش آنے والی تھیں۔ خالو نے گھر تو خرید لیا تھا مگر ابھی شفٹ ہونے میں دو چار دن لگ سکتے تھے۔ لہٰذا پھپھو نے رضاکارانہ طور پر حمدان کے لیے اپنا کمرہ خالی کر دیا اور خود ایشل اور مدیح کے کمرے میں آ گئیں۔

اگلی صبح اتوار تھی۔ سو فرصت ہی فرصت تھی۔ ایشل حسب سابق دوپہر بارہ بجے اٹھ کر نیچے آئی۔ سیڑھیوں سے اترتے ہی لاؤنج کا منظر واضح تھا۔ حمدان ٹی وی پر بزنس اپ ڈیٹ دیکھ رہا تھا۔ ایشل سمجھی شاید وہ بور ہو رہا ہے۔ اور اس گھر میں ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ کسی مہمان کو آئے دو روز گزر چکے تھے اور ایشل کی اس سے بات چیت صرف ہیلو ہائے تک محدود تھی۔ ایشل نے خود کو گھرکا۔ ایسا بھی کوئی جن کا بچہ نہیں تھا کہ بات کرنے پہ ہی کھا جائے گا۔ اس کی خالہ کا بیٹا ہے۔ سو بات کرنے میں کیا حرج تھا۔ ایشل اپنی ہچکچاہٹ تھپکتی اس کے برابر کے صوفے پر آ بیٹھی۔

"اور پھر حمدان بھائی۔۔۔ سب ٹھیک ٹھاک۔۔۔" وہ بے تکلفانہ گویا ہوئی۔ حمدان نے بدمزہ سا ہو کر ٹی وی سے نظریں بمشکل ہٹا کر برابر کے صوفے پر متمکن اپنی کزن کو دیکھا جو بے وجہ ہی بے تکلف

ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔

"جی۔۔۔" روکھا اور مختصر سا جواب دے کر وہ دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایشل کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ اسے آج تک کبھی کسی نے یوں نظرانداز نہ کیا تھا۔

"آفس کب سے جوائن کر رہے ہیں۔۔۔؟" خود کو تسلی دے کر اس نے ایک اور کوشش کی۔

"کل سے۔۔۔" چند سیکنڈز کے توقف کے بعد وہ بولا۔ اس بار نظریں ٹی وی پر ہی جمی رہیں۔ ایشل کے تلوؤں پہ لگی سر پہ بجھی۔

"میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔۔۔" جلتی بھنتی اٹھتے اٹھتے بھی اخلاقاً" کہہ گئی، مگر دانت پیستے ہوئے۔

"جی شکریہ! میں پی چکا ہوں" نظریں ہنوز ٹی وی پر۔ غصے میں فوں فاں کرتی کچن میں جا کر دم لیا۔ جہاں مدح چائے بنا رہی تھی۔

"بدتمیز، سڑو، پتا نہیں سمجھتا کیا ہے خود کو۔۔۔"

"کیا ہوا۔۔۔ کس کی شامت آ گئی۔" غصے سے ڈائننگ چیئر دھکیلتی ایشل کو مدح نے مڑ کر دیکھا۔ وہ ابھی رات والے پلازو اور ڈھیلی ڈھالی شرٹ میں تھی۔ اور چہرہ دھو کر خشک کرنے کی زحمت نہیں کی گئی تھی کیونکہ کیچر کی گرفت سے آزاد بالوں کی لٹیں چہرے کے دائیں بائیں چپکی ہوئی تھیں۔

"میں اس گھر میں رہتی ہوں بلکہ یہ میرا گھر ہے لیکن مجھے آج سے پہلے نہیں پتا تھا کہ بزنس چینل بھی ہمارے ٹی وی پر آتا ہے اوپر سے ایٹی ٹیوڈ تو دیکھو محترم کا۔۔۔ جیسے یہ گھر ان کا ہو اور ہم دو چار دنوں کے لیے آئے ہوں۔" مدح مسکرا دی۔ سمجھ گئی کہ حمدان کے بارے میں کہا جا رہا ہے۔

"کیوں؟ کیا کہہ دیا بے چارے نے؟"

"ہونہہ، بے چارہ کچھ کہہ کر تو دکھائے مجھے۔۔۔ مجھے لیے آنور کر رہا تھا، جیسے میں کوئی بچہ ہوں۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالے۔

"اچھا اگر تمہیں بچی نہ سمجھتا تو پھر کیسے آنور کرتا۔" مدح نے اسے چھیڑا۔

"کیوں وہ کوئی راجہ اندر ہے کہ آنور ہی کرتا۔" وہ اور جلی۔

"چھوڑو ناں۔۔۔ بس ذرا ریزرو ہے اور کوئی وجہ نہیں۔" مدح نے کیبنٹ سے کپ نکالتے ہوئے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

"ریزرو نہیں ہے مغرور ہے۔ امریکہ کا رعب ڈال رہا ہے ہم پہ۔۔۔ مگر یہ جانتا نہیں کہ ہم امریکہ کو کچھ نہیں سمجھتے۔ اب ذرا سی پیک بن لینے دو، پھر دیکھنا کیسے امریکہ کی ہوا نکلتی ہے۔" مدح نے اچانک اس امڈنے والی حب الوطنی پہ بمشکل اپنا قہقہہ چھپایا۔

"میں تو آج تک محب بھائی کو ون اینڈ اونلی سمجھتی تھی۔ لیکن مبارک ہو بہن! میرے بھائی میں ابھی اخلاقیات باقی ہیں۔" اب وہ اٹھ کر ڈسپنسر سے پانی پینے لگی تو نظر لان میں کھلنے والی کھڑکی سے باہر گئی۔ جہاں گھر کے باقی افراد خالو کی کسی بات پر قہقہے لگا رہے تھے۔

"کہیں سے بھی یہ ان کا بیٹا نہیں لگتا۔" پانی پی کر بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔

"بری بات ایشا۔۔۔ تم تو بڑوں کے متعلق ایسے بات نہیں کرتی تھیں۔" اب وہ کپوں میں چائے نکال رہی تھی۔

"مدح! تم میری سائیڈ پہ ہو اچھا! اور میری چائے بھی باہر ہی لے آنا۔" باہر سے آتے قہقہوں میں شامل ہونے میں اسے زیادہ دلچسپی محسوس ہوئی، بہ نسبت حمدان کو کوسنے کے۔

"ناشتا تو کر لو۔"

"میں ڈائٹنگ پہ ہوں۔" ہانک لگاتے وہ یہ جا وہ جا۔

"ناشتہ چھوڑ کر کون سی ڈائٹنگ ہوتی ہے پاگل لڑکی۔" مدح کپ ٹرے میں رکھتی تاسف سے منمنائی۔

☼ ☼ ☼

مغلئی دور کے قلعوں کے دروازوں جیسا اونچا، چوڑا کسی ماہر کاریگر کے بنائے نقش و نگار سے مزین دروازہ۔۔۔ دروازے کی شان کو بڑھاتے بیرونی دیوار کے ساتھ ساتھ بنی کیاری میں لگے پھول بوٹے، خوش کن دور تک چمکدار ٹائلوں سے سجا سڑک نما راستہ۔۔۔ جس کے اطراف کھلتے رنگ کی گھاس کی عبا میں لپٹے دولان۔

وہیں لان میں کھڑے ہوؤں کو اپنی طرف متوجہ کرتا نیرس پہ ہوا لکڑی کا کام۔۔۔ اور پھر گھر کے داخلی دروازے کے ساتھ خوب صورت چھوٹے بڑے پتھروں سے بنی ایک مصنوعی آبشار۔۔۔ خوب صورت داخلی دروازہ۔۔۔ کشادہ، چمکدار ٹائلوں کے فرش سے سجا لاؤنج اور سب سے بڑھ کر جگہ جگہ لکڑی کے خوب صورت نقش و نگار جو دیواروں کو ایک دھیما سا تاثر دیتے۔

پاکستان آنے کے بعد یہ گھر وہ دوسری چیز تھی جو حمدان کو بے حد پسند آئی تھی۔ پہلی چیز سیما پھوپھو کے ہاتھ کے بنے موتی کے پراٹھے تھے۔ وہ ابا کی پسند کو اور اپنا ہر کمرے کو گھوم پھر کر دیکھتا رہا۔۔۔ ضروری سامان تو تھا۔۔۔ ہاں ابھی بہت سارا سامان آنا باقی تھا۔ اب وہ اماں کی بنی سب ان کے ساتھ بیٹھ سٹ بنوا رہا تھا۔۔۔ لسٹ دیکھ کر ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ ابھی بہت چکر لگنے تھے بازاروں کے۔۔۔ وہ دل ہی دل میں کمر کسنے لگا۔

☼ ☼ ☼

بلیک نیٹ کا لانگ فراک پہنے وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے سلکی بالوں سے الجھ رہی تھی کہ آئینے میں اچانک مدح کے عکس کو دیکھ کر وہ فوراً پلٹی۔ مدح چیچ کلر کا انکل کھا فراک پہنے ڈریسنگ روم سے نکلی تھی۔

"واؤ۔۔۔ مدح تم کتنی خوب صورت ہو۔۔۔" ایشل، مدح کی تعریف کرنے میں کبھی بھی کنجوسی سے کام نہیں لیتی تھی۔

"بتا رہی ہو یا پوچھ رہی ہو؟" ہمیشہ کی طرح نیچے پ

کر کہتی وہ اس کے پاس آن کھڑی ہوئی۔

"بتا رہی ہوں۔۔۔ کیوں کہ تم تو اپنے حسن سے بالکل بے خبر ہو۔" بے نیازی سے کہتی وہ دوبارہ بالوں میں الجھ گئی۔

"اچھا تو تم ہی بتا دو۔۔۔ کیسے اپنے حسن کی خبر لوں؟" دھیمی مسکان کے ساتھ مدح بھی اپنے لانبے بال سنوارنے لگی۔

"ہوں۔۔۔ اگر سیریس ہو تو میں تمہیں گائیڈ کر سکتی ہوں۔۔۔" سامنے کے بالوں کو ہلکا سا ٹوسٹ دے کر پن لگا کر جیسے فارغ ہوئی۔

"ہاں نا۔۔۔ پلیز۔" مسکراہٹ دباتے شرارت سے بولی۔

"تو سب سے پہلے تو اپنے بالوں کو کوئی کٹ دو، ایسے نہیں تو سامنے سے ہی۔۔۔ اور اپنے بیگ میں فضول سی چیزوں کے علاوہ ایک چھوٹا سا پاؤچ میک اپ کا بھی رکھو۔۔۔ ہلکے رنگ کی لپ اسٹک ہر وقت لگا کر رکھا کرو۔۔۔ اور ہاں۔" اس کے ارد گرد گھومتی وہ کسی ماہر کی طرح اسے حسین لگنے کے گر بتا رہی تھی۔

"سب سے بڑھ کر تھوڑی سی ادائیں سیکھو۔۔۔" سیدھا جا کے محب بھائی کے دل پر وار کریں۔۔۔" آخری جملہ شرارت سے جھک کر مدح کے کان میں کہا تو اب میں اس نے کھینچ کر پیشو برش اس کے بازو پر مارا۔

"بہت فضول ہوتی جا رہی ہو تم۔۔۔ فوراً اپنی دوستیں بدلو۔۔۔" بے فکر کھلکھلاہٹیں سن کر کمرے کی دیواریں بھی مسکرانے لگیں۔ آنکھوں پر لانفر مسکارا اور اپنے دوپٹے کی ہم رنگ لپ اسٹک لگا کر فارغ ہوئی تو مدح کو دیکھ کر اپنا سر پیٹ لیا۔ معمول کی طرح چٹیا بنا کے اور کاجل لگائے کھڑی مدح کو دیکھ کر کھول اٹھی۔

"ابھی کیا بتایا ہے تمہیں۔۔۔ بال کھولو اور یہ لپ اسٹک ہی لگاؤ۔۔۔" مدح کے مقابلے میں اپنا آپ سادہ اور بجھا لگنے لگا۔

"ہلکی لگانا پلیز۔" زبردستی لپ اسٹک لگاتی ایشل سے وہ التجا کرنے لگی۔

"پیچ کلر سے ہلکی کوئی لپ اسٹک ہے ہی نہیں ہمارے گھر۔ گڈ اب دیکھو۔" اسے آئینے کے سامنے گھما کر داد طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔ کہ دروازہ زور سے کھلا۔

"آ بھی جاؤ تم لوگ کب سے آوازیں دے رہی ہوں۔" ماما بالکل تیار کھڑی حسب معمول ڈانٹ رہی تھیں۔

"تہمینہ کا دوبارہ فون آچکا ہے۔۔۔ اور یہ کیا۔" دوپٹا گلے میں ڈال کر نکلتی ایشل کا چہرہ دیکھ کر ماما ٹھٹک گئیں۔

"یہ بے ہودہ رنگ کی لپ اسٹک کہاں سے آئی تمہارے پاس؟ اتارو اسے کوئی ہلکا رنگ لگاؤ' مدح کچھ اسے بھی عقل دے دو۔" ہمیشہ کی طرح توپ کے گولے ایشل پر داغ کر وہ نیچے جا چکی تھیں۔

"لال دوپٹا' لال شوز اور لال پرس کے ساتھ میں لال لپ اسٹک ہی لگاؤں گی۔۔۔ چھوپا باوٹ کر رہے ہیں۔" توپ کے گولوں کو ہوا میں اڑاتی وہ یہ جا وہ جا۔۔۔ مدح حیران پریشان اس کو جاتا دیکھتی رہ گئی۔

تہمینہ خالہ کے گھر ان کا شاندار استقبال ہوا۔ بیٹھنے کا انتظام لان میں ہی کیا گیا تھا۔ ایک طرف بار بی کیو کے لیے کوئلے دہکائے جا رہے تھے۔ حمدان سلام دعا کے بعد ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا جو تکوں اور کبابوں کا سامان تیار کر رہے تھے۔ ماموں کی فیملی بھی اسلام آباد سے آئی ہوئی تھی۔ ان کی بیٹیوں کی تیاری دیکھ کر تو ایشل کو اپنی تیاری معمولی ہی لگی۔ خالو کے کچھ فرینڈز اور حمدان کے دو ایک کولیگز تھے۔ اذان تو چہکتا پھر رہا تھا۔

"کس کا خون پی کر آئی ہو ڈریکولا میڈم؟" اس کی لال لپ اسٹک پر چوٹ کرتا وہ اسے زہر لگا۔۔۔ وہ بس گھور ہی سکی۔ کیونکہ ماما کی مستقل گھوریوں سے اس کا اعتماد تھوڑا کم ہو گیا تھا۔ انہی گھوریوں کا اثر تھا کہ وہ اندر جا کر ٹشو پیپر سے لپ اسٹک کم کر آئی تھی۔

محب ہاسپٹل سے ہی آیا تھا۔ محب آج کل اپنے موبائل میں زیادہ بزی پایا جاتا۔۔۔ اور آج بھی گیدرنگ اور ملے گلے سے زیادہ اسے موبائل میں دلچسپی تھی۔ کسی اور نے شاید یہ بات نوٹ نہیں کی تھی۔ لیکن ایشل کا سارا دھیان محب کی طرف تھا۔۔۔ شاید لاشعوری طور پر اس کی خواہش تھی کہ محب مدح کو دیکھے۔۔۔ زیادہ نہیں تو کم از کم ایک بار توجہ سے۔۔۔ لیکن توجہ تو کیا اس نے تو سرسری نظر بھی نہ ڈالی تھی۔ ایشل کو اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔۔۔ اس احساس سے چھٹکارا پانے کے لیے وہ مدح کا ہاتھ پکڑ کر گھر کے اندر لے گئی۔ اذان انہیں پورا گھر دکھاتا چھت پر لے گیا۔ اور جلد ہی وہ پورے چاند کو بادلوں کی اوٹ سے جھانکتے دیکھ کر سب بھول گئی۔

☆ ☆ ☆

"خالہ کا گھر کس قدر خوب صورت ہے مدح۔۔۔" کلینزنگ میک سے چہرے کا مساج کرتے ایشل نے پہلے دن سے تعریف کی۔

"ہوں۔۔۔" موبائل پہ بزی مدح نے ہوں سے ہی جواب دیا۔

"اور خالہ خود بھی کتنی پیاری اور سادہ ہیں۔۔۔ کوئی جھوٹا رکھ رکھاؤ دکھاوا نہیں ان میں۔۔۔ حسان بھائی کے نہ آنے پر کوئی جھوٹا بہانہ نہیں تراشا۔۔۔ بلکہ سب کو سچ ہی بتایا کہ کس طرح گھوڑی نے اپنے پنڈل میں پھنسا لیا ان کے معصوم کو۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"اور یہ بتاتے ہوئے کیسے ان کے چہرے کے رنگ بجھتے اور چند لمحوں بعد پھر نارمل ہو جاتیں۔" اب ٹشو سے چہرہ صاف کر رہی تھی۔

"صرف خالہ اور گھر ہی پسند آیا یا ان کے بچے بھی؟"

موبائل سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر مدح نے شرارت سے پوچھا۔

"بچے! ترس آتا ہے خالہ پر دونوں ہی انبارمل ایک کا اسکرو بالکل ڈھیلا اور دوسرے کے سارے اسکرو زنگ آلود۔۔۔ ایک ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار اور دوسرے کے جیسے دانت میں درد ہو۔۔۔" اس کی تشبیہات سن سن کر مدح ہنس رہی تھی۔ گلابی چہرہ مزید گلابی ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

تہمینہ اور اسفر صاحب لاؤنج میں بیٹھے رات کے فنکشن کے بارے میں ہی بات کر رہے تھے کہ سیڑھیوں سے اترتے حمدان کو دیکھ کر دونوں مسکراتے متوجہ ہوئے۔

"السلام علیکم۔۔۔" نائٹ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس الجھے بالوں کے ساتھ صوفے پر ڈھے سا گیا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ کیا ہوا برخوردار! کچھ زیادہ ہی تھک گئے کیا۔۔۔؟" اسفر صاحب شرارت سے گویا ہوئے۔

"بہت۔۔۔ واقعی صحیح سن رکھا تھا کہ یہاں کے لوگ فیملی گیدرنگ میں ساری ساری رات بھی جاگ سکتے ہیں۔" رات تین بجے ختم ہونے والی پارٹی پہ وہ کافی حیران تھا۔

"کیوں؟ تمہیں اچھا نہیں لگا کیا؟" تہمینہ نے الجھن سے پوچھا۔

"اچھا لگا۔ بلکہ میں تو سوچ رہا تھا کہ اچھا ہے ہمارے بچوں کا بچپن ہمارے جیسا نہیں ہو گا۔۔۔ کچھ بلا گلا ہو گا ان کی لائف میں۔۔۔ بس یہ ہے کہ مجھے تھوڑا اسٹیمنا بلڈ کرنا پڑے گا۔" اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی تہمینہ اور اسفر صاحب نے بے اختیار ہی ایک دوسرے کی طرف مسکراتے لبوں کے ساتھ دیکھا گویا حمدان نے یہ بات کر کے ان کی کوئی مشکل آسان کر دی ہو۔

"یہ تو ہے۔۔۔ تو پھر کیا خیال ہے؟" تہمینہ پیار سے حمدان کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"کس بارے میں؟" ٹیبل پر پڑا میگزین اٹھاتے ہوئے وہ چونکا۔

"شادی کے بارے میں برخوردار۔۔۔" اسفر صاحب مسکرائے۔

"شادی کا یہاں کیا ذکر؟"

"اصولاً تو بچوں کے ذکر سے پہلے شادی کا ذکر ہونا چاہیے تھا۔ لیکن تم نے ترتیب خود ہی الٹی کر دی۔۔۔" تہمینہ مسلسل مسکرا رہی تھیں۔

"ہوں۔۔۔ تو یوں کہیے نا کہ آپ کو میری اماں آرام کرتی ہوئی بالکل اچھی نہیں لگتیں۔۔۔ اب ذرا سکون ہوا ان کی زندگی میں تو بہو ڈھونڈنے کی مشقت میں لگا دیں ان کو۔۔۔" میگزین کی ورق گردانی کرتا وہ مصروف سا بولا۔

"مجھے بھی اس ڈھنڈیا میں نہیں پڑنا بیٹا جی۔۔۔ بہو میں ڈھونڈ چکی بس تم ہاں کرو تو میں بات چلاؤں۔" تہمینہ تو جیسے ہتھیلی پہ سرسوں جمانے چلی تھیں۔

"ہیں۔۔۔ کون؟" وہ اتنی جلدی پر ہڑبڑا سا گیا۔

"اپنی ایشل اور کون۔۔۔؟" اماں تو یوں بولیں جیسے اور کوئی گنجائش ہی نہ ہو۔

"کون ایشل؟ ایشل!" تھوڑا الجھا پھر شہادت کی انگلی صحن کی جانب اشارہ کر کے ایشل کہا۔ گویا وہ ابھی بھی باہر صحن میں بیٹھی ہو۔ اماں کی تصدیق نے تو گویا ہلا کر رکھ دیا۔

"لگتا ہے آپ کی تھکاوٹ ابھی اتری نہیں۔۔۔؟" میگزین بند کر کے ایک طرف رکھا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" تہمینہ اپنی بات کے جواب میں یہ بات توقع نہیں کر رہی تھیں۔

"آپ تھوڑا ریسٹ کریں۔۔۔ بلکہ ایسا کیوں نہیں کرتے آپ لوگ۔۔۔ کہاں گئے تھے آپ لوگ ہنی مون پہ اماں۔۔۔ آپ کی فیورٹ جگہ۔" وہ دماغ پہ زور دیتا کھڑا ہو گیا۔

"ارے ہاں تاران کاغان۔۔۔ وہیں جائیں کچھ دنوں کے لیے۔۔۔ انجوائے کریں، پھر سے پرانے دن یاد کریں۔" وہ اماں کی بات ہوا میں اڑاتے مفت میں

مشورہ دیتا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

"اور ہاں۔۔۔ نکلنے سے پہلے ایک کپ کافی اوپر بھجوا دیں۔۔۔" تہمینہ ہکا بکا اس کو جاتا دیکھتی رہ گئیں جبکہ اسفر صاحب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"نامعقول۔۔۔" تہمینہ بڑبڑانے لگیں۔

"نامعقول نے بات بہت معقول کی ہے۔۔۔ تو پھر کیا خیال ہے۔۔۔ کل کی ٹکٹس کروالوں۔۔۔" اسفر صاحب کے شرارتی لہجے پر تہمینہ کے چہرے پر بکھری ناگواری کی جگہ مسکراہٹ نے لے لی۔

☼ ☼ ☼

آج کل وہ بہت تھکنے لگا تھا۔ وہ پہلے بھی بہت کام کرتا تھا۔ کبھی کبھی تو بارہ گھنٹے بھی۔۔۔ لیکن یہاں نئے لوگوں اور نئے طریق کار کو سمجھنے میں اسے کافی وقت لگ رہا تھا۔ آدھا گھنٹہ شاور لینے کے بعد وہ خود کو تروتازہ محسوس کر رہا تھا۔ اماں نے شروع سے اصول بنا رکھا تھا کہ اگر آپ سو نہیں رہے یا ضروری کام نہیں کر رہے تو گھر والوں کے ساتھ بیٹھیں۔۔۔ الگ تھلگ کمرہ بند کر کے بیٹھنے کو بہت برا سمجھا جاتا تھا۔ وہ فریش ہو کر لاؤنج میں ہی چلا آیا۔ اماں دیکھتے ہی بلائیں لینے لگیں۔ حسب معمول۔

"کیا سوچا پھر تم نے بچے۔۔۔" معمول کی بات چیت کے بعد اماں گویا ہوئیں۔

"کس بارے میں۔۔۔" خدا جانے بھول چکا تھا یا قصداً" بھولا بن گیا۔

"شادی کے بارے میں۔۔۔ ایشل کے بارے میں۔" اماں جھنجلائیں۔

"اذان آج لیٹ نہیں ہو گیا۔۔۔؟" آج پھر ٹالنے کے موڈ میں تھا۔

"تمہیں ایشل اچھی نہیں لگتی کیا۔۔۔؟" اماں نے تفکر سے پوچھا۔۔۔ ابا تو گویا ان دونوں سے بے خبر کسی کتاب میں غرق تھے۔

"اماں۔۔۔ پلیز۔" ملتجی ہوا۔

"تو کوئی اور۔۔۔؟" دل میں بیٹھے ناگ نے سر اٹھایا۔

"نہیں اماں۔۔۔ پرایشل نہیں۔۔۔" وہ جز بز ہوا۔

"کیوں؟" اماں بضد تھیں۔

"بچی ہے وہ اماں۔۔۔ کم از کم بھی آٹھ دس سال چھوٹی ہو گی مجھ سے۔" وہ بھی دوبدو ہوا۔

"تو نے آٹھ سال۔" اماں نے گویا تصحیح کی۔ وہ بے ساختہ مسکرا اٹھا اور کتاب کے پیچھے ابا بھی۔

"وہی تو۔۔۔ یہ کم ہے کیا؟"

"تمہارے ابا مجھ سے دس سال بڑے تھے۔۔۔"

"تو؟ ابا سافٹ ویئر انجینئر بھی تو نہیں تھے۔" وہ شرارت سے بولا۔

"وہ بہت اچھی، سلجھی ہوئی بچی ہے۔" اماں ایشل کی تعریفیں کر کے اسے رام کرنے لگیں۔

"جی یہی تو۔ بچی ہے۔ قد نکال لیا تو کیا ہوا؟ بچپنا ہے ابھی اس میں اماں!"

"اس کی خوش مزاجی کو بچپنا کہتے ہو تو کہتے رہو۔۔۔ مجھے تو ایسی ہی بہو چاہیے، سن لو تم بھی۔" اماں نے ہاتھ جھاڑے۔

"تو ضرور بنائیں اسے بہو اماں! لیکن اذان کے حوالے سے اور پلیز اس ٹاپک کو کلوز کریں اور ایک کپ کافی پلوا دیں۔" وہ شاکی نظروں سے ابا کو دیکھتا سیڑھیاں چڑھ گیا۔ اور پھر سلسلہ رکنے کی بجائے بڑھنے لگا۔ ناشتے کی میز پہ، آفس سے واپسی پر۔ چھٹی کے دن۔ گویا اماں نے ضد پکڑ لی ہو۔

اور تو اور اذان بھی کسی سے کم نہیں تھا۔ "بھائی ابھی ہاں نہ کرنا۔۔۔ مجھے پہلے کنفرم کر لینے دو کہ وہ اپنی کنڈیشنز لے کر آئے گی یا نہیں۔" اور وہ بس بڑبڑاتا رہ جاتا۔ لیکن بڑبڑانے سے کام نہیں چلنے والا تھا۔ اس نے ابا سے بات کرنے کی ٹھان لی۔

"ابا! کیا آپ بھی یہی چاہتے ہیں؟" وہ عشاء کی نماز کے بعد واک کے بہانے ابا کو نہر کنارے لے آیا تھا۔ مختلف آبی جانوروں کے مجسموں سے سجی نہر کے اوپر جلتی بجھتی روشنیوں کا عکس ابا کے متفکر چہرے پر بھی آ رہا تھا۔

"میں تمہاری ماں کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس

نے میرے ساتھ بہت دکھ سہے ہیں۔ میری ضد پر پردیس کاٹا ہے۔ جب میرے پاس کوئی کام نہیں تھا تو اس نے دو دو شفٹوں میں کام کر کے ہم چاروں کا پیٹ بھی پالا ہے اور پھر میری جلی کٹی بھی صبر سے سنی ہے۔" ابا اپنی ہتھیلی دیکھ کر گویا پچھتا رہے تھے۔

"اور اب حسان نے جو دکھ دیا ہے۔۔۔ بہت رو چکی ہے وہ۔"

"لیکن ابا! اماں کو اپنی خوشی صرف ایشل میں کیوں نظر آرہی ہے؟ ہو سکتا ہے کوئی ایسا آپشن تلاش کر لیا جائے جس میں ہم دونوں کی خوشی ہو۔" وہ ابا کے جواب سے جھنجلا سا گیا۔

"ہم دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ بہت امیچور ہے۔ آپ مجھے جانتے ہیں میں ایسا بندہ نہیں ہوں۔ میں تھوڑا کھردرا انسان ہوں۔ مجھے صبر و برداشت والی، میچور لڑکی چاہیے، جو مجھے سنبھالے نہ کہ میں اس کے ناز نخرے اٹھاؤں۔" وہ جیسے تھک کر چپ ہوا۔

"ہوں۔۔۔" ابا جیسے کسی سوچ میں ڈوبے۔

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے بیٹا! کہ اگر تم توجہ دو تو تمہاری ماں کی خوشی ہی تمہاری خوشی بن جائے۔"

"اِمپاسبل۔۔۔" ابا سے بات کرنا فضول ہے۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا۔

جبکہ دوسری طرف اینول ڈنر پر سلیکٹ کیے کپڑوں کے ساتھ میچنگ سینڈل ڈھونڈتی ایشل اس بات سے بالکل بے خبر تھی کہ اس کی ذات نے حمدان اسفر کی زندگی اتھل پتھل کر دی تھی۔ کچھ شرٹس خریدنے وہ اپنے کولیگز کے ساتھ مال آیا تو ہنستی کھلکھلاتی ایشل کو دیکھ کر اسے پھر اماں یاد آگئیں۔ اس کے ساتھ مدح بھی تھی جو اس کی پٹر پٹر چلتی زبان کے جواب میں بس مسکرا رہی تھی۔ اس نے یکدم نظر ہٹانا چاہی کہ کہیں اس کے کولیگز کچھ غلط نہ سمجھیں۔ لیکن پھر کچھ خیال آنے پر اس نے پلٹ کر مدح کو دیکھا۔ بہت غور سے نظر بھر کر۔۔۔ اور مسکرا کر آگے بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

"میں نے بچپن سے آج تک تم لوگوں پر اپنی مرضی نہیں تھوپی۔" اماں دودھ کا گلاس کمرے میں دینے آئی تھیں۔ پھر وہی موضوع۔

"جوتے کپڑوں سے لے کر پڑھائی تک۔۔۔ سب کچھ تم لوگوں نے اپنی مرضی سے کیا۔" وہ نڈھال سی تھیں۔

"تو اب کیوں اماں؟ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو آپ نے ہماری مرضی پہ چھوڑ دیا لیکن ہماری زندگیوں کے سب سے اہم فیصلے میں ہماری مرضی کو اہم نہیں سمجھ رہیں۔۔۔ جبکہ اب ہم میچور ہیں۔ کیوں اماں؟" وہ متاسف سا بولا۔

"یہ میری خواہش ہے بچے! اور جہاں تک میچورٹی کی بات ہے تو حسان کی میچورٹی دیکھ چکی میں۔" وہ چپ سا ہو گیا۔ حسان کی حرکت اس کی راہ کی رکاوٹ تھی۔

"کہیں تم بھی تو کسی گوری سے عہد نہیں باندھ آئے؟" وہ مشکوک سے انداز میں دیکھنے لگیں، وہ گڑبڑا گیا۔

"ارے نہیں اماں! مجھے اس رشتے سے مسئلہ صرف عمروں کے فرق سے ہے۔" وہ خاموش ہوا۔

"ایشل کے علاوہ بھی تو اور لڑکیاں ہیں خاندان میں جیسے مدح۔" گلا کھنکھار کر اس نے مدح کا نام لیا۔

"تم مدح میں انٹرسٹڈ ہو۔۔۔؟" کسی تفتیشی افسر جیسی کرختی کے ساتھ پوچھا گیا۔

"ارے نہیں اماں! انٹرسٹڈ نہیں ہوں بلکہ مجھے وہ ایشل کے مقابلے میں سمجھ دار لگی۔ بس۔" کنفیوژ سا ہو گیا۔

"اگر نہیں ہو تو اچھی بات ہے۔ اور اگر ہو تو اپنی ذہن سے اسے نکال دو کیونکہ وہ بچپن سے ہی محب سے منسوب ہے۔" لہجہ سخت ہوا۔

"تمہارے لیے صرف ایشل ہی پسند ہے مجھے۔۔۔ اگر ہاں کر لو گے تو خوشی ہو گی مجھے۔۔۔ اور اگر نہیں تو۔۔۔" وہ ذرا سا رکیں۔

"حسان کے بغیر رہ سکتی ہوں تو تمہارے بغیر بھی رہ

لوں گی۔" پہلے گلا رندھا اور ساتھ کب سے اٹکے آنسو گالوں پر بہنے لگے۔

"نہیں اماں! نہیں، رونا نہیں۔" وہ بوکھلا گیا۔

"نو بلیک میلنگ۔۔۔ میں اس بلیک میلنگ میں بالکل نہیں آنے والا۔" اپنا دایاں بازو اماں کے کندھوں کے گرد لپیٹ کر وہ بے بسی کی تصویر بنا اماں سے زیادہ خود کو تسلی دینے لگا۔

"جیسے آپ کی مرضی اماں۔۔۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اگلی صبح ناشتے کی ٹیبل پر اس نے اماں کو مژدہ جاں سنایا۔

"میرا بچہ! دیکھا تو نے ماں کا کلیجہ ٹھنڈا کیا ہے۔ اللہ تجھے بڑے بھاگ لگائے گا۔۔۔ ان شاء اللہ۔" فرط جذبات سے پھر آنسو آ گئے۔

"لیکن آئندہ میں آپ کو روتا نہ دیکھوں کبھی۔" وہ بلیک میلنگ میں نہ آنے کا دعویٰ کرنے والا ایموشنل بلیک میل ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی اسے ماں کی مدد کی امید تھی کہ کاش ایشل کے گھر والے انکار کر دیں۔

آفس میں روز کے کام نمٹاتے ایک نامانوس نمبر سے بار بار کال آ رہی تھی۔ دو بار نظر انداز کرنے کے بعد تیسری بار بالآخر اس نے اٹھا لیا۔

"کل خالہ ہمارے گھر آئی تھیں اور آپ جانتے ہوں گے کہ کس مقصد سے، میں نے فون اس لیے کیا ہے کہ آپ انکار کر دیں۔" رسمی سلام دعا کے بعد جب وہ بولی تو لہجہ صاف اور مضبوط تھا۔

چند ثانیے تو وہ کچھ سمجھ نہیں پایا جب سمجھ میں آیا تو بے ساختہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"ایشل۔۔۔؟" گویا تصدیق چاہی۔

"جی۔۔۔" ہموار لہجہ۔

"تو آپ کیوں چاہتی ہیں کہ میں انکار کر دوں؟" پریشانی کے بادل گویا چھٹنے کو تھے۔

"کیونکہ آپ سے مجھے شادی نہیں کرنی۔" ترکی بہ ترکی۔

"اور کیوں شادی نہیں کرنی؟" وہ مزید ریلیکس ہوا۔

"کیونکہ۔۔۔" وہ تلملا اٹھی سو بنا لگی لپٹی بولی۔

"آپ انتہائی خشک مزاج انسان ہیں اور پلیز مائنڈ نہ کیجیے گا ایسے بندے سے دوستی نہیں کر سکتی، شادی تو دور کی بات۔" صاف اور سیدھی بات ہی اس کا خاصہ تھی۔ لیکن بات کا اثر کچھ الٹا ہوا تھا۔ وہ تو قہقہہ لگا کے ہنسنے لگا تھا۔۔۔ آسودہ قہقہہ۔

"اف میرے خدا۔۔۔ اک یہی بات تو مجھے اپنی اماں کو سمجھاتے دو مہینے ہو چلے تھے۔۔۔ آپ تو بہت بہادر نکلیں ایشل بی بی۔۔۔" وہ بات کرتے ہوئے ہنس رہا تھا۔

"مجھے اپنی تعریف نہیں سننی۔۔۔ بس یہ کہنا تھا کہ آپ انکار کر دیں۔" اب کہ لہجہ اتنا صاف نہ تھا۔ وہ جز بز ہوئی۔

یہ احساس کہ صرف وہی نہیں حمدان بھی اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا عجیب ہتک آمیز تھا۔۔۔ وہ تو سوچے بیٹھی تھی کہ وہ اس کے غرور کو چکنا چور کرے گی۔۔۔ اسے ٹھکرائے جانے کا صدمہ دے کر۔۔۔ یہاں تو وہ خود صدمے سے دوچار ہوئی جا رہی تھی۔

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ میں اپنی سی کوشش کر چکا۔ اب انکار تو آپ کو ہی کرنا پڑے گا۔۔۔ میری سچویشن ذرا مختلف ہے مگر آپ تو سنا ہے لاڈلی بھی بہت ہیں اور اکلوتی تو ہیں ہی۔" ایشل نے فون ٹھک سے بند کر دیا۔ چہرہ جیسے دھواں دھواں ہو رہا تھا اور آنکھوں میں انگارے دہک رہے تھے۔ ایشل جاوید کو ریجیکٹ کیا گیا۔ یہ سوچ کر ہی غصے سے انگلیاں کپکپانے لگیں۔ خالہ کا پروپوزل اور اب حمدان کا انکار۔۔۔ یکے بعد دیگرے دو دھماکے کل رات ہی تو بابا نے اپنے کمرے میں بلا کر اس پروپوزل کا بتایا۔

"فوراً" سے پہلے انکار کر دیں بابا۔" بلا توقف وہ بولی تھی۔

"دیکھا میں نے کہا تھا جاوید۔۔۔ کوئی فائدہ نہیں بات کرنے کا۔" ماما نے تیکھے چتونوں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"تابندہ۔۔۔ میں بات کر رہا ہوں نا۔۔۔ وہ بہت اچھا لڑکا ہے بیٹا۔" ماما کو سرزنش کے بعد بابا بولے۔

"لیکن وہ حمدان بھائی ہیں بابا۔۔۔ مجھ سے کتنے بڑے ہیں وہ۔" بابا کے اصرار پر وہ حیران تھی۔ بھائی پر زور دیا۔

"عمروں کا فرق ایسی ٹھوس وجہ نہیں ہے بچے! جس کی وجہ سے ہم اتنے اچھے رشتے کو انکار کریں پھر یہ ان کی خواہش ہے تمہاری خالہ نے بہت مان کے ساتھ تمہارا ہاتھ مانگا ہے۔" بابا گویا ان کے وکیل بن گئے تھے۔

"لیکن بابا مجھے حمدان بھائی نہیں پسند۔۔۔ پلیز۔" اسے ماما کی شعلہ بار نظروں سے خوف آنے لگا۔

"رہنے دیں جاوید۔۔۔ ہم صرف ان کے جوتے کپڑوں اور پڑھائی کے اخراجات اٹھانے کے والدین ہیں۔ ان کی شادی یا ان کی تعلیم سے متعلق کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے ہمارے پاس۔" ماما تو غصے میں پرانے حساب بھی برابر کرنے لگیں۔۔۔ ایشل کی میڈیکل کے بجائے فائن آرٹس میں جانے کی ضد پہ ماما ابھی تک خائف تھیں۔ وہ اپنے ماں باپ کے رویے پہ حیران ہوتی وہاں سے آگئی تھی اور بہت سوچ کر حمدان کو فون کیا اور وہاں سے بھی ہتک آمیز جواب سن کر اب جلی بھنی بیٹھی آگے کا لائحہ عمل طے کر رہی تھی۔

یہ تو طے تھا کہ حمدان اسفراس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن فرمانبرداری کی سند حاصل کرنے کے لیے ہاں کیے بیٹھا تھا۔ اور اب وہ ایشل کی طرف سے انکار کا منتظر تھا۔

"لیکن حمدان اسفر میں چھوٹی ضرور ہوں' بیوقوف نہیں۔۔۔ انکار تو تم ہی کرو گے۔" آنے والے دنوں میں گھر میں پیدا ہونے والے حالات کے قطع نظر ایشل جاوید' حمدان اسفر کی بندوق کے لیے اپنا کندھا استعمال نہ کرنے دینے کا تہیہ کر چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج جب وہ آفس سے گھر آیا تو ہشاش بشاش تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے ایک عجیب سی اکتاہٹ اور تھکاوٹ جو اس کے چہرے کے نقوش میں رچ بس گئی تھی۔ آج مفقود تھی۔ لیکن توقع کے برعکس جب اماں کو سب کا منہ میٹھا کرواتے دیکھا تو ساری بشاشت رفو چکر ہو گئی۔

"تابندہ نے ہاں کر دی ہے۔" اماں کو تو ہفت اقلیم کی دولت مل چکی تھی جیسے۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ بول پایا۔ اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے پہلا کام ایشل کو فون کرنے کا کیا۔ مگر وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔۔۔ ایک' دو' تین۔۔۔ اس کی ہر کوشش بے سود۔ بالآخر اس نے سب کچھ اماں کو بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

رات بارہ بجے تک حمدان کی کالز آتی رہیں' لیکن اس نے ہر بار انکور کیا۔ آج جب وہ کالج سے چھٹی کے بعد وین کا انتظار کر رہی تھی تو خالہ کا فون آگیا۔ جو کہ متوقع تھا۔ خود کو تیار کرتے اس نے فون اٹھا لیا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ کیسی ہو میرے بچے؟"

"ٹھیک ہوں خالہ۔۔۔ آپ سنائیں۔" شور سے بچنے کے لیے وہ ایک طرف ہو گئی۔

"کیا تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو بیٹا؟" براہ راست خالہ نے پوچھ لیا۔

"آپ کو کس نے کہا خالہ۔۔۔؟" معصومیت۔

"حمدان کہہ رہا تھا کہ تم نے اسے کال کی تھی۔" تفکرانہ انداز۔

"میں نہیں خالہ۔۔۔ حمدان بھائی اس رشتے سے خوش نہیں ہیں۔" کال کس نے کی' یہ بات چھپا گئی۔

"اس نے یہ کہا تمہیں؟" تھوڑا غصہ آیا۔

"جی خالہ۔۔۔ اور ویسے بھی اگر وہ خوش نہیں ہیں تو آپ زبردستی نہ کریں پلیز۔۔۔" اپنی مرضی بالکل چھپا گئی۔ درحقیقت وہ حمدان کا کندھا استعمال کر رہی تھی۔

"ارے بیٹا۔۔۔ تم دونوں بچے ہو ابھی۔۔۔ ایک دوسرے کو سمجھو گے تو دعائیں دو گے ہمیں۔۔۔ اس کی تم فکر نہ کرو' میرا حمدان بہت اچھا' بہت محبت کرنے والا ہے۔ بیٹا بچہ ہے میرا۔۔۔ پرفیکٹ جوڑ ہو گا تم لوگوں کا۔۔۔ ان شاء اللہ میں توڑ رہی گئی تھی۔" خالہ نے تو یہ

ہی الٹ دی تھی وہ سر پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

سلور گرے کلر کے بھاری کامدار غرارے میں ڈیزائنر جیولری پہنے یہ وہ چلبلی سی لاپرواہ سی ایشل تو نہیں تھی۔ یہ تو کوئی مغلیہ دور کی شہزادی لگ رہی تھی۔ جو کسی دکھی شاعر کے بھیگے لفظوں میں ڈھلی اسٹیج پہ بیٹھی ہو۔ فوٹوگرافر کی کلک کے ساتھ ابھرنے والے فلیش سے اس کی آنکھوں میں اٹکے موتی صاف نظر آتے تھے مگر صرف دیکھنے والے کو اور وہاں کوئی اتنا فارغ نہیں تھا جو ان بے رنگ موتیوں کو دیکھتا۔۔۔ وہاں تو ہر کوئی اپنے اپنے سوگ کے موتی چن رہا تھا۔ قمقموں سے سجایا گیا لان' پھولوں سے بھرا اسٹیج' ڈی جے کے بجائے جانے والے رومانوی گانے' اذان کی پکاریں۔۔۔ کچھ بھی ماحول کی اداسی کو کم کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہے تھے۔ اور کسی نے اس اداسی کو محسوس کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ تہمینہ اور اسفر صاحب نے ضرور محسوس کیا۔ کبھی وہ ناراض ناراض سے بلیک ٹوپیس میں ملبوس اپنے شہزادے کو دیکھتے اور کبھی چپ چپ سے تابندہ اور جاوید کو دو چار بار پوچھنے کی کوشش کی لیکن مہمانوں کی مصروفیت میں یہ پوچھ نہ سکے۔

منگنی کی یہ تقریب اپنی نوعیت کی منفرد تقریب تھی۔ جس میں دولہا دلہن دونوں ہی خفا خفا سے تھے۔ دلہن کے چہرے پر تو چلو پھر بھی غم کا سا تاثر تھا۔۔۔ لیکن دولہا صاحب کا چہرہ بالکل بے تاثر اور سپاٹ تھا۔ کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ دولہا۔۔۔ اس وقت کیا سوچ رہا ہے۔ اس انوکھی تقریب میں انگوٹھیاں پہنانے کی رسم بھی دونوں کی اماؤں نے ادا کی۔ تقریب ختم ہوتے ہی اسٹیج پہ بیٹھے دونوں مجسموں نے سکھ کا سانس لیا۔ گھر کے بڑے مہمانوں کو الوداع کرنے لگے' محب تو تقریب ختم ہونے سے پہلے ہی کہیں چلا گیا تھا۔ سو اندرون شہر کے کچھ مہمانوں کو ڈراپ کرنے کی ذمہ داری اذان کے سر آئی۔ حمدان نے اشاروں ہی اشاروں میں اماں ابا کو چلنے کا کہا' لیکن انہوں نے یوں نظر انداز کیا گویا اس سونڈ بونڈ لڑکے کو جانتے ہی نہ ہوں' سو اس نے بھی کوئی مصروفیت ڈھونڈنے کے لیے اپنی جیبیں ٹٹولیں۔

"اذان! میرا موبائل؟" اسے یاد آیا کہ اذان نے تصویریں بنانے کے لیے لیا تھا۔

"مدح آپی کے پاس۔" گیٹ سے گاڑی نکالتے وہ بہ آواز بلند بولا اور زن سے گاڑی لے اڑا۔

"حد ہے ویسے۔۔۔" اس کی عقل پہ ماتم کرتا وہ بھی اماں ابا کے پیچھے لاؤنج میں آگیا۔ اسے کچھ میلز چیک کرنا تھیں۔ مدح اور ایشل تو اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ اس نے ارد گرد دیکھا' عابدہ ابھی باہر چیزیں سمیٹ رہی تھی۔ کچھ سوچ کر وہ خود ہی سیڑھیاں چڑھ گیا۔

"بس کر دو ایشل! اور کتنا روؤ گی۔۔۔؟" ایشل کی سسکیوں کے درمیان ابھرتی مدح کی پریشان سی آواز نے دستک کے لیے بڑھتا اس کا ہاتھ روک دیا۔

"تم کیوں نہیں رو رہیں مدح۔۔۔ تم بھی رو میرے ساتھ۔۔۔" ہچکیوں کی زد میں گھری ایشل کی آواز سن کر وہ از حد پریشان ہو گیا۔

"مجھے جتنا رونا تھا رو چکی۔۔۔ مجھے اب خوش ہونا ہے تمہاری خوشی میں۔۔۔" مدح نے گویا اس کو خوشی کا احساس دلانا چاہا۔

"خوشیاں ایسی ہوتی ہیں مدح۔۔۔ جو ہونا نہیں ہونا چاہیے تھا۔" رونا پھر سے شروع ہو چکا تھا۔

"بس کرو میری جان۔۔۔ تمہیں پتا ہے تم دونوں اتنے اچھے لگ رہے تھے ساتھ میں۔۔۔ اتنی پیاری اور مکمل جوڑی۔" حمدان اپنی عادت کے برخلاف ان کی باتیں سنتا خود کو قصوروار ٹھہرا رہا تھا۔

"سچی۔۔۔؟" سسکیاں لیتے بچوں کے سے انداز میں پوچھا گیا۔ وہ بھی مسکرا اٹھا۔

"سچی۔۔۔ اور پتا ہے حمدان چپکے چپکے تمہیں دیکھ رہا تھا۔ میں نے خود دیکھا۔" جھوٹی لڑکی حمدان نے سوچا مسکراتے ہوئے۔

"لیکن اچھا نہیں ہوا۔" ایشل کی سوئی وہیں اٹکی

تھی۔

"اف۔" مدح کی اکتائی آواز کے ساتھ وہ بھی اکتا گیا۔ اسے لگا جیسے وہ ریڈیو پہ کوئی ٹریجک ڈرامہ سن رہا تھا۔ بہرحال وہ ملز چیک کرنے کا ارادہ ترک کر کے واپس مڑا۔ میری وجہ سے ایک لڑکی کی آنکھوں میں کتنے آنسو آئے۔ وہ خود کو اپنے والدین کو قصوروار ٹھہراتا نیچے اتر آیا۔ لیکن وہاں ایک اور کہانی اس کی منتظر تھی۔ مدح اور ایشل کے مکالمے کا ابہام اب کھل گیا تھا۔

"اس لڑکے نے تو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا مجھے۔" یہ تابندہ تھیں جو محب کی درگت بنا رہی تھیں۔ کیونکہ محب نے مدح سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔

"میری تو خواہش تھی کہ ایشل اور حمدان کے ساتھ ان دونوں کی بھی رسم کر دیں گے۔ لیکن۔" پھر آنسو۔

"اف پاکستانی عورتیں کتنا روتی ہیں۔" حمدان بس سوچ ہی سکا۔ اسے اس جذباتی ماں سے بالکل ہمدردی نہیں ہو رہی تھی۔ بلکہ اس کے خیال میں اگر محب شادی مدح سے نہیں کسی اور سے کرنا چاہتا ہے تو مضائقہ کیا ہے۔ لیکن ان پاکستانی ایمو شنل ماؤں کا کیا کیا جائے۔

"تو مس ایشل اپنے رشتے کی وجہ سے نہیں بلکہ مدح کا رشتہ نہ ہونے کی وجہ سے رو رہی تھیں۔ میں یو شی شرمندہ ہو رہا تھا۔" وہ بلکا پھلکا ہو کر باہر نکل آیا۔ اب اسے عابدہ کو موبائل لانے کا کہنا تھا۔

☆ ☆ ☆

ایشل شاید اس رشتے کو روکنے کے لیے اور بھی ہاتھ پاؤں مارتی مگر وہ محب کی حرکت کی وجہ سے اپنے ماں باپ کی پریشانی کا احساس نہ کرتی تو۔ محب نے تو گویا اس گھر کے مکینوں پر بم پھوڑ دیا تھا۔ ماما کو تو ایشل اور محب سے زیادہ مدح پیاری تھی۔ محب کی خواہش ان کے لیے کسی صدمے سے کم نہ تھی۔ سیما پھوپھو اور مدح کے لیے تو تکلیف دہ تھا ہی، بابا بھی سیما پھوپھو سے نظریں چرانے لگے اور ایشل تو یقین ہی نہیں کر پا رہی تھی۔ کیا مدح سے اچھی بھی کوئی لڑکی ہو سکتی ہے محب بھائی کے لیے۔ اگر مدح کی پسند نہ ہوتی تو ایشل کو اتنا پرابلم نہ ہوتا۔ لیکن مدح تو محبت کرتی تھی محب سے۔ اس نے مدح کی محبت کو ہرٹ کیا تھا۔ ایشل اپنی ٹینشن بالکل بھول گئی۔ اسے صرف مدح کی فکر تھی۔ اس کی محبت کا غم تھا۔ مدح اور سیما پھوپھو نے ابتدائی جھٹکے کے بعد خود کو کسی حد تک کمپوز کر لیا تھا لیکن ایشل اپنی پسند ناپسند سب بھول کر اپنے ماں باپ کے دکھی دلوں کی خاطر منگنی کی انگوٹھی پہنے بیٹھی تھی۔

دو دن کے بعد وہ کالج گئی تو اس کے جانے سے پہلے ہی اس کی منگنی کی خبر پہنچ چکی تھی۔

"تھینک یو سینس منگنی کروا لی۔ ہمیں بتایا بھی نہیں۔" حیا نے اسے دھپ رسید کرتے ہوئے گلہ کیا۔

"تمہیں کس نے بتایا۔" وہ حیران تھی کیونکہ اس نے کسی کو بھی نہ بتانے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔

"مدح آپی نے ڈی پی لگائی ہے۔ یہ دیکھو، تھینکس ٹو مدح آپی۔ ورنہ تم تو خود سے نہ بتاتیں۔" اس کا دل چاہا اکیس توپوں کا رخ مدح کی طرف کر کے اس کو سلامی دے۔ اب سب حیا کا موبائل جھپٹ رہی تھیں۔

"دکھاؤ۔ دکھاؤ، مجھے بھی دکھاؤ۔"

"واؤ کتنا ہینڈسم منگیتر ہے تمہارا۔ کہاں چھپا کے رکھا تھا اتنا چارمنگ کزن۔" سب اسے چھیڑ رہی تھیں۔

"ویسے اس نے ہاں کیسے کر دی تمہارے لیے۔" صدف کے تبصرے سے تو جیسے اسے سوئی سی چبھی۔ صدف ان لڑکیوں میں سے تھی جو خود کو بڑی چیز سمجھتی ہیں۔ جل بھی گئی تھی شاید۔

"ہاں کیا مطلب۔ انہی کی ضد پہ تو ہوا ہے یہ رشتہ۔ ورنہ میں تو مان ہی نہیں رہی تھی۔" چبھن کے احساس کو کم کرنے کے لیے ایشل نے بنا سوچے سمجھے جھوٹ بولا۔ اور جلنے والے مزید جلنے لگے۔

"اوہو..." سب کورس میں اسے چھیڑنے لگیں اور وہ اب اس جھوٹ کو چھپانے کے لیے کئی سو جھوٹ اور بولنے والی تھی۔ سب اس کے گرد جمگھٹا لگائے بیٹھی تھیں۔ کوئی رشک بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی اور کوئی حسد بھری نظروں سے... اور وہ قلوپطرہ بنی حمدان کی اس محبت کے قصے سنانے لگی جس کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر کی فضا میں ایک عجیب سی خاموشی اور اداسی سرایت کر چکی تھی اور ہر فرد اس کے زیر اثر تھا۔ ایشل بھی مدح سے چھپتی پھر رہی تھی۔ اور مدح شاید سب سے۔ محب چاہتا تھا کہ حریم کے گھر رشتہ لے کر جائیں۔ لیکن کوئی اس کی بات سننے کو تیار نہ تھا۔ بلکہ کوئی اس سے بات بھی کرنے کو تیار نہ تھا۔ سوائے سیما پھوپھو کے۔ وہی اسے کھانا دیتیں' چائے پوچھتیں اور دوسرے چھوٹے موٹے کام۔ بنا کچھ جتائے' بالکل پہلے کی طرح۔

☼ ☼ ☼

حمدان کرسی کی پشت سے سر ٹکائے خود کو ریلیکس کر رہا تھا۔ تقریباً" ایک گھنٹے بعد میٹنگ رکھی گئی تھی۔ سو تب تک اسے ذہنی طور پر پرسکون ہونا تھا۔ موبائل کی میسج ٹون نے اسے متوجہ کیا۔

"پلیز۔" ایشل کا میسج تھا۔ صرف "پلیز" وہ تذبذب میں پڑ گیا اس سے پہلے کہ اسے فون یا میسج کرنے کا سوچتا انٹرکام کی گھنٹی نے متوجہ کیا۔

"سر! مس ایشل آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔" آپریٹر کی آواز آئی۔

"بھیج دیں۔" وہ حیران ہوا۔

"سر وہ اکیلی نہیں ہیں۔" آپریٹر الجھن میں تھی۔

"ان کے ساتھ جو بھی ہے انہیں بھی بھیج دیں۔" مدح ہوگی' اس نے سوچا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

چند ثانیوں کے بعد ہلکی سی دستک کے ساتھ پہلے ایشل کا پژمردہ چہرہ نمودار ہوا اور پھر ایک کے بعد ایک چار ہنستے مسکراتے چمکتے چہرے... ان میں سے کوئی چہرہ بھی مدح کا نہ تھا۔ یہ یقیناً" ایشل کی سہیلیاں تھیں۔ اخلاقاً" کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ وہ ابھی تک ان کی آمد کی وجہ نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ بار بار ایشل کے پھولے ہوئے منہ کو دیکھ رہا تھا لیکن وہ تو جیسے حمدان کے علاوہ کمرے کی ہر چیز کو دیکھنے آئی ہو۔

"منگنی کی بہت مبارک ہو حمدان بھائی۔" انہوں نے بیٹھتے ہی خود ہی اپنا اپنا تعارف کروایا اور مبارک باد دینے لگیں۔

"بہت شکریہ... کیا لیں گے آپ لوگ... ٹھنڈا گرم؟" بہت آکورڈ سچویشن کے باوجود وہ اخلاق نبھا رہا تھا۔

"جوس پلیز..." حیا نے بنا تردد کہہ دیا۔

"بہت تھک گئے آج تو... پتا ہے آج صبح سے اپنے پروجیکٹ کے پیچھے مقبرہ جہانگیر گئے ہوئے تھے واپسی پہ یہاں سے گزر رہے تھے تو آپ کا آفس نظر آ گیا۔ سوچا آپ سے مل لیں۔" یہ گوہر تھی۔

"زبردستی... یہ بھی بتاؤ نا..." صدف نے ایشل کو دیکھتے ہوئے لقمہ دیا۔ وہ تو حمدان کو بھی نظر آ رہا تھا اور پلیز کے ادھورے میسج کا مطلب بھی سمجھ رہا تھا۔

"حمدان بھائی... آپ تو رئیل میں زیادہ ہینڈسم ہیں۔" اب ایشل تھوڑا جز بز ہوئی۔

"چلو چلتے ہیں..." ایشل نے ساتھ بیٹھی گوہر کو چٹکی کاٹی۔

"ارے ایسے کیسے... ابھی تو جوس بھی نہیں آیا۔" یہ خضری تھی وہ پھر علامتی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"ارے نہیں نہیں' آرام سے بیٹھیں میں فری ہوں۔" حمدان کا موڈ بھی آج اچھا تھا یا شاید اتنی لڑکیاں دیکھ کر اچھا ہو گیا تھا۔ ایشل نے یہی سوچا۔

"یہ ہوئی نا بات... حمدان بھائی آپ کا انداز نہیں فٹ لگس بھی کسی ناول کے ہیرو جیسا ہے۔"

"ہاں اور نہیں تو کیا... کون آج کل ایسا کرتا ہے۔ امیزنگ۔" وہ کیا بات کر رہی تھیں۔ وہ خاک... سمجھ پایا۔ ایشل کو دیکھا جس کی بے چینی حد سے سوا

تھی۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"ارے یہ ان گلاب کے اٹھارہ گلدستوں کا ذکر رہی ہے جو آپ نے ایشل کی اٹھارہویں برتھ ڈے پر بھیجے تھے۔" صدف نے اس کی مشکل آسان کی۔

"جی۔۔۔؟" اٹھارہ بکے وہ تو حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔

"اچھا بس کرو۔۔۔ جوس ختم کرو اور چلو۔" ایشل میں اب مزید سننے کی تاب نہ تھی۔ جوس آچکا تھا۔

"اس میں تو پہلے ہی بہت اکڑ تھی۔ لیکن جب سے آپ نے محبت کا اظہار کیا ہے یہ تو اور مغرور ہو گئی ہے۔" صدف نے ناک سکیڑ کر کہا۔

"محبت کا اظہار؟" اب تو سمندر میں غوطے کھاتے ہوئے آکسیجن بھی ختم ہونے والی تھی۔ اس نے پسینہ خشک کرتی ایشل کو دیکھا۔

"میں نے کہا تھا نا۔۔۔ یہ بزی ہیں' اٹھو چلو۔" اب تو ایشل گھبراہٹ کے مارے کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ حمدان کی نظروں کی تاب لانے کی سکت نہ تھی۔

"اور آپ کو پتا ہے حمدان بھائی! یہ کس قدر کنجوس ہے' اتنے دن ہو گئے آپ کی منگنی کو' اس نے ابھی تک ہمیں ٹریٹ نہیں دی۔ آج تو آپ سے ٹریٹ لے کر ہی جائیں گے۔" ایشل کی بات نظرانداز کرتی گوہر کی اس بات کی باقی تینوں بھی ہمنوا ہو گئیں۔ حمدان کچھ کچھ سچویشن سمجھ چکا تھا سو ہینڈل کرنے کی ٹھان لی۔

"جی جی۔ تو کیا کھائیں گے آپ لوگ۔" ایشل کو گھور کر حمدان ان سے مخاطب ہوا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ ہمیں جلدی ہے۔" ایشل منمنائی۔

"کوئی جلدی نہیں ہمیں لنچ کریں گے ہم۔۔۔" چاروں شیرنیوں نے اسے گھر کا۔

"بس بھی کرو ایشل۔۔۔ ختم کرو ناراضی۔" حمدان بھی شرارتی ہوا۔

"اچھا تو آپ لوگوں کی ناراضی چل رہی ہے' چلو ہمارے بہانے آپ کی صلح بھی ہو جائے گی۔" حیا نے شوخ لہجے میں کہتے ہوئے ایشل کو کہنی ماری۔

"جی جی ضرور۔۔۔ چلیں پھر ٹریٹ دیتے ہیں ہم آپ کو۔" حمدان گھڑی دیکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ایشل تو جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔ پارکنگ ایریا میں آئے تو لاکھ اس کے منع کرنے پہ حیا نے اسے حمدان کی گاڑی میں بٹھا دیا۔ باقی سب خضری کی گاڑی میں ان کو فالو کرنے لگیں۔

"مس ایشل! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ سب کیا ہے؟" گاڑی سڑک پر لاتے ہی وہ ٹھہرے ہوئے سخت لہجے میں گویا ہوا۔

"وہ۔۔۔ یہ اصل میں۔" وہ منمنائی۔ جواب بن نہیں پا رہا تھا۔

"کیا وہ یہ۔۔۔؟" مزید سخت لہجہ۔ اب وہ بھی ایشل تھی ہونی شروع۔

"میں کیا کرتی۔ کس نے آپ کو فیس بک پہ اپنے آفس کا نام اور ایڈریس ڈالنے کا کہا تھا اور جب میرے منع کرنے کے باوجود' زبردستی وہ آ بھی گئی تھیں تو کیا ضرورت تھی اتنا فری ہو کر بات کرنے کی۔۔۔ اور میں نے کتنا ٹالا لنچ کی بات کو۔۔۔ لیکن نہیں سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔"

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔۔۔ اور کوتوال صاحب تو حیران پریشان۔

"ایکسکیوزمی۔۔۔ میں اٹھارہ بکے اور اظہار محبت کی بات کر رہا تھا۔" لہجہ پہلے کی نسبت ذرا نرم تھا۔

"یہ سب میں نے مجبوری میں کہا تھا۔" ڈھیٹ پنے کی حد۔

"یعنی جھوٹ بولا۔" احتیاط سے موڑ کاٹتے' اسے احساس دلانا چاہا۔

"آپ نے بھی تو ابھی جھوٹ بولا۔۔۔ ہماری ناراضی کا۔" حاضر دماغ تو بلا کی تھی۔

"تو تمہارے جھوٹ کو سپورٹ کرنے کے لیے بولا ناں۔" زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں نے بھی کسی بات کو سپورٹ کرنے کے لیے

بولا تھا یہ سب۔" دوبدو بولی۔ وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کی دانستہ کوشش کرنے لگا۔

"ویسے بھی اس سے آپ کا کوئی نقصان تو نہیں ہوا ناں۔" ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے دھیرے سے بولی۔

"ہوا نقصان۔۔۔ میرا ایج خراب ہوا۔" ایک چائنیز ریستوران کی پارکنگ میں گاڑی کھڑی کرتے بولا۔

"جیسے ہمارا رشتہ عارضی ہے۔ یہ ایفیکٹ بھی عارضی ہوگا۔ ڈونٹ وری۔" تاسف سے کہتی وہ گاڑی سے باہر نکل گئی۔

ٹیبل کے گرد بیٹھے چہکتے چہچہاتے چہروں میں ایشل کا بیزار سا چہرہ سب سے نمایاں تھا۔ حمدان اس کی سہیلیوں کو پورا پروٹوکول دے رہا تھا۔

"چھچھورا" ایشل نے زیر لب اسے نیا خطاب دیا۔ اسے غصہ ان سب کے ساتھ فری ہونے کا تھا یا خود کو اگنور کیے جانے کا' وہ کنفیوژ تھی۔ ویٹر کو بلا کر آرڈر دیا گیا جو بمشکل فائنل ہوا۔

"ایکچولی میں آپ لوگوں کو جوائن نہیں کر پاؤں گا۔ مجھے ایک ضروری میٹنگ میں پہنچنا ہے۔" وہ گھڑی دیکھتا کھڑا ہو گیا اور قدرے معذرتی انداز سے جانے کی وضاحت کی۔

"انجوائے یور سلف۔۔۔" یہ کہتا وہ نکل کھڑا ہوا۔ سب ہکا بکا ایشل کی شکل دیکھنے لگیں۔

"بھئی اپنے اپنے والٹ چیک کرو۔۔۔ کنجوسوں کی ٹریٹ کے بدلے ہوٹل کے برتن نہ دھونے پڑ جائیں۔" حیا نے مصنوعی انداز میں ڈرتے ہوئے سب کو خبردار کیا۔ ایشل کی تو خود صورت حال سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ میسج کی ٹون بجی۔

"پے منٹ میں نے کردی ہے۔" حمدان کا میسج تھا۔

سکھ کا سانس لیتے سب کو اطلاع دی۔ اب سب پھر سے حمدان کی تعریف میں شروع ہو گئی تھیں۔۔۔ اب کہ واقعی تعریف۔۔۔ حمدان کا یہ روپ دیکھ کر ایشل تھوڑی مغرور سی ہو گئی۔۔۔ کب سے اٹکی سانس بھی بحال ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

اپنے پر تعیش بیڈ پر چت لیٹا چھت کی ڈیکور میں لگے جا بجا تشیشوں میں وہ اپنا عکس دیکھ رہا تھا' اپنے لبوں پر بکھری مسکراہٹ کو محسوس کر کے کھسیانا سا ہو گیا۔ آج دوپہر سے وہ کئی بار خود کو مسکراتا پکڑ چکا تھا۔ آج دوسری بار وہ ایشل کی بہادری کا قائل ہوا۔

"ایسے شگفتہ مزاج لوگوں کا زندگی میں ہونا ضروری ہے۔۔۔ خاص کر میرے جیسے بندے کی' جس کے پاس مسکرانے کی وجہ ڈھونڈنے کا بھی وقت نہ ہو۔۔۔" وہ ایشل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"لیکن صرف دوست کی حد تک۔۔۔ لائف پارٹنر کی حیثیت سے ایسا ہنسی مذاق افورڈ نہیں کر سکتا میں۔۔۔ حد ہے بچپنے کی۔" خود کو گھرکا کہ کہیں اپنے موقف سے پیچھے نہ ہٹ جائے۔ اماں کی جذباتیت ختم ہوتے ہی اس قصے کو ختم کرنے کی ٹھان چکا تھا۔ اپنے کیے گئے فیصلے پر تجدید کی مہر لگا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے یاد آیا کہ کل ہی اذان بتا رہا تھا کہ فوٹو گرافر نے سافٹ کاپی بھیج دی ہے۔ سو اب وہ لیپ ٹاپ کھولے تصویریں دیکھ رہا تھا۔

"میک اپ بھی کمال کی چیز ہے۔ چھوٹی عمر کی لڑکیوں کو عورت بنا دیتا ہے اور ادھیڑ عمر عورتوں کو لڑکیاں۔۔۔" اپنے ساتھ بیٹھی ایشل (جو اس کی ہم عمر ہی لگ رہی تھی) کی تصویر غور سے دیکھنے کے بعد خود کو اس کی خوب صورتی کا معترف ہونے سے روکنے کے لیے اچھا جواز دیا۔ اب وہ ساری تصویریں پھر سے دیکھ رہا تھا۔

"دیکھنے میں تو سب اچھا لگ رہا ہے۔۔۔ لیکن شادی بالکل بھی نہیں۔" اپنے بہکتے خیالوں کو روکنے کے لیے اس نے پھر سے اپنے آپ کو یاد دہانی کروائی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے اپنے بیٹے کے رشتے کے سلسلے میں جانا ہے۔ کیا آپ میں سے کوئی میرے ساتھ چلے گا۔" اتنے دنوں سے جاری کشمکش کو پھوپھو سیما کے تحکمانہ انداز

نے ختم کیا۔ جاوید صاحب اور تابندہ جو اپنے تئیں سیما اور مدح سے چھپتے پھر رہے تھے۔ سیما کے اس انداز پر دھمے سے گئے۔ تابندہ اپنی کرسی سے اٹھیں اور اپنی بات کے جواب کے انتظار میں کھڑی سیما کے گلے لگ گئیں اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔

"بس بس۔۔۔ بیٹے کی خوشی پہ جانا ہے۔۔۔ آنسو صاف کرو۔ خدا میری مدح کے نصیب اچھے کرے۔"

سیما کا دل ہمیشہ سے بڑا تھا۔ صبر، حوصلہ۔۔۔ زندگی نے یہی سبق تو پڑھائے تھے اسے۔۔۔ جاوید صاحب نے نم آنکھوں سے سیما کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"ہمیں معاف کردو سیما۔۔۔"

"بھائی پلیز۔۔۔ اگر مدح، محب کی بجائے کسی اور کا نام لیتی، کیا پھر بھی آپ ایسا کرتے۔۔۔ ہمارے بچوں کی مرضی زیادہ ضروری ہے۔ زندگی تو انہوں نے گزارنی ہے۔ بس اب بہت ہو گیا یہ سوگ۔۔۔ محب سے بھی ناراضی ختم کریں۔" اپنی مدح کے آنسو اپنے دل میں چھپا کے سیما محب کی خوشیاں منانے چلی تھیں۔ اور مدح جو اپنی یک طرفہ محبت کے ٹکڑے سنبھالتے سنبھالتے خود بکھر گئی تھی۔ آج تو اس سے اپنا آپ سنبھالا نہیں جا رہا تھا۔ یہ تو کھل چکا تھا کہ محب کبھی بھی اس کا نہیں تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔۔۔ پھر بھی موہوم سے امید تھی کہ جیسے ہی یہ سیاہ رات گزر جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر سے پہلے جیسا، محب کے خواب، محب کے نام کے لفظ اس کے دل سے ہوتے انگلیوں کی پوروں کو چھوتے ہوئے صفحہ قرطاس پر بکھر بکھر جائیں گے۔ لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ امید کا دیا بجھنے لگا تھا۔ آج سب اس کے محب کو کسی اور کے نام کرنے گئے تھے۔ سوائے ایشل کے۔ ایشل کو نہیں جانا تھا۔ وہ اپنی مدح کی محبت کو مرتا کیسے دیکھ سکتی تھی۔ اس کا دل باقی سب جتنا بڑا نہیں تھا۔ اس کی مدح دکھی تھی تو وہ اپنے بھائی کی خوشیاں کیسے منا سکتی تھی۔ مدح کب سے دروازہ بند کیے بیٹھی تھی۔

"مدح۔۔۔ دروازہ کھولو مدح۔" بالآخر ہمت کر کے ایشل نے دروازہ بجایا۔

"مدح پلیز۔" روتے ہوئے لہجے میں ملتجی ہوئی۔

"مجھے تھوڑی دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دو ایشا۔۔۔"

مدح کی بھیگی ہوئی آواز آئی۔ سیاہ رات کا اندھیرا اس کی محبت کی شفق کو نگلنے کو تھا۔۔۔ تب تک کی مہلت مانگی تھی اس نے۔ ایشل دکھی دل کے ساتھ نیچے لاؤنج میں آ گئی۔ تھوڑی دیر کیٹ ہاؤس کو دیکھنے چلی گئی۔ آج تو چیکو کا پیار کرنے کا انداز بھی دل کو ہمکا نہیں رہا تھا۔ وہ پھر لاؤنج میں آ کر اپنے موبائل میں الجھ گئی۔ وال پیپر پر دلہن بنی ایشل مسکرا رہی تھی۔

"تمہارا کزن کتنا ہینڈسم ہے ایشل۔۔۔ کیا اس کا چھوٹا بھائی بھی ایسا ہی دکھتا ہے۔" خضریٰ کی بات یاد کر کے اسے حمدان یاد آ گیا۔ کانٹیکٹس میں جا کر حمدان بھائی پہ کلک کیا۔ اس کی تصویر کھل گئی۔ سفید ٹی شرٹ میں بکھرے بالوں کے ساتھ کتنا کول لگ رہا تھا۔

"اگر تمہارا موڈ نہ ہو شادی کا۔۔۔ تو مجھے ضرور بتانا۔۔۔ میں ضرور اپروچ کروں گی اس بندے کو۔۔۔"

صدف کی آواز جیسے کان کے پاس سے آئی۔ یکدم ہاتھوں میں ہلکا سا ارتعاش محسوس ہوا۔ اس سے پہلے کہ کچھ سمجھ پاتی "ہیلو" کی آواز سے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ پتا نہیں کب انگلی ٹچ ہوئی اور کال مل گئی۔ اب حمدان ہیلو ہیلو پکار رہا تھا۔ اس نے گھبراہٹ پہ قابو پاتے فون کان سے لگا لیا۔

"السلام علیکم حمدان بھائی۔" تھوک نگلا۔

"جی وعلیکم السلام۔۔۔ خیریت؟" وہ شاید جلدی میں تھا۔

"وہ ایکچوئلی اس دن کے لیے سوری۔۔۔" اور کچھ نہ بن پڑا تو یہی بول دیا۔۔۔ حالانکہ سوری کہنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

"ایکسکیوزمی۔۔۔ آپ نے سوری کہا یا مجھے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔" وہ شرارت سے بولا۔

"جی آپ کو سننے میں ہی غلطی ہوئی ہے۔۔۔ سوری اور میں۔۔۔ کبھی نہیں۔" اس کی شرارت کو بھانپ کر وہ بھی ریلیکس ہوئی۔

"آپ بزی تو نہیں۔" اسے بات کرنا اچھا لگ رہا

تھا۔

"ایکچوئلی رسم شروع ہونے والی ہے۔۔۔ سو بلا رہے ہیں مجھے سب۔"

"رسم مطلب؟ آپ بھی ماما لوگوں کے ساتھ گئے ہیں؟" ذرا تیز لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ کیا نہیں آنا چاہیے تھا؟"

"بالکل بھی نہیں۔۔۔ جب میں نہیں گئی تو آپ کو بھی نہیں جانا چاہیے تھا۔" جوش جذبات میں نہیں جانا کہ کیا بول گئی۔

"آپ نہیں آئیں تو میں کیوں نہ آتا۔۔۔ ویسے آپ کو بھی آنا چاہیے تھا۔ غلطی کی آپ نے نہ آکر۔" سرزنش کرتے ہوئے بولا۔

"آپ ان کی سائیڈ نہیں لیں گے تو اور کون لے گا۔" نروٹھے پن سے بولی۔

"اچھا اس ٹاپک پہ پھر کبھی بات ہو گی۔۔۔ مجھے بلا رہے ہیں سب۔۔۔ اللہ حافظ۔" فون بند ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بظاہر سب ٹھیک ہو چکا تھا۔ سب نے سب کچھ قبول کر لیا تھا لیکن پھر بھی ایک پراسرار خاموشی تھی جو سب کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی' ہاں البتہ محب بے حد خوش تھا۔ گھر میں تو وہ پہلے بھی کم ہی دکھتا تھا اب تو اور بھی مصروف ہو گیا تھا۔ اذان تو ہر دوسرے دن حاضری دیتا تھا۔ خالہ بھی آتی جاتی رہتیں' ہاں البتہ حمدان نہیں آتا تھا۔ اس روکھی پھیکی زندگی کو ایک اور جھٹکا لگا۔ جب مدح کو اعلا تعلیم کے لیے اسکالرشپ آفر ہوئی اور اس نے بلا چوں چرا قبول کر لی۔ حالانکہ نارمل حالات میں ایسا ناممکن تھا۔ مدح دو سال پہلے ایک ایسی ہی آفر ٹھکرا چکی تھی۔

"نہ جاؤ مدح پلیز۔۔۔ میں کیسے رہوں گی تمہارے بغیر۔" ایشل منتیں کر کر کے ہارنے لگی تھی۔

"مجھے جانا ہے ایشل۔۔۔ اچھا موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے اور ویسے بھی میرے بغیر رہنے کی تمہیں پریکٹس بھی تو کرنی ہے۔" ہلکے پھلکے انداز سے کہتی وہ ایشل کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ درحقیقت وہ یہاں سے بھاگ کر جا رہی تھی۔ شاید خود کو سنبھالتے سنبھالتے تھک چکی تھی۔ جاوید صاحب اس کو اکیلے جانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ لہٰذا طے ہوا کہ سیما بھی ساتھ جائیں گی۔ ان کے دوست برمنگھم میں رہتے تھے سو ان کے توسط سے یونیورسٹی کے قریب ہی اپارٹمنٹ ارینج کر دیا گیا۔ ایشل کو آنے والے دو سال دو صدیوں کے برابر لگ رہے تھے۔ ایئرپورٹ پر الوداعی ملاقات میں وہ کتنی ہی دیر مدح سے لپٹی رہی۔ دونوں کے پاس رونے کی بہت ساری وجوہات تھیں۔

☼ ☼ ☼

آج وہ آفس سے جلدی آگیا تھا۔ گھر میں آتے ہی کسی کو نہ پا کر کچن میں گیا وہاں زرینہ کھٹر پٹر کر رہی تھی۔

"ایک کپ چائے میرے کمرے میں بھجوا دیجیے پلیز۔" سلام کا جواب دے کر وہ تھکے تھکے انداز میں مڑ گیا۔ یہ دیکھے بغیر کے زرینہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا جو اس کی توجہ نہ پا کر بند ہو گیا تھا۔ اماں سو رہی تھیں۔ ٹھنڈے پانی سے شاور لینے کے بعد حواس کچھ بحال ہوئے۔۔۔ چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر پڑا دیکھ کر وہ زرینہ کا مشکور سا ہوتا بیڈ پر نیم دراز ہوا۔

"ٹھک' ٹھک۔۔۔" اتنی تیز آواز۔۔۔ جیسے کوئی کیل دیوار میں نہیں اس کے دماغ میں ٹھونک رہا ہو۔ "اذان کیا کر رہا ہے اس وقت" خود ہی سوچ کر پھر آنکھیں بند کر لیں لیکن ٹھک ٹھک رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ وہ فوراً اٹھا۔۔۔ اس کے اور اذان کے کمرے کے درمیان میں ایک خالی کمرہ تھا۔ جس کو ابھی سیٹ نہیں کیا گیا تھا۔ بنا کہے بھی سب جانتے تھے کہ یہ حسان کا کمرہ ہے۔ آوازیں وہیں سے آ رہی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" دھاڑ سے دروازہ کھولتے ساتھ ہی وہ تیز آواز میں بولا پھر ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ ایشل

تھی۔

"اف۔۔۔ کتنی مشکل سے میرا ہاتھ بچا ہے۔ دستک نہیں دے سکتے تھے۔" حسب عادت وہ ناراض ہوئی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" چار ٹانگوں والی سیڑھی جو مزدور پینٹ کرنے کے بعد یہیں چھوڑ گئے تھے۔ اس کے اوپر چڑھے وہ کیل ٹھونکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"دیکھ نہیں رہے۔ کیل ٹھونک رہی ہوں۔" وہ پھر ٹھک ٹھک میں مصروف ہو چکی تھی۔ حمدان نے دیکھا کمرے کی دیواروں پر جا بجا پنک اور سلور نیٹ کے دوپٹے اور گلاب کے بکے ایک خوب صورت ترتیب کے ساتھ لگائے گئے تھے۔ کوئی ایونٹ مینج کیا جا رہا تھا شاید۔۔۔ اب وہ دلچسپی سے کیل ٹھونکتی ایشل کو دیکھ رہا تھا۔ بلو جینز کے اوپر وائٹ ٹاپ میں' جوڑے میں سے نکلتی لٹوں کے ساتھ وہ بہت کھلی کھلی لگ رہی تھی۔ اور پہلے سے اسمارٹ بھی۔

"وہ تصویر پکڑائیں حمدان بھائی۔" ایک طرف پڑے چوکور فریم کی طرف اس نے اشارہ کیا جو الٹا پڑا تھا۔ وہ جو تھکا ہوا تھا اور آرام کے موڈ میں تھا۔ سب بھول کر اس نئی سچویشن کو انجوائے کرنے چلا تھا۔ اس نے فریم اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گیا اماں کا اسکیچ تھا۔

"اماں کا اسکیچ۔۔۔ تم نے بنوایا۔۔۔" وہ حیران ہوا اور خوش بھی۔

"بنوایا نہیں خود بنایا۔" اترائے ہوئے بولی۔

"صحیح بنا ہے ناں۔۔۔ اذان تو اتنی باتیں سنا رہا تھا۔" اس کو دلچسپی سے تصویر دیکھتے پوچھ بیٹھی۔

"ہاں بھئی یاد آیا۔۔۔ فائن آرٹس کی اسٹوڈنٹ ہوتی ہیں آپ۔۔۔ لیکن اذان بھی کچھ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔۔۔ میں نے بھی صرف ناک کی لونگ کی وجہ سے پہچانا۔۔۔" اب وہ شرارت پر آمادہ ہوا۔

"ادھر دیں مجھے۔۔۔ آپ دونوں کیا جانیں آرٹ کے بارے میں۔۔۔ باتیں سن لو بس۔" ہاتھ سے تقریباً" چھین کر وہ دیوار پہ لگانے لگی۔

"تمہیں بھی اپنا ہاتھ صاف کرنے کے لیے میری ہی اماں ملی تھیں۔" اپنے کمرے سے چائے کا کپ ادھر ہی لے آیا تھا۔ آج اماں کا برتھ ڈے تھا۔ جو وہ بالکل بھول چکا تھا۔ اب ایشل کی مشقت دیکھ کر اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"سیدھی ہے؟"

"تھوڑا رائٹ کرو۔۔۔ زیادہ کر دیا۔۔۔ ہاں اب ٹھیک ہے۔"

"وہ نیٹ پکڑائیں۔" وہ اس کی مدد کر رہا تھا۔ اذان کیک لے کر آیا تو ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر "اوہو۔۔۔ واہ جی واہ۔۔۔" کہتا ان کو چھیڑنے لگا۔ وہ دونوں ہی اس کو ڈانٹنے لگے یہ اور بات کہ دونوں کو ہی اچھا بھی لگ رہا تھا۔

ایک ہفتہ پہلے یونہی اذان نے خالہ کی سالگرہ کا ذکر کیا تو ایشل جو بوریت سے تھک چکی تھی فوراً" سرپرائز پارٹی پلان کر لی۔ خالہ کو خوش کرنے کے لیے اسکیچ بھی بنایا' ان کی تصویر کو ماڈل بنا کر۔۔۔ اور یہ سب دیکھ کر خالہ کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ خالو بھی بہت خوش تھے۔ خالہ بار بار ایشل کا ماتھا چومتیں۔

"ایسی خوشی تو بیٹی کے ہی دم سے ہے۔۔۔ ورنہ ان لوگوں نے تو آج تک مجھے ایسا سرپرائز نہ دیا۔"

"اماں اب آپ زیادتی کر رہی ہیں۔۔۔ اس پلان میں میں بھی برابر کا شریک ہوں۔" اذان نے دہائی دی۔

پارٹی سے فارغ ہو کر وہ لوگ لاؤنج میں آ گئے۔ حمدان تو بزنس ٹی وی لگا کر بیٹھ گیا۔ البتہ ایشل اور اذان کارپٹ پہ ٹانگیں پسار کر دوسرے صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے۔ اذان' حمدان کا لیپ ٹاپ لے آیا تھا۔ اب وہ دونوں تصویریں بھی دیکھ رہے تھے اور ساتھ ساتھ کمنٹس بھی پاس کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں ٹی وی میں گم حمدان کا موبائل بجا' وہ دونوں بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ مگر ایشل کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب محترم نے بنا دیکھے کال ڈس کنیکٹ کر دی۔ ایشل نے فوراً" اذان کو دیکھا' جس نے کندھے اچکا دیے۔

"اس حرکت سے یاد آیا پیاری بہن۔۔۔ ایک بات

پلو سے باندھ لو۔۔۔ کام آئے گی۔" اذان بھونڈے انداز میں شروع ہو گیا۔

"اگر یہ حضرت ٹی وی پہ بزنس اپ ڈیٹ دیکھ رہے ہوں' یا کوئی فٹ بال میچ دیکھ رہے ہو چاہے ریپٹ میں ہی ہو۔۔۔ ان سے بات کرنے کی غلطی مت کرنا۔۔۔ اور اگر بات زندگی اور موت کے مسئلے جتنی ضروری ہو تو احتیاطاً" بات کرنے سے پہلے ارد گرد پڑی بھاری چیزیں اٹھا لینا' جیسے وہ پیپر ویٹ۔۔۔ یا جیسے کہ یہ شو پیس۔۔۔" ہمدردانہ انداز میں وہ سمجھا رہا تھا۔ اور ایشل کو ایک بار تجربہ ہو بھی چکا تھا۔ لیکن اذان کے مزاحیہ انداز پر مسکراتے ہوئے اس کے بازو پہ ایک دھپ رسید کی۔

"پتے کی بات بتائی ہے تمہیں۔۔۔ اور تم مجھے ہی مار رہی ہو۔" بازو سہلاتا اسے کوس رہا تھا جو دوبارہ لیپ ٹاپ میں تصویریں دیکھنے میں مصروف ہو چکی تھی۔

"چھوڑو اب یہ تم تو تڑاخ سے بات کرنا۔۔۔ بھابھی کہا کرو۔" خالہ نماز پڑھ کر کمرے سے نکلیں اور اذان کا آخری جملہ سنتے ہی اسے ڈانٹنے لگیں۔ ایشل جز بز ہوئی۔

"بھابھی کہوں اسے؟ اور جس کی نسبت سے میں نے اس کو بھابھی کہنا ہے' اسے تو خود یہ بھائی کہتی ہے ابھی۔۔۔" اذان نے اس کے ابھی تک "حمدان بھائی" کہنے پہ چوٹ کی تھی۔

"کوئی نہیں خالہ۔۔۔ ایشل ہی صحیح ہے۔" وہ منمنائی اور کن انکھیوں سے حمدان کو دیکھا۔ جو اب اشتہارات بھی بے حد توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ یہ اور بات کہ آنکھیں ادھر تھیں۔ دھیان سارا ان کی طرف۔

"کیوں نام لے تمہارا؟ ہر رشتے کو اس کے نام سے بلانے سے اس کا تقدس بحال رہتا ہے۔۔۔ اور اب تم بھی بھائی کہنا چھوڑ دو۔" پیار بھری ڈانٹ اسے بھی پلا دی۔

"زرینہ بچوں کے لیے چائے تو بنا دو۔ کیا کر رہی ہو کب سے کچن میں؟" زرینہ کو پکارتی وہ کچن میں چلی گئیں۔

"اچھا تو بھابھی صاحبہ۔۔۔ کہاں تھے ہم؟" اذان نے شرارت سے اسے چھیڑا۔۔۔ ایشل نے بھی حسب سابق ایک اور جڑا۔

"ارے بھابھی جی۔" ایک اور پڑی۔

"پیاری بھابھی۔۔۔" اب کہ ایشل نے کان ہی پکڑ لیا اس کا۔ اس کی اپنی کان کی لوئیں گرم ہو رہی تھیں یہ سوچ کر کہ کہیں حمدان نہ سن لے۔

"بس بھی کرو اب۔۔۔ چھچھورا۔" آواز دبا کر اسے ڈانٹا۔

"کتنی ظالم ہیں آپ بھابھی۔۔۔ میں آپ کو عزت سے نواز رہا ہوں اور آپ مجھے دھموکوں پہ دھموکے نواز رہی ہیں۔" اپنے کان چھڑاتے ہوئے روہانسے انداز میں بولا۔

"تم اسی قابل ہو؟" اس پر رحم کھا کے کان چھوڑ دیا۔۔۔ صد شکر کہ حمدان نے نہیں سنا۔ (اس کے خیال میں)

"یہ دیکھو۔۔۔" اچانک اذان نے اپنا موبائل ایشل کے سامنے کیا۔

"واؤ۔۔۔ کتنا کیوٹ بچہ ہے۔ کس کا ہے۔" دو' تین ماہ کا بچہ اسکرین پہ مسکراہٹ بکھیر رہا تھا۔

"آہستہ بولو۔۔۔ حسان بھائی کا ہے۔" اذان نے اسے ٹوکا۔ حمدان نے بھی اب کہ اذان کو ملامتی نظروں سے گھورا اور پھر کچن میں دیکھا۔۔۔ جہاں اماں زرینہ کے ساتھ مصروف تھیں۔ نظریں دوبارہ ٹی وی اسکرین پہ جم گئیں۔ ایشل نے ان دونوں کے تاثرات دیکھے اور پھر مڑ کر خالہ کو دیکھا جو کچن میں زرینہ کے ساتھ باتیں کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔

"حسان بھائی کا بیٹا کتنا پیارا ہے نا۔۔۔ مجھے بھی یہ پکچر سینڈ کرو۔" ایشل نے جان بوجھ کر اونچی آواز میں کہا۔ تاکہ خالہ سن سکیں۔ حمدان نے ٹی وی چھوڑ کر اسے دوبارہ گھورا اور اذان نے تو اس کے ہاتھ سے موبائل ہی چھین لیا۔

"سائیکو۔۔۔ کہہ رہا ہوں آہستہ بولو۔"

"اچھا سوری۔۔۔ سوری۔۔۔ واٹس ایپ کر دو نا۔" مسکراہٹ دباتے اس کی منت کرنے لگی۔ اور تصویر

لے کر ہی اس کی جان چھوڑی۔ لیپ ٹاپ پہ تصویریں دیکھ لینے کے بعد فولڈر بند کیا تو وال پیپر پہ ابھرنے والی تصویر نے گویا دل مٹھی میں لے لیا ہو۔ چار پانچ لڑکے لڑکیاں کندھوں پہ بیگ لٹکائے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ تصویر بنوانے کے لیے سب کے چہرے تصویر بنانے والے کی طرف مڑے تھے۔ دکھی کر دینے والی چیز یہ تھی کہ حمدان کے ساتھ جو لڑکی تھی' اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ ایشل نے بے دلی سے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ دل بجھ سا گیا۔ بمشکل چائے پی۔

"اذان مجھے چھوڑ آؤ۔" صبح سے ایک سرخوشی جو پورے وجود کا احاطہ کیے ہوئے تھی اب مفقود تھی۔

"میں تو کوچنگ جا رہا ہوں۔۔۔ بھائی چھوڑ آئے گا۔" اذان نے توہری جھنڈی دکھا دی۔

"یقین مانو۔۔۔ اچھی گاڑی چلا لیتا ہے میرا بھائی۔۔۔" اس کی بری بری شکلیں بنتا دیکھ کر اس نے پھر اسے چھیڑا۔

"ہاں تم جاؤ۔۔۔ حمدان چھوڑ آئے گا۔" خالہ نے بھی کہہ دیا ورنہ وہ تو خالو کا انتظار کرنے والی تھی۔

"اچھا تو یہ تھی وہ پھیکی مولی' جس کے لیے انکار کر رہے تھے محترم۔ ٹھیک ہے اچھی تھی' لیکن اتنی بھی حسین نہیں کہ بندہ ماں باپ کے سامنے ہی کھڑا ہو جائے۔ پر دل آئے گدھی پہ تو پری کیا چیز ہے۔ اپنے محب بھائی کو ہی دیکھ لو۔"

"تھینک یو۔" فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی خیالوں خیالوں میں نجانے کہاں جا پہنچی تھی کہ حمدان کی ممنون سی آواز حال میں کھینچ لائی۔

"کس بات کے لیے۔۔۔؟"

"آج کے دن کی ہر چیز کے لیے۔۔۔ میں نے بہت دنوں کے بعد اماں کو اتنا خوش دیکھا ہے۔" وہ واقعی مشکور تھا۔

"زیادہ فارمل ہونے کی ضرورت نہیں وہ میری بھی کچھ لگتی ہیں۔۔۔ اور ہاں آپ کے لیے ایک بریکنگ نیوز بھی ہے میرے پاس۔" اپنا رخ حمدان کی طرف پھیر کر بولی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ابھی آنے سے پہلے خالہ نے جو مجھے اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔ مجھ سے حسان بھائی کے بیٹے کی تصویر لی تھی۔" نیوز بریک کرنے کے سے انداز میں بولی۔

"رئیلی۔۔۔؟" حمدان کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"جی۔۔۔ نہ صرف تصویر لی بلکہ اسے پیار بھی کیا۔" اس نے نیوز مکمل کی۔

"واہ۔۔۔ ایشل بی بی آپ نے تو کمال کر دیا۔" وہ واقعی خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوتا ایشل کی سمجھ داری کا قائل ہو گیا۔

"کوئی نہیں۔۔۔ ایسے کمال میں کرتی رہتی ہوں۔" فرضی کالر جھاڑ کر اتراتے ہوئے بولی۔

"جی جی۔۔۔ آپ کی کمالاتی شخصیت کا اندازہ ہو رہا ہے مجھے۔۔۔ چلو اسی ہیپی بریکنگ نیوز کی خوشی میں آئس کریم کھلاتا ہوں تمہیں۔" سڑک کنارے بنے آئس کریم پارلر پر نظر پڑتے ہی مہربان ہوا۔

"ارے نہیں حمدان بھائی۔۔۔ دیر ہو رہی ہے۔ اس کی ضرورت نہیں۔" اس نے سہولت سے منع کرنا چاہا۔ لیکن اس نے سڑک کنارے گاڑی روک دی۔

"پارلر میں نہیں جاتے۔۔۔ یہیں گاڑی میں لے آتا ہوں۔۔۔ کون سا فلیور؟" اس کو اپنی آنکھوں میں لیے پوچھ رہا تھا۔

"حمدان بھائی۔۔۔ ضرورت نہیں ہے پلیز۔" حمدان کے رویے پر حیران ہوتی منع کر رہی تھی۔

"ویسے میں نے سنا تھا۔۔۔ اماں تمہیں کچھ رشتوں کے تقدس اور اہمیت کے بارے میں بتا رہی تھیں شاید۔" اس کے حمدان بھائی کہنے پر اس نے شرارت سے کہا۔

"چاکلیٹ ونیلا۔۔۔" اس کی بات کو گول کر کے جیسے اس نے گھبراہٹ کے مارے جلدی سے فلیور بتایا' حمدان اپنا قہقہہ روک نہ پایا۔

"اوکے۔۔۔" مسکراتا ہوا گاڑی سے نکل گیا۔

"اس کا مطلب ہے انہوں نے اذان کی بھابھی والی بکواس بھی سنی ہو گی۔ اف۔۔۔ اتنی شرمندگی ہو رہی ہے مجھے۔۔۔ ویسے کتنا کنٹرول ہے اس بندے کو اپنے

ایکسپریشن پہ ۔۔۔ گھنٹا۔" جی بھر کے شرمندہ ہو رہی تھی۔

اور وہ آئس کریم کا آرڈر دے کر گلاس ڈور میں سے ایشل کو دیکھتا ہوا' اپنے دل کو نئے سرے سے اس رشتے کے بارے میں سوچنے کے لیے آمادہ پا رہا تھا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ کوئی شخص ونڈو پہ جھکا ایشل سے کچھ بات کر رہا تھا' وہ حیران ہوا یہ کون ہو سکتا ہے بھلا۔۔۔ پھر ڈرائیونگ سیٹ پر نظر گئی تو وہاں ایک دوسرا شخص بیٹھ چکا تھا۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں وہ بات سمجھ گیا ہر بھاگا' لیکن تب تک ڈاکو ایشل کو گاڑی سے نکال کر گاڑی بھگا لے جا چکے تھے۔ وہ ڈری سہمی ایشل کے پاس پہنچا۔

"ایشل۔۔۔!" اس کو دیکھتے ہی گھبراہٹ کے مارے وہ اس کے ساتھ لپٹ گئی۔

"حمدان بھائی۔۔۔ وہ گاڑی لے گئے۔" اس کا سارا وجود جھٹکوں کی زد میں تھا اور پسینے سے شرابور ارد گرد لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے۔

"کوئی بات نہیں ایشل! تم ٹھیک ہو؟ سنبھالو خود کو۔" اپنا بازو اس کے گرد لپیٹے اس کو تسلی دے رہا تھا۔ خود اس کے لیے بڑی عجیب سی سچویشن تھی۔

"اس سڑک پہ ایک مہینے میں تیسری گاڑی لوٹی گئی ہے۔"

"تھانے رپورٹ کریں صاحب۔" وہاں لوگ بھانت بھانت کے مشورے دے رہے تھے۔ اسے پہلے ایشل کو گھر چھوڑنا تھا۔ لوگوں کی مدد سے ٹیکسی روکی' ایشل کو اندر بٹھایا جس نے دونوں ہاتھوں سے اس کی شرٹ دبوچ رکھی تھی۔

"ریلیکس ایشل۔۔۔ کچھ نہیں ہوا۔۔۔ اٹس اوکے۔" وہ ایشل کو تسلی دیتا اب فون کر رہا تھا۔ آئس کریم وہیں کی وہیں رہ گئی۔ ایشل کے حواس بحال ہوئے تو احساس ہوا کہ فون پہ بات کرتے حمدان کا ایک بازو ابھی بھی اس کو حصار میں لیے ہوئے تھا۔ اس نے دھیرے سے شرٹ چھوڑی اور غیر محسوس انداز میں الگ ہونا چاہا۔ لیکن حمدان کی گرفت مضبوط تھی۔ اس نے گھر پہنچنے پر ہی اپنا بازو ہٹایا۔ جہاں تہمینہ اور اسفر صاحب پریشانی کے عالم میں باہر ہی مل گئے۔

"اس کو اندر لے جائیں اماں۔۔۔ ابا آپ گاڑی نکالیں میں گاڑی کے اور بیجنل پیپرز لے کر آتا ہوں۔ تھانے چلنا ہے۔" پھر فون پر کوئی نمبر ڈائل کرتا وہ لاؤنج میں چلا گیا۔

"بس کرو میری بچی۔۔۔ کیوں اتنا رو رہی ہو؟ کیا کوئی بدتمیزی کی ہے انہوں نے۔" سیڑھیاں اترتے اماں کی آواز سن کے وہ بے چین سا ہوا۔ یہ تو اس نے سوچا ہے نہیں تھا۔

"نہیں خالہ۔۔۔ وہ میری انگوٹھی بھی لے گئے۔" روتے روتے اس نے بتایا تو اتنی ٹینشن کے ماحول میں بھی حمدان کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "غالباً" منگنی کی انگوٹھی کے لیے اتنا رویا جا رہا ہے۔"

"تو کیا ہوا۔۔۔ میرے بچوں کا صدقہ۔۔۔ اور بنوا دوں گی اپنی بچی کو۔۔۔ بس رونا نہیں اب پانی لاؤ زرینہ۔۔۔"

"ان کے پاس گن بھی تھی۔" دروازے سے نکلتے ایشل کی پھر روتی ہوئی آواز آئی محب اور جاوید صاحب بھی تابندہ کو ادھر چھوڑ کر تھانے چلے گئے۔ قانونی تقاضے پورے کرتے کرتے رات کے دو بج گئے تھے۔ ابھی تو محب کے دوست کے بھائی جو انسپکٹر تھے (کسی اور تھانے میں) انہوں نے بھی کافی ہیلپ کی۔ بہرحال رات ڈھائی بجے گھر پہنچے تو تابندہ اور تہمینہ جاگ رہی تھیں۔ ایشل کو مارے خوف کے بخار ہو چکا تھا' لیکن وہ سو رہی تھی۔ حمدان کو دکھ نے گھیر لیا۔

"گیٹ ویل سون بہادر لڑکی۔" اماں کے بیڈ پہ سوئی ایشل پر ایک نظر ڈال کر وہ متاسف سا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ایک تھکا دینے والے دن کا تھکا دینے والا انجام ہوا۔

☼ ☼ ☼

اس نے زندگی میں پہلی بار ڈاکو دیکھے تھے' اصلی گن دیکھی تھی۔ اس چند سیکنڈ کے سین کی اتنی دہشت تھی کہ جب بھی آنکھیں بند کرتی ایک خباثت

سے پرچھو آنکھوں کے سامنے جھک آتا۔ مدح ہر روز دوبار فون کرتی۔ وہ بھی پریشان تھی ایشل کی حالت کا سن کر' یہ بھی سوچ سوچ کر شرمندگی ہوتی کہ کیا ضرورت تھی حمدان سے لپٹنے کی۔ ایسی بھی کیا بے ہوشی۔۔۔ لیکن جو ہو چکا تھا وہ واپس نہیں پلٹ سکتا تھا۔ آج وہ کتنے دنوں کے بعد کالج گئی تھی۔ گھر آئی تو ماما اور بابا کہیں جانے کے لیے تیار تھے۔ بابا کے ایک دوست کی عیادت کے لیے جانا تھا اور ایک دوسرے دوست کی والدہ کی تعزیت کے لیے سو ایشل کا ہی انتظار کر رہے تھے۔

"عابدہ سے کھانا گرم کروا کے کھالینا۔۔۔ کمرے میں ہی نہ پڑی رہنا۔" ایشل کا ماتھا چوم کے ماما نے ہدایات دیں۔ محب اور مدح کے حصے کا پیار بھی ماما آج کل ایشل پر ہی نچھاور کر رہی تھیں۔ فریش ہو کر کھانا کھایا اور عابدہ کو چائے بنانے کا کہا۔ وہ پہلے بھی کئی بار گھر میں اکیلی رہتی تھی لیکن اب جو وحشت اور سونا پن محسوس ہو رہا تھا۔ پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

"مدح۔۔۔ واپس آجاؤ پلیز۔" ہر روز کی طرح مدح کو پکارا اور چائے کا کپ لے کر گھر کے پچھلے حصے میں اپنے کیٹ ہاؤس کے پاس آگئی۔ عابدہ پھر سے ڈراما دیکھنے لگی۔ بنی کی ٹانگ پہ کل چوٹ لگ گئی تھی۔ اس کو گود میں لے کر اس کی بینڈیج چیک کی اور گود میں رکھے رکھے ہی پیار کرنے لگی۔ موسم بدل رہا تھا' دن ڈھلتے ہی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتیں۔ اسے چیاؤں میاؤں کرتی کیٹس میں گھرے چائے پینا اچھا لگ رہا تھا۔ اچانک کسی کے گلا کھنکھارنے کی آواز آئی۔ مڑ کر دیکھا تو دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھے حمدان کھڑا تھا۔ ڈریس پینٹ اور ٹائی سے لگ رہا تھا کہ موصوف آفس سے سیدھے یہیں آرہے ہیں۔

"السلام علیکم۔۔۔ آپ؟ آیئے نا۔" خوشگوار حیرت میں گھری کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھو بیٹھو۔۔۔ کیسی ہیں تمہاری کیٹس۔" وہ بھی دوسری کرسی گھسیٹ کر پاس ہی بیٹھ گیا۔ شرٹ کے بازو کہنی تک فولڈ تھے' کافی تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"ٹھیک ہیں۔۔۔ بس بنی کو چوٹ لگی تھی کل اب بہتر ہے۔"

"ہوں۔۔۔ تم کیسی ہو؟" اس کے پاؤں سے لپٹے چیکو کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔۔۔ آپ؟" وہ گھبرا رہی تھی۔ شاید اس دن کی بات یاد کر کے۔

"میں بھی۔۔۔ گھر میں اکیلی تھیں تو اماں کے پاس چلی جاتیں۔"

"نہیں ٹھیک ہوں۔۔۔ عابدہ ہے گھر پہ۔۔۔"

"پتا ہے ہمارے گھر میں اتنی خاموشی پہلے کبھی نہیں ہوتی تھی۔ گھر میں کوئی نہ بھی ہو تا تو پھر بھی رونق ہوتی۔" پھیکے بجھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میرے خیال میں ایسا اس لیے ہے کیونکہ آپ لوگوں نے محب کی خواہش کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔۔۔ دل اداس ہے' اس لیے گھر بھی اداس ہے۔"

"شاید ہاں۔۔۔" حمدان کے خیال سے متفق تھی وہ۔

"لیکن اس کی بھی ایک وجہ ہے۔ میں ایک بار محب بھائی کی فیاسی سے ملی ہوں۔ میں بھائی کے ساتھ مارکیٹ گئی تھی۔ اتفاقاً" وہ بھی وہاں تھی۔ بھائی کے میرا تعارف کروانے کے باوجود وہ فارملی بھی مجھ سے نہیں ملی۔ اور محب بھائی کو لے کر آگے آگے چلنے لگی۔ وہ بے چارا خود مشکل میں پڑ گیا تھا۔ اگر ہم مجبوری میں ہی صحیح قبول تو کر رہے ہیں نا۔۔۔ تو وہ بھی کوشش تو کرے۔ لیکن اس کے انداز سے تو لگا کہ اسے ہماری ضرورت نہیں۔۔۔ اس گھر کو صرف مدح کے جانے کا نہیں' محب کے جانے کا بھی دکھ ہے۔" وہ دھیرے دھیرے دکھ بھرے لہجے میں بتا رہی تھی۔ مزید گویا ہوئی۔

"میرا ذاتی خیال ہے کہ جس رشتے میں والدین کی بلیسنگز نہ ہوں وہ رشتہ مشکل میں پڑ جاتا ہے اور جس میں والدین کی دعا شامل ہو' وہ رشتہ کبھی آسان ہو جاتا ہے۔" جسے وہ امیچور' بچی پتہ نہیں کیا کیا کہتا تھا وہ کیسی پتے کی باتیں کر رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں

معترف ہوا۔

"ویسے بہت بری میزبان ہو تم۔ چائے پانی تک نہیں پوچھا تم نے۔" ماحول کا اثر زائل کرنے کے لیے وہ کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

"اوہ سوری۔ عابدہ باجی۔۔۔!" احتیاط سے بنی کو نیچے اتار کر وہ عابدہ کو آواز دینے لگی۔

"اسے چھوڑو۔۔۔ میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔۔۔ وہ تو مجھے پانی پلا چکی ہے۔" شرارت سے کہتا دروازے میں جا کھڑا ہوا۔

"چلیں پھر میں آپ کو چائے پلاتی ہوں۔" کونے میں لگے واش بیسن پہ ہاتھ دھوتے بولی۔ آگے پیچھے چلتے لاؤنج میں آ گئے۔

"نہیں چائے رہنے دو اب۔۔۔ میں تمہاری امانت تم تک پہنچانے آیا تھا۔ جو کہ اماں کے حساب سے میں کافی لیٹ ہو گیا ہوں۔" ٹیبل پر پڑے شاپر میں سے ایک مخملیں ڈبیا نکال کر اس کے سامنے کی۔

"تمہاری منگنی کی انگوٹھی۔۔۔"

"اس کی کیا ضرورت تھی۔۔۔" گھبراہٹ سے پسینہ ابھر آیا۔

"ضرورت کیوں نہیں تھی۔۔۔ انگوٹھی کے غم میں ہی تو اتنا رونا دھونا کیا تم نے اس دن۔۔۔" اس کا گلابی ہوتا چہرہ اپنی نگاہوں میں بھرتا شرارت سے بولا۔

"میں تو اس لیے رو رہی تھی کہ وہ میرے پاس امانت تھی۔۔۔ مجھے آپ کو وقت آنے پر واپس لوٹانی تھی۔" شکستہ لہجے میں بولی۔ وہ بھی چپ سا ہو گیا۔

"ہوں۔۔۔ تو یہ رکھ لو ناں۔۔۔ جب وقت آئے گا تو کچھ تو ہو تمہارے پاس جو میرے منہ پہ مار کر منگنی توڑ سکو۔" مزاحیہ انداز میں کہتا اسے اور دکھی کر گیا۔ شاپر سے کچھ اور نکال رہا تھا۔

"اور یہ بھی لو۔۔۔ تم تو انگوٹھی کے غم میں بھول ہی چکی تھیں کہ وہ تمہارا موبائل بھی لے گئے ہیں۔" برانڈڈ نیو موبائل کیس اس کے سامنے تھا۔

"خالہ نے کیوں بھیجا یہ سب۔۔۔ محب بھائی نے اگلے ہی دن مجھے موبائل لے دیا تھا۔" وہ یہ چیزیں لینے میں متامل تھیں۔

"اب مجھے کیا پتا۔۔۔ تم سوری یا تھینک یو کے بہانے فون یا میسج کرتی تو پتا چلتا ناں۔۔۔" اس نے پھر چھیڑا۔

"میں کیوں کرنے لگی بہانوں سے آپ کو فون؟" ازلی تنک مزاجی عود آئی۔

"ہاں ویسے تمہیں کسی بہانے کی کیا ضرورت۔۔۔ ویسے بھی کر سکتی ہو۔۔۔ میں جا رہا ہوں۔ بہت تھک گیا بازاروں میں پھرتے۔" وہ چائے کا کہتی رہ گئی۔ وہ "پھر کبھی سہی" کہتا نکل گیا۔

"موبائل بھی لے کر گیا ہے۔ کتنا سمجھ دار ہے میرا بچہ۔۔۔ مجھے تو موبائل کا یاد ہی نہیں تھا۔" خالہ کو شکریہ کہنے کے لیے فون کیا تو خالہ کی موبائل کے بارے میں لاعلمی سے دل میں حمدان کے نام کے تار بجنے لگے۔ فوراً" سے پہلے سم نکال کر اس موبائل میں ڈالی۔۔۔ دل کے باغ میں محبت کے شگوفے نے سر اٹھا لیا۔

☼ ☼ ☼

شمالی علاقہ جات سے آنے والی سرد ہواؤں نے اوائل دسمبر سے ہی لاہور کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ خشک سردی کی وجہ سے فلو اور گلے کی خراشوں نے ایشل کو بھی پکڑ رکھا تھا۔ لیکن ایشل کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ کیونکہ سالانہ چھٹیوں میں مدح کو پاکستان آنا تھا۔ وہ دھڑا دھڑ اس کے لیے شاپنگ کر رہی تھی، اس کے پسندیدہ ہلکے رنگوں کے جوڑے۔ اس بار تو تابندہ بھی اس کے ساتھ شاپنگ پہ جا رہی تھیں۔ دونوں ماں بیٹیوں کا انتظار اور خوشی دیکھ کر جاوید صاحب بھی خوش ہوتے۔ لیکن اس خوشی کی ایسی کی تیسی ہو گئی جب مدح نہیں آئی۔

"چھٹیوں کے بعد پیپرز ہیں۔ اگر پاکستان آ گئی تو تیاری نہیں کر پاؤں گی۔" اپنی طرف سے اس نے معقول توجیہ دی تھی۔ لیکن اسے نہ ایشل ماننے کو تیار تھی نہ تابندہ۔

اور آج سال کی آخری رات تھی۔ یہ سال زندگی

کے سارے رنگ ان کو دکھا کر اپنی آخری گھڑیاں جی رہا تھا۔

"کیا مدح اب کبھی نہیں آئے گی ایشا۔۔۔؟" آج پاپا اوسی ایس کے لیے کراچی گئے ہوئے تھے۔ لہٰذا ایشل ماما کے ساتھ ان کے کمرے میں سونے کے لیے لیٹی تھی' جب ماما کی متاسف آواز نے اسے بھی دکھ میں گھیر لیا۔

"نہیں ماما۔۔۔ پیپرز کے بعد آنے کا کہہ رہی تھی۔" اس نے تسلی دینا چاہی۔

"وہ نہیں آئے گی بچے۔" ماما کی بات نے اسے اور بھی پریشان کر دیا۔ ماما تو سو گئیں لیکن وہ دو بجے تک گھڑی کی سوئیاں ہی دیکھتی رہی۔ ابھی اس کی آنکھ لگی ہی تھی کہ دھڑام کی آواز آئی۔ نا سمجھی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھ کر آنکھیں بند کرنے ہی والی تھی کہ کچھ خیال آنے پر کروٹ بدل کر ماما کو دیکھا۔ وہ اپنے بستر پر نہیں تھیں۔ ایک جھٹکے سے اٹھی۔ فوراً" واش روم کی طرف بھاگی۔ وہاں کا منظر دیکھ کر جان گویا ہتھیلی میں آگئی ہو۔

"ماما۔۔۔ ماما۔" واش روم کے چمکدار فرش پر گری ماما کے گال تھپتھپاتے گھبراہٹ سے پکار رہی تھی۔

"کیا ہوا ماما؟ پلیز اٹھیں۔" وہ تقریباً" چیخ رہی تھی' لیکن ماما بے ہوش ہو چکی تھیں۔ اس نے کان رکھ کر ان کے دل کی دھڑکن محسوس کرنی چاہی' ہلکی ہلکی دھک دھک سن کر اس کا اپنا دل اس کے کانوں میں دھڑکنے لگا۔

ماما۔۔۔ یا اللہ کیا کروں۔" کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ البتہ بہت دقت سے تقریباً" گھسیٹ کر ماما کو باہر لائی۔ ان کو کوئی ہوش نہیں تھا۔ ان کو کارپٹ پر لٹا کر وہ محب کے کمرے میں بھاگی۔ اسے کمرے میں نہ پا کر وہ واپس بھاگی۔

"ماما۔۔۔" پانی کے چھینٹے مارنے پر بھی وہ نہ ہلیں۔ اب وہ کانپتے ہاتھوں سے محب کا نمبر ملا رہی تھی۔ مسلسل بیل جا رہی تھی لیکن کسی نے فون نہ اٹھایا۔ ایک ہاتھ سے ماما کا ہاتھ پکڑے دوسرے ہاتھ سے فون کان سے لگائے مسلسل بیل جاتی سن رہی تھی۔

"ہیلو۔" پانچویں بار کال کرنے پر فون اٹھایا گیا لیکن دوسری طرف محب نہیں تھا۔

"ہیلو۔۔۔ محب بھائی کہاں ہیں۔" وہ یقیناً" حریم تھی۔

"محب تو واش روم گیا ہے۔۔۔ خیریت؟"

"پلیز محب بھائی کو بتائیں۔۔۔ ماما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ مجھ سے فوراً" بات کریں وہ۔" روہانسے انداز میں مدعا بیان کیا۔

"ہیلو۔۔۔ ایشل' تمہاری آواز کلیئر نہیں آرہی۔۔۔ پارٹی چل رہی ہے نا۔۔۔ اور ہاں ہیپی نیو ایئر۔۔۔" اور فون بند ہو گیا۔ ایشل کا گلا رندھ گیا۔۔۔ دو' چار منٹ بعد دوبارہ نمبر ملایا تو موبائل ہی بند ملا۔ اب کہ اس نے بنا کچھ سوچے حمدان کا نمبر ملایا۔

"ہیلو۔" چوتھی بیل پر ہی سوئی سوئی آواز کے ساتھ بولا گیا ہیلو ایشل کو بھی امداد کی طرح لگا۔ پچیس منٹ کا راستہ پندرہ منٹ میں طے کرتا وہ ایشل کے سامنے تھا۔ یخ بستہ رات میں ہاف سلیوز ٹی شرٹ اور سلوٹ زدہ ٹراؤزر میں موسم سے بے نیاز وہ ایشل کی پکار پر حاضر تھا۔ تابندہ کو بازوؤں میں اٹھا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹایا۔ وہ بھی گھبرائی گھبرائی ساتھ کھڑی تھی۔

"کچھ لے لو۔۔۔ سردی بہت ہے۔" ٹاپ اور پلازو پہنے کھڑی ایشل کو دیکھ کر کہا تو وہ فوراً" حکم کی تعمیل میں اندر سے اپنا پوچھ لے آئی اور دوسرے ہاتھ میں بابا کی شال بھی۔۔۔

"اس کی ضرورت نہیں تھی۔" اس کے ہاتھ سے شال پکڑتے ہوئے بولا۔

"جلدی میں کچھ لینے کا خیال ہی نہیں آیا۔"

"یا اللہ میری ماما کو ٹھیک کر دے۔" فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ایشل مڑ کر ماما کو دیکھتی ہر سانس کے ساتھ اسی دعا کا ورد کر رہی تھی۔

"سب ٹھیک ہے۔ سنبھالو خود کو۔" وہ گاڑی چلاتا اسے بھی تسلی دے رہا تھا۔ جس کی آنکھیں خطرناک حد تک لال ہو چکی تھیں۔ اسٹریس کی وجہ سے دماغ کو

آکسیجن کی سپلائی رک گئی تھی اور شوگر لیول بھی لو تھا۔ بہرحال ڈاکٹرز نے ٹریٹمنٹ شروع کر دیا تھا۔ اماں اب پر سکون سو رہی تھیں۔ وہ ان کے کمرے سے نکل کر کوریڈور میں لگے بنچ پر بیٹھ گئی۔۔۔ اندھیری سیاہ رات کو صبح کی سپیدی نے نگل لیا تھا۔ ٹھنڈی سرد صبح سانس کے ساتھ اندر اتر رہی تھی۔ کوریڈور کے دوسرے سرے سے حمدان آتا دکھائی دیا۔ شال کو مفلر کی طرح گلے میں لٹکائے دونوں ہاتھوں میں دو چائے اور دو سینڈوچ تھامے اسی کی طرف آ رہا تھا۔ اس کو اپنی طرف دیکھتا پا کر ہلکا سا مسکرایا وہ نجانے کن سوچوں میں گم تھی۔۔۔ مسکرا بھی نہ سکی۔

"خالہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔۔۔ بات ہوئی ہے میری ڈاکٹر سے۔۔۔ تم بالکل ٹینشن نہ لو۔۔۔ اور یہ لو کچھ کھاؤ۔"

اب وہ سامنے کسی غیر مرئی نقطے پہ نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

"ابھی خالہ کو ہوش آجائے گا تو ہم گھر لے جائیں گے۔۔۔ دوائیوں کے زیر اثر سو رہی ہیں وہ۔۔۔" وہ سن بھی رہی تھی یا نہیں وہ سمجھ نہیں پایا۔

"ایشل۔۔۔!" چائے کے کپ بنچ پر رکھ کر اسے محبت سے پکارا۔

"محب بھائی سے بات ہوئی۔۔۔؟" دھیرے سے بولی۔

"ابھی تک فون بند ہے اس کا۔" اسی انداز میں جواب دیا۔

"آپ کو پتا ہے مدح بہت اچھی ہے۔ محبت کرنے والی ہے بہت۔۔۔ اسے سب کو خوش رکھنا آتا ہے۔ کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا اس نے۔ بہت سمجھ دار، لائق قابل لڑکی ہے وہ۔" وہ اسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتے بول رہی تھی، ٹھہر ٹھہر کر۔

"میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ میں اس کی بہن ہوں۔ وہ واقعی ایسی ہی ہے۔"

"وہ میرے جیسی جلد باز نہیں۔۔۔ معاملہ فہم ہے۔"

وہ بہت توجہ سے اسے دیکھتا اسے سن رہا تھا۔

"وہ بہت خوب صورت بھی ہے۔ بس سادہ رہتی ہے۔ بہت گوری رنگت، لمبے بال۔۔۔ حسین آنکھیں۔۔۔ ذرا سی تیار ہو تو بہت حسین لگتی ہے اور تو اور وہ شاعری بھی کرتی ہے۔ اگر اپنی ساری شاعری چھپوائے تو دو تین کتابیں بن جائیں۔" اب وہ حیرت سے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ کہ آخر اس سب سے اس کا مطلب کیا ہے۔ وہ ایک دم اس کی طرف مڑی۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں آنسوؤں سے لبریز آنکھوں میں حمدان اپنا عکس دیکھ سکتا تھا۔

"آپ مدح سے شادی کر لیں۔" آنکھوں میں اٹکے سارے آنسو گالوں پر بہہ گئے اور آواز سسکیوں سے گھل کر ٹوٹ ٹوٹ کر نکلی۔

"آپ پلیز مدح سے شادی کر لیں۔ اس کا دکھ میرے ماں باپ کو جینے نہیں دے گا۔ سب مان جائیں گے۔ آپ اس کے لیے بہترین انتخاب ہوں گے اور وہ آپ کے لیے۔" وہ بھونچکا سا رہ گیا۔ اس کے آنسو اور سسکیاں اس کے دل کو جکڑ رہی تھیں۔

"او کے بس کرو رونا۔۔۔ یہ لو سینڈوچ کھاؤ۔" خود کو سنبھال کر بولا۔

"پلیز حمدان بھائی۔۔۔" محبت کے شگوفے نے بھی حیرت سے ایشل کو دیکھا۔

"اچھا اس بارے میں پھر بات کریں گے۔ جسٹ ریلیکس۔" اپنا بازو تسلی دینے کے مخصوص انداز میں اس کے گرد لپیٹتا اس کا دکھ کم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"ایموشنل لڑکی۔۔۔" سوچتے ہوئے اس کا بازو تھپتھپایا۔

☼ ☼ ☼

"تم مجھے فون کر سکتی تھیں۔ مر نہیں گیا تھا میں۔۔۔" وہ کچن میں ماما کے لیے سوپ بنا رہی تھی جب محب بھائی ماما سے مل کر آتے ہی درشت لہجے میں اس سے پوچھ رہے تھے۔ اس کا دل بھر آیا محب بھائی نے آج تک اس سے ایسے بات نہ کی تھی۔

"میں بھی یہی سمجھتی تھی۔ اسی لیے آپ کو فون کیا

تھا۔ حریم نے بتایا نہیں آپ کو۔ پارٹی تھی نا بھول گئی ہوگی بے چاری۔" محب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے مضبوط لہجے میں بولی۔ ایشل نے بھی آج تک محب سے ایسے بات نہیں کی تھی۔ وہ ذرا سا ٹھٹکا اور پھر تن فن کرتا کچن سے نکل گیا۔ اپنے گالوں پر لڑھک آنے والے آنسوؤں کو اس نے بے دردی سے رگڑ کر صاف کردیا۔

ماما دن بدن بہتر ہو رہی تھیں۔ مدح اپنے چھٹیوں میں پاکستان نہ آنے کے فیصلے پر خود کو جتنا کوس سکتی تھی کوس رہی تھی۔ اب بس پیپر ختم ہوتے ہی وہ اڑ کر پاکستان پہنچ جانا چاہتی تھی۔

مدح اس کو ہمیشہ کہتی تھی کہ ڈرائیونگ سیکھ لے۔ لیکن اس نے مدح کی بات کو کبھی سیریس نہیں لیا تھا۔ مگر اس رات اسے شدت سے اپنی اس نااہلی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اب اس کا ارادہ تھا کہ سمسٹر ختم ہونے کے بعد باقاعدہ کلاسز لے گی۔ البتہ بابا نے ایک بھروسے مند ڈرائیور رکھ دیا تھا جو ایشل اور تابندہ کی خدمت پر مامور تھا۔

اس دن کے بعد سے محبت جب بھی گھر میں دکھتا' اندازہ لگانا مشکل ہوتا کہ یہ مصروف زیادہ ہے یا پریشان زیادہ۔ بہرحال نہ کسی نے اس سے کچھ پوچھا نہ اس نے کسی کو کچھ بتایا۔

☼ ☼ ☼

اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر کی پشت پر باندھے آفس کی کرسی پر حمدان آنکھیں بند کیے کافی سکون محسوس کر رہا تھا۔ کل ہی ایک تھکا دینے والا پروجیکٹ ختم ہوا تھا۔ اس طرح ریلیکس ہو کر آنکھیں بند کرنے پر جو پہلا خیال ذہن کے پردے پر ابھرا وہ ایشل کے علاوہ کس کا ہو سکتا تھا۔

"پاگل لڑکی۔۔۔ ایموشنز میں سب دان کرنے چلی ہے۔" آنسوؤں میں ڈوب کر ابھرنے والے بات اس کے تاثرات کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ گو کہ اس وقت اس کے آنسو اسے تکلیف دے رہے تھے لیکن اب اطمینان محسوس ہو رہا تھا کہ وہ آنسو کہیں نہ کہیں میرے چھن جانے کے خوف کے بھی تھے۔" اس نے کچھ خیال آنے پر فوراً" آنکھیں کھول کر وقت دیکھا۔ اور پھر انٹرکام کان سے لگالیا۔

"آج کوئی میٹنگ تو شیڈول نہیں ہے؟" نفی میں جواب ملنے پر وہ فوراً" کھڑا ہو گیا۔ اسے آج ایشل سے بات کرنا ہی تھی۔ مبادا کہ انگوٹھی اتار کر وہ منہ پر مارے اور منگنی ہی توڑ دے۔ جیسا کہ اس کا پلان تھا۔ اور مدح سے شادی کروادے۔

"خالہ میں آفس کے کام سے ایشل کے کالج کی طرف آیا ہوں۔۔۔ آپ ڈرائیور کو منع کردیں۔۔۔ میں اسے پک کرلوں گا۔" اور خالہ کو اور کیا چاہیے تھا صدقے واری جاتی فوراً" سے پیشتر لو کے کردیا۔

اور اب وہ کالج کے گیٹ کے باہر بھانت بھانت کے چہرے نمودار ہوتا دیکھ دیکھ کر اکتا چکا تھا۔ سرپرائز دینے کا ارادہ کینسل کرکے اس نے ایشل کا نمبر ڈائل کیا۔ چند منٹوں بعد وہ خوشگوار حیرت کے ساتھ باہر تھی۔

"آپ کیوں آئے لینے۔۔۔ ڈرائیور آنے والا تھا۔"

"یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا تمہیں بھی پک کرلیتا ہوں۔ ویسے میں نے گھر انفارم کردیا ہے۔" گاڑی ایک کافی شاپ کی پارکنگ میں لگادی۔

"چلو تمہیں کافی پلواتا ہوں۔"

"رہنے دیں۔۔۔ مجھے آج تک اس آئس کریم کا ذائقہ یاد ہے۔" شگفتہ انداز میں منع کرنا چاہا گویا۔

"آج تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔۔۔ آجاؤ۔" خود ایشل سے پہلے باہر نکل آیا۔۔۔ ایشل نے بھی زیادہ منع نہیں کیا۔ یہاں کی کافی بہت اچھی اور مشہور تھی۔ سو اس کو انکار گھاٹا نہ گا۔

"ایکچولی میں تم سے کچھ بات کرنے کے لیے یہاں لایا ہوں۔" کافی آرڈر کرکے حمدان نے بات شروع کی۔

"میں نے تمہاری آفر پر بہت غور کیا۔۔۔" ایشل نے سوالیہ نظروں سے یوں دیکھا جیسے وہ اپنی جذباتی بات بھول چکی ہو۔

آکسیجن کی سپلائی رک گئی تھی اور شوگر لیول بھی لو تھا۔ بہرحال ڈاکٹرز نے ٹریٹمنٹ شروع کر دیا تھا۔ ماما اب پر سکون سو رہی تھیں۔ وہ ان کے کمرے سے نکل کر کوریڈور میں لگے بنچ پر بیٹھ گئی۔ اندھیری سیاہ رات کو صبح کی سپیدی نے نگل لیا تھا۔ ٹھنڈی سرد صبح سانس کے ساتھ اندر اتر رہی تھی۔ کوریڈور کے دوسرے سرے سے حمدان آتا دکھائی دیا۔ شال کو مفلر کی طرح گلے میں لٹکائے دونوں ہاتھوں میں دو چائے اور دو سینڈوچ تھامے اسی کی طرف آ رہا تھا۔ اس کو اپنی طرف دیکھتا پا کر ہلکا سا مسکرایا وہ نجانے کن سوچوں میں گم تھی۔ مسکرا بھی نہ سکی۔

"خالہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔ بات ہوئی ہے میری ڈاکٹر سے۔ تم بالکل ٹینشن نہ لو۔ اور یہ لو کچھ کھا لو۔" اب وہ سامنے کسی غیر مرئی نقطے پہ نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

"ابھی خالہ کو ہوش آ جائے گا تو ہم گھر لے جائیں گے۔ دوائیوں کے زیر اثر سو رہی ہیں وہ۔" وہ سن بھی رہی تھی یا نہیں وہ سمجھ نہیں پایا۔

"ایشل۔!" چائے کے کپ بنچ پر رکھ کر اسے محبت سے پکارا۔

"محب بھائی سے بات ہوئی۔؟" دھیرے سے بولی۔

"ابھی تک فون بند ہے اس کا۔" اسی انداز میں جواب دیا۔

"آپ کو پتا ہے مدح بہت اچھی ہے۔ محبت کرنے والی ہے بہت۔ اسے سب کو خوش رکھنا آتا ہے۔ کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا اس نے۔ بہت سمجھ دار، لائق قابل لڑکی ہے وہ۔" وہ اسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتے بول رہی تھی، ٹھہر ٹھہر کر۔

"میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ میں اس کی بہن ہوں۔ وہ واقعی ایسی ہی ہے۔"

"وہ میرے جیسی جلد باز نہیں۔ معاملہ فہم ہے۔" وہ بہت توجہ سے اسے دیکھتا اسے سن رہا تھا۔

"وہ بہت خوب صورت بھی ہے۔ بس سادہ رہتی ہے۔ بہت گوری رنگت، لمبے بال۔ حسین آنکھیں۔ ذرا سی تیار ہو تو بہت حسین لگتی ہے اور تو اور وہ شاعری بھی کرتی ہے۔ اگر اپنی ساری شاعری چھپوائے تو دو تین کتابیں بن جائیں۔" اب وہ حیرت سے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ کہ آخر اس سب سے اس کا مطلب کیا ہے۔ وہ ایک دم اس کی طرف مڑی۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں آنسوؤں سے لبریز آنکھوں میں حمدان اپنا عکس دیکھ سکتا تھا۔

"آپ مدح سے شادی کر لیں۔" آنکھوں میں اٹکے سارے آنسو گالوں پر بہہ گئے اور آواز سسکیوں سے گھل کر ٹوٹ ٹوٹ کر نکلی۔

"آپ پلیز مدح سے شادی کر لیں۔ اس کا دکھ میرے ماں باپ کو جینے نہیں دے گا۔ سب مان جائیں گے۔ آپ اس کے لیے بہترین انتخاب ہوں گے اور وہ آپ کے لیے۔" وہ بھونچکا سا رہ گیا۔ اس کے آنسو اور سسکیاں اس کے دل کو جکڑ رہی تھیں۔

"اوکے بس کرو رونا۔ یہ لو سینڈوچ کھاؤ۔" خود کو سنبھال کر بولا۔

"پلیز حمدان بھائی۔" محبت کے شگوفے نے بھی حیرت سے ایشل کو دیکھا۔

"اچھا اس بارے میں پھر بات کریں گے۔ جسٹ ریلیکس۔" اپنا بازو تسلی دینے کے مخصوص انداز میں اس کے گرد لپیٹتا اس کا دکھ کم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"ایموشنل لڑکی۔" سوچتے ہوئے اس کا بازو تھپتھپایا۔

☼ ☼ ☼

"تم مجھے فون کر سکتی تھیں۔ مر نہیں گیا تھا میں۔" وہ کچن میں ماما کے لیے سوپ بنا رہی تھی جب محب بھائی ماما سے مل کر آتے ہی درشت لہجے میں اس سے پوچھ رہے تھے۔ اس کا دل بھر آیا محب بھائی نے آج تک اس سے ایسے بات نہ کی تھی۔

"میں بھی یہی سمجھتی تھی۔ اسی لیے آپ کو فون کیا

تھا۔ حریم نے بتایا نہیں آپ کو۔ پارٹی تھی نا بھول گئی ہوگی بے چاری۔" محب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے مضبوط لہجے میں بولی۔ ایشل نے بھی آج تک محب سے ایسے بات نہیں کی تھی۔ وہ ذرا سا ٹھٹکا اور پھر تن فن کرتا کچن سے نکل گیا۔ اپنے گالوں پر لڑھک آنے والے آنسوؤں کو اس نے بے دردی سے رگڑ کر صاف کر دیا۔

ملا دن بدن بہتر ہو رہی تھیں۔ مدح اپنے چھٹیوں میں پاکستان نہ آنے کے فیصلے پر خود کو جتنا کوس سکتی تھی کوس رہی تھی۔ اب بس پیپر ختم ہوتے ہی وہ اڑ کر پاکستان پہنچ جانا چاہتی تھی۔

مدح اس کو ہمیشہ کہتی تھی کہ ڈرائیونگ سیکھ لے۔ لیکن اس نے مدح کی بات کو کبھی سیریس نہیں لیا تھا۔ مگر اس رات اسے شدت سے اپنی اس نااہلی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اب اس کا ارادہ تھا کہ سمسٹر ختم ہونے کے بعد باقاعدہ کلاسز لے گی۔ البتہ بابا نے ایک بھروسے مند ڈرائیور رکھ دیا تھا جو ایشل اور تابندہ کی خدمت پر مامور تھا۔

اس دن کے بعد سے محبت جب بھی گھر میں دکھتا' اندازہ لگانا مشکل ہوتا کہ یہ مصروف زیادہ ہے یا پریشان زیادہ۔ بہرحال نہ کسی نے اس سے کچھ پوچھا نہ اس نے کسی کو کچھ بتایا۔

☼ ☼ ☼

اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر کی پشت پر باندھے آفس کی کرسی پر حمدان آنکھیں بند کیے کافی سکون محسوس کر رہا تھا۔ کل ہی ایک تھکا دینے والا پروجیکٹ ختم ہوا تھا۔ اس طرح ریلیکس ہو کر آنکھیں بند کرنے پر جو پہلا خیال ذہن کے پردے پر ابھرا وہ ایشل کے علاوہ کس کا ہو سکتا تھا۔

"پاگل لڑکی۔ ایموشنز میں سب دان کرنے چلی ہے۔" آنسوؤں میں ڈوب کر ابھرنے والے بات اس کے تاثرات کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ گو کہ اس وقت اس کے آنسو اسے تکلیف دے رہے تھے لیکن اب اطمینان محسوس ہو رہا تھا کہ وہ آنسو کہیں نہ کہیں میرے چھن جانے کے خوف کے بھی تھے۔" اس نے کچھ خیال آنے پر فوراً" آنکھیں کھول کر وقت دیکھا۔ اور پھر انٹرکام کان سے لگا لیا۔

"آج کوئی میٹنگ تو شیڈول نہیں ہے؟" نفی میں جواب ملنے پر وہ فوراً" کھڑا ہو گیا۔ اسے آج ایشل سے بات کرنا ہی تھی۔ مبادا کہ انگوٹھی اتار کر وہ منہ پر مارے اور منگنی ہی توڑ دے۔ جیسا کہ اس کا پلان تھا۔ اور مدح سے شادی کروا دے۔

"خالہ میں آفس کے کام سے ایشل کے کالج کی طرف آیا ہوں۔ آپ ڈرائیور کو منع کر دیں۔ میں اسے پک کر لوں گا۔" اور خالہ کو اور کیا چاہیے تھا صدقے واری جاتی فوراً" سے پیشتر اوکے کر دیا۔

اور اب وہ کالج کے گیٹ کے باہر بھانت بھانت کے چہرے نمودار ہوتا دیکھ دیکھ کر اکتا چکا تھا۔ سرپرائز دینے کا ارادہ کینسل کر کے اس نے ایشل کا نمبر ڈائل کیا۔ چند منٹوں بعد وہ خوشگوار حیرت کے ساتھ باہر تھی۔

"آپ کیوں آئے لینے۔ ڈرائیور آنے والا تھا۔"

"یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا تمہیں بھی پک کر لیتا ہوں۔ ویسے میں نے گھر انفارم کر دیا ہے۔" گاڑی ایک کافی شاپ کی پارکنگ میں لگا دی۔

"چلو تمہیں کافی پلواتا ہوں۔"

"رہنے دیں۔ مجھے آج تک اس آئس کریم کا ذائقہ یاد ہے۔" شگفتہ انداز میں منع کرنا چاہا گویا۔

"آج تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔ آجاؤ۔" خود ایشل سے پہلے باہر نکل آیا۔ ایشل نے بھی زیادہ منع نہیں کیا۔ یہاں کی کافی بہت اچھی اور مشہور تھی۔ سو اس کو انکار گھاٹا لگا۔

"ایکچولی میں تم سے کچھ بات کرنے کے لیے یہاں لایا ہوں۔" کافی آرڈر کر کے حمدان نے بات شروع کی۔

"میں نے تمہاری آفر پر بہت غور کیا۔" ایشل نے سوالیہ نظروں سے یوں دیکھا جیسے وہ اپنی جذباتی بات بھول چکی ہو۔

"مدح والی آفر۔۔۔" اب اس کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی۔۔۔ ہاتھوں کی پوروں میں بے نام سی لرزش اتر آئی۔

"مدح واقعی ویسی ہی ہے جیسی تم نے کہا۔۔۔ گڈ لکنگ ہے' قابل ہے' میچور اور کانفیڈنٹ۔۔۔ ہر کوئی ایسے ہی لائف پارٹنر کی چاہ کرتا ہے۔" اب تو ایشل کے جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ اس نے کہہ تو دیا تھا لیکن وہ حمدان کے منہ سے' آمنے سامنے بیٹھ کر مدح کے مقابلے میں خود کو ریجیکٹ کیے جانے کی کہانی نہیں سننا چاہتی تھی۔ کافی آچکی تھی۔

"لیکن میں ذرا مختلف سوچ رکھنے والا آدمی ہوں۔" رگوں میں خون کی روانی "لیکن" سن کر تھوڑی بحال ہوئی۔

"مجھے گوری رنگت کی بجائے ذرا گندمی رنگت اپیل کرتی ہے۔ اور بال چھوٹے ہوں یا بڑے۔۔۔ اس سے مجھے خاص فرق نہیں پڑتا۔ مجھے کندھے جتنے بال بھی پسند ہیں۔۔۔ جیسا کہ تمہارے۔" اب وہ بہت سنجیدہ انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان میں آتے جاتے رنگ دیکھتا کہہ رہا تھا۔

"اور شاعری کی تو مجھے بالکل بھی سمجھ نہیں۔۔۔ اس لیے کتابیں دو ہوں یا چار۔۔۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔۔۔ لیکن۔" پھر لیکن نے سانس پکڑی۔

"ان سب باتوں کے باوجود بھی۔۔۔ میں تمہاری خاطر' صرف تمہاری خاطر یہ آفر قبول کر لیتا۔۔۔ اگر مجھے کوئی اور لڑکی پسند ہوتی تو۔" اس کا آخری جملہ سن کر ایشل کے ٹھنڈے برف بے جان وجود میں جیسے کسی نے انگارے بھر دیے ہوں۔ اور شعلے کانوں سے نکلنے لگے ہوں۔ وہ جھٹکے سے اٹھی۔

"میں نیچے جا رہی ہوں۔۔۔ پے منٹ کر کے آجائیں۔" اپنے مخصوص انداز میں کہہ کر کافی پیے بغیر ہی تیز تیز قدم اٹھاتی لفٹ کی طرف بڑھی۔

"کافی تو پیتی جاؤ" وہ کہتا ہی رہ گیا۔ سو وہ بھی کافی وہیں چھوڑ کر پے منٹ کر کے پارکنگ میں آگیا وہ منہ پھلائے گاڑی کے پاس کھڑی تھی۔ دونوں خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئے۔

"ارے کیا ہوا۔۔۔ کوئی بات تو کرو۔" کافی انتظار کے بعد بالآخر وہ خود ہی بولا۔ ایشل تو اس کی طرف دیکھنا بھی گناہ سمجھ رہی تھی۔

"پوچھو گی نہیں۔۔۔ کون پسند ہے مجھے۔۔۔" اب وہ مسکراہٹ دبائے اس کے نروٹھے پن کا مزہ لیتے ہوئے بولا۔

"نہیں۔۔۔ کیونکہ میں جانتی ہوں اسے۔" دکھ بھرے لہجے میں منہ پھیرے پھیرے ہی بولی۔

"رئیلی۔۔۔ کون بھلا؟" مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

"وہی جس کا ہاتھ پکڑ کر پہاڑوں کی چوٹیاں سر کی جاتی ہیں۔" اب کہ چہرہ موڑ کر اس کو دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں اس تصویر کا حوالہ دیا۔

"پہاڑوں کی چوٹیاں؟ کون؟" وہ بالکل بھی نہیں سمجھ پایا۔ تذبذب کے عالم میں سوچنے لگا۔

"آ آ اچھا۔۔۔ پہاڑوں کی چوٹیاں۔۔۔" کچھ یاد آنے پر قہقہہ لگا کر ہنسا۔ قہقہے کے جواب میں ایشل نے مزید منہ موڑ لیا۔

"بہادر لوگ جیلس نہیں ہوا کرتے۔۔۔ روٹھی روٹھی لڑکی!" گاڑی کا موڑ موڑتے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"میں کسی سے جیلس نہیں ہوتی۔"

"اچھا؟ چہرے پر صاف صاف لکھا ہے۔۔۔ ویسے مطمئن رہو۔ پہاڑوں کی چوٹیوں والی لڑکی سے شادی نہیں کر رہا میں۔" ایشل کا چہرہ ہنوز کھڑکی کی طرف تھا۔

"میں نے بہت سوچا۔۔۔ پھر تمہیں تو پتا ہے میں کتنا رحم دل ہوں۔۔۔ ایک لڑکی جو میرے نام کی انگوٹھی چھن جانے پہ اتنا روتی ہو وہ میرے چھن جانے پہ کیا غضب ڈھائے گی۔ سو پہاڑوں والی سے نہیں بلکہ انگوٹھیوں والی سے ہی شادی کا فیصلہ کر لیا ہے میں نے۔" اس کی شرارت بھری آواز پہ ایشل نے بے یقینی سے مڑ کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"میرا مذاق اڑا رہے ہیں آپ۔" اس کی مسکراہٹ سے یہی سمجھی۔

"اظہار محبت کر رہا ہوں میں۔۔۔ جس کی پیش گوئی کافی عرصہ پہلے آپ اپنی سہیلیوں کے سامنے کر چکی ہیں۔" ایشل کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔ صد شکر کہ گھر کا گیٹ آگیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دروازہ توڑ کر باہر نکل آئے۔۔۔ حمدان کی شرارتی مسکراہٹ کا سامنا کرنے کی تاب نہ تھی۔

"اور ہاں انگوٹھی میرے منہ پہ مارنے والے فیصلے پر نظر ثانی کر کے میرے اظہار محبت کی لاج رکھ لینا۔۔۔" لاک کھول دیے گئے۔

بھاگ کر گیٹ میں داخل ہوتے وقت اس نے پیچھے مڑ کے بھی نہیں دیکھا کہ حمدان آ بھی رہا ہے یا نہیں۔۔۔ کچن کے دروازے میں کھڑی ماما کو سلام کر کے وہ سیدھی اپنے کمرے میں بھاگی۔ دھڑام سے بیڈ پر گر کر اس عجیب سی کیفیت کو سمجھنے لگی جس نے اس کے روم روم کو مسکا دیا تھا۔

"اظہار محبت۔۔۔" وہ اپنے دل پر حیران ہو رہی تھی، وہ دل جس نے رو دھو کر انگوٹھی کو قبول کیا تھا آج ایسے ہمک رہا تھا گویا صدیوں سے یہی سب سننے کا منتظر ہو۔۔۔ کتنے ہی منٹ وہ چت لیٹی رہی، پھر یکدم اٹھ کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ وہی نین نقش جو بچپن سے تھے۔ مگر آج وہ خود اپنی پہچان میں نہیں آ رہی تھی۔

"محبت کیا اتنی طاقت ہے اس لفظ میں۔۔۔ دل پھیر دینے کی حد تک طاقتور۔۔۔" میسج بپ نے اسے متوجہ کیا۔

"تم نیچے آسکتی ہو۔۔۔ میں جا رہا ہوں۔" حمدان کا میسج تھا وہ مسکرائی۔ پھر پڑھا پھر مسکرائی۔ تسلی کر لینے کے بعد کہ وہ واقعی چلا گیا ہو گا۔۔۔ وہ نیچے آئی۔۔۔ لیکن سیڑھیوں پر ہی ٹھٹک کر رک گئی۔ وہ ابھی بھی صوفے پر بیٹھا ماما سے گپ شپ لگا رہا تھا۔

"ایشل بچے۔۔۔ حمدان سے کافی کا وعدہ کر کے آئی ہو۔۔۔ اور اب اوپر جا کے بھول گئیں۔" ماما نے دیکھ لیا ورنہ وہیں سے پلٹ جاتی۔

"کافی۔۔۔؟" وہ حیران ہوئی۔ کون سا وعدہ۔

"کہہ رہا ہے راستے میں بھی نہیں پینے دی۔۔۔ چلو بناؤ شاباش سب کے لیے۔" وہ شرارت سے دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ وہ جلدی سے کچن میں آگئی۔

"جھوٹا۔۔۔" مسکراہٹ دباتے کافی بنانے لگی۔ محبت کا شگوفہ اب نوخیز کلی بن کر دل کی ڈال پر لہک لہک کر محبت کی دھن بجانے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

اوپر پھر مدح آگئی۔ ایشل جاوید کی خوشی جیسے مکمل ہو گئی تھی۔ مدح پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو چکی تھی۔۔۔ زیادہ گلابی، زیادہ دلکش۔۔۔ تابندہ تو بار بار گلے لگاتیں، ماتھا چومتیں۔۔۔ ان کا جی ہی نہیں بھر رہا تھا۔ تہمینہ اور اسفر صاحب بمع اذان یہیں موجود تھے۔ حمدان کے آفس میں کوئی فیئرویل پارٹی تھی۔ لہٰذا وہ موجود نہیں تھا۔

"محب کب آئے گا۔ آنکھیں ترس گئی ہیں میری تو۔" سیما پھوپھو نے تیسری بار محب کا پوچھا۔

"ارے سیما۔۔۔ ان ڈاکٹر صاحب کے اوقات کار تو خود ہمیں نہیں پتا، تمہیں کیا بتائیں۔" جاوید صاحب نے طنزیہ محب کی مصروفیات کو نشانہ بنایا۔ اسی اثناء میں جاوید صاحب کے موبائل پر آنے والے فون نے انہیں حیرت میں مبتلا کر دیا۔ محب کی سسرال کا نمبر تھا۔

"ہیلو۔۔۔" حیرت بجا تھی۔۔۔ پہلی بار کال کی تھی انہوں نے۔

"اپنے سائیکو بیٹے کو لے جائیں یہاں سے۔۔۔ ہم عزت دار لوگ ہیں ورنہ کب کی پولیس کو بلا لیتی۔۔۔" محب کی ساس شعلے اگل رہی تھیں۔

"محترمہ! آپ کیا بات کر رہی ہیں؟" باقی سب بھی جاوید صاحب کی پریشانی بھانپ کر متوجہ ہوئے۔

"غلطی ہو گئی ہم سے جو آپ کے بیٹے سے رشتہ جوڑ لیا۔۔۔ جینا اجیرن کر دیا ہے ہماری بچی کا۔۔۔ یہ نہ کرو، وہ نہ کرو۔۔۔ عذاب کر دی ہے زندگی۔ ان سیکیورٹی کی بھی حد ہے۔ اب جب ہم رشتہ توڑ رہے ہیں تو دھرنا دیے بیٹھا ہے۔ عزت سے لے جائیں۔ خون خرابہ ہم بھی نہیں کرنا چاہتے۔" جاوید صاحب نے تحمل سے

اس کی بات سنی۔ آخری بات پر وہ بھی بھڑک اٹھے۔
"دیکھیے بی بی۔ میرے بیٹے کو ہاتھ بھی نہیں لگنا چاہیے کسی کا۔ میں آرہا ہوں۔" اسفر صاحب اور اذان بھی ساتھ بھاگے۔ سب کے لیے بہت عجیب اور حیران کن سچویشن تھی۔ کہ آخر کیا ہو گیا تھا کہ وہ رشتہ ہی توڑ رہے تھے۔
"دیکھیں مجھے خود حریم سے بات کرنا ہے۔" حریم کی انگارے چباتی ماں کو جاوید صاحب نے روکا وہ یہ جاننا چاہ رہے تھے کہ حریم کی بھی مرضی شامل ہے کہ نہیں۔
"کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو ایک مہینے سے یہ رشتہ توڑنا چاہ رہی ہے۔ میں نے ہی اس کو روک رکھا تھا۔ ہمارے ہاں رشتے نبھانا بہت اہم ہوتا ہے۔ لیکن اس لڑکے نے کبھی اس کی مرضی' اس کی خواہش کو اہمیت ہی نہیں دی۔ وہ وہی کرے' جو یہ چاہتا ہے۔ بس یہی اس کی خوشی ہے۔"
"آخر ایسا کیا ہو گیا ہے کہ دونوں کے بیچ اتنی غلط فہمیاں ہو گئیں۔" محب کو اذان کے ساتھ گاڑی میں بٹھا کر اب اسفر صاحب تحمل سے پوچھ رہے تھے۔
"دیکھیں بھائی صاحب۔ میری بچی نے اس سائیکو کے پیچھے لگ کے کیا نہیں کیا۔ ایکٹیویٹیز چھوڑ دیں' دوست چھوڑ دیے۔ اب اپنے کزنز کے ساتھ ایک مہینے کے لیے ورلڈ ٹور پر جانا چاہ رہی تھی۔ لیکن آپ کے بیٹے کو پتا نہیں کیا سوجھی۔ کہنے لگا کہ نہیں جاؤ گی۔ بتاؤ بھلا۔" جاوید صاحب جز بز ہوئے۔
"لیکن۔"
"لیکن ویکن چھوڑیں بھائی صاحب۔ رشتہ ختم ہی سمجھیے۔" اسفر صاحب کی بات کاٹ کر وہ بولیں۔
"ٹھیک ہے۔ محب کی طرف سے آپ کو اب پریشانی نہیں ہو گی۔ اور ہاں میرا بیٹا سائیکو نہیں' غیرت مند ہے۔"
"شکریہ۔" بھاری لہجے میں کہتے جاوید صاحب گھر سے نکل آئے۔
"میں دیکھتا ہوں بابا کیسے توڑتے ہیں وہ رشتہ۔"
محب جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھولنے لگا۔
"بیٹھے رہو چپ کر کے۔ میں نے تمہیں ڈاکٹر بنایا ہے بدمعاش نہیں۔" پہلی بار جاوید صاحب اتنی لوچی آواز میں بولے تھے۔ محب خاموشی سے بیٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

دو دن سے وہ کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ سوائے پھوپھو سیما کے کوئی اس سے بات نہیں کر رہا تھا۔ تیسری رات کو ملا بابا کے کمرے میں چلا گیا۔ بابا کوئی کتاب پڑھ رہے تھے اور ملا نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں۔ وہ وہیں جائے نماز کے ساتھ بیٹھ گیا۔
"مجھے معاف کر دیں ملا۔ میں نے آپ سب کی ناراضی مول لے کر یہ رشتہ جوڑا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اتنی جلدی ٹوٹ جائے۔ میں نبھانا چاہتا تھا ملا۔ حریم ایک مشکل ساتھی ہو گی' یہ مجھے منگنی کے فوراً بعد ہی پتا چل گیا تھا۔ لیکن میری انا مجھے ہر قیمت پہ رشتہ نبھانے پہ اکسا رہی تھی۔ میں خود کو شرمندہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔" ملا کے دونوں ہاتھ اپنی ہتھیلیوں میں لیے اوپر ماتھا ٹکائے دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔ آنسوؤں سے ملا کی ہتھیلیاں بھی تر ہو گئیں اور چہرہ بھی۔
"میں نے بہت بری لڑکی منتخب کر لی تھی ملا۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دیں۔" ماں کب تک اپنے بچے کو ایسا روتے دیکھتی' اس کے ماتھے سے اپنا ماتھا ٹکا دیا۔ جیسے معاف کر دیا ہو۔
"تمہارا انتخاب برا نہیں تھا۔ غلط تھا۔ وہ بری لڑکی نہیں تھی۔ لیکن وہ جس معاشرے کی پیداوار تھی' وہاں وہ سب اس کے لیے صحیح تھا جسے تم غلط سمجھتے تھے اور جو تمہیں صحیح لگتا تھا وہ ان کی نظر میں غلط تھا۔ ہر سوسائٹی کا ایک معین پیمانہ ہوتا ہے جس کے ذریعے ہم کسی کو اچھے برے کا سرٹیفکیٹ دیتے ہیں' ہم اپنی جس حد کو غیرت کا نام دیتے ہیں ان کے ہاں وہ تنگ نظری کہلاتی ہے۔ تمہارا قصور صرف اتنا ہے کہ تم نے ایک اچھی لڑکی کا انتخاب کیا لیکن وہ تمہارے لیے

مناسب نہیں تھی۔ اب جو ہو چکا سو ہو چکا۔ سب بھول کر آگے دیکھو۔ اپنے آپ کو پرانے غلط فیصلے میں الجھائے رکھنے کے بجائے نئے صحیح فیصلے کرنے کی ترغیب دو۔" جاوید صاحب بھی کتاب سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر مدبرانہ سمجھاتے اس کے پاس آئے اور کندھے سے پکڑ کر اپنے برابر کھڑا کر دیا۔

"میرا بیٹا آج بھی اتنا ہی قابل ہے۔ جتنا چند مہینے قبل تھا۔ زندگی میں آنے والے اتار چڑھاؤ کو اپنے اوپر اتنا حاوی نہ کرنا محب! کہ جب ہموار راستے پر آؤ تو زندگی تمہیں پہچان ہی نہ پائے۔" اور اسے گلے سے لگا لیا جیسے اس کی ساری تھکن خود میں جذب کر لینا چاہتے ہوں۔

☼ ☼ ☼

مدح ایشل کی الماری سیٹ کر رہی تھی۔ جس کو دیکھ کر لگ رہا تھا کافی عرصے سے خبر نہیں لی گئی۔ ایشل غصے میں لال بھبھوکا چہرہ لیے اندر داخل ہوئی اور مدح کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"نیچے محب بھائی کی تم سے منگنی کی بات ہو رہی ہے۔ وہ آئے گا تمہارے پاس معافیاں تلافیاں کرنے ... لیکن مدح تم انکار کرو گی۔ سن رہی ہو نا۔ میری مدح اتنی فالتو نہیں کہ جب چاہا ریجیکٹ کر دیا اور جب چاہا قبول کر لیا۔" ایشل کے دل میں اپنی محبت دیکھ کر مدح کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ غصے میں کانپتی ایشل کو گلے لگایا۔

"تم پریشان نہ ہو میری جان۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس کی بات پہ خود بھی حیران تھی لیکن اسے تسلی دی۔

"تم ہاں نہیں کرو گی مدح۔ مانا کہ کبھی یہ میری زندگی کی بہت بڑی خواہش تھی لیکن اب نہیں۔ میرا بھائی تمہارے قابل نہیں۔"

اور ابھی دو دن بھی نہ گزرے کہ محب اس کے سامنے تھا' وہ اسٹڈی ٹیبل کی چیئر پر بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھی وہ بھی دوسری کرسی گھسیٹ کر ساتھ بیٹھ گیا۔

مشہور مزاح نگار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کارٹونوں سے مزین

آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش

کتاب کا نام		قیمت
آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-
نگری نگری پھرا مسافر	سفرنامہ	225/-
خمار گندم	طنز و مزاح	225/-
اردو کی آخری کتاب	طنز و مزاح	225/-
اس بستی کے کوچے میں	مجموعہ کلام	300/-
چاند نگر	مجموعہ کلام	225/-
دل وحشی	مجموعہ کلام	225/-
اندھا کنواں	ایک گرامین پولا ابن انشاء	200/-
لاکھوں کا شہر	او ہنری ابن انشاء	120/-
باتیں انشاء جی کی	طنز و مزاح	400/-
آپ سے کیا پردہ	طنز و مزاح	400/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

"کیسی ہو۔۔۔؟"

"ٹھیک ہوں۔۔۔"

"کچھ ضروری بات کرنا تھی۔" ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

"سن رہی ہوں۔۔۔" سپاٹ لہجہ' وہ اس مکالمے کے لیے بالکل تیار تھی۔

"مجھے بچپن سے ہمارے رشتے کے بارے میں پتا تھا۔ لڑکپن میں پہنچا تو دل چاہا کہ وہ رشتہ جس کا مجھے ادراک ہے' اس کا احساس بھی ہونا چاہیے۔ تم بھی ریزرو تھیں اور میں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ پھر پڑھائی اور جاب کے بکھیڑوں میں یہ رشتہ کہیں لو جھل گیا۔ تم جیسے معمول کا حصہ لگیں۔ تم سے شادی کا مطلب مجھے لگا کہ زندگی میں کچھ نیا نہیں ہو گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے مدح کہ تم میں کوئی خامی ہے بلکہ خرابی تو میری سوچ میں تھی۔ میں کسی نئے پن کا متلاشی تھی۔" وہ نظریں جھکائے اس کا لفظ لفظ سن رہی تھی۔

"اور پھر یوں ہے کہ مجھے نیا پن راس نہیں آیا مدح منصور۔۔۔ مجھے تم ہی راس ہو۔۔۔ ایک اور اعتراف بھی کروں گا۔ میں آج تک جتنی بھی لڑکیوں سے ملا ہوں۔۔۔ تم ان سب سے اچھی ہو۔۔۔" اس نے جیب سے کچھ نکالا۔

"لیکن اس تعریف کا یہ مطلب نہیں کہ میرے سارے قصور معاف ہو گئے۔ وہ رشتہ جو کبھی نہ ہوتے ہوئے بھی تھا۔ جو میری نالائقی کی وجہ سے ٹوٹ گیا۔ اسے میں پھر جوڑنا چاہتا ہوں۔۔۔ تم بہت قیمتی ہو مدح۔۔۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اب کی بار فیصلہ تم کرو۔۔۔ تم چاہو تو انکار کرو۔۔۔ لیکن میں کبھی بھی نہیں چاہوں گا کہ تم ماما' بابا یا پھوپھو کی خواہش کے احترام میں مجھے قبول کرو۔۔۔ اسی لیے میں نے تم سے خود بات کرنا چاہی تھی تاکہ تم کسی کا بھی پریشر لیے بغیر فیصلہ کرو۔۔۔ تمہارا ہر فیصلہ سر آنکھوں پر۔۔۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ ایک کرسٹل کی ڈبیہ جس میں ہیرے کی انگوٹھی دمک رہی تھی اس نے ٹیبل پر رکھ دی۔

"اگر تم نے پہن لی تو میں سمجھوں گا کہ میری ساری خطائیں معاف ہو گئیں۔۔۔" اور کمرے سے نکل گیا۔

وہ انگوٹھی کو دیکھتی رہی۔۔۔

کرسٹل جیسے شفاف آنسو قطار در قطار گرتے جیسے سوکھی زمین کو تر کرنے لگے۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے ڈبیہ پکڑی' کھولی۔۔۔ اور انگوٹھی نکال کر اپنی بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہن لی۔

"محبت کرنے والے فیصلہ کرتے وقت سوچتے نہیں محب۔۔۔" محبت کا دعویٰ تو میرا تھا۔ انکار کر کے اپنے ان حرفوں کو کہاں چھپاتی جو تمہاری ذات سے منسوب ہو کر میری ڈائریوں میں بکھرے پڑے ہیں۔۔۔ یہ مجھے کہاں جینے دیتے۔۔۔ برسوں سے میں تمہاری محب ہوں۔ اب تم میرے محب بن جاؤ۔" اس نے اپنے آنسو صاف کر لیے محبت کے سارے لفظ دھمال ڈالنے لگے۔ اور وہ ایشل کے جواب دینے کے لیے خود کو تیار کرنے لگی۔

"محبت سے بڑی کوئی دلیل نہیں ایشل۔" اس جواب کے آگے ایشل کی ہر دلیل ہار گئی۔ اور ایشل سے تو محبت اپنا آپ پہلے ہی منوا چکی تھی۔ محبت کی دیوی نے ہاتھ پھیلا کر ان دونوں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

مدح نے ایک ہفتے بعد واپس جانا تھا۔ اور حمدان نے بھی اپنی کمپنی کی طرف سے کروائے جانے والے ایڈوانس کورس کے لیے تین ماہ کے لیے نیویارک جانا تھا۔ سو طے ہوا کہ محب اور مدح کی شادی میں حمدان اور ایشل کا بھی نکاح کر دیا جائے اور حمدان کی واپسی پر رخصتی۔۔۔ تب تک ایشل بھی امتحانات سے فارغ ہو جائے گی۔

"سب طے ہو گیا ہے۔ لیکن تم نے نہ ہاں کی نہ ناں کی۔۔۔ کچھ تو بتاؤ۔" حمدان کا میسج پڑھ کر وہ مسکرا اٹھی۔

"قاضی صاحب کے سامنے ہی بتاؤں گی۔" جواب کے ساتھ ایک اسمائلی بھی بھیج دی۔

"فنگر کراسڈ۔۔۔" جوابی میسج۔

بادشاہی مسجد میں نکاح کا انتظام کیا گیا۔ دونوں کے ایک جیسے جوڑے تھے۔ وائٹ کے ساتھ سلور کام۔۔۔ البتہ دوپٹوں کے کلر مختلف تھے۔ ایشل کا اورنج اور مدح کا ریڈ۔۔۔ جب کہ محب اور حمدان کی وائٹ کرتا شلوار کے اوپر بلیک ویسٹ کوٹ کے ساتھ چھب ہی نرالی تھی۔ ایجاب و قبول کے مراحل طے ہوئے۔ مہمان کے کھانے کا انتظام گھر کے لان میں تھا۔ سو سب گھر پہنچے ایشل اور مدح کمرے میں پہنچی ہی تھیں کہ دروازے کی دستک پہ چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ مدح دروازہ کھولنے کو بڑھی۔

"اجازت ہو تو کچھ بات کرنی ہے۔" حمدان مدح سے ریکونسٹ کر رہا تھا۔ ڈریسنگ کے سامنے کھڑی ایشل کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

"جی ضرور۔۔۔ مگر خیال رہے کہ صرف نکاح ہوا ہے۔" مدح مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ دروازہ بند کر کے وہ دھیرے دھیرے چلتا پاس آگیا۔

"سنا ہے آج آپ کا نکاح ہوا ہے۔ مبارک ہو۔" اس کا روپ آنکھوں میں سموتے ہوئے ذرا جھک کر بولا۔

"اور سننے میں تو یہ بھی آیا ہے کہ آپ کے ہزبینڈ کمال لگ رہے تھے۔" اور شرارتی ہوا۔

"جی میں نے بھی آپ کے نکاح کا سنا۔۔۔ اور یہ بھی سنا کہ آپ کی دلہن جیسی حسین دلہن آج تک کسی نے دیکھی نہیں۔" وہ بھی اسی کے انداز میں دوبدو ہوئی۔

"جی۔۔۔ بالکل صحیح سنا آپ نے۔" مسکراہٹ دباتا بولا۔

"سچ بتاؤں تو کورس پہ جانے کا بالکل دل نہیں کر رہا۔۔۔ دل رخصتی کی ضد کر رہا ہے۔" حمدان کا نیا روپ دیکھ کر وہ جھینپ گئی۔

"اب آپ جائیں حمدان بھ۔۔۔"

"بس بس۔۔۔ بھائی نہ کہہ دینا۔ ابھی ابھی قاضی کو پیسے دے کر آیا ہوں۔" جلدی جلدی بولتے اسے روکا۔ جیب سے کچھ نکالا۔

"یہ لو۔۔۔ تیسری انگوٹھی۔۔۔" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"بھئی دو انگوٹھیاں تمہیں دے چکا ہوں۔۔۔ لیکن اپنے ہاتھوں سے پہنانے کا شرف کسی ایک کو بھی حاصل نہیں ہوا۔ تو سوچا یہ حسرت ہی نہ رہ جائے۔ ہاتھ دو۔" ہلکے پھلکے انداز میں کہتے اس کا لرزتا ہاتھ تھام لیا۔

"نکاح مبارک ہو۔" انگوٹھی پہنائی۔

"آپ کو بھی۔۔۔" شرماتے ہوئے بولی۔

"سوچ رہا ہوں تین مہینے کیسے گزریں گے۔"

"پہاڑوں پہ جانے کا پلان کر لیجیے گا۔" کچھ یاد دلاتی تنک کر بولی۔

"ہوم۔۔۔ آئیڈیا برا نہیں۔" بے ساختہ قہقہہ روکتے ہوئے بولا۔

"جیلس نہ ہونا اس سے۔۔۔ وہ صرف دوست ہے اور میں اس کی ہیلپ کر رہا تھا۔" اسے تسلی دے رہا تھا گویا۔

"مجھ جیسے خشک مزاج بندے سے شادی تو کر لی ہے۔ اب دوستی بھی کر ہی لو۔" اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"شادی تو نادانی میں ہو گئی۔۔۔ اب دوستی سوچ سمجھ کر ہی کروں گی۔" وہ بھی ذرا سا اترائی۔ اس نے ہاتھ ہٹا لیا۔

"چلو ٹیک یور ٹائم۔۔۔ ویسے یار وہ اٹھارہ بکے والا جھوٹ کچھ زیادہ بونگا نہیں تھا۔" کچھ یاد کر کے اس کا مذاق اڑاتے بولا تو وہ جھینپ گئی۔ اچانک میوزک کی تیز آواز نے انہیں متوجہ کیا۔ وہ آگے پیچھے کمرے سے باہر نکل آئے۔ لاؤنج کا منظر واضح تھا۔ اذان حسان کے بیٹے کو اٹھائے ڈانس کر رہا تھا۔ محب اور مدح کے اردگرد جمع سب لوگ حسان کی بیوی کو بھی پروٹوکول دے رہے تھے۔ ان کی آمد سے خوشیاں دوبالا ہو گئیں۔ حمدان نے ممنون نگاہوں سے ایشل کو دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس مکمل منظر کا حصہ بننے چل دیا۔

اس شہر محبت کی خیر۔۔۔ جس میں ہر رشتے کے جڑنے کی وجہ صرف محبت تھی۔

☆

افشین نعیم

میری عید تیرے کسنگ

"خالہ بی! یہ دیکھئے اروی کے لیے لے کر آئی ہوں۔" سامعہ نے ایک شاپر خالہ بی کے سامنے کیا اور اس میں سے چیزیں نکال نکال کر ساس کو دکھانے لگیں۔ پونچھا لگاتی چمپا کے ہاتھ لمحہ بھر کو سست ہوئے۔ اس نے کن انکھیوں سے اس سمت دیکھا جہاں سامعہ ایک کے بعد ایک سامان نکال رہی تھیں۔

بڑا پیارا سا سوٹ تھا۔ ساتھ میں موتیوں والی چوڑیاں تھیں جن میں کہیں کہیں نگ بھی لگے ہوئے تھے۔ مہندی تھی۔ نگوں والے بندے تھے۔ دل میں کسی حسرت نے انگڑائی لی۔

اسی وقت سامعہ کی نظر اس پر پڑی۔ "جلدی جلدی کام ختم کرو۔" یہ کہتے ہوئے ساتھ ہی جلدی سے سامان سمیٹ کر واپس شاپر میں ڈال دیا۔

"اچھا کیا جو لے آئیں۔ آخری روزوں میں تو بہت رش ہو جاتا ہے۔" خالہ بی نے پاؤں سمیٹ کر تخت کے اوپر کیے۔

چمپا اب پونچھا دھو کر تار پر پھیلانے جا رہی تھی۔ سانولی سلونی، تیکھے نین نقش والی چمپا، سولہ سترہ برس کی تھی۔ خوب پھرتی سے کام کرتی تھی۔

"بی بی جی! کام ہو گیا ہے۔ اب ہم چلیں۔" چمپا کی ماں سکینہ باورچی خانے کا کام ختم کر کے آئی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے جاؤ۔ اور سنو! کل اروی کے سسرال والوں کی افطار ہے ہمارے ہاں۔ تم اور چمپا شام تک رک جانا۔ افطار کے برتن دھو کر واپس چلی جانا۔"

"نہیں بی بی جی! افطار کے برتن ہم صبح آ کر دھو دیں گے، مجھے نہیں اچھا لگتا جوان بچی کے ساتھ دیر تک گھر سے باہر رہنا۔ پھر جی میرے بھانجے کو بھی یہ بات پسند نہیں ہے۔"

"تمہارا بھانجا جو تمہارا داماد بھی ہے۔" سامعہ نے استفسار کیا۔

"جی بی بی' چار برس کا تھا جب میری بہن مری۔ بہنوئی نے دوسری شادی کر لی۔ مڑ کر کبھی بچے کو پوچھا تک نہیں۔ میں بیوہ عورت' دو سال کی بچی میری گود میں' بڑی مشکل سے دونوں بچا لے ہیں۔"

"کیا کرتا ہے تمہارا بھانجا؟" سامعہ کی ساس نے استفسار کیا۔

"دس جماعتیں پڑھ گیا ہے جی۔ سال ہو گیا ہے فوج میں بھرتی ہوئے۔" سکینہ نے کچھ فخر سے بتایا۔

"اچھا ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔" سامعہ اس سے زیادہ داماد نامہ سننے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

☼ ☼ ☼

چمپا جب سے واپس آئی تھی خاموش خاموش سی تھی۔ اس کا دھیان وہیں نگوں والی چوڑیوں ہی میں رہ گیا تھا۔ افطاری بھی بڑی بے دھیانی سے کی تھی۔ سکینہ نماز پڑھ کر واپس آئی تو چمپا کو وہیں بیٹھے دیکھا۔

"چمپا! نماز نہیں پڑھنی۔"

چمپا ایک دم خیالوں سے چونکی۔ "پڑھتی ہوں اماں۔"

نماز پڑھ کر وہ کتنی ہی دیر یوں ہی بیٹھی رہی۔ سکینہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

کیا سوچ رہی ہے چمپا۔۔؟" سکینہ نے پیار سے اس کے بال سہلائے۔

"اماں! بی بی جی کتنی پیاری پیاری چیزیں لائی تھیں نا اروی! بی بی کے لیے۔ اور تم نے چوڑیاں دیکھی تھیں۔ اماں کانچ کی چوڑیوں میں موتی ٹنکے تھے۔ کہیں کہیں نگ بھی لگے ہوئے تھے۔ بہت پیاری چوڑیاں تھیں اماں۔" وہ جیسے خواب میں بول رہی تھی۔

سکینہ کو اب چمپا کی اداسی کی اصل وجہ سمجھ میں آئی۔ اور اس نے چمپا کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔

"چمپا! تو کیوں ان کی چیزیں دیکھ دیکھ کے دل چھوٹا کرتی ہے۔ تو یہ سوچا کر، جو تیرے پاس ہے وہ سب سے اچھا ہے۔"

"اور اماں اگر وہ سب سے اچھا نہ ہو تو...؟" چمپا نے سادگی سے پوچھا۔

سکینہ نے ہاتھ لمحہ بھر کو رکے۔ "چمپا، تو دو سال کی تھی جب یتیم ہوئی۔ میں بائیس برس کی عمر میں بیوہ ہوئی۔ بھری جوانی، چھوٹی سی بچی کا ساتھ، گھر گھر کام کرنا، زمانے والوں کی گندی اور ہوس ناک نظریں۔ بڑا مشکل وقت کاٹا ہے چمپا میں نے۔ پھر تیری خالہ مر گئی۔ مراد کے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس کے باپ نے تو میری بہن کی بیماری میں ہی وہ منہ چھپایا

کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اپنی اولاد کو پوچھنے نہ آیا۔ وہ دو وقت فاقے کیے پر رب کی رضا میں راضی رہی۔ رب کی بڑی مہربانی اس نے عزت سے وقت گزار دیا۔

چمپا! میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ جو ہمارے رب نے ہمارے لیے چنا ہے نا' وہی سب سے اچھا ہے۔ اس سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔"

"اماں! سامعہ بی بی لوگ کتنے مزے میں ہیں نا؟ جب دل چاہتا ہے' جو دل چاہتا ہے خرید لیتے ہیں۔ کام بھی ہم جیسوں سے کروا لیتے ہیں۔ وہ تو ہر لحاظ سے ہم سے اچھے ہیں۔"

"خاک اچھے ہیں۔ دو دن کی چھٹی کر لیں ہم تو سارا کام وہیں کا وہیں پڑا ہوتا ہے۔ اپنے کام کاج تک کے لیے تو وہ ہمارے محتاج ہیں اور ہمیں دیکھ' اللہ کا کتنا کرم ہے' اپنا کام بھی کرتے ہیں۔ دوسروں کا کام بھی کرتے ہیں۔ اللہ کی تقسیم پر راضی ہو جا چمپا' تیرا دل کبھی اداس نہیں ہوگا۔"

پتا نہیں بات چمپا کی سمجھ میں آئی یا نہیں پر وہ چپ ضرور ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

چمپا ماں کے ساتھ مل کر کپڑے دھو رہی تھی۔ وہ مشین سے نکال نکال کر سکینہ کو دیتی جا رہی تھی۔ سکینہ پانی سے نکال نکال کر جھٹکتی جا رہی تھی۔

"اچھا' اب تو یہ کپڑے پانی سے بھی نکالتی جا' میں ذرا ان کپڑوں کو تار پہ ڈال آؤں۔" سکینہ باسکٹ اٹھاتے ہوئے بولی۔ چمپا نے سر ہلایا۔ وہ پچھلے برآمدے میں کپڑے دھو رہی تھیں۔ ڈرائنگ روم کی ایک کھڑکی اس برآمدے میں کھلتی تھی۔ اندر اروی بی بی کے منگیتر آئے بیٹھے تھے۔ وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ چمپا کا سارا دھیان ان کی گفتگو میں اٹکا ہوا تھا۔

"عبید' کتنے کنجوس ہو تم۔ انسان کوئی چھوٹا موٹا گفٹ ہی دے دیتا ہے۔ کل یا۔ پرسوں عید ہو جائے گی۔ میں انتظار ہی کرتی رہ گئی کہ تم عید کا گفٹ بھجواؤ گے۔" اروی بی بی کی آواز آئی۔

"اوہ' مس۔ ایکسکیوز می! تم مجھ سے ان چونچلوں کی توقع نہ رکھنا۔ مجھے ان سب فضولیات میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں بڑا پریکٹیکل بندہ ہوں۔" عبید صاحب کی آواز چمپا کی سماعت سے ٹکرائی۔

"اوہ' فضولیات والی کون سی بات ہے بھلا۔ اور میں اپنی فرینڈز کو کیا بتاؤں گی؟ یہ۔۔۔ کہ میرے فیانسی نے مجھے ایک چھلا تک گفٹ نہیں کیا۔"

"جو مرضی بتاؤ اپنی فرینڈز کو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ آئی ڈیم کیئر۔ میں لوگوں کی خاطر خود کو تھوڑی بدلوں گا۔ کبھی بھی نہیں۔"

اب وہ دونوں کسی بات پر قہقہے لگا رہے تھے۔ چمپا سوچ رہی تھی اگر مراد میرے ساتھ ایسے کرتا تو جان لے لیتی اس کی۔ مراد کی یاد آتے ہی اس کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔ اس خشک اور بے رنگ زندگی میں مراد کا تصور ایک ٹھنڈی ہوا کے جھونکے جیسا تھا۔

"چل چمپا' جلدی سے پانی ڈال کر وانپھول لگا۔ گھر میں بھی ہزار کام پڑے ہیں کرنے والے۔"

"بی بی جی! کام ختم ہو گیا ہے۔ ہم جائیں۔" سکینہ نے اجازت طلب نظروں سے سامعہ بی بی کو دیکھا۔

"ہاں ٹھیک ہے جاؤ اور سنو۔" وہ دونوں ابھی مڑی ہی تھیں جانے کے لیے کہ سامعہ بی بی کو کچھ خیال آیا۔ "تم سکینہ' عید کے دن بھی تھوڑی دیر کو آ جانا' میں دو ہزار الگ سے دوں گی۔"

"نہیں بی بی جی! پیسوں کی بات نہیں ہے۔ پر اس عید پر بہت کام ہے۔ میرے بھانجے کا فون آیا تھا رات کو۔ اس کو کوارٹر مل گیا ہے۔ بس ان ہی دنوں میں برادری کو اکٹھا کر کے ان دونوں کا ولیمہ کرنا ہے مجھے۔ شاید عید کے بعد آپ کو کوئی اور کام والی رکھنی پڑے۔ میں تو چمپا اور مراد کے ساتھ ہی جاؤں گی۔"

"تمہارا داماد راضی ہے تمہیں ساتھ رکھنے کے لیے؟"

"بیٹا ہے جی میرا۔ ان دونوں کا رشتہ تو بچپن سے طے تھا۔ نوکری لگی تو نکاح کے لیے زور دینے لگا کہ

کوارٹر کے لیے درخواست دینی ہے۔ میں نے کہا ولیمہ بھی ساتھ ہی کردیتی ہوں۔ پر جی نہیں مانا۔ بڑی عقلوں والا ہے میرا بیٹا۔ کہتا ہے خالہ ساری زندگی میں تمہارے گھر میں رہا ہوں۔ اب تم میرے گھر میں رہو گی۔

ولیمہ تو کوارٹر ملنے کے بعد ہی ہوگا۔ اللہ لمبی حیاتی کرے جی۔ بڑا سوہنا پتر ہے میرا۔" سکینہ کے لہجے میں پیار ہی پیار تھا۔

"کتنی خوش قسمت ہو سکینہ تم۔ شادی کے بعد بھی بیٹی ہمیشہ نظروں کے سامنے رہے گی۔ ہر کسی کے ایسے نصیب کہاں ہوتے ہیں۔"

چمپا نے غور سے سامعہ بی بی کو دیکھا۔ کیسی حسرت تھی ان کے لہجے میں۔

☼ ☼ ☼

چاند رات کو دیر تک انتظار کرنے کے بعد جب وہ بالکل مایوس ہوگئی تھی تب مراد پہنچا۔

"کتنی دیر لگادی تو نے، میں کب سے راہ دیکھ رہی ہوں۔" جو الفاظ سکینہ کی زبان سے ادا ہوئے تھے وہ چمپا کی نظریں بھی کہہ رہی تھیں۔

"خالہ! راستے میں گاڑی خراب ہوگئی تھی اس لیے دیر ہوگئی۔ خالہ! یہ لو۔" اس نے دو تھیلے سکینہ کی طرف بڑھائے۔

سکینہ نے ہاتھ بڑھا کر تھیلے پکڑے۔ کھول کر دیکھا تو اندر سویاں، میوے، پھل، پتا نہیں کیا کیا کچھ بھرا ہوا تھا۔

"آہ ہائے کیا، ضرورت تھی اتنا خرچا کرنے کی۔"

"خالہ!" وہ اٹھ کر سکینہ کے پاس آکر زمین پر بیٹھ گیا۔ "تم نے بھی تو ساری زندگی خرچ کیا مجھ پر۔ میں نے تو کبھی نہیں کہا کیا ضرورت تھی۔" اس نے سکینہ کے ہاتھ پکڑ کر کہا۔

سکینہ کی آنکھوں کے کنارے بھیگے۔ "چل بھلا نہ ہووے تے۔" سکینہ نے پیار سے چپت لگائی اس کے سر پہ۔

"خالہ! تیرے ہاتھ کی چائے بہت یاد آتی تھی۔"

"میں ابھی بنا کر لاتی ہوں۔" سکینہ وہاں سے اٹھ کر باہر گئی۔ اب وہ تھی اور مراد تھا۔

"چمپا! یہ تیرے لیے۔"

چمپا نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ مراد کے ہاتھ میں دو چوڑیوں کے سیٹ تھے۔ ان کانچ کی چوڑیوں کے درمیان موتی ٹنکے تھے۔ کہیں کہیں نگ بھی تھے۔

"اور یہ مہندی بھی۔" اس نے دونوں چیزیں چمپا کی طرف بڑھائیں۔ "ابھی لگا کر سونا۔ صبح مجھے تیرے مہندی سے سجے ہاتھ دیکھنے ہیں۔"

چمپا کو اردی بی بی اور عبید صاحب کی باتیں یاد آرہی تھیں۔ واقعی، اماں ٹھیک ہی کہتی ہے۔ جو ہمارے رب نے ہمارے لیے چنا ہوتا ہے وہی سب سے بہتر ہوتا ہے۔

☼

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف
سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

ایک تھی مثال

رخسانہ نگار عدنان

مکمل ناول کتابی شکل
میں شائع ہو گیا ہے

قیمت -/500 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

ام طیفور

پیا ملن کی رُت

چار کنال کی وسیع و عریض کوٹھی میں دن چڑھ چکا تھا۔ ایسی بھانت بھانت کی آوازیں آرہی تھیں کہ اللہ کی پناہ! ابھی محض صبح کے چھ ہی بجے تھے مگر یہاں جیسے دوسرے پہر کا سے تھا۔ ناشتا بن رہا تھا اور چھپا چھپ باورچی خانے سے پراٹھے چھپ کر آرہے تھے۔ جی ہاں! یہاں پراٹھے چھپتے ہی تھے کیونکہ افراد خانہ زیادہ تھے۔ لہٰذا صبح صبح نچی ہڑبونگ اور افراتفری میں خواتین جلدی جلدی پراٹھوں کے نام پر آڑے ترچھے سے نمونے کو توے پہ بے تحاشا انڈیلے دیسی گھی پر دے مارتی تھیں۔ چھپ چھپ۔ بچے گھی کی زیادتی کو نوٹس میں رکھتے تھے بناوٹ کو نہیں لہٰذا خوش دلی سے کھا لیتے تھے۔!

مگر گھر کے مردوں کے ساتھ دوسرا معاملہ تھا۔ ان کو یوں ٹرخایا نہیں جا سکتا تھا۔ اس لیے بچوں کو فارغ کر کے گھر کے مردوں کو ذرا اہتمام سے ناشتا کروایا جاتا۔ یہ اور بات کہ ناشتا رکھا اہتمام سے جاتا مگر اس کے بعد ہلا بول دیا جاتا تھا۔ پراٹھوں کو شوربے والے سالن کے ساتھ نوش کیا جاتا تھا کہ خشک سالن گلے سے نیچے نہیں اترتا تھا اور شوربہ اردگرد کی چیزوں کو بھی نوش کروا دیا جاتا تھا۔ کبھی گود میں کشن سجا لیا تو کبھی ہاتھ چھلک گیا تو کارپٹ کا جی خوش کر دیا۔ اچار کے تو خیر کیا کہنے۔! لسوڑھے میاں لڑھک لڑھک جاتے تھے۔ اور آم کی پھانکیں تو چوس چوس کر چٹلی میں اڑا دی جاتیں۔ واللہ۔! کام والی ماسی ستر گالیاں دیتی تھی جب بھی وہ بڑے کمرے کی صفائی کرتی۔ ٹیبل میٹ کو دیکھ کر تو خیال ہی پونچھے کا آتا تھا۔ چکنائی سے اٹا اور اچار میں بسا وہ ٹیبل میٹ کپڑے دھونے کے پاؤڈر کے اشتہار میں غرق کیے جانے والے ٹیبل میٹ جیسا ہی ہوتا تھا۔ صبح صبح گھر کی فضا میں خوب ہاہا کار مچی ہوتی تھی۔ گھر کے چھوٹے بڑے تمام افراد کی زبان اردو اور پنجابی کا ملغوبہ تھی۔ مائیں گلابی اردو میں بچوں کو قدرے مہذب انداز میں پکارتیں جبکہ بچے۔! ذرا یہ نمونہ ملاحظہ کیجیے!

"میرا موزہ کتھے اے۔" بچہ اپنی ماں سے استفسار کرتا۔

"ماں صدقے۔! بیڈ کے تھلے (نیچے) دیکھو۔"

مکمل ناول

"اوتھے کھے (مٹی) پئی ہوئی اے۔۔۔" بچہ بیڈ کے نیچے جھانک کر ہانک لگاتا۔

"لب لے اوتھے ای' ہون تیری جراب دے پیچھے اپنا آنڈہ ساڑ دیاں۔۔۔" ماں کا پیمانہ اردو بس اتنا ہی ہوتا جو آخر کار چھلک جاتا اور وہ اپنی اوقات میں تشریف لے آتیں۔۔۔ بچہ صاحب تھک ہار کر یونیفارم کے نیچے رنگین جرابیں چڑھا لیتے اور پھر ماں کو وہ بساند ماری جرابیں لنچ باکس سے ملتیں جب وہ اس کو لنچ رکھنے کے لیے کھولتی۔۔۔ رکھ کر دو چھڈیں بیٹے کو دھری جاتیں اور پھر وہی جرابیں جن میں پراٹھے کی خوشبو بسی ہوتی ان ہی رنگین جرابوں پر چڑھا کر اسکول روانہ کیا جاتا۔۔۔ اور اسی بدبو کے مارے لنچ باکس میں ہی کچا پکا پراٹھا رکھوانا نہ بھولا جاتا۔۔۔!

پیسہ بے تحاشا تھا مگر رکھ رکھاؤ کا فقدان تھا اس گھر میں۔ صحن کے ایک کونے میں بھینس بندھی تھی جس کی مکمل دیکھ ریکھ میاں جی اور بے جی کے ذمے تھی۔۔۔ اس بھینس کے بڑے ناز نخرے اٹھائے جاتے۔ نہلانے دھلانے سے لے کر اس کے گوبر کے اپلے تھاپنے تک۔۔۔ یہ سب میاں جی اور بے جی بڑی جانفشانی سے کیا کرتے۔۔۔ اس پوش کالونی کی بڑی نفیس ایلیویشن والی اس کوٹھی کے اندر داخل ہوتے ہی کوئی داہنی دیوار دیکھتا تو یقیناً "عش عش" کر اٹھتا۔۔۔ لمبی چوڑی دیوار کسی گاؤں کے کچے مکان کا نقشہ پیش کرتی تھی۔۔۔ پوری دیوار گوبر کے اپلوں سے بھری پڑی تھی۔۔۔ اس تمام صورت حال سے جو ہستی جی جان سے تنگ تھی' وہ تھی نفاست و نزاکت کا مجسمہ شائستہ اطوار حرم اجمل۔۔۔!

شہر کے وسط میں یہ ایک پوش علاقے پر مشتمل ایک صاف ستھری اور چھوٹی سی کالونی تھی۔۔۔ کالونی کے داخلی بڑے سے گیٹ سے پہلے ٹیلی کمیونیکیشن کے ڈویژنل ہیڈ کوارٹر کی بڑی سی عمارت تھی۔ پاس ہی بہت بڑی اسکول اور ڈگری کالج کی عمارت تھی۔۔۔

اس لیے یہاں اس قسم کے خوانچہ فروشوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی' جو چٹوری لڑکیوں کے لیے ان کے چسکے کا سامان لیے کھڑے رہتے۔۔۔!

کالونی کی کئی لڑکیاں یہیں زیر تعلیم تھیں۔۔۔ اور کئی تو ایسی تھیں جو نرسری میں داخل ہوئیں۔۔۔ یہیں سے گریجویشن کی اور پھر یہیں پر پرائمری کلاسز یا ہائر کلاسز کی ٹیچر لگ گئیں۔ حرم بھی ان ہی چند لڑکیوں میں سے تھی' مگر اس نے گریجویشن کے بعد سائیکالوجی میں ایم ایس سی کیا تھا۔۔۔ چند اچھی سہیلیوں کے اکسانے پر لیکچرر شپ کے لیے اپلائی کیا تو سر آنکھوں پر لیا گیا۔۔۔ کالج کی نوخیز اور الہڑ لڑکیوں کو پڑھانے کا تجربہ اتنا برا بھی نہیں تھا۔۔۔ اور وہ تو خود ابھی کالج گرل ہی دکھائی دیتی تھی' اس لیے جلد ہی اس کا اپنی اسٹوڈنٹس کے ساتھ دوستانہ سا تعلق بن گیا۔ تقریباً" چھ ماہ ہو چکے تھے اسے یہ نوکری کرتے اور اب تو بڑی اچھی روٹین سیٹ ہو چکی تھی۔ کالونی کی تمام اسٹوڈنٹس صبح میم حرم کے گیٹ پر اکٹھی ہو جاتیں اور پھر اسے لے کر واک کرتی ہوئی اسکول و کالج کی مشترکہ عمارت کا رخ کرتیں۔ یہی روٹین واپسی کی بھی تھی' اس لیے حرم کو راستہ کٹنے کا پتا بھی نہیں چلتا تھا۔

آج بھی چھٹی کے ٹھیک پانچ منٹ بعد یہ ٹولا واپسی کے لیے نکل پڑا تھا۔ بھیڑ بھاڑ سے بچتی بچاتی کالونی کا گیٹ عبور کیا تو مانو جیسے فضا ہی بدل گئی ہو۔ سارا شور شرابا بحشو تکرار۔۔۔ کھیاں بھنبھناتے ٹھیلے بس گیٹ کے اس پار تک ہی محدود تھے۔ کالونی کے گیٹ پہ دو گارڈز ہمہ وقت چوکس رہا کرتے۔۔۔ یہ گارڈز آج کل کے حالات کے پیش نظر اپنی مدد آپ کے تحت کالونی والوں نے خود ہی رکھے تھے اور ان کی تنخواہ اور خرچا پانی ان ہی کے ذمے تھا۔

اپنی لین میں داخل ہوتے ہی حرم نے ایک لمبی سانس اندر کو کھینچی تھی۔۔۔ جیسے اپنے اعصاب کو پرسکون کرنے کی کوشش کی تھی۔ کالونی کی دوسری لڑکیاں اسے گھر کے قریب چھوڑ کر خدا حافظ کہتی' تیزی سے آگے نکل گئیں۔۔۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑی

رہی اور پھر ایک اچٹتی سی نگاہ اپنے گھر سے پہلے گھر پر ڈالی۔۔۔ باؤنڈری وال میں آرائشی روزن سے بنے تھے جن سے اندر لان کا منظر بخوبی دکھائی دیتا تھا۔۔۔ وہاں پودوں کو پانی کی موٹی دھار سے تراوٹ پہنچائی جارہی تھی۔۔۔ اس کی نظر پڑنے کی دیر تھی کہ پائپ کا رخ یک دم اس کی جانب ہوا۔۔۔ وہ اگر تیزی سے دائیں جانب نہ اچھلتی تو زیادہ نہ سہی کچھ نہ کچھ تو پانی اپنا کام دکھا جاتا۔۔۔ اس نے گھبرا کر کن اکھیوں سے اردگرد دیکھا تھا اور پھر دل ہی دل میں دو گالیاں ہدیتہً" پیش کرتی گیٹ پار کر گئی۔۔۔ جو حسب دستور کھلا تھا۔ اندر کا منظر بھی وہی باسی سا تھا۔ لڑتے بچے' بکتے بچے اور جھنجلاتی مائیں۔۔۔! اس نے برا سا منہ بنا کر سارے صحن میں طائرانہ نظر ڈالی۔۔۔ تائی اور امی کچن میں تھیں کہ روزانہ اس کے پیچھے ہی مردوں کی بھی آمد ہوتی تھی اور نہیں تو میاں جی اور تایا جی تو ضرور ہی آجاتے تھے گھر کھانے کے لیے' جب کہ اس کے ابو اور اویس بھائی کبھی کبھار ساتھ ہوتے تھے وگرنہ تایا جی کھانے کے بعد آدھا گھنٹہ آرام کرتے اور پھر دونوں کا کھانا نفن میں ساتھ ہی لے جاتے۔۔۔

بے جی روز کی طرح لمبے چوڑے برآمدے میں بچھے لمبے چوڑے پلنگ پر پیر پسارے پڑی تھیں اور مختلف اوقات میں "پیٹ تسکین" ہوا کھانے پینے کے سامان کی باقیات ان کے ساتھ ہی نیم دراز تھیں۔ صحن اگرچہ دھلا دھلایا صاف ستھرا سا تھا' مگر گیٹ کے بائیں جانب لیچی کے پیڑ کے نیچے بندھی بھینسیں روز کی طرح اس کی کوفت میں اضافے کا سبب بنی تھیں۔۔۔ کبھی یہاں پر بھی ایک خوب صورت سا لان ہوا کرتا تھا' مگر پھر بے جی اور میاں جی کو خدا جانے کیا سوجھی کہ گاؤں سے موٹی تازی ہٹی کٹی بھینس منگوالی۔ کم بخت نے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی پودوں پر منہ مارنا شروع کیا تو بھوؤں نے تھوڑا شور مچایا کہ سارے پودوں کا بیڑہ غرق ہو جائے گا۔۔۔ کیاریاں برباد ہو جائیں گی۔۔۔ بھینس منگوانی ہی تھی تو پہلے سے کہہ دیتے مالی سے کہہ کر سارا لان خالی کروا لیتے تو جواب میں میاں

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
زرد موسم	راحت جبیں	1000/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آنکھوں کا شہر	فائزہ بلخار	500/-
بھول بھلیاں میری بیٹیاں	فائزہ بلخار	600/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ بلخار	250/-
پگلیاں پیچ بہارے	فائزہ بلخار	300/-
عین سے محبت	غزالہ عزیز	200/-
دل اسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
بکھرنا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	200/-
زخم کو زخم ہی سہنا ہے	فوزیہ یاسمین	250/-
لباس کا چاند	عشرت سعید	200/-
رنگ خوشبو جیسا دل	اخلاص آفریدی	500/-
صدی کے فاصلے	رضیہ جمیل	500/-
آج آنگن پر چاند نہیں	رضیہ جمیل	200/-
صدی حنول	رضیہ جمیل	200/-
میرے دل میرے مسافر	قسیم حیدر قریشی	300/-
میری ماہ میں نزل گئی	مہوش خورشید علی	225/-
شام آرزو	ام سلطانہ فخر	400/-

اصل کتاب کے لیے کتاب کا نام اور 30/- روپے بھیجیں۔
ادارہ خواتین ڈائجسٹ 37-اے، گلبرگ ایونیو، لاہور
فون نمبر: 35763222

جی اطمینان سے بولے۔

"کیوں فکر کرو ہو لو کڑیو۔۔۔! اے مسج آپے ہی سارا کج چٹ کردے گی۔۔۔"

لو جی۔۔۔! کڑیوں کے طنز کو اباجی نے بھینس کا تمغہ بنا دیا۔ اس کے بعد کس کی مجال تھی جو کچھ بولتا۔۔۔

دو دن میں وہاں ہرے بھرے لان کی جگہ گنجی شاخوں والے اکلوکلوتے اور مسلی روندی ہوئی گھاس بچی تھی مزید چند دن گزرے تو میاں جی نے ٹاٹیں لگوادیں اور یوں لان کا نام و نشان ہی مٹ گیا۔ جس کا حرم جیسی تتلیوں اور اوس کی بوندوں سے پیار کرنے والی حساس لڑکی کو خاصا قلق تھا۔ شروع شروع میں اہل علاقہ نے اس کالونی میں ایک عدد بھینس کی موجودگی کی بابت سنا تو خاصے چیں بہ چیں ہوئے مگر کہہ کیا سکتے تھے اور پھر دھیرے دھیرے ہمسائے بھی خالص دودھ دہی سے اکثر فیض یاب ہونے لگے جو دینے میں بے جی کا ہاتھ بہت کھلا تھا۔ لہٰذا یہ بھینس اس مہذب اور پڑھے لکھے افراد پر مشتمل کالونی کی پہلی اور آخری بھینس تھی جس سے سب ہی مانوس ہو چکے تھے سوائے حرم کے۔ اسے آج بھی شبنم سے بھیگی گھاس پہ ننگے پاؤں چہل قدمی کرنا یاد آتا تھا۔ موتیا، گلاب اور رات کی رانی کی خوشبو ستاتی تھی۔ تتلیاں جیسے آج بھی اس کے اردگرد رقص کرتی تھیں۔۔۔ اسے لگا کہ کوئی بھولی بھٹکی، پروں پر دلکش یادوں کے رنگ سمیٹے خوش رنگ تتلی اس کی اور اڑتی چلی آرہی ہے۔۔۔ اڑتی چلی آرہی ہے!

"او آپی منہ پیچھے کتریں۔۔۔ گیند لگنے لگی ہے۔۔۔"

یہ گونگلو تھا اس کا چھوٹا بھائی جس کی بروقت چنگھاڑتی آواز۔۔۔ اسے ہوش میں لائی تھی اور وہ ایک جھٹکے سے نیچے کو جھکی تھی ورنہ گیند اس کی ناک کا بٹن دباتی گزر جاتی۔ سانس اٹھل پتھل ہو کر رہ گیا تھا۔۔۔ جسے وہ سندر پروں والی تتلی کی صورت افسانوی سلوموشن میں دیکھ رہی تھی وہ ربڑ کی بال تھی۔۔۔

شکر اس نے تتلی کو اپنے گالوں کا لمس لینے کی اجازت نہیں دی۔۔۔ ورنہ اس وقت برف کی ٹکری ہاتھ میں لیے کھور کرتی پائی جاتی۔ گونگلو میاں نے جب خیریت دیکھی تو بڑی بہن کے ذرا قریب چلے آئے جس کے تیور خطرناک حد تک جارحانہ تھے۔

"بدتمیز، گدھے۔۔۔ کوئی تمیز ہے تمہیں کہ نہیں۔۔۔ اگر یہ بال میرے منہ پہ لگ جاتی تو کل میں کس منہ سے کالج جاتی۔۔۔ بولو۔۔۔ جواب دو۔۔۔؟"

"پتر گوانڈیاں (ہمسائے) کا منہ پھڑلئیں۔۔۔!" گونگلو کے منہ کھولنے سے پہلے ہی بے جی کی مردانہ کم زنانہ آواز سارے میں گونجی تھی۔ وہ ایسی ہی تھیں۔۔۔ جہاں کوئی بھی ان کے پوتوں کے مقابل ہونے کی کوشش کرتا وہ یوں ہی نازل ہوا کرتیں اور گونگلو میں تو ویسے ہی ان کی جان تھی۔ حرم تھکے تھکے قدموں سے گونگلو کو گھورتی بے جی کے بیڈ پہ دھپ سے جا بیٹھی۔۔۔

"ہولی ذرا۔۔۔ میرے جیز دا اے۔۔۔ انے جو گا نیں۔۔۔" بے بے نے جوتے اتار کر پاؤں مسلتی حرم کو گھور کر کہا۔۔۔ یہ بیڈ واقعی ان کے جیز کا تھا جو پوری آب و تاب کے ساتھ برآمدے میں سجا تھا۔۔۔ ٹھوس لکڑی اور پرانے کاریگروں کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت۔۔۔ ہر سال نئی پالش کرواتی تھیں۔

"کس سوچ میں ہے! اور میری مسج نوں وی گھور رہی ہے۔"

"میں نے کیا سوچنا ہے بے جی۔۔۔ بس یہ ہی سوچ رہی تھی کہ کیسا ہرا بھرا لان اس کالے منہ والی بھینس کے پیچھے برباد کیا اور روز میری واپسی پہ اثنا یہ مجھے گھور رہی ہوتی ہے جیسے اس کا دودھ صرف میرے ہی معدے میں جاتا ہے۔۔۔!"

"پتر نال گھی، مکھن، لسی تے دہی وی۔۔۔!" بے جی نے چار چیزیں اور گنوا دیں۔۔۔ حرم انہیں گھور کر رہ گئی۔

"ہاں تو میں اکیلی تو نہیں کھاتی پیتی نا۔۔۔ اب کوئی ناشتے میں میرے آگے دیسی گھی کا پراٹھا۔۔۔ دودھ یا لسی کا بھرا گلاس رکھے گا تو میں اس سے یہ کہوں گی کہ مجھے یہ سب ہضم نہیں ہوتا جناب میرے لیے غیر معیاری ناشتے کا بندوبست کیا جائے۔۔۔" حرم نے ساری جلن باہر نکالی تھی جیسے۔۔۔ پھر بھی تسلی نہیں ہوئی تو بولی۔

"اتنا ہی تو کھاتی ہوں نا میں۔۔۔ جیسے اور کوئی کام ہی نہیں کھاتے رہنے کے علاوہ۔۔۔"

"صرف کھاتی نہیں' لگاتی وی کہہ پتر۔۔۔ کچے دودھ میں ہلدی ملا میں تو نہیں اپنا بوتھا چمکاتی۔ کسی میں اپنے چار بال دھو کر مجھے کیا کرنا ہے۔ مکھن میں شہد ملا کے منہ پر پلستر (ماسک) کرنے کا بھی مجھے کوئی شوق نہیں ہیں جی۔۔۔!"

ہاہاہا۔۔۔! کوئی "باریک بینی ایوارڈ" ہوتا تو یقیناً بے جی کو ہی ملتا۔۔۔ کیا نظر رکھی ہوئی تھی۔۔۔ اللہ توبہ! حرم نے جواب نہ سوجھنے پہ تھوک نگلتے ہوئے منہ پھیر کر خفت سے بھنویں اچکائی تھیں۔۔۔ نظر ٹھہری ہی دوبارہ بھینس کے اوپر تھی۔۔۔ ہونہہ! کہہ کر منہ پھیرا ہی تھا کہ دھاڑ سے نیم واگیٹ کو باؤنڈری وال سے مار کر گیٹ کی ہی چولیں ہلا دی گئی تھیں۔ آنے والے میاں جی تھے اور ان کے پیچھے تایا جی۔۔۔ جن کے ہونٹوں پہ دبی دبی سی ہنسی تھی اور چہرے پہ ہلکی سی سرخی۔

میاں جی البتہ بے حد غصے میں تھے۔۔۔ یقیناً" کچھ ہوا تھا۔ حرم نے جلدی سے جگہ چھوڑی اور بے بے کے ارد گرد سے بڑے چھوٹے برتن ہٹائے۔۔۔ میاں جی کو عادت تھی غصے میں چیزیں پھینکتے تھے۔۔۔ یہ تو بے جی کا وزن زیادہ تھا ورنہ میاں جی سے بعید کچھ بھی نہیں تھا۔۔۔ اور پھر بے جی سے متھا لگانا بھی آسان تھوڑا ہی تھا۔۔۔ پیدائشی صحت مند اور زور آور تھیں۔ اوپر سے دیسی خوراکیں۔۔۔ جوان ہوئیں تو ایسی تنومند نکلیں کہ کن فٹے (پہلوان نما بد معاش) شرما جائیں۔ تایا جی اکثر بتاتے تھے کہ میاں جی کی والدہ مرحومہ یعنی اپنی دادی سے انہوں نے سن رکھا تھا کہ میاں جی شادی کے وقت خاصے مریض سے تھے۔۔۔ مطلب مریل سے۔ بے جی سے شادی ہوئی تو انہوں نے سب سے پہلے میاں جی کو کھلا کھلا کے جثہ میں پھونک بھری تھی۔۔۔ ان ہی دنوں کا قصہ تھا جب میاں جی کی صحت مندی "ابتدائی مراحل" میں تھی۔۔۔ ایک دن آدھی رات کے بعد کسی اچکے نے دیوار پھلانگی تھی۔۔۔ گرمیوں کے دن تھے اور سب ہی صحن میں سوئے ہوئے تھے۔

دھپ کی آواز کے ساتھ ہی میاں جی کی آنکھ کھل گئی تھی' مگر اندھیرے میں جو ہیولہ سا نظر آیا' وہ خاصا لمبا چوڑا تھا۔۔۔ سوتے بن گئے۔ آنکھ تو بے جی کی بھی کھل گئی تھی اور بے جی کی دلیری کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ کان کا سارا زیور سرہانے رکھ کے سوتی تھیں۔۔۔ چیل بھی نہار منہ دیکھتی تو کبھی نہ جھپٹتی۔۔۔ میاں جی کو اندازہ تھا کہ جو بھی ہے' زیور اٹھا کے نکل لے گا۔۔۔ لڑ بھڑ کر صورت حال سنگین نہ ہو جائے۔

جیسے ہی اچکے نے بے جی کے زیور پر ہاتھ ڈالا۔۔۔ بے جی نے جھٹ کلائی پکڑ لی اور اس زور کی موڑ کر پٹخنی دی کہ نصیبوں کے مارے چور کے چیخ نکل گئی۔۔۔ بس پھر کیا تھا وہ کلائی چھڑاتا اور بے جی مزید کس لیتیں۔۔۔ ساتھ ہی ساتھ میاں جی کو آواز دیے جاتی تھیں' مگر میاں جی کو تو جاگنا ہی نہیں تھا نا کسی صورت۔۔۔ لہٰذا بے سدھ پڑے رہے۔۔۔ بے جی نے میاں کی چارپائی کو ایک ٹھڈا مارا اور اگلا ٹھڈا چور کی پسلی میں ٹھوک دیا۔۔۔ وہ وہیں کا وہیں فرشی ہو گیا۔۔۔ پسلی ٹوٹ گئی تھی شاید۔۔۔ بے جی نے اسی پر بس نہیں کیا' چارپائی کی چادر گھسیٹی اور لپیٹ دیا چور کو بیچ میں۔ مکڑی کے جالے میں پھنسی مکھی کی طرح لپٹے چور کو دو چار لت (ٹانگ) ہولی رکھ کے' مزید ٹھوکریں لگائیں اور سکون سے چارپائی پر بیٹھ کر میاں جی سے بولیں۔

"میں نے کہا پیل (تایا) کے ابا! ہن کھول لو اکھاں۔۔۔ کج نہیں کرنا تسی۔۔۔ بس اٹھ کے رولا پاؤ تے لوکاں نوں اکٹھا کر کے ایس خبیث نوں سنتریاں دے حوالے کرو۔۔۔ جو یہ کام بھی میں نے ہی کیا تو تم صبح کیا منہ دکھاؤ گے لوگوں کو۔۔۔ تسی سویرے منہ وی دکھانا اے لوکاں نو۔۔۔"

میاں جی نے شرما شرمی منہ سے چادر ہٹائی اور پھر بیوی سے نظر ملائے بغیر چور پر پل پڑے۔۔۔ دو چار گھونسے مارے اور بقدر ضرورت لاتیں رسید کر کے گھسیٹتے ہوئے گھر سے باہر لے گئے۔

اگلے دن پورے پنڈ میں میاں جی کی بہادری کا شہرہ تھا۔۔۔ مگر اس دن کے بعد سے بے جی نے مزید جان مار

دی میاں جی کو پہلوان بنانے میں اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ستر سال کی عمر میں میاں جی کی صحت جوانوں کو مات کرتی تھی کہ گھونسا مار کر دیوار توڑ دیں اور جب انسان میں لڑنے بھڑنے کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہوں تو وہ غصہ ور بھی ہو جاتا ہے۔ سو میاں جی بھی تھے۔ ذرا ذرا سی بات پہ بھڑک اٹھتے تھے۔ جیسے اس وقت غصہ میں بھرے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ پیچھے پیچھے تایا جی بھی تھے جن کے چہرے پر دبی دبی سی ہنسی کی جھلک تھی۔ حرم فوراً" بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھی۔ اس نے بے اختیار دانت پیسے تھے۔ جھٹ سے اٹھی اور میاں جی کے لیے جگہ چھوڑی پھر پانی لاتی بھابھی کے ہاتھ سے گلاس پکڑ کر خود میاں جی کو پیش کیا۔ بھابھی اس کی اس حرکت پر مسکراتی واپس مڑ گئی۔ تایا جی کو بھی پانی پلا کر وہ وہیں بے جی کے ذرا پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ اس کے حواس چوکس تھے۔

"میں نے کہا کی ہویا جمیل کے ابا۔ اج تے بڑے تتے سپاہی بنے آئے ہو۔ ذرا مزاج جگہ پر لاؤ اور سدھی سدھی گل کرو۔" بے جی کی گھرکی نما پڑتال ہمیشہ سے میاں جی کو نرم کر دیتی تھی' مگر آج شاید زیادہ ہی طیش میں تھے جب ہی خاطر میں نہ لائے اور اونچی آواز میں منہ اوپر کر کے غصے سے بولے۔

"خچر دا پتر۔ شودانہ ہووے تے۔ لفنگا مشنڈا۔ کسی دن دودھ کے منکا تروڑ دینا ہے اور کچی موڑ دینی ہے اس کی میں نے۔ مذاق کرتا ہے۔" میاں جی نے سارا طیش منکے اور کچی پہ نکالا تھا۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ یہ سب دیوار پار والوں کو سنایا جا رہا ہے۔ حرم نے تھوک نگل کر گلا تر کیا تھا اور آنکھیں زور سے میچ کر دوبارہ کھولتے زیر لب بڑبڑائی۔

"الو کا پٹھا۔!" بے بسی سے تایا جی کے مسکراتے چہرے پر نظر ڈالی تو انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی سی دی۔

"اوہو۔! جمیل دے ابا۔ کچی کس دی موٹنی اے تے' منکا کس دا توڑنا ہے۔ مرغیاں پکڑ کے لائے ہو کیا؟"

"ککڑی کا تو پتا نہیں' مگر اس ککڑ کی اخیر میرے ہی ہاتھوں ہے۔ اک نمبر دا دو نمبر منڈا ہے یہ اپنا حسنین احمد کا نواسا۔ میں کہتا ہوں کھسماں نوں کھان ڈگریاں جو اگر تمیز نہیں آئی تو۔ لے کر بھیجا بھن دیا میرا۔" بے جی خاموشی سے گھٹنا کھڑا کیے دونوں ہاتھوں سے اسے کھمبے کی طرح تھامے سن رہی تھیں۔ پتا تھا میاں جی اصل بات ڈیڑھ گھنٹے بعد ہی کریں گے۔ اور پھر بے جی کی اکتاہٹ کا اظہار ایسا ہی تھا۔ غصے سے تایا جی کی طرف دیکھا اور بولیں۔

"وے جمل پتر۔! تیرے ابا جی دی گڈی نکل جانی اے پر گل نئیں مکنی۔ تو دس کی ہویا۔؟"

"کچھ خاص نہیں بے جی۔" میاں جی نے بیٹے کو تیز نظروں سے گھورا تو تایا جی کو جواب بدلنا پڑا۔

"نہیں' نہیں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کچھ خاص نہیں بلکہ بہت خاص مسئلہ ہے۔ اصل میں ابھی میں اور میاں جی جب واپس آ رہے تھے تو ہم نے اوریس سے کہا کہ ہمیں سڑک کے نکڑ پر ہی گاڑی سے اتار دے۔ چار قدم ہی تو ہیں۔ ایسے ہی چلے جائیں گے۔ اوریس ہمیں اتار کر گاڑی لے گیا' جب ہم ساتھ والوں کے گھر کے آگے سے گزرے تو چاچا جی کا نواسہ اپنے لان میں موٹی دھار والے پائپ سے پانی دے رہا تھا۔ اسے شاید ہم پر بھی کسی چلتے پھرتے پودے کا گمان ہوا جو دھار کا رخ سیدھا میاں جی کی طرف کر دیا۔ باؤنڈری وال کے اوپر سے یہ۔ موٹی سی دھار فوارے کی صورت ہم پر آئی تھی۔ یہ تو عین وقت پر ہم سنبھل گئے ورنہ پور پور بھیگ جاتے اور میاں جی تو بچتے بچاتے بھی تھوڑی بہت گیلے ہو ہی گئے۔ بس اسی بات کا غصہ ہے انہیں اور اب میاں جی کھانا کھانے کے بعد حسنین چچا کے گھر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

آخر میں تایا جی کی آواز میں بے چارگی تھی جیسے وہ میاں جی کے حسنین چچا کے گھر جا کر لڑنے پر بالکل آمادہ نہ ہوں۔ حرم نے میاں جی کو دیکھا تو وہ واقعی کچھ "سیلے سیلے" سے لگے۔ تہبند تو کافی گیلا تھا ان کا۔ کچھ

بھی تھا اسے یہ بدتمیزی ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔۔۔ خود وہ بھی بمشکل پانی کے "شر" سے بچی تھی۔

"لو چھڈو وی جمیل دے ابا۔" بے جی نے ناک پر سے مکھی اڑائی۔ "آج کل دے منڈے تو پھر اس طرح کے شرارتی نہیں۔۔۔ جس طرح دے تسی اپنے ویلے اچ سی۔۔۔ یاد نہیں تسی تے اشفاق کھوجی نوں اٹھا کے چھپڑ پہ ڈال دتا سی۔۔۔ بچارے کو چھ دن بخار رہا تھا۔ چھپڑ پہ کنگولاں تے جو نکاں ویکھ کر۔۔۔" میاں جی خشمگیں نظروں سے بے جی کو گھورنے لگے۔۔۔ کچھ دھیمے سے پڑ گئے تھے۔ بے جی کون سا بس ہوئی تھیں۔

"رانو یا دا ے ناں۔۔۔ آرائیاں دی کڑی۔۔۔ اودے لاڑے (دلہا) کا کیا حال کیتا سی۔۔۔ بارات توں اک دن پہلے وچارے دی (سوئے ہوئے) ٹنڈ کردتی۔۔۔ لے دس! اگلے دن گھوڑی اتے نمانا چڑھیا تے گنجا کھوتا لگ رہا تھا۔ لوگ اتنا ہسے کہ ان کے پیٹ میں مروڑ پڑ گئے۔ اور کی سناواں جمیل دے ابا۔۔۔ ذرا دسو مینو۔۔۔!" میاں جی کیا بولتے وہ تو بے چارے بغلیں جھانکنے لگے۔۔۔ تایا جی اور حرم کے ہنس ہنس کے پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگے' مگر اصل مروڑ تو حرم کو پریشانی کے مارے اٹھ رہے تھے۔۔۔ بڑی مشکل سے تھوڑی آس پیدا ہوتی تھی اور دیوار پار کا ہمسایہ سب کیے کرائے پر پانی پھیر دیتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"برخوردار۔۔۔ کدھر گھسے چلے جا رہے ہیں۔۔۔ ذرا ادھر کا رخ کیجئے گا۔" نواب حسین احمد صاحب نے ہاتھ سے کتاب سینٹر ٹیبل پر رکھی اور چشمہ اتار کر آنکھوں کو ملا تھا۔۔۔ پھر دونوں آنکھوں کو حتی الامکان پھاڑ کر سامنے مسکین و عاجز صورت بنائے نواسے کو دیکھا۔ نواسے نے نانا کو دیکھا۔۔۔ نانا نے ایک بار پھر نواسے کو گھورا اور اس سے پہلے کہ نواسے میاں بھی محض دیکھنے سے گھورنے تک کا سفر طے کرتے حسنین احمد صاحب نے اسٹینڈ لے لیا۔

"ذرا نظروں کو قابو کیجئے میاں۔۔۔ سامنے آپ کا ہم نوالہ و ہم پیالہ نہیں بلکہ آپ کی والدہ کا باپ بیٹھا ہے۔۔۔"

جواباً نواسے میاں کی آنکھوں کا پھیلاؤ نارمل ہوتا محسوس ہوا تھا۔۔۔ لہجے میں مٹھاس بھر کے عرض کیا گیا۔

"نانا جان۔۔۔! ہم نوالہ و ہم پیالہ تو آپ ہیں ہی۔۔۔ دیکھیے ناں' بچپن سے آپ کے "پیالے" میں روٹی کے "نوالے" ڈبو ڈبو کے کھائے ہیں۔۔۔ واللہ۔۔۔! کیسا خوب صورت بچپن تھا نا ہمارا۔۔۔ کسی دوست کی مانند آپ میرے ساتھ کھیلتے تھے۔۔۔" بڑا خواب ناک لہجہ تھا جس میں نواسے نے بچپن کا منظر کھینچا تھا۔۔۔ آنکھیں غیر مرئی نقطے کو گھورے جا رہی تھیں۔۔۔ گردن ہولے ہولے ہل رہی تھی جیسے یک دم زور کا جھٹکا سا لگا۔۔۔ نانا جان نے نواسے کی گردن اپنی چھڑی کی ہتھی میں پھنسائی تھی اور زوردار جھٹکا دے کر اپنا اور اس کا درمیانی فاصلہ کم کیا تھا۔

"جی تو چاہ رہا ہے میاں کہ ایک زوردار چماٹ ہم آپ کے گال پہ دھر دیں۔۔۔ مگر کیا کریں۔۔۔ کہ آپ کا قد اور جوتے کا نمبر ہم سے بڑا ہو چکا۔۔۔ لہٰذا ہمیں شرم سی آجاتی ہے' آپ کو سخت سست کہتے۔۔۔ مگر آپ کو نامعقول حرکتیں کرتے حیا نہیں آتی۔۔۔" نانا جان نے کڑی نظروں سے نواسے کو گھورا۔۔۔ نیت بھی سراسر اس کی بھرپور کھنچائی کی تھی۔ نواسے نے تھوک نگل کر گلا تر کیا۔۔۔ شکل پہ مسکینی طاری کی۔۔۔ لہجہ ہموار کیا اور استفسار کیا۔

"ارے۔۔۔ ارے! میں ایک معقول انسان کے ہاتھوں پلا بڑھا ہوں۔۔۔ بھلا نامعقول حرکتیں کیسے کر سکتا ہوں بلکہ مجھے تو نامعقول کے ہجے بھی نہیں کرنے آتے کجا کہ حرکتیں۔۔۔ ارے نانا جان آپ۔۔۔"

"بس کرو احرار۔۔۔!" نانا جان نے نواسے کو سنجیدگی سے ٹوکا تھا۔ پھر نظر کا چشمہ گلاتے ہوئے بولے۔ "ہم نے آپ کو خود اس بچی پہ پائپ سے پانی پھینکتے دیکھا ہے احرار۔۔۔ یہ تو بھلا ہو اس کی قسمت کا جو بروقت جست لگا کر پرے ہٹ گئی۔۔۔ وگرنہ آپ نے تو بیچ سڑک اس کا تماشا لگا دینا تھا نا۔۔۔ اور پھر اسی پر بس

نہیں کیا۔۔۔ لے کے برکت اللہ اور ان کے بیٹے کا نشانہ باندھ لیا۔۔۔ ہم نے خود بالکونی سے آپ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔۔۔" احرار جو مکرنے کے لیے پر تول رہا تھا۔۔۔ نانا جان کے آخری جملے پر ٹھنڈا ہو گیا۔

"کوئی اور ایسی حرکت کرتا تو شاید ہم ہنس دیتے مگر یہ کارنامہ آپ کا تھا۔۔۔ جس کا سارا حاصل وصول ہمارے کھاتے میں منتقل ہوتا ہے۔۔۔ ہمیں بڑی سرعت کے ساتھ وہاں سے ہٹنا پڑا ورنہ برکت اللہ ہمیں دیکھ لیتے تو کچھ بعید نہ تھا وہیں کھڑے کھڑے گوشمالی شروع کر دیتے۔ پورے محلے کے سامنے تماشا بن جاتا ہمارا۔۔۔"

"معافی چاہتا ہوں نانا جان۔۔۔ میری ایسی نیت ہرگز نہیں تھی۔۔۔ بس یوں ہی غیر ارادی طور پر یہ شرارت ہو گئی۔۔۔ سچی!" احرار نے کان کھجاتے بے حد عاجزی سے عذر پیش کیا۔

"ہم م م۔۔۔! آئندہ ذرا احتیاط ہی کیجیے میاں۔۔۔! آپ کو اس خردماغ انسان کا پتا بھی ہے۔۔۔ لحاظ تو چھو کر بھی نہیں گزرا۔۔۔ بات کا بتنگڑ بنانے میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔۔۔ مروت نبھانا تو وہ جانتے ہی نہیں۔۔۔" نانا جان شروع ہو چکے تھے۔۔۔ احرار نے قدرے بے بسی سے انہیں دیکھا اور گھٹنے کو ذرا سا چھوتے ہوئے بولا۔

"ایسے کیسے بات بنے گی نانا جان۔۔۔ کسی ایک کو تو نرم ہونا پڑے گا۔۔۔ ورنہ میرا کیا بنے گا۔۔۔؟"

"ہوں۔۔۔!" انہوں نے آنکھیں بند کر کے پیشانی کو انگوٹھے کے ناخن سے خفیف سا کریدا اور بولے۔

"بن جائے گا برخوردار! ضرور بن جائے گا۔۔۔ یہ برکت اللہ بھی بالکل انسان بن جائیں گے۔۔۔ فکر نہ کریں۔۔۔ ہم جانتے ہیں، صرف ہمیں زچ کرنا چاہتے ہیں ورنہ دل کے ہیرا آدمی ہیں۔۔۔"

"ارے واہ نانا جان۔۔۔! ابھی تو آپ حشر برپا کیے دے رہے تھے اور فوراً ہی پھول بھی جھڑنے لگے۔۔۔ یہ کیا سیاست ہے بھلا۔۔۔!"

"آپ نہیں سمجھیں گے میاں۔۔۔! ہر انسان کے دو رخ ہوتے ہیں۔۔۔ ایک خیر کا اور دوسرا شر کا۔ اگر کسی انسان میں اچھائی سرے سے ناپید ہو جائے تو وہ انسان تو نہ ہوا نا شیطان ہوا۔ اور اپنے برکت اللہ صاحب شیطان تو ہرگز نہیں۔۔۔!"

نانا جان نے قدرے شرارتی انداز میں چشمے کے اوپر سے احرار کو دیکھا اور مسکرا دیے، جواباً نواسے نے نانا کو آنکھ دے ماری۔۔۔ وہ سٹپٹائے، جھنجلائے اور ڈپٹ کے بولے۔

"برخوردار۔۔۔! یہ حرکتیں کم از کم ہماری تربیت کا حصہ تو ہرگز نہ تھیں۔۔۔ یہ کچھ برکت اللہ کے گھر میں ہم نے ملاحظہ کیا ہے۔ بہتر ہو گا کہ آپ اصل "ہدف" پہ توجہ مرکوز رکھیے بجائے اس کے۔۔۔ کہ بزرگوں کو آنکھیں مار مار کر ان کے صبر کا امتحان لیں۔"

جواباً احرار کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔ وہ جانتا تھا کہ نانا جان کو ایسی حرکتوں سے چڑ ہے، مگر پھر بھی گاہے بگاہے نانا، نانی کو آنکھ مارنا اور فلائنگ کس اچھالنا اسے بے حد مرغوب تھا۔۔۔ اتنا ہی مرغوب جتنا رات دو بجے کے بعد گرم گرم کریم کافی پینا اور ساتھ خیال یار میں کھوئے رہنا۔

"اب ذرا جائیے اور بالکونی سے اپنی نانی جان کو سہارا دے کر نیچے لے آئیے۔۔۔ وہ بے چاری ہمارے لیے سیب اور ناشپاتی کی قاشیں پلیٹ میں سجائے بیٹھی تھیں جب برکت اللہ کی وجہ سے ہمیں نیچے آنا پڑا۔۔۔ ہم تو کتاب لے کر بیٹھ گئے اور وہ بے چاری ابھی تک اوپر بجلی کے تاروں پر بیٹھی چڑیوں کی گنتی کر رہی ہوں گی۔۔۔" اپنی ہی بات کا لطف اٹھاتے نانا جان دبی دبی ہنسی ہنسنے لگے۔ احرار جانتا تھا کہ نانی جان کے مشغلوں پر ہنسنا نانا جان کا دل پسند مشغلہ تھا۔۔۔ لہٰذا انہیں ٹوکتی نظروں سے گھورتا احرار جھٹ سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔۔۔ پیچھے نانا جان کے بلند و بانگ قہقہے نے اس کا آخری زینے تک پیچھا کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم ایک نمبر کے بے وقوف، گدھے اور نکمے ہو۔" وہ بے حد غصے میں پورے کمرے میں ٹہل رہی

تھی۔ راستے میں آتے فلور کشنز کو اس نے پیر کے ساتھ ہی ایک ایک کرکے اچھال کر پرے دے مارا تھا۔ بالکل سیدھ میں رکھے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں وہ اپنے خون خوار تاثرات دیکھنا کسی چکر میں نہیں بھولی تھی۔

"مین مین مت کرو مکھی کی طرح۔! میں جتنی کوشش کرتی ہوں کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جو پکڑ میں آجائے۔ تم اتنا ہی میرے ہر کیے کرائے پہ پانی پھیر دیتے ہو۔ اور جناب اس معاملے میں "ٹرائی ٹرائی اگین" والا فارمولا نہیں چلتا۔ پہلے تو میری ہر کوشش پر پانی پھیرا جاتا تھا اور آج نوبت یہاں تک آگئی کہ میرے گھر کے افراد کو پانی سے نہلا دیا۔ واہ کیا کہنے۔! آپ لگے رہیے شغل مستی میں محترم۔! مجھے گھر والے کہیں اور ٹھکانے لگا ہی دیں گے۔!"

وہ چلتے چلتے تھک کر بے دھیانی میں ٹھیک اسی جگہ بیٹھی جہاں فلور کشنز پڑے رہتے تھے اور جنہیں تھوڑی دیر پہلے اس نے خود اچھال کر دائیں بائیں کیا تھا نتیجتاً "دھپ" کی آواز کے ساتھ وہ بے ہنگم طریقے سے کارپٹ پہ گری تھی۔ منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور سارا غصہ موبائل کے دوسری طرف بیٹھے شخص پہ نکلا جس نے بڑی فکر مندی سے پوچھا تھا۔

"حرم! تم ٹھیک تو ہو نا۔ چوٹ لگی ہے کیا؟"

حرم نے پھاڑ کھانے والے انداز میں جواب دیا۔

"پتا نہیں مینوں۔ کیسماں نوں کھوہ جاے۔" آخر کو خاص پنجابی تھی اور پنجابی کا غصہ پنجابی میں بول کر ہی ٹھنڈا ہوتا ہے۔ حرم نے موبائل بیڈ پہ اچھالا پھر خود بھی تیزی سے اچھل کر اس کے محفوظ ہونے کی تسلی کی کہ ٹوٹ جاتا تو آئندہ کے لیے فل اسٹاپ تھا۔ اس نے کوفت سے ٹھنڈی سانس بھری اور پیٹھ سہلاتے ہوئے وہیں پہ ڈھیر ہو گئی۔ اس کے کھولتے دماغ کو سکون کی ضرورت تھی۔

☼ ☼ ☼

میاں جی کے شیرو نے نانا جان کے چار عدد کبوتر مار گرائے تھے۔ یہ ٹھیک دو دن بعد کی تازہ خبر تھی۔ ایک بھونچال سا تھا جو اس وقت میاں جی کے وسیع و عریض صحن میں آیا ہوا تھا۔ نانا جان تمام ہتھیاروں سے لیس یعنی بمع اپنی بندوق کے پورے جلال کے ساتھ صحن میں جلوہ افروز تھے۔ ساتھ احرار اور نانی جان بھی تھے۔ نانی جان تو داخل ہوتے ہی سیدھا بے جی کے ساتھ بیڈ پر ہی پاؤں پسار کے بیٹھ گئی تھیں اور اب ان دونوں عورتوں کے سر تب تک جڑے رہنے تھے جب تک یہ جنگ جاری رہتی جب کہ احرار صاحب قدرے رف سے حلیے میں گھسی ہوئی جینز کے اوپر بلیک شرٹ پہنے۔ جس کا سامنے سے ایک کونا جینز سے باہر تھا اور ایک اندر۔ آنکھوں پہ بے حد نفیس نظر کا چشمہ چڑھائے۔ بے حد لطف اٹھاتے تاثرات لیے اس ساری سچویشن کے مزے لے رہے تھے۔ دھوپ میں کھڑے ہونے کی وجہ سے رنگت دمک رہی تھی۔ حرم نے دروازے کی اوٹ سے دیکھ کر نظر چرائی تھی۔ وہ ایسا ہی تھا سحر انگیز اور اپنا آپ منوا کے سب پر چھا جانے والا۔!

گھر کی دیگر خواتین بھی اس شوٹنگ کو ملاحظہ کرنے کے لیے وہیں برآمدے میں براجمان تھیں۔ چہروں پر دبا دبا سا جوش تھا۔

"ہم کہتے ہیں 'لے کر آیئے ذرا اس نابکار کو ہمارے سامنے۔ آج تو وہ بدبخت ہمارے ہاتھوں سے نہیں بچے گا۔" نانا جان نے بندوق سیدھی کرتے ہوئے گرج کر میاں جی کو مخاطب کیا تھا۔ جواب میں میاں جی نے جو سکون سے صحن کے بیچوں بیچ چارپائی پہ بیٹھے حقہ گڑگڑا رہے تھے۔ ایک آنکھ بند کرکے نانا جان کو دیکھا پھر ایک لمبا سا کش بڑے اسٹائل سے لیا۔ تہبند ذرا سا اچکایا اور پنڈلی کو کھجایا۔ پھر کھجایا۔

نانا جان کو شدید کوفت ہوئی ان کی اس حرکت سے۔ انہوں نے ناگواری سے گھورتے ہوئے ایک دفعہ پھر استفسار کیا۔

"آپ کو لگتا ہے ہماری بات سمجھ میں نہیں آئی۔۔۔ کہاں ہے وہ آپ کا شیرو۔ آپ۔ گھر کا سور۔۔۔!"

"او کیہڑا سور۔۔۔!" میاں جی نے چونکنے کی بھرپور اداکاری کی تھی۔

"او تیرا دماغ تو نئیں خراب ہو گیا حسنین احمد۔۔۔! ایک ماسا کو' جتنے بلے توں تو نے سور بنا دیا۔ رب سے ڈر حسنین احمد۔۔۔ توبہ' توبہ' توبہ۔۔۔!" میاں جی نے توبہ کی تسبیح کر کے دوبارہ ایک موٹا سا کش لیا۔

"باتیں مت بنائیے برکت اللہ صاحب۔۔۔! آج آپ کے شیرو کی موت نہیں ٹلنے والی۔۔۔ اس بدنسل نے ہمارے چار قیمتی نسل کے کبوتر ہڑپ لیے ہیں۔ ہم اسے چھوڑیں گے نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔!"

"او میاں "ہم تم"۔۔۔!" میاں جی نے خاصا بگڑ کر نانا جان کے طرز تکلم پہ چوٹ کی تھی۔

"اک تے مجھے سمجھ نئیں آئی۔۔۔ ہوتا تو اکیلا ہے اور بات ایسے کرتا ہے جیسے پوری جنج (بارات) لے کر آیا ہو۔ شوہدانہ ہووے تے۔۔۔"

"ہم کسی بحث میں پڑنے نہیں آئے کیونکہ زبان تو آپ کی سدا کی جامے سے۔۔۔ باہر ہے۔۔۔"

"کی کہیا۔ پاجامہ۔۔۔! او کیہڑا پاجامہ اوئے' میں کوئی منہ دے اندر پاجامہ پایا ہویا اے۔۔۔" میاں جی تیوریاں چڑھاتے۔۔۔ تہبند سنبھالتے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ یعنی صحیح معنوں میں طبل جنگ بج چکا تھا۔

"بات کو گھمائیے مت برکت اللہ۔۔۔! ہمارے کہنے سے مراد تھی کہ آپ کا شیرو آپے سے باہر ہو چکا۔۔۔ اب ہماری برداشت تمام ہو چکی۔ آپ کے اس بدقماش اور آوارہ شیرو نے ہمارے بہت قیمتی و نایاب کبوتر ہلاک کیے ہیں' ہزاروں کا نقصان ہوا سو الگ۔ بہتر ہو گا کہ اسے ہمارے حوالے کیا جائے۔۔۔"

"شلوا وائی شلوا۔۔۔! تیری جرأت کیسے ہوئی حسنین احمد کہ تو میرے شیرو کو آوارہ اور لفنگا کہے۔۔۔"

"ہم نے لفنگا نہیں۔۔۔ بدقماش کہا۔۔۔!" نانا جان نے فوراً تصحیح کی تھی۔

"آہو اوئی اوئی۔۔۔! میرے شیرو کو تو نے سمجھ کیا رکھا ہے۔۔۔ جا کے اپنے آوارہ کبوتر سانبھ۔۔۔ جو سارا دن لوگوں کی چھتوں پہ بیٹھے صحن میں پھرتی زنانیاں تاڑتے رہتے ہیں۔۔۔ ٹکے ٹکے کے کبوتروں کے پیچھے میرے نسلی بلے نوں بدنام نہ کر۔۔۔ سمجھا!"

"اونہہ۔۔۔! نسلی اور وہ بدطینت بلا۔۔۔" نانا جان نے نخوت سے سر جھٹک کر بندوق کو ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کیا۔

"سارا زمانہ جانتا ہے کہ وہ بلا آپ کو عقب میں بنے کچے چبوترے کے نیچے نیم جان حالت میں پڑا ملا تھا جسے بعد ازاں آپ نے ولایتی مشہور کر دیا۔۔۔ حالانکہ وہ منحوس شکل سے ہی بدنسل لگتا ہے۔۔۔"

"او بس کر اوئے بس۔۔۔! اس سے پہلے کہ میری بس ہو جائے۔ بڑیاں سن لیاں تیریاں بونگیاں۔ اپنی یہ چھپکلیاں مارن والی بندوق پکڑتے گھر جا۔۔۔ اگلی واری میں شیرو نوں سمجھا دواں گا کہ تیرے کبوتروں کی طرف نہ دیکھے۔۔۔ چل شاباش۔" میاں جی غالباً" نہیں یقیناً" گھبیا گئے تھے۔ اور اب قدرے پچکارتے ہوئے نانا جان کو گھر کی راہ دکھائی۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا برکت اللہ۔۔۔ آپ سیدھے سبھاؤ اس نانجار کو ہمارے حوالے کیجیے ورنہ ہم آپ کے خلاف رپورٹ درج کروا دیں گے کہ آپ اپنے بلے کے ذریعے ہمارے گھر چوری کرواتے ہیں۔۔۔!"

"او تیری تو۔۔۔! تو میرے خلاف تھانے میں جائے گا۔۔۔ ٹھہر ذرا تیری تو میں ابھی کچی موڑتا ہوں۔" میاں جی کو چوری کے الزام نے طیش دلا دیا تھا وہ سارے لحاظ بھلا کر جھپٹنے کے انداز میں نانا جان پر حملہ آور ہوئے تھے۔ مگر اس دوران گھر کے مرد جو ہمیشہ کی طرح خاموش تماشائی بنے ابھی تک کی صورت حال سے حظ اٹھا رہے تھے۔۔۔ یک دم حرکت میں آئے تھے۔ جمال تایا نے میاں جی کو پیچھے سے بانہیں ڈال کر جکڑا تھا۔۔۔ زور آور تو میاں جی بلا کے تھے۔۔۔ اس لیے انہیں قابو کرنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ حرم کے ابو اجمل صاحب بھی اپنی قدرتی پھنسی پھنسی سی آواز میں دونوں فریقین کو ٹھنڈا کرنے کی ناکام کوشش کرنے

لگے۔ جمال تایا کے اشارے پر احرار نے نانا جان کو قابو کر کے گیٹ کی طرف کھینچنا شروع کیا۔۔۔ جو مسلسل طیش نما بڑبڑاہٹ میں بندوق کی نال کا رخ میاں جی کی طرف کرتے۔۔۔ پھر جھکا لیتے۔۔۔ ساتھ ہی ساتھ گردان جاری تھی۔

"ہم چلا دیں گے۔۔۔ واللہ ہم چلا دیں گے۔۔۔"

"آج تو حد ہو گئی۔۔۔ آج تو ہم چلا ہی دیں گے۔۔۔"

اور بندوق میں چلا ہوا کارتوس تھا یہ صرف احرار جانتا تھا۔

وہ چیخ و پکار مچی تھی کہ حرم نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لی تھیں۔۔۔ دیگر عورتیں منہ کو دوپٹوں کے پلوؤں سے دبائے ہنسی بھینچے بیٹھی تھیں۔ باقی سب جو بھی کر رہے ہوں۔۔۔ نانی جان اور بے جی نے کروشیے کے نمونے ایک دوسرے کو سمجھا لیے تھے۔۔۔ اچار میں کریلے کس طرح سکھا کے ڈالنے ہیں' یہ بھی بتا دیا تھا۔۔۔ چند رونے بے جی نے بہوؤں کے روئے تھے۔۔۔ اور اب نانی جان' نانا جان کے سر پر باقی رہ چکے گنتی کے چند بالوں کو بچائے رکھنے کا ٹوٹکا معلوم کر رہی تھیں۔۔۔ جواب میں بے جی نے پرانے اچار کا تیل سر پر مالش کرنے کو کہا تھا۔۔۔ کارگر نسخہ تھا۔۔۔ گنجا بھی ہرا ہو جائے۔۔۔ مگر اچار کا مسالے دار تیل اور وہ بھی نانا جان کے سر پر مالش۔۔۔! کیسے۔۔۔ کس طرح۔۔۔ توبہ۔۔۔!

انہوں نے مایوسی سے اپنے پنجوں پہ اچک اچک کے لڑتے نانا جان کے دھوپ میں چمکتے سفید کھال والے سر کو دیکھا اور دل ہی دل میں خود کو تسلی دے لی۔۔۔ بھلا اس عمر میں اب بال اگا کر کیا کرنے تھے۔۔۔ کون سا کہیں رشتہ لگانا تھا۔۔۔ نواب صاحب کہیں بال آجانے سے آپے سے باہر ہی نہ ہو جائیں۔۔۔ انہوں نے مطمئن سی نظر ان پر ڈالی اور دوبارہ بے جی کی جانب متوجہ ہو گئیں کہ وہاں تو ابھی لڑائی زوروں پر تھی اور یہ گولہ باری کئی دن تک جاری رہنا تھی۔ بھلا بڑوں کی ایسی چپقلش میں بچوں کی دال کیا گلے گی۔۔۔ احرار نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر متاسف ہو کر سوچا تھا۔۔۔!

☼ ☼ ☼

نانا جان اور میاں جی کا یہ کوئی پہلا معرکہ ہرگز نہیں تھا۔ ہر دوسرے دن کا تماشا تھا۔ اب تو کالونی والے بھی جان چکے تھے۔ سب کو پتا تھا کہ ان دو گھروں کے باہوں کی آپس میں نہیں بنتی۔ موقع چاہے خوشی کا ہو یا غمی کا۔۔۔ یہ دو حضرات بھڑنے کا موقع ڈھونڈ لیتے تھے۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ آخر سرد و گرم جنگ کے پیچھے وجوہات کیا ہیں سوائے گھر کے بڑوں کے۔۔۔! باقی رہ گئی آل اولاد تو وہ محض قیافے لگاتی تھی۔

بے جی کے لمبے اور گھنے بالوں میں دیسی گھی کا مساج کرتی حرم کا ذہن مسلسل الجھ رہا تھا۔۔۔ کچھ گتھیاں تھیں جنہیں سلجھانا تھا مگر وہ سلجھتی نہیں تھیں۔۔۔ بے جی پر اتنی عنایت کی وجہ بھی یہی تھی کہ آج اس کا پورا ارادہ تھا کہ وہ انہیں کریدے گی۔۔۔ وگرنہ کہاں ان کا بالوں سے بھرا ہوا سر اور اس پر دیسی گھی کا مساج۔۔۔ جس کی ہمک سے ہی حرم کو وقت ہوتی تھی۔ اس عمر میں بھی بے جی کے بال سنبھالنے مشکل تھے۔۔۔ اس قدر گھنے اور صحت مند تھے اور ابھی تک سفیدی بھی کہیں کہیں ہی جھلکتی تھی۔۔۔ ساری عمر بالوں کی جڑوں میں دیسی گھی لگایا تھا۔۔۔ بقول ان کے یہ اسی کا کمال تھا۔ حرم نے ہلکے ہاتھوں سے مساج کرتے ذرا سا آگے کو جھک کر بے جی کی بند آنکھوں کو دیکھا اور پھر بھنویں اچکاتی سیدھی ہوئی اور گلا کھنکھارتے ہوئے بولی۔

"بے جی۔۔۔ سو گئی ہیں کیا۔۔۔؟"

"نئیں پتر! او نگھ آگئی تھی۔"

"میرا مطلب تھا کہ آپ کہیں سو تو نہیں گئیں۔۔۔ اگر ایسا ہے تو میں مساج بند کر دوں۔۔۔ مگر آپ تو ہر بات کا جواب الٹ ہی دیتی ہیں۔۔۔"

"پتر جتنے پولے پولے ہتھاں نال تو مینوں مالش کیتی اے نال۔۔۔ اس سے میرے سر وچ خارش ہو رہی اے۔" بے جی نے خاصا بدمزہ ہوتے ہوئے چنی چنی سی آنکھوں سے رخ موڑ کر حرم کو گھورا پھر

سیدھی ہوتے ہوئے بولیں۔

"کی کم اے تینوں کڑیئے۔۔۔ اتنی اچھی تے تو ہے نہیں کہ مینوں دیسی گھی کی مالش کرے۔۔۔ تو تے دو دن تک میرے قریب نئیں پھٹکتی ہے۔ جب میں گھی لگاتی ہوں" حرم کے ہاتھ سے پیالی چھوٹتے چھوٹتے بچی تھی۔۔۔ کتنی جلدی پکڑی گئی تھی وہ۔۔۔ اور یہ سچ تھا کہ بے جی جب بھی دیسی گھی لگاتیں' وہ دو دن تک قریب بھی نہیں بیٹھتی تھی کہ اس کی مہک برداشت سے باہر تھی۔ مگر آج چونکہ مطلب تھا اس لیے دل کڑا کیے وہ یہ کام کرنے میں جُت گئی تھی۔

اس نے ایک لمبی سانس لی اور دیسی گھی کی کٹوری وہیں ایک طرف رکھ کے بے جی کے پیروں کی طرف آکر بیٹھ گئی۔

"جب یہ جان گئیں کہ کوئی کام ہے تو یہ بھی جان گئی ہوں گی کہ کیا کام ہے۔۔۔" دھیرے سے بے جی کے پیر گود میں دھرے اور ہاتھوں میں لگے دیسی گھی کے نرم ہاتھوں سے تلووں پر ملنے لگی۔۔۔

"ہم۔۔۔ م۔۔۔ م۔۔۔!" بے جی نے ہنکارا بھرا تھا۔

"میاں جی کی مت ہی پھی اے بس' ہور کوئی رولا نئیں۔۔۔ ہون کی بتاؤں تینوں۔۔۔"

"پھر بھی بے جی! آخر وجہ کیا ہے۔۔۔ سب گھر والے ملنے ملانے کو پسند کرتے ہیں۔۔۔ مسئلہ ہے تو بس ان دو بزرگوں میں۔۔۔ کچھ تو بات ہے ناں۔۔۔ آج تک بنتے نہیں دیکھی' کوئی بھی موقع ہو' میاں جی ہی اکثر لڑائی کا بہانہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔۔۔ پلیز بے جی پلیز۔۔۔ آج تو بتادیں کہ اس سارے کے پیچھے آخر وجہ کیا ہے۔۔۔؟" حرم نے منت کرنے کے انداز میں کہا۔۔۔ بے جی نے ایک نظر اسے دیکھا اور بولیں۔

"اچھا اچھا دیکھنی آں۔۔۔ سوچنی آن تو میرے پیر دبا چنگی طراں۔۔۔ میں ذرا خود بھی یاد تو کرلوں کہ اے بابے کس گل توں شروع ہوئے سی۔۔۔!" بے جی اپنے بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے بولیں تو حرم نے اور زور سے پاؤں دبانے شروع کیے۔۔۔ اس کا رواں رواں سماعت بن چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

47ء کا سن چڑھا تو جیسے ہلچل سی مچ گئی۔۔۔ ہندوستان بٹنے کی باتیں۔۔۔ پاکستان بننے کی باتیں۔ فضا میں شدت سے چکرانے لگیں۔۔۔ دبے دبے لفظوں میں منمنانے والے سینہ ٹھونک کر دوبدو جتانے لگے۔۔۔ ایک ان دیکھی طاقت تھی جو ہر مسلمان کو عطا ہوگئی تھی۔۔۔ ہندو شرپسندوں کو اشارہ ہوا اور پھر جیسے تلواریں' کرپانیں اور بڑے بڑے چھرے شرپسندوں میں مفت میں بٹنے لگے۔ چھتوں کے پرنالوں سے مسلمانوں کا خون بہنے لگا۔

تیرہ سالہ برکت اللہ کا خاندان گوجرانوالہ کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں بستا تھا۔۔۔ ہندو بہت تھا مگر کان پڑی یہی تھی کہ یہ سارا علاقہ پاکستان میں ہی شامل ہوگا۔۔۔ اس لیے یہاں سے ہندوؤں کو ہی اپنا بوریا بستر اٹھانا پڑا۔ برکت اللہ سے بڑے دو بھائی تھے جبکہ ایک چھوٹا تھا۔ ماں کے لیے تو چار شیر جوان تھے ان سے چھوٹی دو جڑواں بہنیں بھی تھیں۔۔۔ اللہ کی مرضی کہ دونوں ہی وبائی مرض کا شکار ہو کر چل بسیں۔

ان کے دو ماموں دلی میں تھے فسادات پھوٹے تو برکت اللہ کے دونوں بڑے بھائی دلی روانہ ہوئے۔۔۔! کوئی چھوٹا قدم نہیں تھا یہ' مگر ماں کا دن رات بھائیوں کے لیے تڑپنا' بلکنا بیٹوں سے برداشت نہ ہوا۔ ماموؤں کو پاکستان لانے کا ارادہ باندھا۔۔۔ اور ابھی جانے میں تین دن تھے جب برکت اللہ سے چھوٹا رحمت اللہ گھر کے پچھواڑے کٹا پڑا ملا۔۔۔ پورے محلے میں کہرام مچ گیا۔۔۔ علاقے کا پہلا قتل تھا۔۔۔ برکت اللہ کی ماں پچھاڑیں کھاتی رہی۔۔۔!

معلوم ہوا کہ ہندو جاتے جاتے کام دکھا گئے۔ فجر کی اذانیں ہوئی تھیں جب رحمت اللہ گھر سے حسب معمول سپارہ پڑھنے مسجد کے لیے نکلا تھا۔ ابھی روشنی نہیں پھوٹی تھی۔ ہندوؤں کی سامان سے لدی بیل گاڑیاں کچی سڑک پہ چڑھ چکی تھیں جب ذرا فاصلے سے گزر مار رحمت اللہ مسلا ہندو بننے کے غصے کی آگ کو

دبکا گیا۔ شاطر و مکار شنکر داس جو رحمت اللہ کا ہم عمر تھا۔۔۔ بہانے سے سب سے آخری بار ملنے کا کہہ کر بیل گاڑیوں کے قریب لے گیا۔

نزدیک جانے کی دیر تھی۔۔۔ سینے سے نومولود بچہ چمٹائے شنکر داس کی ماں سانپ کی مانند پھنکاری تھی۔ "شنکر کے باپو۔۔۔! پھیر دو ورانتی اس ملیچھ کے۔۔۔!" اور شنکر کے سنگ دل باپو نے گردن اتار دی۔

چھوٹے لڑکے کے غم میں ماں کی دگرگوں حالت دیکھ۔۔۔ تیسرے ہی دن برکت اللہ کے دونوں بڑے بھائی ماموؤں کو لینے نکل پڑے۔ ان کے جی میں یہی تھا کہ جلد از جلد ماں کے پاس جائے ادھر آجائیں تو شاید ماں کا غم ہلکا ہو سکے۔ برکت اللہ نے بھی بہتیری ضد کی۔ مگر اکیلی ماں کے پاس بھی تو کسی کا ہونا ضرور تھا ناں۔۔۔ اور پھر برکت اللہ اکیلا ہی ماں کے پاس رہ گیا۔

پورے اٹھارہ دن بعد لاشوں سے بھری ایک ٹرین اسٹیشن پر رکی تھی جس کی درزوں سے خون ٹپکتا تھا۔ سب کے سب مسافر شہید کر دیے گئے تھے ان ہی کٹی پھٹی لاشوں میں دونوں ماموں بھی تھے۔۔۔ ان کے بال بچے بھی اور برکت اللہ کے دونوں بڑے بھائی بھی۔۔۔!

ماں پاگل نہ ہوتی تو کیا ہوتی۔۔۔ ماں جائے بھی گئے اور اپنے جنے بھی قربان ہوئے۔

ان ہی دنوں کا قصہ تھا جب گاؤں میں بڑی صعوبتیں جھیلتا ایک قافلہ آکر ٹھہرا تھا۔ اسی قافلے میں ایک نواب بیگم بھی تھیں اور ان کا بارہ چودہ سال کا لڑکا بھی۔ دونوں دربدر ہو کر رہ گئے تھے۔ قافلے کی تو منزل ہی یہی گاؤں تھا کہ سب ہی کے رشتے دار بستے تھے۔ مگر ان دونوں ماں بیٹا کو وقت اور حالات نے ادھر کا رخ کرنے پر مجبور کیا تھا۔۔۔ کسی کو جانتے نہ تھے' کس کے گھر ٹھہرتے۔ گاؤں کے امام مسجد خدا ترسی کرتے ہوئے مسجد ہی سے متصل اپنے ہجرے میں لے گئے۔۔۔ وہاں مولوی صاحب کی زوجہ ہمراہ تیو بچوں کے بمشکل سمائی ہوئی تھیں۔ چار دن میں دونوں ماں بیٹا اوب گئے۔۔۔ نوابی خون تھا۔ اتنے بڑے ٹبر میں گھبراتے نہ تو اور کیا کرتے۔ بیٹا تو سسک سسک کر رویا۔۔۔ مگر ماں بے چاری کر بھی کیا سکتی تھیں۔ دو دن اور نکلے تو برکت اللہ اور اس کی ماں آپہنچے' مولوی صاحب کے ہاں۔۔۔! بڑے مان اور محبت سے نواب بیگم اور ان کے بیٹے کو لے گئے تو مانو جان میں جان آئی دونوں کے۔۔۔ یہ بڑے سے کشادہ صحن والی کوٹھی تھی برکت اللہ کی۔ دو نوکر بھی تھے۔ ایک طرف کھونٹے سے دو بھینسیں بھی بندھی تھیں۔ کوٹھری اناج سے اٹی پڑی تھی۔ بڑے دنوں بعد نواب بیگم پورے طور طریقے سے نہا دھو کر تمکنت سے صحن میں خاص ان کے لیے بچھائے گئے پلنگ پر براجمان ہوئی تھیں۔۔۔ اور نواب زادہ برکت اللہ کے ہمراہ مزے سے کمرے ماپ رہا تھا۔ سارا دن چوکڑیاں کرتے بتایا تھا اور رات پڑتے ہی لمبے جوڑے پلنگ پر برکت اللہ کے ہمراہ نوابوں کی مانند سویا تھا۔ اور اسی رات چوہدری برکت اللہ اور نوابزادہ حسنین خان کی اٹوٹ دوستی کی بنیاد پڑی تھی۔

آنے والے وقت میں دونوں ایک دوسرے کا سایہ بنے نظر آئے۔ برکت اللہ کے اسکول میں ہی حسنین خان کو بھی داخل کروا دیا گیا تو وہاں بھی دونوں کی جوڑی مشہور ٹھہری۔۔۔ حالانکہ مزاج میں بے تحاشا تضاد تھا۔ برکت اللہ ٹھیٹھ پنجابی اور جنوں جیسی خوبو والا چھیلا اور حسنین احمد خان لکھنؤ کی بود و باش میں پنپنے والا۔ نازک مزاج اور باذوق سا مستانی فطرت کا حامل خوب صورت کا تھی والا بانکا۔۔۔!

مگر اس تضاد کے باوجود کیا غضب کی ذہنی ہم آہنگی تھی ان کے درمیان۔۔۔ اور ایسا ہی حال ماؤں کا بھی تھا۔ حسنین احمد خان کی والدہ نواب بیگم قطب النساء کی نفیس طبع اور مدھم مدھم میٹھا بولنے والی خاتون اور برکت اللہ کی ماں۔۔۔ خالص پنجابی بھڑکیلا سا لہجہ لیے دبنگ چودھرائن۔۔۔!

مگر شیر و شکر ہو گئی تھیں دونوں۔ پہروں اپنے اپنے دکھ کہتیں۔۔۔ روتی تھیں دونوں۔ برکت اللہ کے گھر سے جنازے اٹھے تھے۔۔۔ ماں نے تین جوان بیٹے قربان کیے تھے تو کم دکھ قطب النساء بیگم نے بھی

برداشت نہیں کیے تھے۔ انہیں تو دفنانے کو لاشے بھی نہ مل سکے بچوں کے۔ جس وقت فساد پھوٹے تھے تب انہیں محض چند ہی دن ہوئے تھے۔۔۔ پورے طمطراق سے اپنے اہل و عیال کے ہمراہ وہ لکھنؤ سے یوپی آئی تھیں۔۔۔ ان کی چھوٹی بہن کے ہاں عقد کے تیرہ سال بعد پہلوٹی کا لڑکا ہوا تھا۔ بڑی دھوم دھام ہوئی تھی۔ یہ بھی بہن اور بچے کے علاوہ تمام گھر والوں کے لیے تحائف کے انبار لیے پہنچ گئیں۔ ڈھول تاشے، قہقہے پٹاخے پھوٹتے رہے اور خبر بھی نہ ہوئی کہ بلوائیوں نے لکھنؤ میں شب خون مارا تھا۔ ہر گھر پھونک گئے تھے۔۔۔ جس دم بیگم کو خبر ہوئی اس وقت تک شاید علاقے کے کئی گھر خون سے دھو دیے گئے تھے۔ روتی پیٹتی نے واپسی کا قصد کیا۔ بہن اور بہنوئی کے لاکھ سمجھانے پر بھی نہ مانیں کہ شوہر کی فکر ہلکان کیے دے رہی تھی۔ دل مانتا ہی نہ تھا کہ ان کو کوئی گزند پہنچی ہو۔۔۔ اس سے پہلے کہ فسادات یوپی میں بھی رنگ دکھاتے، وہ حسنین احمد خان اور دو چھوٹے بچوں۔۔۔ ایک لڑکا اور ایک چھ سال کی لڑکی کے ہمراہ واپس ہوئیں۔ نہ جانے کن عذابوں سے گزر کے لکھنؤ پہنچیں۔۔۔ کئی سیر تو سونا ہمراہ تھا۔۔۔ بہن کی طرف لدی ہوئی گئی تھیں اور دن میں تین دفعہ تو کپڑے تبدیل کرتی تھیں۔۔۔ سب کی بمشکل حفاظت کرتی لکھنؤ وارد ہوئیں تو محلے کے قریب بھی نہ پہنچ پائی تھیں کہ اسمٰعیل کو چوان ان تک پہنچ گیا۔۔۔ نواب صاحب کا ذاتی پشتی کو چوان تھا جو صرف حویلی کی بگھی دوڑاتا تھا۔ دگرگوں حالت تھی، بیگم کو مختصراً ساری بپتا کہہ سنائی اور کہا کہ نواب صاحب نے آخری دم دیتے تاکید کی تھی کہ آپ کسی بھی قافلے کے ہمراہ پاکستان روانہ ہو جائیں۔ کسی نہ کسی طرح اسمٰعیل کے ساتھ گھسٹتی، بچوں کو پہلوؤں سے لپٹائی دوبارہ واپس مڑ گئیں۔ اسمٰعیل کو چوان نے اپنے ایک جاننے والے کے ہاں رات تک کے لیے ٹھہرایا اور پھر دوسرا پہر شروع ہونے سے پہلے یہ لوگ پاکستان جانے والے قافلے میں شامل ہو گئے۔ بیگم کے پاس زادِ راہ وہ سیروں سونا تھا۔ یا پھر وہ نقدی جو ان کے شہید شوہر نے اسمٰعیل کے حوالے کی تھی۔ اور اب وہی اسمٰعیل جان ہتھیلی پر رکھے اپنے مالک کا نمک حلال کرنے چلا تھا۔

قافلے میں سراسیمگی تھی۔ ایک دہشت ناک خاموشی اور متوقع کاٹ پیٹ کا خوف۔۔۔! لوگ چل نہیں رہے تھے۔۔۔ رینگ رہے تھے۔ قافلے کے چند بزرگ خون گرمانے کی ناکام کوشش کیے جا رہے تھے۔۔۔ مگر سب کی رگیں تک خوف سے جمی پڑی تھیں۔ ابھی یہ پیدل فاصلے طے کر کے کسی نہ کسی طرح اسٹیشن پہنچنا تھا جہاں گاڑی ان ہی مسافروں کے لیے تیار کھڑی تھی۔ قطب النساء بیگم کی چھوٹی لڑکی ماں کا ہاتھ چھڑوا کر۔۔۔ اکا دکا ہم عمر بچوں کے ہمراہ قافلے کے آگے چھلاں کرتی نظر آتی تھی۔ راستے کے اردگرد کھیت تھے اور کھیتوں میں بھونکتے گیدڑ۔۔۔ اور پھر یک دم کرپانیں لہراتے بھیڑیے نکل آئے۔۔۔ اور سب سے پہلے بچوں کو ہی چھروں میں پرو ڈالا۔ قطب النساء بیگم نے ننھی رافعہ کی جگر چیرتی چیخ سنی تھی۔۔۔ باقی سارا منظر بھگدڑ میں دب گیا۔ تباہی سی مچی تھی۔۔۔ ایک ایک کر کے بڑے چھوٹے سب کٹتے چلے گئے۔ اسمٰعیل نے بیگم اور دونوں لڑکوں کے ہمراہ ان ہی قدموں پلٹنا چاہا تھا جب یک دم گود میں اٹھایا چھوٹا لڑکا پھرتی سے نیچے اتر گیا۔ اسمٰعیل بوکھلا گیا اور اس سے پہلے کہ وہ بچے کو پکڑتا۔۔۔ بچہ دہشت زدہ سا چیخیں مار کر کھیتوں کی سمت بھاگا۔۔۔ غریب اپنی طرف سے جان بچانے کو بھاگا تھا مگر ایک اڑتی کرپان پیچھے سے ہی نازک کھوپڑی چیرتی گزر گئی۔۔۔ لمحوں میں بچے کی کہانی ختم ہو گئی۔ چند ساعتوں میں نواب بیگم نے دو اولادیں گنوا دی تھیں۔ ہونٹ جامد، آنکھ ساکت اور دھڑکنیں تھمی ہوئیں۔۔۔ ایک مردہ ہی تھا جسے اسمٰعیل نے بڑی دقت سے حسنین احمد خان کی مدد سے کھیتوں میں گھسیٹا تھا۔ زندگی تھی جو تینوں ہی ظالموں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔۔۔ وگرنہ بچا کون تھا۔۔۔؟

قیامت کی رات تھی جس کی صبح کرنے میں ان تین جانوں نے سو عذاب جھیلے تھے، پو پھٹنے سے پہلے

اسمٰعیل انہیں لے کر کسی نہ کسی طرح اسٹیشن پہنچ ہی گیا۔ وہاں ایک خوش قسمت قافلہ گاڑی پر سوار ہو رہا تھا۔ گاڑی پاکستان جانے والے دیگر مسافروں سے کھچا کھچ بھری پڑی تھی۔۔۔ تسلی اس بات کی تھی کہ فوج کے سپاہی رکھوالی کے لیے ہمراہ تھے۔ اسمٰعیل نے بڑی تگ و دو سے کسی سے جان پہچان نکال کر دونوں ماں بیٹے کو اس آدمی اور اس کے خاندان کے حوالے کیا۔۔۔ ساری نقدی حسنین احمد کے نیفے میں اڑسی کہ نواب بیگم کو ہوش ہی کہاں تھا کسی بات کا۔۔۔ گاڑی کی سیٹی بجی تھی اسمٰعیل گاڑی سے اتر گیا۔ جب کھڑکی کے رخ اسمٰعیل کو دیکھا تو ننھا حسنین احمد خان پھٹ پڑا۔ رو رو کر اسمٰعیل کو واپس بلانے لگا۔ اس نمک حلال نے سلاخوں میں سے ہاتھ ڈال حسنین احمد کے دونوں گال تھپتھپائے اور بولا۔

"چھوٹے خان جی۔۔۔! بڑے نواب صاحب ابھی تک بے گور و کفن پڑے ہوں گے۔ میں انہیں دفنائے بغیر کس طرح آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ مجھ پر قرض ہے جی۔۔۔ چکا کر لوٹ آؤں گا۔۔۔ اگر زندگی بچی تو۔۔۔!"

ڈبڈبائی آنکھوں سے اسمٰعیل نے چھوٹے خان کے ہاتھ چھوڑے اور پلٹ کر بھیڑ میں مدغم ہو گیا۔ اسی قافلے کے ہمراہ یہ دونوں ماں بیٹا' برکت اللہ کے گاؤں پہنچے تھے۔ برکت اللہ کی ماں اپنے درد بھول کر قطب النساء بیگم کی دلجوئی میں لگ گئیں۔ اور پھر زمانے نے دیکھا کہ بہتا محض خونی رشتے کا محتاج نہیں۔۔۔ بھائی چارہ نبھانے کے لیے ایک ماں کی کوکھ لازم نہیں۔

حسنین احمد خان نے میٹرک کے بعد شہر میں کالج میں داخلہ لے لیا تھا۔ برکت اللہ نے میٹرک کے بعد سارا دھیان زمینوں پہ لگا دیا تھا۔۔۔ کچھ ماں نے بھی آگے پڑھنے نہ دیا کہ برکت اللہ کی صحت خاصی غیر صحت مند تھی اس لیے انہیں لگتا تھا کہ ان کا پتر پڑھائی کا بوجھ مزید نہیں ڈھو سکتا۔۔۔ لیکن اس بات سے نواب زادے اور چھوٹے چوہدری کی دوستی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ حسنین احمد خان اب بھی پورے استحقاق کے ساتھ گاؤں آتے اور جو چند دن گزارتے' وہ دونوں دوستوں کے ایک دوسرے کی ہی سنگت میں گزرتے۔۔۔ ایک دوسرے کے لیے وہ اب بھی پہلے جیسے ہی تھے۔ تو تکار کرنے والا برکت اللہ اور آپ جناب کرنے والے حسنین احمد خان۔ برکت اللہ لاکھ چاہ کر بھی حسنین احمد خان کی بولی پہ اثر انداز نہیں ہو سکا تھا۔۔۔!!

وقت کو ذرا سا دھکا لگا اور برکت اللہ کے رشتے کی بات چیت شروع ہو گئی۔ قطب النساء بیگم جی جان سے برکت اللہ کی ماں کے ہمراہ لڑکی والوں کے ہاں گئیں اور رشتہ پکا کر آئیں۔ بات پکی ہونے کی دیر تھی۔۔۔ حسنین احمد خان نے ماں کو شہر بلا لیا۔ شہر میں ان کو کلیم میں کوٹھی ملی تھی' برکت اللہ اور اس کی ماں نے بڑا واویلا کیا۔۔۔ دھونس جمائی مگر حسنین احمد خان نے طریقے سے دوست کو راضی کیا۔ وہ گھر کی بہو آنے سے پہلے شہر والی کوٹھی میں ماں سمیت سیٹ ہو گئے۔۔۔ تاکہ کل کو بہو آئے تو کوئی فسادنہ کھڑا ہو۔۔۔ گو کہ قطب النساء بیگم اب بھی ہر چھ آٹھ دن بعد یہیں پائی جاتیں کہ ان کا دل نہیں لگتا تھا۔ مگر پھر بھی حسنین احمد خان مطمئن تھے۔۔۔ وہ خود بھی برکت اللہ کی شادی میں سگے بھائیوں سے بڑھ کر پیش پیش رہے تھے۔

اور پھر برکت اللہ کی شادی کے محض سوا مہینے بعد نواب بیگم نے چھوٹے خان صاحب کے لیے بھی لڑکی پسند کر لی۔ برکت اللہ کی بیوی ہاجرہ کی۔۔۔ ممیری بہن تھی۔۔۔ شہر میں رہتی تھی اور اس وقت کی دس جماعت پاس تھی۔ شادی میں دیکھا تو دل میں کھب گئی۔۔۔ بڑی مشکل سے تھوڑا وقت نکالا اور پھر جیسے ہی موقعہ ملا' برکت اللہ کی ماں اور بیوی کے ساتھ لے کر پہنچ گئیں۔ لڑکی والوں کو کیا چاہیے تھا۔۔۔ جدی پشتی نوابوں کے ہاں سے رشتہ آیا تھا۔۔۔ اور پھر ہاجرہ کی تسلی اور اصرار۔۔۔ بس ہاں کرتے ہی بنی۔۔۔!

یوں چھ ماہ کے وقفے سے دونوں دوست گھر بار والے ہو گئے۔ حسنین احمد خان کی شادی گاؤں میں ہی منعقد ہوئی' برکت اللہ اور ان کی ماں نے ایک نہ چلنے

دی۔۔۔ ہر تقریب گاؤں میں ہوئی اور تمام رسومات کے ساتھ۔۔۔ کون سا چاؤ تھا جو برکت اللہ نے پورا نہ کیا ہو۔۔۔ دولہا کی گھوڑی کے آگے خود بھی ناچا تھا۔۔۔ حسنین احمد خان بیوی رخصت کروا کر اسی آنگن میں لائے تھے۔۔۔ کیسے ایثار و رواداری والے زمانے تھے۔ لنگر کا منہ کھول دیا تھا برکت اللہ نے۔۔۔ برکت اللہ کی ماں نے ہزاروں روپے حسنین احمد خان پر سے وار کر صدقہ کیے تھے۔ نواب بیگم کی آنکھیں کسی دم خشک نہ ہوتی تھیں۔ بچھڑے ہوؤں کی یادیں رہ رہ کر تڑپاتی تھیں۔۔۔ ہر ہر تقریب میں دونوں سہیلیوں نے ہتھیلی سے ہتھیلی ملائے رکھی۔۔۔ سانجھے غموں نے دلوں کو متصل کر رکھا تھا۔۔۔ ستھرے لوگ اور ستھرا زمانہ۔۔۔!

برکت اللہ کے لیے یہ بے حد خوشی کی بات تھی کہ اس کی سسرال میں حسنین احمد خان کا رشتہ ہوا تھا۔۔۔ یوں سسرال سانجھی ہو گئی تھی۔۔۔ پر حسنین احمد خان کے دل میں ایک ذرا سا قلق تھا کہ کاش لڑکی کسی نواب گھرانے سے ہوتی۔۔۔ خاندانی زعم پوری آب و تاب سے روئیں روئیں میں خون کے ساتھ گردش کرتا تھا۔۔۔ اس خلش کو گزرتے وقت اور زینب بی کی اچھی تربیت نے ہی دبایا تھا۔۔۔

برکت اللہ کے ہاں پہلوٹی کا لڑکا ہوا تو حسنین خان کو ہی یہ مان ملا کہ وہ بچے کا نام رکھے اور انہوں نے اس کا نام چوہدری محمد جمال رکھا۔۔۔ چند ماہ بعد حسنین احمد خان کا پہلا لڑکا ہو کر مر گیا تو دوبارہ آس لگتے لگتے چار سال بیت گئے۔ اور پھر جب زینب بی کے ہاتھ میں پہلی بیٹی آئی تو برکت اللہ نے چچا ہونے کے بھرم میں بچی کا نام عائشہ رکھا۔۔۔!

زندگی ایک مخصوص ڈھب میں وقت کی طنابیں تھامے بیتنے لگی۔ برکت اللہ کے ہاں جمال کے بعد اجمل، اکمل اور پھر ایک بیٹی فوزیہ پیدا ہوئی اور ادھر حسنین خان کے ہاں عائشہ کے بعد صرف ایک اولاد نرینہ ہوئی۔۔۔ زینب بی کو بمشکل بچایا گیا تھا۔۔۔ کوئی معمولی سی پیچیدگی بڑی خرابی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور دوبارہ حسنین احمد خان کے ہاں اولاد نہ ہو سکی۔ نواب بیگم کی جان ان ہی دو نواسوں میں بند تھی۔ ضعف نے بیمار اور کمزور کر دیا تھا مگر پھر بھی پوتا پوتی کے لاڈ اٹھاتے نہیں تھکتی تھیں۔ نوابی خون کا اثر تھا یا وضع داری کا، کہ ہمیشہ پوتی کو نواب زادی عائشہ اور پوتے کو نواب زادہ شارق کہہ کر بلایا۔ پرانی دوستی جوں کی توں برقرار تھی۔۔۔ ابھی بھی برکت اللہ کے بیٹوں میں سے کوئی ایک آتا اور آکر "چھوٹی دادی" کو چار جوڑوں کے ہمراہ لے جاتا اور پھر واپسی چار ہفتوں بعد ہوتی۔۔۔ وہ بھی دنیا جہان کی سوغاتوں کے ہمراہ۔۔۔!

سکون سے چلتی زندگی کی ناؤ نے پہلا ہچکولہ کھایا۔ برکت اللہ کی ماں گزر گئیں۔۔۔ کٹھن ترین وقت میں ساتھ نبھانے والی وہ عورت اپنے آخری وقت میں بھی اپنی عزیز از جان سہیلی کے ہمراہ تھیں۔ قطب النساء بیگم کے شانے پر سر رکھے ہی آخری دم نکلا تھا ان کا۔ برسوں کا ساتھ چھوٹا تھا۔۔۔ کوئی چند دن کی بات نہیں تھی۔۔۔ اثر انداز کیسے نہ ہوتیں اور بمشکل آٹھ، دس ماہ بیماری کی حالت میں کاٹ کر قطب النساء بیگم بھی اپنی سکھی کی خبر گیری کرنے کو چل دیں۔ دونوں گھرانے جیسے گم صم سے ہو کر رہ گئے تھے۔۔۔ اور پھر دھیرے دھیرے زندگی کی گاڑی دوبارہ رواں دواں ہو گئی۔

بچے بڑے ہو گئے۔۔۔ برکت اللہ اور حسنین احمد خان کی یاری آج بھی سب پر بھاری تھی۔ بال برابر بھی دونوں کی دوستی کو فرق نہ آیا تھا۔ برکت اللہ کا بڑا بیٹا جمال پڑھنے لکھنے کا شوقین اور ادب سے شغف رکھنے والا لڑکا تھا۔ بی۔ اے کرنے بعد بڑی ضد کر کے یونیورسٹی داخل ہوا تھا کہ ویسی سوچ والے برکت اللہ کی نظر میں اتنا پڑھنا لکھنا کسی کام کا نہیں تھا۔ مگر جمال کے اتنا آگے جانے کے پیچھے ایک وجہ اور بھی تھی۔۔۔ اور وہ تھی عائشہ۔۔۔! حسنین احمد خان کی بیٹی۔۔۔ نواب زادی عائشہ۔۔۔!

بڑا دھیما اور میٹھا سا تعلق تھا دونوں کا۔ ایسا تعلق جس میں ایک نظر ہی سیر کر دے اور پھر اوجھل ہوتے ہی سیری، تشنگی میں بدل جائے۔ دونوں کے مزاج ملتے تھے دونوں کی دلچسپیاں اور شوق بھی ایک سے تھے۔

ادب کے دلدادہ اور طرز گفتگو رکھنے والے پھول چن کر ستاروں کو چھونے والے۔ "چوٹ لگے تجھ کو تو درد مجھے ہوتا ہے" والی صورت حال تھی۔ بیٹے کے التفات کا ہاجرہ کو بخوبی اندازہ تھا۔۔۔ انہیں کیا اعتراض ہوتا بھلا زینب بی کی بیٹی کو بہو بنانا ان کے لیے فخر کا باعث تھا۔

جمال ان کا قابل اور انتہائی نفیس و دھیمے مزاج کا بیٹا تھا۔ گردن کٹا دینے کی حد تک فرماں بردار۔! برکت اللہ کے برعکس ہاجرہ کو جمال کا پڑھائی سے شغف بے حد بھاتا تھا۔۔۔ وہ باقی دونوں بیٹوں اور چھوٹی بیٹی فوزیہ کو بھی آگے پڑھنے پہ اکساتی تھیں مگر آفرین تھی تینوں پر کہ میٹرک سے آگے ورقہ ہی پھاڑ دیا۔ فوزیہ کی تو میٹرک میں بھی سپلی تھی جسے کلیئر کرنے کا اس نے کبھی ارادہ نہیں باندھا تھا۔۔۔ وجہ! باپ کی شہ تھی۔ ہاجرہ خود چٹی ان پڑھ تھیں اور ٹھیٹھ پنجابی لب و لہجے والی خالصتاً "گاؤں کی پروردہ۔۔۔!" بچوں کے لیے ضرور خواہش مند تھیں کہ خوب سارا لکھ پڑھ جائیں تو اس کے پیچھے ایک وجہ زینب بی بی اور ان کا رہن سہن بھی تھا۔ حسنین احمد خان کی سنگت اور شہر کی رہائش نے زینب بی کو خوب پالش کیا تھا۔ ان کے بچے تہذیب یافتہ تھے۔ کئی بار ہاجرہ نے چاہا کہ برکت اللہ شہر میں شفٹ ہو جائیں مگر وہ یہ بات سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ جاتے تھے۔ ایسے میں جمال کا عائشہ کی جانب جھکاؤ ہاجرہ کے لیے بے حد تسکین و راحت کا باعث تھا کہ اسی بہانے عائشہ جیسی سلجھی ہوئی لڑکی ان کے گھرانے میں شامل ہوتی تو سب لوگوں پر لازمی اثر پڑتا تھا۔۔۔ خاصی طور پر فوزیہ کا لاابالی پن اور بدسلیقگی۔۔۔ عائشہ کی صحبت میں رہ کر ختم نہ سہی۔۔۔ کم ضرور ہو سکتی تھی۔

ہاجرہ نے موقع ملتے ہی زینب بی کے کان میں بات ڈال دی تھی۔۔۔ بیٹی کے دل کا حال جان کر انہیں ان گنت فکروں نے گھیر لیا تھا مگر یہ سوچ کر مطمئن ہو گئیں کہ حسنین احمد خان بچپن کے دوست کو کبھی ناں نہیں کریں گے۔۔۔ مگر ہر سوچ صحیح ثابت ہو جائے' ضروری تو نہیں۔۔۔!

جس دھوم دھام اور تام جھام سے برکت اللہ اور ہاجرہ عائشہ کے لیے رشتہ لے کر آئے تھے۔۔۔ محسوس یہ ہوتا تھا گویا بارات لے آئے ہوں۔ دونوں گھر سے رشتہ پکا کر کے نکلے تھے اور یہاں پہنچتے پہنچتے تک شادی کی تاریخ تک طے کر چکے تھے۔۔۔ مگر اس وقت سب کو سانپ سونگھ گیا جس وقت ڈرائنگ روم کی سینٹرل ٹیبل کے اوپر پھولوں کے تھال میں رکھی ہیرے کی انگوٹھی۔۔۔ ہاجرہ نے بغیر کسی سے اجازت لیے ساتھ بیٹھی عائشہ کی انگلی میں سجانی چاہی۔۔۔ عین اسی لمحے حسنین احمد خان نے دبنگ لہجے میں انہیں ایسا کرنے سے روک دیا اور پھر بغیر لگی لپٹی رکھے اس رشتے سے منع کر دیا۔۔۔ حیرت سی حیرت تھی جو برکت اللہ اور ہاجرہ پہ بیتی تھی۔ خود زینب بی اپنی جگہ ٹھٹھر کر رہ گئی تھیں۔۔۔ اور عائشہ کے دل کا حال جاننے کی کسے فرصت تھی۔ اس سکتے بھرے ماحول میں حسنین احمد خان نے خود ہی بات کا آغاز کیا تھا۔۔۔ اور بڑے رسان سے برکت اللہ کے قریب بیٹھ کر انہیں یہ بتایا کہ وہ عائشہ کا رشتہ چند ماہ پہلے ہی اپنے رشتے داروں میں طے کر چکے ہیں۔۔۔ جو محض ایک اتفاق کی بنا پر اچانک ان سے ملے تھے۔ یہ رشتے دار کوئی اور نہیں خود حسنین احمد خان کے سوتیلے چچا کے بیٹے ہیں۔۔۔ جو اب بھی انڈیا میں مقیم ہیں۔۔۔ پاکستان کسی کام سے آئے تھے اور "اتفاقاً" کسی مشترکہ دوست کے توسط سے ان کی ملاقات ہوئی۔ سالوں بعد ملے تھے۔۔۔ گلے لگے تو انگ ہونا بھول گئے۔ چھ گھنٹے اسی دفتر میں دونوں بیٹھے رہے جہاں ملاقات کا سبب بنا اور جب اٹھے تو دونوں اپنے بچوں کے رشتے طے کر چکے تھے۔ نواب حسنین احمد خان کے چچا زاد بھائی نواب تبرک حسن خان نے اپنے بیٹے کے لیے عائشہ کا رشتہ دیا جسے بغیر کسی پس و پیش اور سوچ بچار کے حسنین احمد خان نے قبول کیا۔ اب وہ اس سے مسلسل رابطے میں تھے اور عنقریب شادی کی تاریخ مقرر کرنے والے تھے۔

بڑے سبھاؤ سے حسنین احمد خان نے اپنی بات

مکمل کی تھی اور کہنے کے لیے کسی کے پاس کچھ نہ چھوڑا تھا۔ یہ پہلی دراڑ تھی جو اس بھائیوں جیسی دوستی میں پڑی تھی۔۔۔ برکت اللہ نے گلہ کوئی نہ کیا محض خاموشی سے بیوی کا ہاتھ تھاما اور اس گھٹن زدہ ماحول سے نکلتے چلے گئے۔۔۔ سارا سامان جوں کا توں چھوڑ گئے۔۔۔ گاڑی کے اسٹارٹ ہونے تک پیچھے رہ جانے والے نفوس سانس روکے بیٹھے رہے تھے یہاں تک کہ عائشہ کے وجود میں بھی اتنی سکت نہیں تھی کہ اٹھ کر باہر نکل جائے۔۔۔ جب کہ یہاں بیٹھ کر محسوس ہوتا تھا کہ جان جسم سے نکل جائے گی۔ سامنے باپ تھے جنہیں دل کا حال قطعاً" نہیں سنا سکتی تھی۔۔۔ اور پھر محض چند لمحوں بعد جیسے ڈرائنگ روم میں بھونچال سا آیا تھا۔۔۔ زینب بی سراپا احتجاج بنی۔ زندگی میں پہلی دفعہ اپنے شوہر کے سامنے کھڑی تھیں۔ آج ان کی آواز کی گونج اور تڑپ ہی اور تھی کیونکہ وہ ایک ماں تھیں جو بیٹی کی دل آشنا تھیں۔

اس چیخ پکار سے گھبرا کر عائشہ ڈرائنگ روم سے باہر نکل کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی تھی۔۔۔ اور پھر دیوار سے کمر ٹیکے ہی اس پر یہ انکشاف ہوا کہ اس کے آئیڈیل والد کس قدر خاندانی زعم میں مبتلا ہیں۔ اندر وہ زینب بی اسے کچھ ایسا ہی بولے تھے کہ۔

"کسی بھول میں مت رہیے گا بے وقوف خاتون۔۔۔ آپ کو بیاہ لائے تھے کہ اول تو مجبوری تھی کہ آپ اماں جان کی پسند تھیں اور ہم ان کی کوئی بات رد نہیں کرتے تھے اور پھر ہمیں اپنے خاندان کی کچھ خیر خبر نہ تھی۔۔۔ ورنہ ہمارے ہاں ملاوٹ زدہ رشتے کب طے پاتے تھے۔۔۔ مگر اب کی بار ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ کسی کو بیاہ کر لانا اور بات تھی۔۔۔ اپنی بچی کسی غیر کو دینا قطعاً" دوسرا معاملہ ہے۔ نواب خاندان کی جڑیں ابھی تک موجود ہیں' ہمارے خونی رشتے انڈیا میں ابھی تک مقیم ہیں۔۔۔ یہ سوچ ہی ہمارا سیروں خون بڑھا دیتی ہے۔۔۔ ایسے میں جب قدرت نے ہمیں ایک نادر موقع فراہم کیا ہے کہ بچھڑے پھر سے مل سکیں تو ہم کم از کم اتنے بے وقوف نہیں ہیں خونی رشتوں پر دوستی کو ترجیح دیں۔ اب یہ موضوع یہیں بند ہو جانا چاہیے۔

نواب زادی عائشہ کا رشتہ ہم نے تبرک حسن خان کے بیٹے طلال خان سے طے کر دیا ہے ہم انہیں کوئی بھی نزدیکی تاریخ دینے والے ہیں شادی کی۔۔۔ لہٰذا بدمزگی پیدا کرنے کے بجائے بچی کی شادی کی تیاری کیجیے۔۔۔ جی کھول کر جہیز تیار کیجیے' آخر کو دوسرے دیس جا کر بسنا ہے عائشہ کو۔۔۔ آپ جائیے اور بچی کا ذہن آمادہ کیجیے' اور دوبارہ ہمارے ساتھ کسی بھی قسم کی بحث سے گریز کیجیے گا ورنہ نتائج کی ذمہ دار آپ خود ہوں گی۔۔۔!

اور زینب بی کو زندگی میں پہلی بار ہمت کرنا ممنگا پڑ گیا تھا۔ جو بھی تھا ایک بھرم تو تھا کہ وہ حسنین احمد خان کے دل میں جگہ بنا چکی ہیں۔۔۔ ان کی اطاعت و ریاضت کو قبول کر لیا گیا ہے۔۔۔ مگر وہ تو محض مجبوری تھیں اور مجبوریوں کی زبان نہیں ہوتی۔۔۔ اس دن سے زینب بی نے بھی اپنی زبان پر قفل ڈال لیا اور نواب زادی عائشہ نے اپنے دل پر۔۔۔!

☼ ☼ ☼

جمال نے یونیورسٹی کو خیرباد کہہ دیا۔ تمام کتابیں۔۔۔ جو وہ اور عائشہ اول بدل کر پڑھا کرتے تھے۔ انہیں صندوق میں جما کر بند کر دیا۔۔۔ اپنے کمرے کی کھڑکی پر جھکی خوب صورت ننھے ننھے پھولوں کی بیل کو کنواڑا' جس پہ علی الصبح منڈلاتی تتلیوں کے خوش نما رنگ دیکھنا ان کا دل پسند مشغلہ تھا۔ پڑھائی سے جی اچاٹ ہوا تو برکت اللہ کے کہنے پر چھوٹے بھائیوں کی طرح کاروبار میں سر کھپانے لگے۔۔۔ اور پھر جلد ہی ہاجرہ نے برکت اللہ کی ہی برادری کی ایک بھلی مانس اور سیدھی سادی لڑکی سے رشتہ طے کر دیا۔۔۔ جمال خاموش رہا۔۔۔ عائشہ نہ ہوتی تو پھر کوئی بھی ہوتی اس سے بھلا کیا فرق پڑتا تھا۔

زندگی معمول پر آ کر نہ دے رہی تھی کہ ایک دن عائشہ کی شادی کا بلاوا بھی آن پہنچا۔ برکت اللہ کے

پورے گھرانے کو نحوست زدہ چپ نے ڈس لیا۔ برکت اللہ نے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے جانے سے صاف منع کردیا۔ جمال کام کے بہانے رک گیا۔ اس سے چھوٹا اجمل مست ملنگ تھا۔۔۔ اپنے حال میں گم اور خود ہی میں مگن۔۔۔ ہاجرہ نے چھوٹے لڑکے جمیل اور فوزیہ کو ساتھ لیا اور چہرے پہ ظاہری بشاشت لیے حسنین خان کی کوٹھی پہنچ گئیں جو دلہن کے طلائی زیورات کی مانند جگمگا رہی تھی۔۔۔ کتنی ہی دیر ہاجرہ' عائشہ کو ساتھ لگائے کھڑی رہیں۔۔۔ اس کا سجا سنورا جگمگاتا روپ آنکھوں کے رستے دل میں اتارتی رہیں۔ نواب حسنین احمد خان کو برکت اللہ کے نہ آنے کا دکھ تھا مگر ظاہر نہ کیا۔

بارات آئی اور سب کے سروں پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا' بارات دولہا کے بغیر تھی۔ سب کے سب گویا سکتے میں چلے گئے سوائے نواب حسنین احمد خان کے۔۔۔ کیونکہ انہیں بارات کے پہنچنے سے محض پینتالیس منٹ پہلے نواب تبرک حسن خان کا فون موصول ہوا تھا۔۔۔ جس میں انہوں نے بڑی لجاجت اور معذرت کے ساتھ نواب حسنین احمد خان کو بتایا تھا کہ وہ اور چیدہ چیدہ باراتی خیر و عافیت سے دو دن سے اس ہوٹل میں مقیم ہیں جہاں کی بکنگ نواب حسنین احمد خان نے خاص مہمانوں کے لیے کروائی تھی۔۔۔ مگر ان کے ساتھ ان کے بیٹے طلال خان نہیں ہیں۔۔۔ جو شدید خرابی طبیعت کے باعث ہمراہ نہیں' بیماری کی وجہ ٹائیفائیڈ بتائی گئی۔۔۔ جو بگڑ چکا تھا مگر اب بفضل خدا نواب زادہ طلال بہتری کی جانب گامزن تھے۔۔۔ مگر ڈاکٹرز کے مطابق انہیں کسی بھی صورت سفر نہیں کرنا وگرنہ حالت خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ اب محض پون گھنٹہ پہلے پیدا ہونے والی اس صورت حال پر نواب حسنین خان دم بخود تھے۔۔۔ یعنی بارات نہیں آرہی تھی۔۔۔ شادی کینسل۔۔۔ سینکڑوں مہمان۔۔۔ اور جو سینہ ٹھونک کر کہا تھا کہ نوابوں میں لڑکی دیں گے اس کا کیا۔۔۔؟

ٹیلی فون کال شروع نواب تبرک حسن خان کی التجائیہ آواز سے ہوئی تھی مگر اس کا اختتام نواب حسنین احمد خاں کی منت سماعت پر ہوا۔ عزت پہ بن آئی تھی۔۔۔ بیٹی داؤ پر لگ جاتی بھلے۔۔۔!

نواب تبرک حسنین خان نے اس صورت حال کو بڑی مہارت سے اپنے حق میں کیا۔۔۔ ایسا مشورہ دیا کہ چند لمحوں کے لیے تو نواب حسنین احمد خان کی بولتی بند ہوگئی۔۔۔ مگر پھر وہی خیال کہ گھر بھرا پڑا ہے ان کا "نوابی طعنہ" دیکھنے کو۔ مانتے ہی بنی۔۔۔ اور طے یہ پایا کہ نواب زادی عائشہ کو بغیر نکاح کے رخصت کردیا جائے۔۔۔ اور انڈیا پہنچتے ہی باقاعدہ نکاح منعقد کیا جائے کہ لڑکا لڑکی دونوں ہمراہ تو ہوں گے۔۔۔ نواب زادی عائشہ کے ہمراہ ان کی ننھیال سے جو بھی چند سمجھ دار یہاں چلنا چاہیں۔۔۔ بصد شوق! تاکہ کسی قسم کا واہمہ نہ رہے۔۔۔!

کمال ہوا کہ نواب حسنین احمد خان مان گئے اور ستم یہ ہوا کہ بیٹی کو رخصت بھی کردیا۔ ماں دہائیاں دیتی غش کھا گئیں' خالائیں روتی ہوئی بھانجی کے ہمراہ ہوئیں کہ دل غم سے بھر گیا تھا۔۔۔ رخصتی کا یہ انداز دیکھ کر۔۔۔! بھائی الگ سٹپٹایا سا گھوم رہا تھا۔۔۔ کر کچھ نہیں سکتا تھا۔ مہمانوں نے خوب چہ میگوئیاں کیں مگر بارات کے ہمراہ آئی بری اور دیگر لوازمات۔۔۔ اللہ اللہ! کیا سونا تھا اور کیا چاندی۔۔۔ گویا تھالوں میں سورج اور چاند اتر آئے تھے۔ تمام مہمانوں کو سونے اور چاندی کے سکے پیش کیے گئے۔۔۔ بارات کے ہمراہ آئی "ماماؤں" نے اس طمطراق سے بری دکھائی کہ سب کی سٹی گم ہوگئی۔ مٹھیوں میں دبے سونے اور چاندی کے سکوں کی سختی محسوس کرنے کے بعد بھلا کسی کا دل نرم کیوں رہتا۔۔۔ سب ہی نے اس عقل مندانہ فیصلے پہ نواب حسنین احمد خان کو شاباشی دی۔۔۔ اور نہیں تو کیا۔۔۔ اتنی دور سے بارات آئی تو کیا بلا عذر واپس لوٹا دیتے۔ ایک لڑکا ہی تو نہیں ہے ناں ہمراہ۔۔۔ باقی کیا نہیں ہے۔۔۔؟

عائشہ پتھر آنکھیں اور جامد جذبات لیے بن بیاہی انڈیا سدھاری پیچھے رہ گئیں زینب بی کی نیر بہاتی

آنکھیں اور ہاجرہ کے کھوکھلے دلاسے۔۔۔ بھلا وہ کہاں اس دھوم سے بارات لے کر آسکتی تھیں۔ ہاں گوہر نایاب تو ان کا جمال تھا جس کی پرکھ نواب حسنین احمد خان نہیں کرسکے تھے۔۔۔ کیوں کہ وہ جوہری نہیں تھے۔!

☼ ☼ ☼

ہندوستان پہنچ کر جس سلیقے قرینے سے محل نما حویلی میں نواب زادہ عائشہ کا استقبال ہوا۔۔۔ اس نے ساتھ آئی دونوں خلاؤں کی کھولن کو قدرے دبادیا تھا۔۔۔!

نواب زادی عائشہ کے خوب صورت نقش اور انتہائی نفیس دیوان پہ بیٹھنے کی دیر تھی۔۔۔ نواب تبرک حسن خان مولوی صاحب اور اپنے لڑکے کے ہمراہ پہنچ گئے۔۔۔ نواب زادہ طلال حسن خان کو ساتھ بٹھادیا گیا اور لپک جھپک نکاح کی کارروائی شروع ہو کر ختم بھی ہوگئی۔ عائشہ تو کیا محسوس کرتیں کہ ان کی کیفیت سرد خانے میں پڑی یخ بستہ لاش جیسی تھی۔۔۔ مگر خلاؤں نے محسوس کیا کہ لڑکے کی آنکھیں ماتھے پر دھری ہیں۔۔۔ نہ سلام کا جواب۔۔۔ نہ چہرے پہ آسودگی۔۔۔! عجب ہی چلن دکھتا تھا نواب زادے کا۔ اور پھر اگلے چند دن نواب تبرک حسن خان صاحب اور ان کی بیگم نے اس سبھاؤ سے دونوں کو مصروف رکھا کہ واپسی کی گھڑی آگئی اور وہ دو گھڑی اپنی بھانجی کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھ سکیں۔

اتنے تحائف ہمراہ کیے گئے کہ سانسیں بوجھل ہوگئیں اور اسی طرز پر بھانجی اللہ کے حوالے کیے خود پاکستان پہنچ گئیں۔ ادھر بہن کو سوائے شان و شوکت کے قصوں کے۔۔۔ سنانے کو اور کچھ بھی نہ تھا۔ ایک نواب حسنین احمد خان تھے جو سر خرو سے پھرتے تھے۔۔۔ دگرنہ بیگم تو جیسے سر کے بل انگاروں پہ دھری تھیں۔

ایک ماہ گزر گیا۔۔۔ دوسرا بھی بیت گیا۔ جب تیسرے مہینے بھی نواب زادی عائشہ کی کوئی خیر خبر نہ آئی تو تب نواب حسنین احمد خان کا دماغ جھنجلایا تھا۔ ٹھنک تو وہ پہلے مہینے ہی گئے تھے کہ جب بار بار فون کرنے پر بھی پتا چلتا کہ عائشہ کبھی طلال خان کے ہمراہ گرمیاں گزارنے کشمیر گئی ہیں تو کبھی یورپ کی سیر کی خبر کان میں ڈال کر وہاں سے فون بند ہوجاتا۔ ماں کے دل کو سنکھیے لگے۔۔۔ روز بات کروائیں' بات کروائیں کی تسبیح جپتی تھیں۔۔۔ مگر نواب حسنین احمد خان بیوی کی بات کیا کرواتے' خود ان کا تبرک حسن خان سے رابطہ نہیں ہوپا رہا تھا۔۔۔ فون کیے۔۔۔ خط لکھے مگر سب بے سود رہا۔ راتوں کی نیند صحیح معنوں میں اب حرام ہوئی تھی۔ ایسا بھی کیا کہ بیٹی ماں باپ کو آواز سنانے سے بھی گئی۔ ہوتے ہوتے چھ ماہ ہونے کو آئے تھے۔ زینب بی نے ایک دفعہ فون کیا تو نواب تبرک حسن خان کی محل نما حویلی کی ایک پرانی ملانے دو باتیں کرکے ٹھک سے فون بند کیا تھا۔۔۔ پہلی تو نہیں یاد تھی مگر دوسری بات سن کر زینب بی کی آنکھوں میں پانی اتر آیا تھا۔

"نواب زادی عائشہ امید سے ہیں۔۔۔ بڑی حضور انہیں لے کر کسی صحت افزا پہاڑی مقام کی طرف کوچ فرما چکی ہیں۔۔۔"

کیسی بے بسی تھی۔۔۔ کیسی کم مائیگی! بیٹی کی پہلی خوشی اور بیٹی سے اتنی دور۔۔۔! اور اب تو یہ خبر بھی پرانی ہوگئی تھی۔۔۔ اس حساب سے عائشہ کو اب ساتواں لگا تھا۔۔۔ اور اسی پریشانی کو لے کر وہ اپنی طبیعت خراب کر بیٹھی تھیں۔ نواب حسنین احمد خان نے جب بیوی کو یوں بے سدھ بستر پر پڑے دیکھا تو صحیح معنوں میں ہرکارے دوڑا دیئے۔ نیت ان کی اپنے لیے تھی کہ آج کل میں کسی بھی طرح وہ خود انڈیا ہو آئیں۔۔۔ پہلے تو کتنے ماہ وہ صبر کیے بیٹھے رہے تھے اور اب بیگم کو اس حال میں چھوڑ کر جانے سے قاصر تھے۔۔۔ جو بھی تھا اس ساری صورت حال کے ذمے دار وہ خود تھے۔ اب جبکہ حالات اتنے سنگین ہوچکے تھے تو کوئی وجہ نہیں رہ گئی تھی کہ وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹی کی خیر خبر کا انتظار کرتے۔ نہ جانے کس کس ذریعے سے وہاں کے چند جاننے والوں کو حالات بتلائے اور بیٹی کی خیریت پتا کر

کے بتانے کو کہا۔

ابھی کسی بھی ذریعے سے کوئی خیر کی خبر کان نہ پڑی تھی کہ ایک دن اچانک نواب حسنین احمد خان کو اسمٰعیل کوچوان کی کال موصول ہوئی۔۔۔ کئی پل تو دونوں سکتہ زدہ ایک دوسرے کی سانسیں سنتے اور محسوس کرتے رہے۔۔۔ ایک فلم سی تھی جو حسنین احمد خان کی آنکھوں کے آگے چل پڑی تھی۔۔۔ کیسی کیسی یادیں نہیں جڑی تھیں بھلا اور کیسی کیسی حکایتیں نہیں وابستہ تھیں اسمٰعیل کوچوان کی وفاداری کے ساتھ۔۔۔ اور آج نہ صرف وہ زندہ تھا بلکہ وہ اسے سن پا رہے تھے۔

نواب حسنین احمد خان کو یہ نادر موقع قدرت نے فراہم کیا تھا جب ہی احوال جاننے کے بعد وہ فوراً" مدعے پر آگئے۔۔۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ عائشہ کے بارے میں کوئی تفصیل بتاتے۔۔۔ خود اسمٰعیل نے یہ کہہ کر کہ وہ نواب زادی عائشہ کے حوالے سے کچھ ضروری معلومات فراہم کرنا چاہتا ہے۔۔۔ اسے بڑی بھاگا دوڑی کے بعد یہ نمبر حاصل ہوا تھا۔۔۔ نواب حسنین احمد خان کا پل میں جیسے خون نچڑ سا گیا۔۔۔ وہ رعشہ زدہ مریض کی طرح پھڑپھڑائے جاتے تھے۔۔۔ اور پھر اسمٰعیل کی بتائی باتوں نے جیسے انہیں کانٹے دار جھاڑیوں میں گھسیٹ لیا تھا۔۔۔ ان کا فخر۔۔۔ ان کا مان وغرور سب کچھ جیسے ان ہی کانٹوں سے الجھ کر کٹ پھٹ گیا۔ کتنا طنطنہ تھا ان کے نوابی خون میں۔۔۔ اور آج ان ہی کے خاندان نے ان کی تتلی سی نازک بیٹی کو رول کر رکھ دیا تھا۔

اسمٰعیل کوچوان نے بتایا کہ عائشہ کے شوہر طلال خان نیم پاگل ہیں۔۔۔ انہیں بڑی شدید نوعیت کے دورے پڑتے تھے۔۔۔ جو کئی کئی دن تک ان کی حالت خراب کیے رکھتے تھے۔ شادی کے موقع پر طلال خان کو کوئی ٹائی فائڈ نہیں ہوا تھا۔۔۔ بلکہ ان دنوں بھی ان کو شدید دورہ پڑا تھا اور ایسی حالت میں وہ خود اپنے لیے وبال بن جاتے تھے۔۔۔ بھلا بارات کے ہمراہ کیسے لے کے جایا جاتا۔ اسی لیے نواب تبرک حسن خان نے موقعے کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چال چلی اور بارات پہنچنے سے پون گھنٹہ پہلے فون کر کے نواب حسنین احمد خان کے حواس مختل کیے۔۔۔ عزت و آبرو بچانے کی خاطر حسنین احمد خان نے وہی کیا جو ان کی جگہ پہ کوئی بھی ہوتا تو کرتا۔

ادھر عائشہ کو انڈیا پہنچتے ہی سنبھلنے کا موقع دیے بغیر فوراً" طلال خان کے ہمراہ نکاح پڑھا دیا گیا۔ اس وقت بھی طلال خان پہ تشنج کی سی کیفیت طاری تھی۔۔۔ اور اس سے پہلے کہ ساتھ آئی عائشہ کی خالائیں ٹھٹکتیں۔۔۔ انہیں فوراً" کمرے میں بھیج دیا گیا۔ جب تک مہمان حویلی میں رہے' عائشہ کو کسی صورت بھی طلال خان کے کمرے میں نہ بھیجا گیا کہ طلال خان لازمی دورے کی حالت میں سامنے والے کو نقصان پہنچاتے تھے۔

مختلف رسموں کے بہانے سب کو بے وقوف بنایا جاتا رہا اور پھر جوں ہی مہمان رخصت ہوئے۔ عائشہ کو طلال خان کی سپردگی میں دے دیا گیا۔۔۔ حالانکہ اس دن تک وہ کافی بہتر ہو چکا تھا۔۔۔ مگر عائشہ کے کمرے میں جانے کے محض دس منٹ بعد ہی سارے میں یہ خبر پھیل گئی کہ طلال خان نے نواب زادی عائشہ خان کا سر پکڑ کر سائیڈ ٹیبل کے کونے سے دے مارا تھا۔۔۔ سر پھٹ گیا اور کئی ٹانکے بھی آئے۔ عائشہ خان کی آنکھوں میں پھیلی سراسیمگی کو نظرانداز کر کے معاملہ رفع دفع کر دیا گیا۔ اور پھر جیسے کھاتہ ہی کھل گیا۔!

روز طلال خان' عائشہ کے پھول سے وجود پر تھپڑ مار کر اپنے پاگل پن کا تمغہ سجا دیتا۔ دن کے کسی حصے میں وہ نارمل بھی ہوتا تھا اور کبھی کبھی کئی کئی دن تک انسانیت کے جامے میں رہتا۔۔۔ مگر پھر کوئی ہلکی سی ناگواری سب کچھ اکھاڑ پچھاڑ کر رکھ دیتی اور زد میں آتی تو ماں باپ سے ہزاروں میل کی دوری پہ اپنی بے بسی پہ سسکتی عائشہ۔!

اور اب جب کہ عائشہ پورے دنوں سے تھی۔۔۔ طلال خان کو جلال آیا اور سب سے اوپری سیڑھی پہ کسی کام سے ملما کو آواز دیتی۔۔۔ ذرا سا نیچے کو جھکی۔۔۔

ڈھیلے انداز میں کھڑی عائشہ کو دھکا دے دیا۔ ایک چیخ تک نہ پھوٹی اور وہ لڑھکتی ہوئی فرش پہ آرہی۔ پوری حویلی میں وہ قیامت مچی کہ اللہ اللہ۔ فی الفور اسپتال لے جایا گیا۔ اصل فکر بچے کی تھی کہ وہ بچ جائے۔ لہٰذا نواب تبرک حسن خان اور ان کی نواب بیگم نے ڈاکٹر کے آگے موٹی رقم پھینکی اور سختی سے تنبیہہ کر دی کہ اگر کوئی ایسی صورت حال درپیش ہو جس میں ماں یا بچے میں سے کسی ایک کو بچایا جاسکتا ہو تو صرف بچے کو بچایا جائے۔ شام پڑنے سے پہلے پہلے ڈاکٹر نے بچے کے محفوظ ہونے کی اطلاع دے دی تھی مگر عائشہ دماغ پہ چوٹ لگنے کے باعث کومے میں جاچکی تھی۔

نواب صاحب اور بیگم نواب کے سینوں سے ٹھنڈی سانسیں خارج ہوئیں کہ بہو کم از کم کسی کو کچھ بھی بتانے کے قابل نہیں رہی تھی ورنہ پولیس کود سکتی تھی بیچ میں۔! دونوں میاں بیوی نے بے حد اصرار کیا کہ قبل از وقت آپریشن کے ذریعے بچے کی پیدائش کو ممکن بنایا جائے مگر ڈاکٹر کے حتمی انکار کے بعد ٹھنڈے ہو کر بیٹھ رہے کہ اس طرح سے ماں تو مرتی ہی بچہ بھی نہ بچتا۔

اور اب صورت حال یہ تھی کہ عائشہ لاوارث اسپتال میں بے جان مٹی کی مورت بنی پڑی تھی۔ صرف ایک پرانی ماما تھی جو پٹی سے لگی سیوا کر رہی تھی۔

نواب حسنین احمد خان دیواروں سے ٹکریں مار مار کر بھی روتے تب بھی اس نقصان کا ازالہ نہیں کر سکتے تھے جو عائشہ کی شادی کی صورت میں انہیں ہو چکا تھا۔ عائشہ کو واپس پاکستان کیسے لایا جاسکتا تھا۔ اور پیدائش کو کس ممکن طریقے سے پاکستان میں میں عمل میں لایا جاتا یہ سب کچھ ناممکنات میں سے محسوس ہوتا تھا۔

ان کے خاندان والے اس قدر بدطینت ثابت ہوئے تھے کہ عائشہ۔ کا مردہ بھی شاید ان کے حوالے نہ کرتے۔ بچے کی تو وہ خوشبو بھی ڈھانپ دیتے۔!

ان دنوں حسنین احمد خان بپھرے شیر کی مانند پھرتے تھے۔ مگر پنجرے میں بند دھاڑتا غراتا شیر۔!

کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا تھا۔ محض ایک اسمٰعیل کوچوان سے لمحے لمحے کی خبر لیتے اور بالا ہی بالا اپنے ہندوستان جانے کے انتظامات کرتے رہے۔ اسمٰعیل کوچوان کا بیٹا نواب گھرانے کا ڈرائیور تھا اور بہو بھی اندرون خانہ فرائض سرانجام دیتی تھی۔ لہٰذا اندر کی ساری خبریں نواب حسنین احمد خان تک پہنچ رہی تھیں۔

اور جس دن حسنین احمد خان کے ہندوستان جانے کے انتظامات مکمل ہوئے۔ اسی دن عائشہ کے ہاں بیٹا ہونے کی اطلاع ملی اور محض اٹھارہ منٹ بعد عائشہ کے مرنے کی اطلاع مل گئی۔ چاروں شانے چت ہوئے تھے نواب حسنین احمد خان۔! خاندانی وقار۔ نوابی شرافت و نجابت ہر چیز خستہ حال سال خوردہ عمارت کی مانند زمیں بوس ہوئی تھی۔ زینب بی بدحواس ہوئی اونچے اونچے کوسنے دیتی تھیں اور شارق لال بیٹی آنکھوں میں دکھ و تاسف سموئے باپ پہ نظر ڈال کر سر جھکا لیتے تھے۔

نواب حسنین احمد خان اسی دم ہندوستان کے لیے نکلنا چاہتے تھے مگر اسمٰعیل کوچوان سے بات ہوئی تو اس نے فوراً" روک دیا۔

اس کا کہا بھی بجا کہ "آپ کو حویلی سے کوسوں دور ہی نواب صاحب کے گرگے روک لیں گے۔ علاقے کی حدود میں بھی شاید نہ داخل ہونے دیا جائے کہ نواب تبرک حسن خان نے حفظ ماتقدم کے طور پر سارے علاقے میں اپنے پالتو کھڑے کر رکھے ہیں۔ حسنین احمد خان سُن ہوتے حواس کے ہمراہ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ معلوم نہیں کہ کب کی دشمنی نبھائی تھی تبرک حسن خان نے۔! ایسا کیا کیا تھا انہوں نے جس کی سزا اولاد کے گھاؤ کی صورت انہیں دی گئی تھی۔

اب انہیں ایک ہی ضد تھی۔ نواب زادی عائشہ کا بچہ کسی طرح ان تک پہنچ جائے۔ ان کی بیٹی کی آخری نشانی۔! اور اس کے لیے وہ کوئی بھی قیمت ادا کرنے کو تیار تھے۔ جس جس کی منت ترلہ کرنا پڑا"

کیا۔۔۔ جس کسی کا تعلق واسطہ ڈالنا پڑا۔۔۔ ڈالا۔۔۔ اسی خجل خواری میں عائشہ کا چہلم بھی بیت گیا اور دکھ کی انتہا تو یہ تھی کہ حسنین احمد خان کو تبرک حسن خان کا ایک فون بھی نہیں گیا' یہاں تک کہ ان کی بیٹی کی موت کی اطلاع بھی نہیں دی گئی۔ اپنے تئیں انہوں نے اس خبر کو سگے ماں باپ سے بھی راز میں رکھا تھا۔۔۔ یہ تو اسمٰعیل کوچوان کا دم تھا جس نے لمحے لمحے انہیں باخبر رکھا ورنہ وہ لوگ اس کی بخشش کی دعائیں کرنے کے بجائے۔۔۔ صحت و سلامتی کے لیے منتیں مان رہے ہوتے۔

اب بھی جب نواب حسنین احمد خان ہر طرف سے مایوس ہو چلے تھے تو اسمٰعیل کوچوان اپنی جان داؤ پہ لگا کے وفاداری کا آخری ثبوت دینے سینہ ٹھونک کر کے میدان میں اتر آیا۔ کراچی میں اسمٰعیل کے کچھ رشتے دار رہتے تھے جن کی بیٹی ہندوستان میں بیاہی گئی تھی اور اس کی شادی اسمٰعیل کے ممیرے بھائی کے پوتے سے ہوئی تھی۔۔۔ اور یہ لوگ ہندوستان میں آس پاس ہی رہتے تھے۔۔۔ اسمٰعیل جانتا تھا کہ وہ لڑکی شکیلہ آج کل میں پاکستان کے لیے نکلنے والی ہے۔۔۔ جہاں اس نے اپنے میکے میں کم از کم ایک ڈیڑھ ماہ قیام تو لازمی کرنا تھا۔ ایسے میں یہ قدرت کی طرف سے عطا کردہ ایک سنہری سبیل تھی۔ اسمٰعیل نے اپنے گھر والوں اور شکیلہ اور اس کے شوہر کو گھر اکٹھا کیا' سر سے پگڑا تار کر اس کے بل کھول دیے اور کچے صحن کے فرش پر پھینک دیا۔۔۔ گریبان پھاڑا اور پچھکڑا مار کر وہیں کچے صحن میں بیٹھ کر خاک مٹھیوں میں بھر کر سفید سر اور داڑھی میں جھونکی۔۔۔ اور سارا مسئلہ اپنے گھر والوں شکیلہ اور اس کے گھر والے کو کہہ سنایا۔ سب ہی ٹکر ٹکر ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے اور بابے اسمٰعیل کو ہونق بنے دیکھے گئے جو بچوں کی طرح اٹھا پڑا تھا کہ یہاں سے تب ہی اٹھے گا جب اس کے سر سے فرض کا یہ قرض اترے ورنہ یہیں اسے گڑھا کھود کے دفنا دیا جائے۔۔۔ نواب تبرک حسن خان کوئی چھوٹا نام نہیں تھا۔۔۔ ان کے گھر سے بچہ اٹھانا اور پھر پاکستان پہنچانا ایسے ہی تھا جیسے گدھا گاڑی پہ بیٹھا مزدور خواہش کرے کہ اس کی گاڑی اڑن کھٹولا بن جائے اور وہ چاند پہ پہنچ جائے۔ سب سے پتلی حالت خود بابے اسمٰعیل کی ہو گئی تھی کہ بچہ اسی کو لانا تھا۔ بہتیرا سمجھایا۔۔۔ خوب ڈرایا مگر بابا ٹس سے مس نہ ہوا بلکہ گریہ کر کے حالت بگڑنے لگی تو سب سے پہلے شکیلہ اور اس کے شوہر نے ہی ہامی بھری۔

اور پھر ٹھیک بیس گھنٹے بعد وہ بچہ بخیر و عافیت شکیلہ کے ساتھ پاکستان کو جانے والی ٹرین میں سفر کر رہا تھا۔ کس طرح سے وہ سوار ہوئی تھی۔۔۔ کیسے کیسے پردے اس نے ڈر کے مارے اوڑھ رکھے تھے۔۔۔ یہ سوچنا بھی محال تھا۔ پیچھے کیا بیت رہی تھی اس کا پتا اب اسے پاکستان پہنچ کر ہی چلنا تھا جب وہ ہندوستان اپنے شوہر کو فون کرتی۔

جس دن وہ بچہ شکیلہ نے نواب حسنین احمد خان کے حوالے کیا' اسی دن صبح صبح اسمٰعیل کوچوان کی وفات کی اطلاع آ گئی۔ باقی پیچھے سب خیریت رہی تھی۔ بچے کی خوب ڈھنڈیا مچی تھی مگر اسمٰعیل کی موت نے سب کا دھیان اس کے گھر سے ہٹا دیا تھا' پورے علاقے کو گھیرے میں لیا جا چکا تھا۔ پورے دیش کو کھنگالا جانا شروع کر دیا گیا تھا۔ اسمٰعیل کوچوان جان دے کر اپنے گھر والوں کو بچا گیا اور جاتے جاتے نواب حسنین احمد خان کو اپنی نمک حلالی کا ثبوت دے گیا۔

نواب حسنین احمد خان نے اس بچے کو گویا کوہ نور سمجھ لیا۔۔۔ جس کی حفاظت کی خاطر وہ ساری ساری رات جاگتے اور سارا سارا دن چوکس رہتے۔۔۔ ذرا بیمار پڑے تو برکت اللہ اور حاجرہ آکر زینب بی اور اس بچے کو بڑے مان کے ساتھ اپنے پنڈ لے گئے۔ تاکہ اگر خدانخواستہ کوئی ادھر کا رخ کرے تو بچہ نہ ملے اور یہی اچھا ہوا کیونکہ جس دن زینب بی اور بچہ گاؤں گئے اس کے ٹھیک ایک ہفتے بعد نواب تبرک حسن خان خود جتھا لے کر ان کے گھر موجود تھے۔۔۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ شارق گھر پر تھا اس نے فون کر کے پولیس کو بلوا لیا اور پھر بڑی مشکل سے معاملہ رفع دفع ہوا۔۔۔ بہرحال ایک

کھٹک کے باوجود نواب تبرک حسن خان کو یہ یقین بھی ہو گیا کہ ان کا پوتا یہاں نہیں۔ حالات و شواہد حسنین احمد خان کے حق میں جاتے تھے۔ وہ چاہ کر بھی ان کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں مات ہو گئی تھی۔ ان کا پوتا۔ ان کی نسل کو کوئی ان کی ناک کے نیچے سے لے کر نکل گیا اور وہ ہاتھ ملتے رہ گئے۔

نواب زادی عائشہ کے صدمے کی صورت جو چوٹ نواب حسنین احمد خان کے دل پر پڑی تھی۔ ویسی ہی کاری ضرب انہوں نے تبرک حسن خان کے دل کو لگائی تھی۔ اور یوں یہ باب ہمیں پر ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

مزید کچھ عرصہ گاؤں میں گزار کر زینب بی بچے سمیت واپس آ گئیں اور پھر بھرپور لاڈ و احتیاط کے ساتھ نواب زادہ احرار حسن خان' نواب حسنین احمد خان کی کوٹھی میں پلنے لگا۔

☼ ☼ ☼

عائشہ کا غم بھلائے نہیں بھول سکتا تھا۔ یہ دکھ کئی دلوں کا ناسور بن چکا تھا جو سدا رستا تھا۔ کبھی کھرنڈ نہیں جمنی تھی۔ جمال کا دل بھی اسی فہرست میں تھا جس پہ آج بھی وہ پری پیکر چھائی تھی۔ وہ عائشہ کو دانستہ کبھی بھلا نہ پائے اور احرار اسی عائشہ کی نشانی تھا۔ جس سے انہیں بے طرح انسیت اور لگاؤ تھا۔ گو کہ اب وہ خود بھی شادی شدہ تھے۔ ان کی بیوی ایک سیدھی سادی' وفا شعار سی لڑکی تھی۔ مگر وہ جنونوں کو دیکھ کر مچلتی نہیں تھی۔ اس کے لہجے میں اوس نہیں مہکتی تھی۔ یہ تو عائشہ کے اوصاف تھے۔ اور وہ اب کہیں نہیں تھی۔

گزرتے وقت نے عائشہ کے نقوش مٹائے تو نہیں تھے مگر دھندلا ضرور دیے تھے۔ اس سانحے نے برکت اللہ اور حسنین احمد خان کو ایک دفعہ پھر قریب کر دیا تھا۔

جمال کی شادی عائشہ کی شادی کے تین ماہ بعد ہی ہو گئی تھی۔ ان کے دونوں لڑکے احرار کے آگے پیچھے ہی پیدا ہوئے تھے۔ تھوڑی چھوٹائی بڑائی کے ساتھ تقریباً" ہم عمر ہونے کی وجہ سے تینوں اکٹھے ہی پائے جاتے تھے۔ اجمل اور جمیل کو برکت اللہ اور حاجرہ نے اکٹھے ہی نمٹایا تھا۔ سب سے چھوٹا شادی کر کے باہر گیا تو کچھ عرصے بعد بیوی کو بھی بلوا لیا۔ یوں وہیں کا ہو رہا۔

☼ ☼ ☼

نواب حسنین احمد خان کے دل کا ملال بڑھتا تھا۔ جب جب جمال کو دیکھتے۔ ان کی ایک ہٹ دھرمی نے ان کی بیٹی کی جان لے لی تھی۔ کیسے کیسے نہ سمجھایا تھا برکت اللہ نے انہیں۔ اور کس کس طرح سے بے عزتی نہیں کی تھی حسنین احمد خان نے اپنے یار کی۔ یہ سب یاد آتا تو رواں رواں سلگنے لگتا۔ ان کے بدترین رویے نے دوستی میں دراڑ ڈال دی تھی۔ اور اب حسنین احمد خان دل سے چاہتے تھے کہ اس خلا کو پر کیا جائے جو ان دیکھا ہونے کے باوجود صاف دکھائی دیتا تھا۔

اب کی بار پھر انہوں نے وہی غلطی دہرا دی جس کا ماضی قریب میں وہ بدترین انجام دیکھ چکے تھے۔ بہت چاؤ اور ارمان سے وہ اور زینب بی' فوزیہ اور شارق کی بات ٹھہرا کر آئے تھے۔ بڑا بھاری شگن' زینب بی نے فوزیہ کے ہاتھ پہ دھرا تھا۔ برکت اللہ اور ہاجرہ کا بس نہ چلتا تھا کہ کھال کا قالین بنوا کر حسنین احمد خان کے پیروں میں بچھا دیں۔ مگر ہوا کیا۔؟

واپس آئے۔! دمکتے چہرے اور مہکتے وجود دیکھ کر شارق معمولی سا ٹھٹکے مگر جھٹکا اس وقت لگا جب انہیں یہ پتا چلا کہ ان کی فوزیہ کے ساتھ بات پکی کر دی گئی ہے۔ کوئی صدمہ سا صدمہ تھا۔ نواب زادہ شارق خان کو ایک نیم گنوار اور پکی دیہاتن کے پلے باندھ دیا جائے۔ اور وہ ایسا ہو جانے دیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔!

اور جس وقت شارق نے حسنین احمد خان کے سامنے تن کر کھڑے ہوتے ہوئے صاف انکار کیا تھا'

اس وقت حسنین احمد خان کو وہ بالکل اپنا پرتو لگے تھے۔۔۔ ویسی ہی تمتماہٹ' وہی ذات اور نسل کا غرور ان کے پورے وجود میں بول رہا تھا۔ حسنین احمد خان نے اسی وقت چہرہ اتنا جھکا لیا کہ شاید سینے سے جا لگا ہو۔۔۔!

انہیں کوئی پہاڑ سے دھکا دے دیتا تو شاید اتنی اذیت نہ ہوتی جتنی شرمندگی کا وہ پہاڑ سر کرنے میں ہوئی تھی۔۔۔ کس طرح اور کن لفظوں میں انہوں نے برکت اللہ کو "نہ" کہا تھا۔۔۔ انہیں کچھ یاد نہیں تھا۔۔۔ بس شل حواسوں سے جو منظر دیکھا تھا وہی نظروں میں بس گیا۔۔۔

برکت اللہ کا ان پہ بے تحاشا چیخنا' چلانا۔۔۔ انہیں دھکے دینا اور ہر طرح کا مرنے جینے کا تعلق ختم کرنے کا اعلان کرنا۔۔۔ اس کے بعد اور اس سے پہلے حسنین احمد خان کی یادداشت میں کچھ نہیں ٹھہرتا تھا۔

نواب زادہ شارق سب سلسلے ختم کر کے فرانس سیٹل ہو گئے۔۔۔ ماں کو کبھی کبھار فون پر خیریت بتا دیتے اور بس۔۔۔! حسنین احمد خان اور زینب بی کی زندگی لٹو کی طرح احرار کے گرد گھومنے لگی اور وقت بھی آگے بڑھتا گیا۔

کسی نے دوبارہ برکت اللہ کو حسنین احمد خان کی چوکھٹ پار کرتے نہیں دیکھا۔۔۔ دوستی کے اجلے ورق پر بداعتمادی کی کالی سیاہی نے انمٹ داغ چھوڑ دیے تھے۔۔۔ کہ وہ ورق ہی پھاڑنا پڑا۔

برکت اللہ کو ایسی ضد چڑھی کہ جس کام میں حسنین احمد خان ہاتھ ڈالتے وہاں کوئی نہ کوئی رخنہ اندازی ضرور کرتے۔۔۔ دھیرے دھیرے حسنین احمد خان کے لیے کاروباری معاملات کو ہینڈل کرنا مشکل ہوتا چلا گیا اور آخرکار انہیں اپنا چلتا کاروبار اچھے داموں فروخت کرنا پڑا۔۔۔ معقول جائیدادیں خرید کر کرائے پہ چڑھائیں اور سکون سے بیٹھ کر کھانے لگے۔ برکت اللہ کی طرف سے کی جانے والی مسلسل حجت بازی نے انہیں بھی متنفر کر دیا اور یوں ایک سرد گرم جنگ کا آغاز ہو گیا۔۔۔ دونوں فریقین کی فوجوں میں گھر کی سپاہ شامل نہیں تھا۔۔۔ گھر والے تو ابھی بھی اسی طرح ملتے تھے۔ جمال اور اجمل نے بہتیرا سمجھایا باپ کو۔۔۔ مگر ان کی پرنالے کی اینٹ وہیں کی وہیں رہی۔۔۔ فوزیہ کی شادی ہو گئی۔۔۔ بچے بھی ہو گئے مگر کدورت نہ دور ہوئی۔۔۔!

☼ ☼ ☼

وقت بدل گیا' بچے بڑے ہو گئے اور بڑے بابے بن گئے۔۔۔ احرار کی اٹھان غضب کی تھی۔۔۔ ماں ساز ذہن اور شرارت و بردباری کا امتزاج لیے۔۔۔ دل کو موہ لینے والی شخصیت کا مالک احرار جب کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر اپائنٹ ہوا تو دھوم سی مچ گئی۔۔۔ گفتگو میں شرارت اور تاثرات میں سنجیدگی اس کا خاصہ تھی۔۔۔ حلقہ احباب میں اپنی خوبیوں کی وجہ سے ہر دل عزیز تھا۔۔۔!

نواب حسنین احمد خان کو احرار میں عائشہ دکھتی تھی۔۔۔ اس کی ناک اور اس پہ سجا چھوٹا' باریک سا تل۔۔۔ آنکھوں کی بناوٹ اور ان کا شربتی رنگ ہو بہو ماں جیسا تھا۔۔۔ وجاہت اس نے اپنے باپ کی لی تھی۔۔۔ بھلے سے کچھ بھی تھا' طلال خان خوب صورت اور وجیہہ مرد تھے۔

☼ ☼ ☼

وقت کے گھوڑے پہ سوار بہت سے گزرے پل کچھ گھاؤ مندمل کر گئے اور کچھ نئے داغ سینوں پہ سجا گئے۔ حسنین احمد خان کے لیے تقدیر ایک اور بڑی مات لیے تاک میں تھی۔۔۔!

شارق نے فرانس میں شادی کر لی تھی۔۔۔ چند سال بعد مسلسل فون کر کے ماں کو راضی بھی کر لیا اور زینب بی نے کسی نہ کسی طرح حسنین احمد خان کے دل میں بھی گنجائش پیدا کرنے کی کوشش کی۔۔۔ گو کہ وہ ظاہر نہیں کرتے تھے مگر تھے تو باپ ہی۔۔۔! ایک اولاد کا تو مرا منہ بھی دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔۔۔ دوسرا زندہ ہوتے ہوئے بھی نظروں سے اوجھل تھا۔۔۔ کب تک جی کو کڑا کیے رہتے۔۔۔ اشارے کنائے میں زینب بی سے کہہ دیا کہ شارق کو پاکستان بلا لیں' اگر وہ آنا چاہیں

تو۔! ماں نے جھٹ بیٹے کو فون کھڑکایا۔ شارق جیسے انتظار ہی میں تھے۔ اپنے چودہ سال کے بیٹے اور بیوی کے ساتھ پاکستان کے لیے فلائیٹ پکڑلی۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا پہنچنے سے محض ایک گھنٹہ قبل کریش ہوگئی۔ شوخ لہجے، چہکتی زندگیاں فضا میں بکھر گئیں۔!

نواب حسنین احمد خان کے لیے تقدیر کا یہ وار بڑا کاری تھا۔ شدید ہارٹ اٹیک ہوا مگر زندگی بچ گئی۔ انہیں پتا ہوتا کہ دوسری اولاد کا بھی مرا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوگا تو کبھی بھی شارق کو نہ بلاتے۔ دور رہتے۔ مگر زندہ تو رہتے۔!

☼ ☼ ☼

احرار گو کہ محض سولہ سال کا لڑکا تھا جس کی بھیگتی مسیں چہرے پہ بے حد بھلی محسوس ہوتیں۔ چھوٹی سی عمر میں بھی وہ نانا کے لیے قابل بھروسا تھا۔ حسنین احمد خان کو اس کی معاملہ فہمی پہ ناز تھا۔ اس کے مشورے قابل عمل ہوتے تھے۔ گھر کے در و دیوار سے ٹپکتی ماتمی خاموشی سے گھبرا کر اس نے نانا کو مشورہ دیا کہ گھر بیچ کر کسی کالونی میں شفٹ ہو جائیں۔ یہاں سے اچھی یادیں وابستہ نہیں ہیں۔ اس کی ماں اور ماموں کا کھیلتا بچپن، آنکھوں کے سامنے آ آ کر کہیں اس سے نانا، نانی نہ چھین لے۔ نواب حسنین احمد خان نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ وہ بھی تھک گئے تھے صدمے سہتے سہتے۔ ان کی ماں کی موت، ان کی اولاد کی موت اور ان کی دوستی کی موت، سب کا تعلق اس گھر سے جڑا تھا۔

حسنین احمد خان نے اپنے ایک اچھے جاننے والے کے ذریعے کوٹھی بکوا کر پوش کالونی میں خوب صورت گھر خرید لیا۔ یوں اس کوٹھی میں بھٹکتے ماضی کے لپکتے انگاروں سے دامن چھڑا کر حسنین خان نے یہ باب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

زندگی کچھ سہل ہوئی۔ غم زدہ روحوں کو تبدیلی کا روزن نصیب ہوا۔ زندہ رہنے کا جواز نظر آیا۔

حسنین احمد خان نے احرار خان کے لیے خود کو جیسے اتالیق مقرر کر لیا۔ جو کچھ اور کمیاں ان کے بیٹے میں رہ گئی تھیں، وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ احرار کی ذات میں کوئی خلا رہ جائے۔ وہ بیٹی کو روز محشر جواب دہ تھے۔

اور جب احرار کا ایم فل چل رہا تھا تب ہی ایک روز صبح اٹھنے پہ معلوم ہوا کہ برکت اللہ صاحب اپنے اہل و عیال کے ہمراہ ساتھ والے گھر میں شفٹ ہو چکے۔ حسنین احمد خان کو یوں خبر ہوئی کہ صبح صبح اخبار پکڑنے گیٹ کے قریب آئے تو گیٹ کے باہر چارپائی گھسیٹنے کی آواز سنی۔ حیرت زدہ ہوئے کہ ابھی تک اردگرد کے گھروں سے ایسی آواز کبھی نہیں سنی تھی۔ سب ہی کھاتے پیتے لوگ تھے۔ چارپائیوں والا سسٹم کہیں نظر تو نہیں آیا تھا۔ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر گیٹ وا کیا۔ سر باہر نکالا تو پتھر کے ہو گئے جیسے۔! باہر ساتھ والے کھڑے پہ برکت اللہ دھوتی کرتا پہنے، چارپائی بچھائے، تکیہ لگائے۔ حقہ گڑگڑائے جا رہے تھے۔ بجلی کا تار ان پر آ پڑتا تو شاید ایسا زوردار جھٹکا نہ کھاتے جیسا ابھی کھایا تھا۔ وہ تو صدمے سے جم ہی گئے جیسے۔ برکت اللہ نے آہٹ پر پلٹ کر دیکھا۔ حسنین احمد خان کو دیکھ کر آنکھوں میں عجیب سا تاثر ابھر کر معدوم ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے بھنویں تن گئیں، چہرے پر استہزائیہ تاثرات دانستہ پیدا کیے گئے۔ لمبا سا حقے کا کش لیا اور گردن کو قدرے جھکا کر بولے۔

"ہور سنا کبوترا۔! تیرا گوانڈی (ہمسایہ) بن کر آگیا ہوں۔!" حسنین احمد خان سٹپٹا گئے۔ شروع سے برکت اللہ ان کے گورے رنگ کی وجہ سے انہیں کبوتر کہتے تھے۔ مگر صرف تنہائی میں۔ یہ پہلا موقع تھا جب سرعام اس نام سے مخاطب کیا گیا۔ حسنین احمد خان نے تیوریاں چڑھائیں، اردگرد جھینپی، جھینپی نظر ڈالی۔ اکا دکا "پبلک" تھی کوئی خاص مجمع نہیں تھا سو گردن اکڑا کر ایک غصیلی نگاہ برکت اللہ پہ پھینک کر واپس اندر ہو لیے۔

اس کے بعد تو چل سو چل۔! ایسی نسل شروع

ہوئی کہ پوری کالونی واقف ہوگئی کہ برکت اللہ صاحب "حسنین احمد خان" کو کبوتر کہتے ہیں اور نواب حسنین احمد خان' برکت اللہ کو "بنٹا" کہتے ہیں۔ خود دونوں فریقین کے گھر کے افراد اس بات سے اب واقف ہوئے تھے۔ کم عمر بچوں کے ہاتھ تو گویا شغل آیا تھا۔ آپس میں بیٹھے "کبوتر تانا" اور "بنٹا دلوا" کی خوب تکرار کرتے۔

کچھ بھی تھا۔ دونوں گھرانے کے افراد ایک دوسرے کا ساتھ پاکر بے حد خوش تھے۔ خاص طور پر بے جی کو زینب نانی کا دوبارہ ساتھ ملا تھا۔ ان کی تنہائی کا خوب ازالہ ہوا تھا۔ ذرا گھر کے مرد گھروں سے گئے نہیں' یہ دونوں سر جوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ خوب ہنستیں' روتیں اور ایک دوسرے کو گلے لگا کر نہ جانے کس بات پہ تسلی دلاسے دیتیں۔

جمال صاحب کے دونوں بیٹوں سے احرار کی گاڑھی چھننے لگی۔ شام ہوتے ہی کبھی احرار تو کبھی اویس اور عمیس چھت پھلانگ کے اکٹھے مل بیٹھتے اور خوب محفل گرم ہوتی۔ جمال صاحب کے برعکس ان کے بیٹوں میں وہ ذہانت اور خوش روئی ناپید تھی جو کبھی ان کا خاصہ تھی۔ اور یس نے تو بمشکل بی کام نمٹایا تھا اور کاروبار میں کھپ گیا تھا۔ جب کہ عمیس تین سال سے اکنامکس میں ماسٹرز کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا مگر اس سال پھر کلیئر نہیں کر سکا تھا۔ شعر و شاعری کا شوقین تھا مگر ذوق رکشوں اور ٹرکوں تک ہی محدود تھا۔ سوائے "ماں کی دعا' جنت کی ہوا" کے ہر راہ چلتا شعر وہ پاکٹ ڈائری میں نوٹ کرنا فرض سمجھتا تھا۔ اور ڈائری کے سرورق پر بڑی نفاست و خوب صورتی سے بیل بوٹے بنا کر کے یہ شعر لکھا تھا۔

"سڑیانہ کر۔ دعا کر یا کر!"

خود بھی بلا کا شوق پایا تھا شاعری کا اور اکثر فی البدیہہ کہتا تھا۔ سوائے میاں جی کے سامنے!

ایک دفعہ غلطی سے میاں جی پہ شعر کہہ مارا تھا۔ انہوں نے پوتوں کو صحن میں کرکٹ کھیلتے دیکھا تو آگئے درمیان میں ناک منہ چڑھاتے۔ کرکٹ سے ویسے بھی انہیں بیر تھا' فرنگیوں کا کھیل کہتے تھے۔ گلی ڈنڈے کے شوقین تھے' باورچی خانے سے دودھ بلونے والی مدھانی منگوائی۔ فرش پہ مار کر اس کا چپو توڑا۔ پیچھے رہ گیا ڈنڈا اور گلی تو ریڈی میڈ ہاتھ میں آ ہی گئی تھی۔ لڑکوں کو اس کھیل کی افادیت میں دو چار باتیں کہیں۔ سب کو جوش چڑھ گیا' ہر کوئی میاں جی سے ضد کرنے لگا کہ اسے پہلا موقع دیا جائے۔ ایسی شاندار ہٹ لگائے گا گلی کو کہ گلی مسکین دوبارہ نظر نہیں آئے گی۔

اویس صاحب بھی پیش پیش تھے۔ میاں جی اڑ گئے کہ نہیں! ابتدا ان ہی کے ہاتھوں ہوگی۔ سب کے سب ایک وائرے کی صورت گلی نمانی کے اردگرد کھڑے ہوگئے۔ گونگلو میاں کچھ زیادہ ہی قریب تھے۔ جیسے ہی میاں جی نے ڈنڈا ہوا میں اٹھایا' ان کی بابا آدم کے زمانے کی ڈوری والی عینک یک دم پھسل کر گلے میں آپڑی۔ موٹے موٹے شیشے تھے' آنکھوں سے اترے تو نظر کیا خاک آتا۔ لے کر ڈنڈا دے مارا بے چارے گونگلو کے سر پہ۔ وہ ہائے وائے کرتا پورے صحن میں ڈکرانے لگا۔ گلی تو منے سے بچ گئی مگر گونگلو کے سر پر ایک عدد "ٹگا گونگلو" اگ آیا۔ میاں جی نے عینک دوبارہ سیٹ کی تو سامنے بے جی بغل میں گونگلو کو لیے انہیں گھور رہی تھیں۔ انہوں نے میاں جی کے خوب لتے لیے کہ آخر کو گونگلو ان کا سب سے لاڈلا پوتا تھا۔ میاں جی کان دبائے سنے گئے' پھر جیسے ہی بے جی گونگلو کو گلے سے لگائے واپس ہوئیں ٹھیک اسی لمحے "لال پیلے" ہوتے میاں جی کے لیے' عمیس کی زبان پھسل پڑی۔!

پیپل کے پتے کیا کھڑکھڑ لگائی ہوئی ہے۔
پرانے گئے اب نئے کی باری آئی ہے۔"

میاں جی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ایسا ناک کے گلی کا نشانہ مارا کہ برابر جا کر عمیس کے جبڑے پر لگا۔ اب کے عینک بھی نہیں پھسلی تھی لہٰذا چوکنے کا چانس ہی نہ تھا۔ پورا ہفتہ عمیس بلبلاتا رہا تھا۔ اس کے بعد سے اس نے میاں جی کو شعر سنانے کی حماقت کبھی

نہیں کی۔

"ہم م م۔! پھر آگے کیا۔؟" احرار نے بمشکل جماہی روکتے ہوئے نانی سے سوال کیا۔ وہ زینب بی کے لحاف میں گھسا بائنتی سے سر نکالے۔ کب سے بیٹھا بیٹھا وقت کے ٹھنٹھے پلٹ رہا تھا۔

"آگے کیا۔ چندا۔ بس دھول ہی اڑ رہی ہے۔" زینب بی نے اس کے الجھے بال اپنی نازک بوڑھی انگلیوں سے سنوارے۔

"نانی جان۔ چاند کہہ لیا کریں۔ چندا کولا نا مجھ پر ڈیو ہے۔" بڑی چاہت سے نانی کے ہاتھ تھام کر وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ زینب بی نے دھیرے سے دھپ لگائی اس کے سر پر۔ پھر ذرا سا جھک کر اس کے مہکتے بالوں سے بھرے سر کو چوم لیا۔ دو آنسو ایک ساتھ لڑھک کر بالوں میں کھو گئے۔

"تم ہو بہو اپنی ماں کا پرتو ہو احرار۔ ویسی ہی ریشم کے لچھوں سی باتیں کرتے ہو۔ لپیٹتے جاؤ۔ وقت کا احساس تک نہیں ہوتا۔"

"ہونہہ۔! یہ تو آپ کا لاڈ ہے نانی جان۔ ورنہ نانا جان فرماتے ہیں کہ مجھ سا خرانٹ ان کی پچھلی کئی نسلوں میں نہ گزرا ہوگا۔" احرار نے دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ آنکھیں میچتے ہوئے جواب دیا۔ زینب بی ایک آرزدہ سی سانس کھینچتے ہوئے بولیں۔

"تمہارے نانا دیمک زدہ عمارت ہیں احرار۔! بنیادوں میں اناگڑی ہے ورنہ کب کے ڈھے گئے ہوتے۔ انہیں اپنے کیے گئے غلط فیصلوں پر پچھتاوا ہے۔ دو اولادیں کھوئی ہیں انہوں نے۔ تم ہی وہ پتوار ہو احرار جو ان کی خستہ حال ناؤ کا رخ بدل سکتے ہو۔ اپنے نانا کے لیے ایک بار۔ محض ایک بار بیتا وقت دہراؤ۔ اب تو چل سو چل ہے۔ اپنے جگری یار کے ساتھ دل کا بار ہلکا کرلیں۔ مل بیٹھیں ایک بار پھر۔!"

وہ آنسوؤں سے رو دی تھیں۔ حسنین احمد خان جس طرح ٹوٹے تھے وہ ان کے سامنے تھا۔ اپنا دکھ کسی سے نہیں کہتے تھے۔ صرف ایک برکت اللہ ہی تو تھے جس سے ان کے دل کو آشنائی تھی۔ وہ دونوں کو ایک دیکھنا چاہتی تھیں۔

"کوشش تو کر رہا ہوں نانی جان۔ مسئلہ نانا جان کا نہیں ہے۔ بنتا دادا۔ اوہ۔ میرا مطلب برکت دادا کا ہے۔" زینب بی بی کے گھورنے پر اس نے فوراً" جملے کو ٹوئیٹ دیا تھا۔

"اب وہ کب اور کیسے مانیں گے' یہ سب قدرت پر چھوڑ دیں۔ وہ خود بخود سبب پیدا کرے گی۔ آپ بس دعا کریں کہ دیر نہ ہو۔"

"حرم کیا کہتی ہے۔؟" زینب بی نے آس سے پوچھا۔

"حرم۔ حرم کا تو دماغ ہر وقت گرم ہی رہتا ہے۔" احرار نے اپنی خوب صورت ناک کو ضرورت سے زیادہ چڑھا کر بولا۔

"ارے ہٹو۔ اتنی تو پیاری بچی ہے وہ۔ تم ہی اسے ستاتے ہو۔" زینب بی نے اس کے کندھے پر ذرا سا دباؤ ڈال کر پرے دھکیلا۔ وہ مزید قریب ہو کر بیٹھ گیا۔

"ہاں جی۔ بالکل بالکل۔ زبان بھی بہت پیاری ہے۔ آرام سے مجھے غصے میں "کھوتا" بول دیتی ہے۔" اس کے طنزاً" مسکرا کر کہنے پر زینب بی ہونٹوں پر ہاتھ رکھے بے تحاشا ہنسیں۔ احرار نے بڑے لاڈ سے انہیں دیکھا اور تب تک دیکھتا رہا جب تک وہ ہنسی روک کر بات کرنے کے قابل نہ ہو گئیں۔ لال انار ہو گئی تھیں وہ۔

"آہستہ بولو احرار۔ تمہارے نانا نے سن لیا تو بے نقط سنائیں گے۔ انہیں پہلے ہی تمہاری زبان بگڑنے کا اندیشہ رہتا ہے۔"

"ارے۔ وہ تو مجھے بارہا کہہ چکے ہیں کہ۔ برخوردار۔! آپ کا لب و لہجہ بگڑتا جا رہا ہے۔ نوابوں کی اولاد کم اور موالی زیادہ محسوس ہوتے ہیں۔ ہاہا۔ ہاہا۔!" وہ آواز کو خوب بھاری بھرکم بنا کر بولا اور خود ہی قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ زینب بی یک ٹک اسے دیکھے گئیں۔ بنا پلک جھپکے۔ یہاں تک کہ نمی

آٹھری۔۔۔ اور ایک آنسو بے تاب سا ہو کر پلکوں کی باڑھ پھلانگتا گال پر لڑھک آیا اور کسی غم زدہ جھری میں گم ہو گیا۔

"تم بالکل عائشہ جیسے دکھتے ہو اور شارق کی طرح شرارتی ہو۔۔۔ تم نے میری دونوں اولادوں کا عکس چرا لیا احرار۔۔۔!"

"تو میں آپ ہی کی اولاد ہوں نانی جان۔۔۔ اپنی ماں اور ماموں جیسا نہیں ہوں گا تو کیا برکت دادا جیسا دکھنا چاہیے تھا مجھے۔۔۔!" اس نے زینب بی کو ہنسانے کی سعی کی تھی۔۔۔ ان کی آنکھ کا آنسو اسے بے چین کر دیتا تھا۔۔۔ وہ بہت شکستہ اور بوڑھی ہو چکی تھیں۔

"ارے۔۔۔! تمہارے برکت دادا بھی بڑے کڑیل جوان تھے۔۔۔" ان کا دھیان بٹ گیا تو وہ مسکرا کر بولیں۔

"جانے دیں نانی جان۔۔۔ بے جی کہتی ہیں کہ وہ مریل تھے۔۔۔ کڑیل انہوں نے بنایا۔۔۔ خوراکیں کھلا کھلا کر۔۔۔"

"توبہ ہے لڑکے۔۔۔ کسی کو تو بخش دیا کرو۔۔۔ چلو۔۔۔ اب اٹھ جاؤ۔۔۔ مجھے کچھ آرام کرنے دو۔۔۔ پچھلے کئی گھنٹوں سے داستان امیر حمزہ سن رہے ہو۔۔۔ اپنے نانا کی غیر موجودگی کا خوب فائدہ اٹھایا تم نے آج۔۔۔" زینب بی نے ٹانگیں پھیلا کر لحاف برابر کیا اور نیم دراز ہو گئیں۔ ان کے چہرے سے تھکن ہویدا تھی۔۔۔ انہوں نے احرار کے بے حد اصرار پر ماضی کے بوسیدہ صفحات سے گرد جھاڑی تھی اور اس گرد میں احرار نے سونے کے ذرے جیسے چند لمحے کشید کیے تھے۔ ان کی روشنی میں اسے چند ٹکڑے ملانے تھے اور کچھ رونے منانے تھے۔

☼ ☼ ☼

حرم نے آج کالج سے چھٹی کی تھی۔۔۔ کسل مندی اس قدر تھی کہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ کالج نہیں جا سکی تھی حالانکہ فائنل پیپرز سر پر تھے۔ وہ اپنی اسٹوڈنٹس کا حرج ہونا افورڈ نہیں کر سکتی تھی مگر کل کا سارا دن اس نے بے جی کے ساتھ گزارا تھا اور ان سے ساری کتھا سن چکی تھی اور پھر سن ہوتے سر کے ساتھ بستر پر ڈھے گئی تھی۔۔۔ صورت حال اس کے سوچ اور توقع سے بڑھ کر سنگین تھی۔۔۔ وہ تو سمجھی تھی کہ میاں جی اور حسنین دادا میں کسی کاروباری معاملے کو لے کر ان بن ہو گئی مگر یہاں تو کئی کتھائیں آپس میں گتھم گتھا تھیں۔۔۔ ایک طرف اسے نواب زادی عائشہ کے لیے بے حد رنج تھا تو دوسری طرف۔۔۔ بے حد نفیس اور رکھ رکھاؤ والے جمال تایا کے لیے دل دکھ کر رہ گیا تھا۔۔۔ اک کسک سی دونوں کے دل میں دبی رہ گئی۔۔۔ بڑوں کے غلط فیصلے نے ایک کی زندگی اجاڑ کر رکھ دی تو دوسرے کا دل۔۔۔ بچپن سے ادھیڑ عمری تک ساتھ نبھانے والے دو دوست ایک جھٹکے کی مار نہ سہ سکے اور ہمیشہ کے لیے الگ ہو گئے۔۔۔ وہ میاں جی کو غلط نہیں سمجھ رہی تھی کیونکہ ان کا مان ٹوٹا تھا۔۔۔ ایک بار نہیں۔۔۔ دو بار۔۔۔ حسنین دادا نے جمال تایا کو رد کیا اور نواب زادہ شارق نے فوزیہ پھپھو کو۔۔۔ نتیجے میں جو دوستی۔۔۔ رشتے داری سے بڑھ کر تھی، وہ ہاتھ جھاڑتی بیچ میں سے نکل گئی اور سرد دشمنی کو جگہ مل گئی۔ جو آج تک جاری و ساری تھی۔۔۔ صرف شدت میں کچھ کمی واقع ہوئی تھی اور اب جو موجودہ صورت حال تھی اس کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے حسنین دادا تھوڑے سے مظلوم دکھائی دے رہے تھے۔۔۔ وہ اپنی دو جوان اولادیں کھو چکے تھے۔۔۔ جن کے ہونے کا جھگڑا تھا وہی نہیں رہے تھے۔۔۔ صرف ان کا غم مرتے دم تک ان کے ہمراہ تھا تو ایسے میں اس کے خیال میں میاں جی کو نرمی دکھانی چاہیے۔۔۔ انہیں اپنے یار کا غم بانٹنا چاہیے۔۔۔ نہ جانے کتنا غبار جمع ہو چکا ہو جس کے لیے حسنین دادا کو میاں جی کا کاندھا درکار ہو۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عفت سحر طاہر

خوشبو کا شہر

کھانے کی میز پر ایک دم خاموشی چھا گئی۔ پھر اس خاموشی کو ایک چھناکے کی آواز نے توڑا۔ جانے کس کے ہاتھ سے گر کر کچھ ٹوٹا تھا۔ (دل ٹوٹنے کی آواز تو نہیں ہوا کرتی) ملاحہ نے بے اختیار سوچا۔

موحد ناراض نظروں سے ماں کو دیکھتا' ایک لفظ کہے بنا کرسی دھکیل کر اٹھ گیا۔ ڈائننگ روم سے باہر نکلا تو دروازے میں منجمد مہاہ کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ سویٹ ڈش کا برتن زمین پر اس کے قدموں میں کرچی کرچی ہوا پڑا تھا اور کچھ ایسی ہی کرچیاں مہاہ کی آنکھوں میں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ ایک پل بھی وہاں رک نہ پایا۔ مہاہ آنکھوں میں آنسو لیے وہیں سے پلٹ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اسے ثمو چچی سے ایسی حرکت کی بالکل بھی توقع نہیں تھی۔ آغا جان کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ انہوں نے بے اختیار اٹھ کر آگے جھکتے ہوئے لمحہ بھر کو ثمو کے سر پر دستِ شفقت رکھا۔

"میرے دل کی بات کہہ دی تم نے تو۔ اس سے بڑھ کر مہو کی خوش قسمتی کیا ہوگی کہ وہ موحد آفندی کی دلہن بنے۔" پھر انہوں نے تائی جان کے اڑی رنگت والے اور مبین صاحب کے فق پڑتے چہروں کو دیکھ کر جتانے والے انداز میں کہا۔

"اور یہاں کسی کی کیا مجال ہے جو اعتراض کرے۔ اس بے نام و نشان شخص سے اعلا درجے کا رشتہ ملا ہے مہو کو۔" اور اب کس کی مجال تھی کہ ایک لفظ بھی ان کی تردید میں کہتا۔ تائی جان کا سارا احتجاج بھی اندر ہی دم توڑ گیا۔

"دیکھ لیا۔۔۔ کیسے ساری کی ساری جائیداد پر آنکھیں لگا کر بیٹھے ہیں یہ ماں' بیٹا۔ مہو کے نکاح کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہوئے رشتہ مانگ لیا اس کا۔" تائی جان خوش تو کیا ہوتیں ان کو اور ہی فکر لگ گئی اور اسی معاملے کی ادھیڑ بن میں مصروف مبین صاحب نے ناگواری سے انہیں دیکھا۔

"اس کی تو ویسے ہی پانچوں گھی میں ہیں۔ مہو سے شادی کر کے کون سے نئے کارخانوں کا مالک بن جائے گا۔"

"ثمو سے تو تمام عمر مجھے بھلائی کی امید نہیں۔ بنا کسی فائدے کے تو وہ اپنے بیٹے کا ایک بال بھی اکھاڑ کر نہ دے کسی کو۔ کجا ایک نکاح شدہ لڑکی کے لیے رشتہ دے۔ آپ مانیں یا نہ مانیں' کھیل کچھ اور ہی ہے۔" وہ مستقل تشویش میں مبتلا تھیں۔

"تم سے ایسی کون سی دشمنی تھی ماضی میں اس کی؟" مبین صاحب نے انہیں گھور کر دیکھا۔

"دشمنی نہیں تھی' مگر اس کی دوستی بھی ہمیشہ میرے دشمنوں سے رہی۔" وہ برجستہ بولیں تو اشارہ صاف طور پر وقار اور زرنگار کی طرف تھا۔

"کتنی حسرت تھی مجھے کہ اس گھر میں میری بہن میری دیورانی بن کر آئے۔ اگر وقار مان جاتا تو یہ کمینہ۔۔۔ آج کسی بلا کی طرح ہم پر نازل نہ ہوتا۔" وہ آزردہ سی بولیں۔ پھر انہیں گویا یاد دلایا۔

پندرہویں قسط

"اور جب وقار نے اس کوٹھے والی سے نکاح کیا تو اس گھر میں اس کے سب سے بڑے حمایتی یہی دونوں میاں بیوی تھے۔ اماں جی تک نے وقار کا ساتھ نہیں دیا تھا۔"

"تم بھی نا صدیقہ بیگم۔۔۔ بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو۔" وہ بدمزہ ہو کر بولے۔ "بات ثمرہ کے موجودہ اقدام کی ہو رہی ہے اور تم پچھلی باتیں نکال رہی ہو۔"

"دیکھیں جی۔۔۔ صاف اور سیدھی بات ہے' اگر موحد ثمرہ کا بیٹا نہ ہوتا تو جن حالات کا مہو شکار ہے' میں ایک منٹ بھی کچھ سوچے بنا اسے موحد کے ساتھ رخصت کر دیتی۔ مگر اب تو میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"مگر میرے خیال میں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔" مبین آفندی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگیں۔ وہ تو مہاہ کے نکاح پر نکاح سے راضی ہی نہ تھے۔

"وہ ہمارے حصے کے علاوہ ساری جائیداد کا مالک ہوگا صدیقہ بیگم۔ بڑا روشن مستقبل ہے اس کا۔ ہم نے موقع گنوا دیا تو سہیل اب کی بار نہیں چوکے گا۔ قدرت نے سمجھو ایک راستہ کھول دیا ہے ہمارے لیے۔" وہ دور کی سوچ رہے تھے۔ مگر نزدیک کی انہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ نکاح پر نکاح حرام۔۔۔ ان کی بیٹی کا زندگی بھر کا رشتہ ناجائز۔۔۔ مگر یہاں صرف دنیاوی مفادات دیکھے جا رہے تھے۔ جن کے فائدے وقتی تھے' مگر بدقسمتی سے مبین صاحب بھی اسی بھیڑ چال کا شکار ہو رہے تھے جس کی بنیاد آغا جان کی ڈالی ہوئی تھی۔

"میرے تمام تر اعتراض کے باوجود بھی آغا جان مہاہ کا رشتہ کرنے سے نہیں رکیں گے تو پھر موحد آفندی کیوں نہیں؟" وہ جانے کیا سوچ کر مطمئن تھے۔

"اور نہ فائدہ بھی ہوگا کہ کل کو وہ کمینہ شخص نکاح نامہ لے کر آ بھی جائے۔ تو کوئی ٹینشن نہیں ہوگی۔ اس ذلالت کے گڑھے میں گرنے سے بہتر ہے کہ خاموشی سے مہاہ کا نکاح موحد سے پڑھوا دیں۔" انہوں نے بات مکمل کی تو اب کی بار وہ شوہر کی بات کی گہرائی سمجھ گئیں۔ تو اب موحد آفندی اور مہاہ کی شادی ناگزیر ہو گئی تھی۔ پراپرٹی کے لیے بھی اور نمبر جیسے بے حمیت انسان کے شر سے بچنے کے لیے بھی۔ اور یہ خاکی خطاکار اپنے جیسے انسانوں کے شر سے بچنے کے لیے تو اقدامات کر لیتا ہے' مگر اللہ کے عذاب کے سے بچنے کا سامان نہیں کرتا۔۔۔ اور جو اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے بے شک ان کے لیے بڑے سخت عذاب کی وعید ہے۔

☼ ☼ ☼

وہ تو ثمرہ کے اس قدر غیر متوقع طور پر پروپوزل پیش کرنے کے بعد سے جیسے جلتے کوئلوں پر کھڑا تھا۔

"کیا ٹینشن ہے موحد۔۔۔ بیٹھ جاؤ۔ آرام سے بھی بات ہو سکتی ہے۔" وہ ان کے کمرے میں آیا تو شدید انتشار کا شکار تھا۔ انہوں نے اس کے تاثرات بھانپتے ہوئے رسان سے کہا۔ تو وہ ان کے سامنے بیڈ کے کنارے پر ٹک گیا۔

"یہ کیا مذاق ہے ماما؟"

"مذاق۔۔۔؟" انہوں نے ابرو اچکا کر پوچھا تو موحد لب بھینچ گیا۔

"کسی بے بس انسان کو گرداب سے نکالنا مذاق کب سے ہو گیا۔ پہلے تو نیکی ہوا کرتا تھا۔" انہوں نے بڑے تحمل سے طنز کیا۔

"مگر آپ نے مجھ سے پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا۔"

"تو کیا میں حق نہیں رکھتی تم سے پوچھے بنا تمہاری زندگی کا کوئی فیصلہ کرنے کا؟" انہوں نے دعوے سے پوچھا۔

"آپ کو تمام حقوق حاصل ہیں۔ مگر یہ معاملہ جذباتیت سے حل ہونے والا نہیں ہے۔" موحد نے احتجاج کیا۔
"ابھی بھی یہ جذباتیت یا جلد بازی ہے؟ ایک معصوم لڑکی کی زندگی کو اس کے لیے ایک شرم ناک سوال بنا دیا جائے گا۔ تب تم لوگ کوئی قدم اٹھاؤ گے؟" وہ تلخ ہوئیں۔
"میں آغا جان سے بات کر لیتا ماما۔۔۔ آپ جانتی ہیں مہواہ اس رشتے پر کبھی بھی راضی نہیں ہوگی۔"
"آغا جان زبردستی اسے رخصت کروا دیتے' کسی کے بھی ساتھ۔۔۔ اور تم لوگ بس اپنے انتقام کو سینے سے لگا کر بیٹھے رہتے۔" وہ درشت لہجے میں بولیں تو موحد جھنجلایا۔
"تو اس رشتے کا بھی کیا رنگ ہوگا اس کی نظر میں ماما۔۔۔ ایک ناجائز رشتہ۔۔۔؟"
"الجھے ہوئے ریشم کو نرمی اور سلیقے سے سلجھایا جاتا ہے موحد! مہو کو فی الحال تحفظ چاہیے اور وہ اسے ہم ہی دے سکتے ہیں۔ ورنہ آغا جان کو ان کی کرنی سے کوئی بھی روک نہیں سکتا۔ وہ نمیر آفندی کو نیچا دکھانے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔" وہ ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔
"مہو کو جو تحفظ موحد آفندی دے سکتا ہے' وہ اور کوئی نہیں دے گا۔ کیونکہ موحد جانتا ہے کہ مہواہ واقعی نمیر آفندی کے نکاح میں ہے۔" وہ اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے بولیں تو موحد دانتوں پر دانت جما کر رہ گیا۔ پھر ناراضی سے بولا۔
"یہ ان کا بھگتان ہے ماما۔ بھگتنے دیں ان کو۔ نمیر کو اپنے طریقے سے ہینڈل کرنے دیں یہ سب۔"
"مجھے صرف اس بچی کی فکر ہے موحد۔۔۔ اس کے خواب ٹوٹے ہیں۔ ایسے تو وہ شاید جی لے' لیکن موحد اور نمیر کے بدلے کی جنگ میں اگر وہ خود ٹوٹ گئی تو جی نہیں پائے گی۔" ثمو آزردگی سے بولیں۔
"جنگ میں گناہ گار یا بے گناہ کون دیکھتا ہے بھلا۔" وہ آرام سے بولا۔
"ہم دیکھیں گے۔" ثمو نے جتانے والے انداز میں کہا تو وہ گہری سانس بھرتا اٹھ کھڑا ہوا۔ واقعی وہ کب تک آغا جان کو مہواہ کا رشتہ کرنے سے روک سکتے تھے۔ آغا جان لڑکے والوں کو بتا بتائے یہ ناجائز رشتہ جوڑ کر نمیر آفندی سے چھٹکارا پا لینا چاہتے تھے' تو کیا بہتر نہ ہوتا کہ جب تک نمیر کا معاملہ کسی کنارے پر نہ لگتا' وہ مہواہ کو اپنی "تحویل" میں لے لیتا۔ وہ الجھا ہوا سا ان کے کمرے سے نکلا تو پھر ثمو کی آواز پر بھی نہیں رکا تھا۔

☼ ☼ ☼

مہواہ بے یقینی کی زد میں تھی۔ دماغ گویا ابھی تک جھنجھنایا ہوا تھا۔ آغا جان تو مانا کہ نمیر کی ضد میں آ کر ایسا فیصلہ کر رہے تھے' مگر یہ ثمو چچی؟ اور کیا موحد واقف نہیں ہوگا ان کے ارادوں سے؟ کیا گیم کھیلنے والے تھے یہ لوگ اس کے ساتھ۔
"آپی۔۔۔ اللہ کا واسطہ ہے اب بس کر دو۔ جس بات پر اپنا اختیار نہ ہو اسے اللہ پر چھوڑ دینے میں ہی بھلائی ہوتی ہے۔" ملاحہ نے اسے مسلسل آنسو بہاتے دیکھ کر بے بسی سے کہا تو اس نے آنسوؤں سے بوجھل سرخ ہوتی شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔
"جو کچھ میری زندگی کے ساتھ ہو رہا ہے' اگر میں ساری عمر بھی روتی رہوں تو اس نقصان کی بھرپائی نہیں ہو سکتی۔"
"شکر کرو کہ گھر سے باہر کہیں رشتہ طے نہیں کر دیا آغا جان نے۔ ثمو چچی سے تو ہم خود بات کر لیں گے۔" ملاحہ نے امید کی کرن اس کے ہاتھ میں تھمائی۔

"سب کو پتا ہے کہ اب جو بھی نکاح ہوگا وہ ناجائز ہوگا۔ پھر بھی سب ایک ہوگئے ہیں اور ابو کو بھی فوائد نظر آگئے میرے اور موحد کے رشتے میں۔" وہ سب سے برگشتہ تھی۔

ملاحہ نے پاس بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔ "آپی۔۔۔ تم موحد بھائی سے بات کرسکتی ہو۔ جب تک نمیر سامنے نہیں آتا' وہ تمہارے ساتھ نکاح کا ڈھونگ تو کرہی سکتے ہیں۔ کہیں اور تمہارا رشتہ ہونے سے بچانے کے لیے۔"

مہاہ نے برہمی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ "کھیل ہی سمجھ لیا ہے تم سب نے نکاح جیسے معتبر رشتے کو۔"

ملاحہ خفیف سی ہوئی۔ "میں تو صرف حالات کی وجہ سے کہہ رہی ہوں آپی۔ موحد بھائی تو سارا معاملہ سمجھتے ہیں۔ شاید تمہاری بات پر راضی ہوجائیں۔ ورنہ اگر آغا جان نے زبردستی کہیں اور تمہارا رشتہ طے کردیا تو اس شخص کے ساتھ تو جائز ہو یا ناجائز۔۔۔ زندگی گزارنی ہی پڑے گی۔"

"اُف۔۔۔" مہاہ نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"سب نے اپنی اپنی بساط بچھا رکھی ہے۔ یہاں سب کے مہرے کامیاب ہیں۔ پٹ رہی ہوں تو صرف میں۔" اس کی آواز دکھ اور آنسوؤں سے بوجھل تھی۔ ملاحہ کا دل بہن کی ہمدردی اور آنکھ آنسو سے بھر گئی۔

"اللہ بہتر کرے گا آپی۔ آزمائشیں بھی اس کے پیاروں پر ہی آیا کرتی ہیں۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔" ملاحہ کا لہجہ اعتماد سے عاری تھا۔ اس طرح کے پراعتماد جملے جو ہمیں پورے یقین کے ساتھ بولنے چاہئیں' عموماً ہم یونہی عادتاً "ضرب المثل" سمجھ کر بول دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ پر اور اپنی دعا کی قبولیت پر پورا بھروسا ہی دعا کی قبولیت کا باعث بنا کرتا ہے۔ مگر کوئی ہے جو سوچے سمجھے؟

مہاہ سر ہاتھوں پر گرائے ابھی بھی سسک رہی تھی۔ زندگی ایک سوالیہ نشان بن جائے تو جینے کا مزہ چھن جایا کرتا ہے۔ مہاہ بھی ایک ایسے ہی دوراہے پر آن کھڑی ہوئی تھی کہ جہاں آگے یا پیچھے۔۔۔ خسارہ ہی خسارہ تھا۔ اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

☼ ☼ ☼

وہ ابھی یکے بعد دیگرے دو میٹنگز اٹینڈ کرکے آیا تو تھکن زدہ سا آکر اپنی کرسی پر گر سا گیا۔ سر میں ہلکا ہلکا درد رات سے ہی تھا۔ کچھ گھریلو مسئلے کی ٹینشن' اوپر سے میٹنگز۔۔۔ وہ ریوالونگ چیئر میں دھنسا نیم دراز سا آنکھیں موندے ہوئے تھا' جب موبائل کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے اسی سستی کے ساتھ سیدھا ہوئے بنا محض ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھا لیا۔ سومیہ کا نام اسکرین پر جگمگاتا دیکھ کر اس نے لمحہ بھر کو لب بھینچے۔ گھنٹی مسلسل بجتی رہی۔ اس نے گہری سانس بھر کر کال اٹینڈ کرلی۔

"کیا بات ہے' اب کال اٹینڈ کرنے سے بھی کترانے لگے ہو۔" وہ جلبلا کر بولی۔

"انسان بزی بھی ہوسکتا ہے۔" موحد نے رسان سے کہا۔ تو اس نے ذرا سا توقف کیا۔ پھر دھیمے لہجے میں بولی۔

"پھپھو بتا رہی تھیں کہ تم مہاہ سے شادی کررہے ہو۔" موحد کا دماغ لمحہ بھر کو جھنجھنا اٹھا۔

"یہی کنفرم کرنے کے لیے تم نے کال کی ہے؟"

"تو اب میرا کال کرنا بھی تمہیں برا لگ رہا ہے۔" اس کی زکام زدہ سی آواز سن کر۔۔۔ دفعتاً موحد کو اندازہ ہوا کہ وہ شاید روتی رہی تھی۔

"برا نہیں لگ رہا۔ طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" موحد نے نرمی سے کہا۔ تو چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ اسی رندھے لہجے میں بولی۔

"کیا یہ ضروری ہے کہ نمیر کے بعد اب موحد آفندی بھی مہاہ کو ہی ملے؟" موحد بھک سے اڑا۔ بے ساختہ ہی

سیدھا ہو بیٹھا۔
"تم تو ان سب سے بدلہ لینے کے لیے واپس آئے تھے موحد۔ اب کہاں گیا وہ انتقام؟"
"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے سومیہ۔ تم اس سارے قصے سے دور ہی رہو۔ فار گاڈ سیک۔"
"میرا مسئلہ تم ہو موحد۔ نمیر تو اپنا چکا تھا مہاہ کو۔ تم اس قصے کے بیچ کہاں سے آگئے؟" وہ سرکشی پر اتری۔ موحد کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ نمیر کو سمجھائی تو موحد اور مہاہ کا حوالہ دے کر مگر اب جب واقعی موحد اور مہاہ کا قصہ چل نکلا تو دل کسی نے مٹھی میں کر لیا تھا۔
"تم ایک بار فیصلہ کر لو سومیہ کہ تم مجھ سے چاہتی کیا ہو۔"
"میں یہ چاہتی ہوں کہ نمیر آفندی مہاہ کی رخصتی کروائے تاکہ موحد آفندی۔۔۔" وہ قطعی لہجے میں بولی۔
"اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو پھر تم کیوں اس کی بلا اپنے سر لے رہے ہو۔"
"میں پہلے ہی بہت مشکل میں گھرا ہوا ہوں سومی۔ فار گاڈ سیک۔ آغا جان اسے یوں ہی کسی کے ساتھ رخصت کرنے پر تلے ہیں اور ماما کو بھی ایک حل سوجھا ہے اسے بچانے کا۔"
"جن رشتوں کا کوئی نام نہ ہو وہ ناجائز ہی کہلاتے ہیں موحد۔" وہ جتانے والے لہجے میں بولی۔
"بعض رشتوں کا نام محض انتقام ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی تم ایک ایسا ہی رشتہ سمجھ لو۔" وہ اب پرسکون تھا۔
"اینڈ ڈونٹ وری۔ جس دن نمیر سامنے آگیا۔ موحد اور مہاہ کا رشتہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ پھر نمیر آفندی جانے اور آغا ذوالفقار آفندی جانیں۔"
"تم سب مرد اسی قدر ظالم ہوتے ہو کیا؟" ذرا ٹھہر کر سومیہ نے تلخی بھرا سوال کیا تھا۔
"سارا ظلم آغا جان نے کیا اور سزا بھگت رہی ہے مہاہ۔ کیوں موحد؟ تم کیا سمجھتے ہو اپنے خواب سے کٹ کر جینا آسان ہوتا ہے؟ نہیں موحد آفندی! پل پل کی موت ہے یہ۔ کوئی مجھ سے پوچھے ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں کیسے آنکھوں کو لہولہان کرتی ہیں۔ میں بھی تو مہو جیسی ہی زندگی گزار رہی ہوں۔" اس کا لہجہ بھرا گیا تو اس نے لائن کاٹ دی۔ موحد ساکت سا کتنی ہی دیر موبائل کان سے لگائے بیٹھا رہا۔

☼ ☼ ☼

تائی جان کی خاموشی ان کی رضامندی کو ظاہر کر رہی تھی۔ سائرہ چچی نے طنزیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔
"اب کیسے آپ کا دل کیا مہو بھابھی کی بات ماننے کو۔ کل تک تو وہ دونوں ماں بیٹا ہمیں لوٹ کر کھانے والے تھے۔" تائی جان نے تپتی نگاہوں سے ان کو دیکھا۔ پھر سرد مہری سے بولیں۔
"تم نے بھی تو دل بڑا کر کے مہو کا چھوڑا ہوا رشتہ قبول کیا ہی تھا نا اپنی تزئین کے لیے۔ موحد تو ماشاء اللہ لاکھوں میں ایک ہے۔ اب اللہ نے مہو کا نصیب اس کے ساتھ جوڑ دیا تو ہماری دم مارنے کی کیا مجال۔" ان کی بات کا انداز چچی جان کو پہلو بدلنے پر مجبور کر گیا۔
"تا تو طلال میں کون سی کمی تھی بھابھی۔ قصور تو مہو ہی کی قسمت کا تھا بس۔" وہ تیکھے لہجے میں داماد کی حمایت پر اتریں۔
"چلو۔ خیر۔ مہو کو اس سے لاکھ گنا اچھا بر مل گیا۔" تائی جان نے بے نیازی سے کہا۔
(ہاں۔۔۔ دونوں دفعہ ہی) وہ دل ہی دل میں تمسخر سے ہنسیں۔ مگر بظاہر بڑی سادگی بھری ہمدردی سے کہا۔
"بالکل بھابھی! اب چاہے نکاح پر نکاح گناہ ہی سہی مگر کم از کم ایک طوائف زادے کی ساس ہونے کا لیبل تو ہٹ جائے گا نا۔"

تائی جان کے تو مانو کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔ بس نہ چلا کہ رکھ کر ایک زوردار طمانچہ دیورانی کے منہ پر جڑ دیتیں۔ مگر مجبوری تھی کہ اس طنز کو کڑوے گھونٹ کی طرح پینا ہی پڑا۔ مگر بڑے حوصلے کے ساتھ فخریہ لہجے میں بولیں۔

"جس کو اللہ عزت دے رہا ہو سائرہ! اس سے کوئی چھین نہیں سکتا۔ مہو اس بے حیا بے نام ونشان کے نصیب میں تھی ہی نہیں۔ اور نہ اس کی حیثیت ایسی تھی کہ وہ تاعمر مہو کا نصیب رہتا۔"

اور موحد آفندی جیسا شاندار (اور اب شاید کروڑ پتی) داماد جس کو مل جائے وہ کیوں نہ صدیقہ بھابی جیسی بڑھکیں مارے۔ سائرہ چچی کا ہاتھ ملنے کو جی چاہا۔ کہا تھا اس تزئین کی بچی سے مہو کا جھوٹا نہ چاٹ۔۔۔ آج رو رہی ہے اپنی قسمت کو۔ وہ طلال کا بچہ اندر سے مہو کا ہی رہا۔ اور ادھر موحد آفندی۔۔۔ ہک ہا۔ تائی جان نے بنظر غائر ان کا حسرت سے تاریک پڑتا چہرہ دیکھا تو دل میں ٹھنڈ سی پڑ گئی۔ چچی جان نے وہاں سے اٹھ جانا ہی مناسب سمجھا۔

☼ ☼ ☼

"لو جی۔۔۔ اب یہ کام شروع کر دیا مہو بی بی نے۔ ایک نکاح کر کے چین نہیں آیا اسے؟" ماں نے واٹس ایپ پر فوری طور پر یہ خبر تزئین بیٹی کو سنائی تو وہ خوامخواہ ہی تنکی۔

"اور کہاں گئے وہ دعوے مہو کے۔۔۔ موحد کو تو جوتے کی نوک پر رکھتی تھی وہ۔"

"میری تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ثمرو کو کون سی بوٹی سنگھا دی ہے مہو نے۔ جانے بوجھتے آگ ہاتھ میں لے رہے ہیں ماں بیٹا۔"

"وہ تو کل کو پتا چلے گا جب نمیر نکاح نامہ لے کر ان کی شادی میں پہنچ جائے گا۔ مجھے تو موحد پر حیرت ہو رہی ہے امی۔"

"اور اس عقل کی اندھی ثمرین کو میری فرزین نظر نہیں آئی۔ تم نے تو بے وقوفی کر ہی لی ورنہ آغا جان کا کہا کبھی نہ ٹالتا موحد۔ اور تم آج چین کی بنسی بجا رہی ہو تیں۔" ان کی حسرت الفاظ کا روپ پہن کر سامنے آئی تو تزئین کو ماں کے الفاظ پر اعتراض ہوا۔

"طلال کون سا کم ہے موحد سے امی۔ وہ تو اس مہو کی بچی نے پتا نہیں کیا جادو کر رکھا ہے اس کے دل پر۔۔۔ خیر۔ اب مہو اور موحد کی پکی رپورٹ سنے گا تب اس کا دل صحیح ٹھنڈا ہو گا۔ پھر قدر آئے گی میری۔" تزئین کو مسرت سی محسوس ہوئی۔ مہو کو طلال سے چند قدم اور دور جاتے دیکھ کر۔ مگر حقیقت اللہ ہی جانتا تھا کہ عزت کا تاج کس کے سر پر سجنے والا تھا اور ذلت کس کا نصیب بننے والی تھی۔ انسان تو بس اپنے جوڑ توڑ میں مصروف رہتا ہے جبکہ جوڑنے والا بھی وہ اللہ اور توڑنے والا بھی۔ تو پھر کوئی ہے جو سوچے سمجھے؟

☼ ☼ ☼

وہ ایک دھماکے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔ موحد نے بے اختیار فائل میز پر رکھ کر آنے والا کو دیکھا۔ سرخ اور سیاہ پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس سیاہ دوپٹے کو گردن میں لپیٹ کر آگے ڈالے مہرماہ بے یقینی بھری آنکھیں لیے اسے گھور رہی تھی۔

"یہ کسی شریف آدمی کے کمرے میں داخل ہونے کا کون سا طریقہ ہے؟" اس کی طرف گھومتے ہوئے موحد نے رسان سے پوچھا تو وہ چبا کر بولی۔

"شریف آدمی ہوتا تو میں اپنے طریقے پر ضرور غور کرتی۔" موحد نے استفہامیہ بھنویں اچکاتے ہوئے اس کا

موڈ بھانپنے کی گویا کوشش کی۔
"تو پھر یہی بتادو کہ اس بدمعاش آدمی کے کمرے میں تم کیا کرنے آئی ہو؟" بڑے غور و فکر کے بعد پوچھا گیا۔
"تمہیں شرم نہیں آئی نکاح پر نکاح کا پیغام بھجواتے ہوئے؟" وہ بھرائے لہجے میں غصے سے بولی۔
"تم اس نکاح کو مانتی ہو؟" لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد موحد نے پوچھا۔
"میں مانوں یا نہ مانوں مگر ایک ناجائز زندگی گزارنے کا شوق نہیں ہے مجھے۔" وہ چیخی تو موحد نے بے اختیار کان پر ہاتھ رکھا۔
"میرے لیے زندگی پہلے ہی بہت مشکل ہے۔ اسے مزید گنجلک نہ بناؤ اللہ کا واسطہ ہے۔" اس نے دکھ سے کہتے آخر میں دونوں ہاتھ موحد کے آگے جوڑ دیے۔ تو آنکھیں ضبط کے باوجود چھلک گئیں۔
موحد نے ان بندھے ہاتھوں کو دیکھا۔۔۔ یہ وہ ہاتھ نہیں تھے جن کو وہ کبھی بندھا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی دربدری کے چودہ سالوں کا انتقام لینے آیا تھا۔ مگر اس پل اس کے دل نے اسے اچھی طرح باور کرادیا کہ مہرماہ کے معاملے میں وہ نمیر آفندی کی طرح ظالم کبھی نہیں بن سکتا تھا۔
"آنا جان تمہیں کسی کے بھی ساتھ رخصت کردیں گے مہر۔۔۔ ماما نے اگر یہ فیصلہ کیا ہے تو کچھ سوچ کر ہی کیا ہوگا۔" آگے بڑھ کر اس کے بندھے ہاتھوں کو کھولتے ہوئے موحد نے نرمی سے کہا۔
"میرے بارے میں کوئی بھی مت سوچے۔" اس نے بری طرح سے موحد کے ہاتھوں کو جھٹکا۔ تو وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔
"اور تم۔۔۔ موحد آفندی! کیا ہمیں نظر نہیں آتا کہ تم کس چکر میں ہو؟ آنا جان کی سیٹ ہتھیانے کے بعد شاید میرے ذریعے تم باقی سب کا حصہ بھی ہتھیانا چاہتے ہو۔" وہ تلخ و ترش لہجے میں بولی۔
"واہ کیا دماغ پایا ہے۔ بڑی جلدی معاملے کی تہ تک پہنچ گئیں تم تو۔" وہ ایک ثانیے کو حیران سا ہوا پھر بیساختہ مسکرا دیا۔
"کوئی عقل کا اندھا بھی یہ سب دیکھ سکتا ہے۔" وہ تلخ ہوئی۔
"اوکے۔۔۔" وہ گہری سانس بھر کر پیچھے ہٹا۔
"میں تو ازراہ ہمدردی ماما کی بات مان رہا ہوں۔ سوچا تھا نمیر آفندی کا معاملہ کسی سائیڈ پر لگنے تک تمہیں "سیاسی پناہ" دے دوں گا۔ لیکن خیر۔۔۔ تمہیں شاید عقل کی اندھی بننے کا زیادہ شوق ہے۔ اب تم جانو اور تمہارے آنا جان۔" اس کی بات نے مہرماہ کو چپ سا کردیا۔ یہی بات۔ کل پرسوں ملاحہ بھی کررہی تھی۔
اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔ موحد اب اپنی فائل اٹھا کر کھولتے ہوئے واپس پلٹ گیا۔ یعنی کہ اب وہ جاسکتی تھی۔
"میں سوچوں گی اس بارے میں۔" اس کی سما سے مہرماہ کا چور سا لہجہ ٹکرایا۔
"بہت شکریہ مہربانی۔۔۔ اور ہاں۔ جہاں سے کمرے میں آئی ہو' باہر نکلنے کا بھی وہی راستہ ہے۔" وہ رکھائی سے سرد لہجے میں بولا تو مہرماہ کا دل چاہا کوئی وزنی شے اٹھا کر اس کے سر میں دے مارے۔ وہ غصے سے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔ مگر جاتے ہوئے دھڑام سے دروازہ بند کرنا نہ بھولی تھی۔

☼ ☼ ☼

"موحد نہیں تو کوئی بھی اور ہوسکتا ہے مہو۔ مگر یہ نکاح ہر حال میں ہو کر رہے گا۔۔۔ گناہ کمانا منظور ہے مگر اس ننگ انسانیت کو داماد کے روپ میں قبول کرنا منظور نہیں۔" تائی جان کا اٹل جواب تھا۔ مہرماہ کی تو زبان ہی بند

ہو گئی۔ ماں کی اس قدر شقی القلبی دیکھ کر۔

"اس کی تو ماں کو قبول نہ کیا اس گھر میں کسی نے۔ کجا اس کی ناجائز اولاد کو اپنا داماد بنانا ہو نہہ۔" انہوں نے اس قدر نفرت سے کہا کہ بس تھوکنے کی کسر رہ گئی تھی۔ مہرماہ کے دل و دماغ پر زور کی ضرب پڑی۔ تو وہ خود پر سے قابو کھو کر چلا اٹھی۔

"بس کر دیں امی۔ اللہ کا واسطہ ہے اب تو اس اکڑ اور خاندانی غرور کو چھوڑ دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ کا داماد بن چکا ہے۔ آپ کے خاندان کو جو گرہن لگنا تھا لگ چکا۔ اس سے نمٹنے کی بجائے آپ لوگوں نے مجھ سے چھٹکارا پانے کی ترکیب شروع کر دی ہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ تو تائی جان کو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"کیا تھا اگر اس کی ماں ایک طوائف تھی امی۔ کیا طوائفیں انسان نہیں ہوا کرتیں؟ کیا ان کے دل میں عزت پانے کی چاہ پیدا ہو جانا کوئی انوکھا امر ہے؟ اگر چچا جان نے ان سے شادی کی تو آپ لوگوں نے یہ کیوں نہ سوچا کہ ان کی قسمت میں یہی عورت لکھی تھی۔ اور قسمتیں انسان خود نہیں لکھا کرتے امی۔ جوڑے اللہ بناتا ہے پھر آپ لوگوں نے اللہ کے فیصلے پر اعتراض کیوں کیا؟ اگر وقار چچا کا دل اتنا وسیع ہو سکتا تھا ایک طوائف کے لیے تو آپ لوگ اپنا ذہن کیوں وسیع نہ کر سکے۔ کیا ان کو اپنا خاندانی جاہ و جلال پتا نہیں تھا؟ پھر بھی انہوں نے یہ قدم اٹھایا۔ ایک عورت کو عزت کی زندگی دی۔"

"اولاد تو حرامی ہی نکلی نا اس کی۔ دیکھا نہیں کیسا بٹا لگا دیا ہماری عزت کو۔" وہ جلبلا کر بولیں۔ تو انداز میں بے حد تکلیف تھی۔

"کل کسی کے ساتھ آپ نے اچھا کیا ہوتا تو آج آپ کے ساتھ برا نہ ہوتا۔" مہرماہ نے تلخی سے کہا۔

"اب اپنی بکواس بند کر دو مہو۔ تمہاری وجہ سے ہمارے خاندان کی عزت چورا ہے پر آن پڑی ہے۔ ہم اس عزت کو سنبھالنے کے چکر میں ہیں اور تم اس طوائف کی ہمدردی میں ہلکان ہو رہی ہو۔" وہ غصے سے بولیں۔

"غلطی کا مداوا کبھی بھی کیا جا سکتا ہے امی..... نمیر کو بلائیں۔ اس سے بات کریں وہ کیا چاہتا ہے۔ پھر معاملہ ختم ہو جائے گا۔" وہ بے بسی سے گویا ہوئی۔

"کبھی کبھی تو مجھے شبہ ہونے لگتا ہے جیسے نمیر سے نکاح تم نے اپنی مرضی سے کیا ہے۔" تائی جان نے غصے سے کھولتے دماغ کے ساتھ اپنے مخصوص رگیدنے والے انداز میں کہا تو وہ سن رہ گئی۔

"وہ ذلیل انسان ہماری عزت اور تمہاری زندگی رول گیا اور تمہیں اسی کی حمایت سوجھ رہی ہے۔ جاؤ جا کر باپ دادا کو کہہ دو اسی لوفر کے ساتھ رخصت کر دیں تمہیں۔"

"امی..... یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔" ملاحہ نے بہن کی خطرناک حد تک زرد پڑتی رنگت دیکھ کر جلدی سے آ کر ماں کو ٹوکا۔

"آپی کا کیا قصور ہے اس سب میں؟ یہ تو آپ سب کا بویا ہوا کاٹ رہی ہیں۔" مہرماہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ تائی جان نے تیز نظروں سے ملاحہ کو دیکھا۔

"تم چپ رہو۔ سمجھیں۔ اس کی فضول کی ضد توڑنے کے لیے ایسی باتیں ضروری ہیں ورنہ وہ موحد سے شادی پر کبھی راضی نہیں ہوگی۔ اور اس رذیل شخص کے نکاح نامے کو سینے سے لگا کر زندگی برباد کر لے گی اپنی۔"

"یہی تو ہماری غلطی ہے۔ اکثر ہم انسان کی ضد توڑنے کی کوشش میں انسان ہی کو توڑ دیتے ہیں۔ باتوں کے بھالے دل میں کھب جائیں تو پھر کبھی نہیں نکلتے امی۔" وہ دکھ سے بولی۔

"اچھا اچھا اب یہ رسالوں سے پڑھے ہوئے ڈائیلاگز بند کرو۔ مجھے جو اور جیسا مناسب لگ رہا ہے میں ویسے

ہی کروں گی۔" انہوں نے اسے جھڑکا۔ تو وہ منہ بنا کر اٹھ گئی۔
"ہونہہ۔۔۔ کل کی پیدا ہوئی نسل اب ہمیں زندگی کا سبق پڑھائے گی۔" ملاحہ نے دروازے سے نکلتے ہوئے ان کی بڑبڑاہٹ سنی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں نے کہا تھا نا آپی۔ اب اپنے دماغ سے کام لو۔ امی اور آغا جان تو ایک تصویر کے دو رخ ہیں۔ ان کے فیصلے عموماً" دوسروں کی خواہشات کے بلبے پر طے ہوتے ہیں۔" وہ سیدھی کمرے میں آئی تو مہرماہ سخت رنجیدہ تھی۔ ملاحہ جذباتی ہوئی۔
"اب یہی کروں گی۔۔۔" مہو نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "یہ میری زندگی ہے اس کے فیصلے بھی اب میرے ہی ہوں گے۔"
"ویری گڈ ڈسیژن۔۔۔ (بہت اچھا فیصلہ)" ملاحہ نے اس کی ہمت بندھائی۔

"اپنی زندگی خود گزارو آپی۔ بہت گزار لی دوسروں نے" مہرماہ نے جلتی آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

گھر میں خاموشی سے ہی سہی مگر مہرماہ اور موحد کے نکاح کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ تو مہرماہ کا دل گویا کسی نے مٹھی میں کر لیا۔
"تم سے نکاح کے بعد میرے لیے باعزت راستہ موت ہے موحد! سو اس رشتے کے قائم ہونے کے بعد بھی اپنی حدود و قیود یاد رکھنا۔" مہرماہ نے کچھ اس قدر نڈر انداز میں موحد تک اپنی بات پہنچائی کہ وہ ساکت سا رہ گیا۔ پھر اس کا بازو تھام کر اسے ہلکا سا جھٹکا دیتے ہوئے دانت پیس کر بولا۔
"تم کیا سمجھتی ہو لو میرج کر رہا ہوں تمہارے ساتھ؟ یا اتنا ہی بیتاب ہوں کہ اور کوئی رشتہ نہیں مل رہا مجھے؟ ماما کا کہا نبھا رہا ہوں بس۔ ورنہ کوئی افیکشن نہیں تم میں اور نہ اس رشتے میں میرے لیے۔" اس کا انداز اہانت آمیز تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو مہرماہ اس قدر انسلٹ پر شاید اس کا منہ ہی نوچ لیتی۔ لیکن اس پل تو یہ الفاظ سن کر مہرماہ کے اعصاب پرسکون ہوتے چلے گئے۔ اور کچھ تمو کا دھیما انداز۔
"جب تک نمیر آفندی سامنے نہیں آتا موحد کو اپنی پناہ گاہ سمجھو۔ آغا جان کو ان کے ارادے سے روکنے کا بس یہی ایک طریقہ ہے مہر۔ اس کے بعد جو بھی فیصلہ تم کرنا چاہو گی وہ کرنا۔" اور اب وہ خاموشی سے اس نکاح کی تیاریاں دیکھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

طلال کے اندر تک ایک سناٹا سا اتر گیا۔
"اب بتاؤ۔۔۔ کیا جھوٹ کہا تھا میں نے۔ کیسے چکر چلا کر آغا جان کا میلینئر پوتا ہاتھ کیا ہے اس نے" تزئین کو تو طلال کی اڑی رنگت نے مزہ ہی دے دیا۔ تو تمسخرانہ بولی۔ اس روز کی لڑائی کے بعد بہ مشکل ان کے تعلقات معمول پر آئے تھے کہ اب تزئین نے ایک نیا بھالا سیدھا دل میں کھبو دیا۔ طلال کو وقت لگا خود کو سمیٹنے میں۔
"وہ میں ہی ہوں طلال نوید! جس نے سچی محبت کی تھی تم سے اور جو تمہارے اتنے ناروا سلوک کے بعد بھی تمہارے ساتھ رہ رہی ہوں۔" وہ احسان جتانے والے انداز میں بولی۔ مگر وہ یوں بپھرے گا یہ تزئین کے وہم و گمان

میں بھی نہ تھا۔

"تو مت کرو برداشت یہ ناروا سلوک۔ طلاق لو اور گھر جاؤ۔ مگر اپنی خود ساختہ محبت کا احسان میرے سر مت دھرو۔ تمہاری سچی محبت کی ہی نظر لگی ہے ہمیں۔" اس کا بازو دبوچ کر بے رحمانہ انداز میں جھنجھوڑتے ہوئے وہ غرا کر بولا تو وہ طلال کی سفاک گرفت میں درد سے بلبلا اٹھی۔ زبردستی اپنا بازو چھڑوا کر چلائی۔

"جو محبت تھی ہی نہیں اسے نظر کیا خاک لگتی۔ تم اس کے لیے محض ٹائم پاس تھے طلال نوید..... اب تو سمجھ جاؤ اس حقیقت کو۔"

"بکواس بند کرو اپنی....." وہ مٹھیاں بند کیے خود پر ضبط کی کوشش میں ہانپتا غرایا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد تزئین نے اپنا انداز یکسر بدلا۔ اور بہت ہارے ہوئے انداز میں بولی۔

"حقیقت کو مان لو طلال۔ تھوک دو ماضی کے اس تعلق پر۔ کیونکہ وہ غلاظت کے سوا کچھ نہیں تھا۔" وہ بستر پر گر سا گیا۔ تزئین اس کے پاس آ بیٹھی۔ اور نرمی سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"ہم کیوں اسے یہ خوشی دیں کہ وہ طلال نوید کو بے وقوف بنا تی رہی ہے؟" طلال خاموش اور بے تاثر نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ مگر تزئین کو اس بات کی خوشی ہوئی کہ طلال نے خاموشی سے اس کی یہ بات سن لی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے بہت ضروری کام سے ایک ہفتے کے لیے آؤٹ آف کنٹری جانا ہے تزئین۔ یہ فنکشن اٹینڈ نہیں کر سکوں گا۔" وہ لاؤنج میں سب کے بیچ و بیچ مہرماہ کے نکاح کا انوی ٹیشن لیے بیٹھی پلاننگ کر رہی تھی جب طلال نے اسے صاف لفظوں میں بتا دیا۔ تزئین نے ناپسندیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ پہلے ہی اس گھر میں سے محض وہ اور طلال شریک ہونے والے تھے۔ مگر اب طلال کے علی الاعلان انکار پر وہ محض تلملا ہی سکتی تھی۔

"یوں بھاگ بھاگ کر سب کو اپنی طرف متوجہ مت کرو طلال۔ جب تمہاری نیت صاف ہے تو ڈرتے کیوں ہو مہو کا سامنا کرنے سے۔" اس کے بے باک اور نڈر الفاظ ماما کو گنگ کر گئے۔ اس پر طلال کی پر ضبط خاموشی۔ وہ مزید کچھ کہے بنا اٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔ تو ماما سخت انداز میں تزئین کو ٹوکے بنا نہ رہ سکیں۔

"اپنے رویے پر غور کرو تزئین۔ اس طرح تو تم محض اپنی زندگی مشکل بنا رہی ہو۔ اگر وہ مہرماہ سے کتراتا ہے تو اسے کترانے دو۔ ان کے رشتے میں لحاظ پیدا ہونے دو۔"

"ہونہہ....." وہ سر جھٹک کر پھر سے انوی ٹیشن دیکھنے لگی۔ جہاں مہو اور موحد کا نام ساتھ ساتھ لکھا اسے تسلی دے رہا تھا کہ مہو نامی کانٹا اس کی زندگی سے نکل چکا تھا۔

"تم بالکل ٹھیک جا رہی ہو تزئین۔ اتھرے گھوڑے کو لگام ایسے ہی ڈال کر رکھی جاتی ہے۔ پرانی یادوں کی چابک مارتے رہنا چاہیے اسے تاکہ سزا کی نصیحت اور خوف رہے۔" ماما کے اٹھ کر جاتے ہی اس کی جٹھانی نے متاثر ہونے والے انداز میں اسے سراہا تو وہ ٹھنڈے دل سے مسکرا دی۔

"آپ اسے حالات سے بھاگنا کہیں یا کچھ اور ماما۔ لیکن میں کسی طور اس فنکشن میں شریک نہیں ہونا چاہتا۔"

"تزئین کو باتیں بنانے کا موقع مت دو طلال! ایک تو پہلے ہی تمہارے پاپا تمہارے جلد بازی کی شادی کے فیصلے پر ابھی تک ناراض ہیں اوپر سے روزانہ کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور ہو جاتی ہے۔ جس سے گھر کا ماحول خراب ہو رہا ہے۔" وہ تزئین کی خود غرضانہ فطرت سے عاجز آ چکی تھیں۔ مگر یہ وہ مسئلہ تھا جس کا فوری کوئی حل نہ تھا۔

"اس کی عادت ہے۔ بک بک کر کے خود ہی چپ کر جائے گی۔ وہ ویسے بھی شام کو جانا ہے آفندی ہاؤس تو آنٹی سے معذرت کرلوں گا۔ تزئین کو بولنے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔"

وہ ان کی پریشانی بھانپ کر انہیں تسلی دیتے ہوئے بولا۔ تو انہوں نے غائب دماغی سے سرہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

"کام سے ضروری تو کچھ بھی نہیں ہوتا بیٹا۔ اب معمولی سی بات کے پیچھے لاکھوں کا نقصان تو نہیں کرسکتے نا۔ تم خیر سے جاؤ۔ تزئین کی تو رشتہ داری ہے وہ خود نبھالے گی۔"

سائرہ چچی نے تو طلال کی زبانی فنکشن کے دنوں میں ملک سے باہر جانے کی خبر سن کر ہی طمانیت محسوس کی۔ تزئین کو برا لگا۔

"ہم نے ایسا کیا جرم کیا ہے جو بھاگتے پھریں۔ امی۔" چچی جان نے تیکھی نظروں سے بیٹی کو دیکھا۔ اور پھر بہانے سے کچن میں جا کر اس کی کلاس بھی لے لی۔

"اچھا ہے وہ دور ہی رہے اس جادو گرنی سے۔ طلال کو چھوڑا تو موحد اور اس کی ماں کو قابو کرلیا۔ کیوں اسے امتحان میں ڈالتی ہو۔ جانا چاہتا ہے تو جانے دو اسے۔ آگ اور پانی کو قریب کرنے کی بے وقوفی مت کرو۔"

انہوں نے بھی تقریباً "اس کی ساس والی ہی بات کی تھی۔ تزئین منہ بناتی سن رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

تنہائی پاکر طلال نے مطمئن ہو کر صوفے کی بیک سے ٹیک لگائی۔ اور جلتی آنکھیں موند لیں۔ سرخی اب جن کا مستقل حصہ بن چکی تھی۔ تزئین اسے ڈریسنگ روم میں بٹھا کر جانے کہاں نکل گئی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر چھت پر نگاہ جمائی۔ اگر بات محض تزئین کی ہوتی تو وہ شادی کے بعد اس گھر میں کبھی بھی نہ آتا۔ مگر مجبوری یہ تھی کہ اس گھر میں مہراہ آفندی بھی رہتی تھی۔ اور اس سے لاکھ نفرت کرنے کے باوجود دل کے کسی کونے میں اسے ایک نظر دیکھ لینے کی چاہ برقرار تھی۔

مگر نفرت ہو جانے اور خود کو نفرت کرنے پر مجبور کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہوا کرتا ہے۔ وہ سیدھا ہو بیٹھا۔ تو نظر بے اختیار سامنے مصنوعی پھولوں کی ٹوکری پر پڑی۔ جس میں کچھ خوش نما سے کارڈز رکھے ہوئے تھے۔ اس نے تھوڑا سا آگے جھک کر ہاتھ بڑھا کر ایک کارڈ اٹھا لیا۔ اور کارڈ کھولتے ہی اسے ایک صدماتی جھٹکا سا لگا۔

یہ موحد اور مہراہ کے نکاح کا کارڈ تھا۔ طلال کو اپنا دل کچھ رکتا ہوا محسوس ہوا۔ پھر اشتعال کی خفیف سی لہر نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اسی اشتعال کے تحت اس نے کارڈ کے ٹکڑے کرنا شروع کردیے۔

"ملاحہ۔۔۔ فرزین۔۔۔" وہ اپنے دھیان میں آواز دیتی اندر چلی آئی۔ طلال کارڈ کے ٹکڑے ہاتھ میں لیے بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔ مہراہ کا تو جیسے کسی نے سارا خون ہی نچوڑ لیا ہو۔ مگر طلال کسی اور ہی کیفیت میں تھا۔ ڈی گریڈ ہونے کے احساس اور شدید نفرت کے بوجھ تلے دبے طلال نے چند قدم آگے بڑھ کر ساکت کھڑی مہراہ کے چہرے پر وہ ٹکڑے اچھال دیے۔

"یہ ہے تمہاری اصلیت۔۔۔" مہراہ کے چہرے پر جیسے کسی نے تھپڑ کھینچ مارا ہو۔ اس نے بے اختیار سسکی بھری مگر اگلا لمحہ اس سے بھی زیادہ سنگین تھا جب پیچھے سے آغا جان کے ساتھ اندر آتے موحد نے کلائی سے پکڑ کر مہراہ کو ایک طرف کیا اور ایک مکا طلال کے جبڑے پر دے مارا۔

"کہا تھا نا اس سے دور رہنا۔۔۔" اسے گریبان سے پکڑے ایک اور مکا اس پر تانتے ہوئے موحد غرایا تھا۔ آغا

جان موقع کی نزاکت دیکھ کر فی الفور بیچ میں آگئے۔

☼ ☼ ☼

تزئین نے رو رو کر آنکھیں سجالیں۔
"اب کیا میرے شوہر کی کوئی عزت نہیں یہاں۔" سائرہ چچی کا کلیجہ بھی جلا ہوا تھا۔ گھر میں طلال کے جانے کے بعد سے کشیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ اگر موحد کا کھونسا قابل مذمت ٹھہرا تھا تو وہیں طلال کا مہاوہ کے منہ پر کارڈ پھینکنا بھی بدتمیزی کے زمرے میں آیا تھا۔ مہاوہ الگ موحد کے ساتھ الجھی۔
"تم کیوں بیچ میں آئے۔ یہ میرا اور طلال کا معاملہ تھا۔"
"میں آل ریڈی بیچ میں آچکا ہوں اور تمہارے اس کے سب معاملے اب ختم ہو چکے۔ سمجھیں تم۔" موحد غصے سے دانت پیس کر بولا۔
"وہ اس گھر کا داماد ہے موحد۔" مہاوہ نے جز بز ہو کر اسے یاد دلایا۔
"داماد کو سسرال آکر "کچھ بھی" کرنے کے اختیارات نہیں مل جاتے محترمہ۔ آغا جان بیچ میں آگئے ورنہ میں اسے آج اچھی طرح بتاتا کہ دامادوں کو سسرال آکر کس حد میں رہنا چاہیے۔ اینڈ مائنڈ اٹ۔ آئندہ تم اس شخصیت کی حمایت کرتی نظر نہ آؤ مجھے۔" وہ بگڑ کر بولا۔
"میں بس حقیقت بتا رہی ہوں۔ میرا اس سے ایسا کوئی رشتہ نہیں کہ میں اس کی حمایت کروں۔" مہو بھی برا مان گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اور پھر وہ شام آئی جس میں مہاوہ آفندی ایک بار پھر امتحان سے گزری۔ ایک سن سی کیفیت اس کی حسیات کو منجمد کر رہی تھی۔ اللہ ہی جانتا تھا مہاوہ کی قسمت میں نمیر اور موحد میں سے کون لکھا گیا تھا۔ تائی جان کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ نمیر سے پیچھا چھٹنے پر شکر بجالاتیں۔ کافی دنوں سے نمیر کا کوئی فون نہیں آیا تھا۔ انہیں پوری امید تھی کہ وہ کہیں مر کھپ گیا ہو گا۔ نکاح نامے پر سائن کرتی مہاوہ کو اپنے گرد سفید سی دھند پھیلتی محسوس ہوئی اور وہ حواس کھو کر ملاحہ پر لڑھک گئی۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کے اعصاب اتنا دباؤ برداشت نہ کر پائے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ کمرے میں اندھیرا کیے بیٹھا تھا۔ دماغ میں سوچوں کا اژدحام تھا لیکن ذہن منتشر اس قدر کہ کسی ایک بھی سوچ پر مرتکز رہنے کی سکت نہ رکھتا تھا۔ اس کا موبائل وقفے وقفے سے بج رہا تھا۔ اس نے کتنی بار نظر انداز کیا مگر اب اٹھائے بنا کوئی چارہ نہ تھا۔
"مبارک ہو نمیر آفندی۔۔۔ آج تمہاری بیوی موحد آفندی کے نکاح میں بھی آگئی۔"
تلخ سی آواز نے اس کی سماعت میں جیسے سیسہ انڈیلا تو وہ ساکت سا رہ گیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

پھوٹی لبِ نازک سے وہ اک شوخ سی لالی
تھوڑی سی شفق عارضِ تاباں نے چرا لی
پھر بام کی جانب اُٹھے ابروئے ہلالی
اور چاند نے شرما کے کہا عید مبارک

چھیڑا وہ حسین شب نے تمناؤں کا جادو
لہرا گئی خلوت کدۂ ناز میں خوشبو
ہولے سے سنورنے لگے احساس کے گیسو
دی کس نے درِ دل پہ صدا، عید مبارک

جھلکا رُخِ روشن پہ حسین صبح کا پرتو
گلنار ہتھیلی پہ حنا دینے لگی لو
زلفوں سے چلی نکہت و رفتہ کی اک رَو
پیغام لیے آئی صبا، عید مبارک

سکھیوں نے خیالوں کے حسین رنگ اُجالے
جاگے کئی خوابیدہ سے جذبات کے دھارے
پھوٹے وہ نگاہوں سے تبسم کے پھوارے
ماحول ہوا نغمۂ نو، عید مبارک

عبدالاحد ساز

سفر کو پُر اذیت کر رہا ہوں
اذاں کے وقت ہجرت کر رہا ہوں

مسلسل گر رہے ہیں میرے آنسو
خموشی کی وضاحت کر رہا ہوں

رہا زیرِ نگیں برسوں میں جس کے
اب اس دل پر حکومت کر رہا ہوں

مرے آنگن میں دھوپ اُتری ہوئی ہے
شجر بننے میں عجلت کر رہا ہوں

ہواؤں کے مقابل رکھ دیا ہے
دیئوں کو بیش قیمت کر رہا ہوں

میں اُس پاگل کو یہ کیسے بتاؤں
مروت میں محبت کر رہا ہوں

حسنؔ میں بانٹتا پھرتا ہوں خوشیاں
یہاں اشکوں کی قلت کر رہا ہوں

حسن عباسی

آتشِ جاں سے گزر جانے کا
زندگی نام ہے مر جانے کا

دشت میں خاک اُڑانے کے بعد
اب ارادہ ہے کدھر جانے کا؟

تیری آنکھوں کی طرف لے آیا
شوق دریا میں اُتر جانے کا

کوئی مصرف ہی نہیں ہے شاید
ان ستاروں کے بکھر جانے کا

اُس طرف راہ نہیں جاتی ہے
سوچتا ہوں میں جدھر جانے کا

چاند بھی ڈوب گیا تارے بھی
اب کوئی وقت ہے گھر جانے کا

رمزی آثم

اب اور تب

کہا اس نے
مجھے تب واقعی تم سے محبت تھی
کہا میں نے
مجھے تو آج بھی تم سے محبت ہے
وہ تب کی بات کرتی ہے
میں اب کی بات کرتا ہوں
مگر جو فاصلہ اب اور تب کے درمیاں
حائل ہے
وہ ہم سے تو مل کر بھی سمیٹا جا نہیں سکتا
وہ اب تک آ نہیں سکتی
میں تب کو پا نہیں سکتا

قتیل شفائی

اشاروں کی سرگزشت

شانِ بے نیازی

ریشماں گاؤں کے گلی کوچوں، کھیتوں، کھلیانوں میں ننگے پاؤں کھیلتے کودتے، دوڑتے بھاگتے جوان ہوئی تھی۔ اس وقت تک اس کے تلووں کی کھال نہایت موٹی اور سخت ہو چکی تھی۔ ایک دن وہ گھر کے چولہے کے قریب کھڑی تھی کہ اچانک اس کے ابا کی نظر اس پر پڑی تو وہ گھبرا کر چلا اٹھے۔ "ارے ریشماں۔۔۔ چولہے کے پاس سے ہٹ جا، تیرا پاؤں جلتے ہوئے کوئلے پر ٹکا ہوا ہے۔"

"کون سا پاؤں ابا جی؟" ریشماں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

انصاف

ممتحن صاحب کے پاس پیپر چیک کرنے کا کام زیادہ تھا۔ انہوں نے ہاتھ بٹانے کے لیے اپنی بیگم کو بھی ساتھ بٹھالیا، بعد میں بیگم کے چیک کیے ہوئے پیپرز پر ایک نظر ڈالتے ہوئے ممتحن صاحب بے اختیار حیرت سے چیخ اٹھے۔ "بیگم! اس اسٹوڈنٹ کو تم نے سو میں سے ایک سو دس نمبر دے دیے۔۔۔ یہ تو انگلش کا پیپر ہے۔۔۔ اگر میتھ کا پیپر ہو تو اس میں بھی سو سے زیادہ نمبر نہیں دیے جاسکتے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس اسٹوڈنٹ نے ایک ایسے سوال کا جواب بھی لکھا ہے، جو پیپر میں ہے ہی نہیں۔" بیگم نے متانت سے جواب دیا۔

ہنر مند

جعلسازی کے جرم میں جیل پہنچنے والے ایک نئے قیدی سے جیلر نے کہا۔ "یہاں تمہیں کوئی نہ کوئی کام بھی کرنا پڑے گا، تمہیں کیا کام آتا ہے؟"

"سر! بس ذرا سی پریکٹس کی ضرورت ہے۔ دو دن بعد میں جیل کے تمام افسران کے چیک سائن کر دیا کروں گا۔" قیدی نے جواب دیا۔

پریشانی

ایک صاحب رات گئے ایک ریستوران میں گئے تو انہوں نے اپنے دوست کو ایک کونے کی میز پر فکر مندی کے عالم میں سر جھکائے بیٹھے دیکھا۔

"یار کیا بات ہے، تم ابھی تک گھر نہیں گئے۔" انہوں نے ہمدردی سے پوچھا۔

"یار! میں نے فون پر بیوی سے بہانہ کر کے کہا تھا کہ میں رات کو دیر سے گھر آؤں گا۔۔۔ اور اب مجھے یاد نہیں آرہا کہ وہ بہانہ کیا تھا۔"

عذر

ایک نچلے درجے کے ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے کے بعد ایک صاحب کاؤنٹر پر بل ادا کرتے ہوئے بولے۔ "واش بیسن پر جو تولیہ لٹکا ہوا ہے، وہ اس قدر غلیظ ہے کہ شاید کوئی اس سے فرش پر پوچا لگانا بھی پسند نہ کرے۔ تمہیں شاید پتا نہیں کہ محکمہ صحت نے ایک قانون منظور کیا ہے کہ ہوٹلوں میں لٹکائے جانے والے تولیوں کو ہفتہ میں کم از کم ایک بار ضرور دھو لیا جائے۔ اس قانون کو منظور ہوئے ایک ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" کاؤنٹر کلرک اطمینان سے بولا۔ "لیکن یہ تولیہ اس قانون کے نافذ ہونے سے پہلے کا لٹکا ہوا ہے۔ اس لیے اس پر یہ قانون لاگو نہیں ہوتا۔"

دہرا فائدہ

شبنم نے ندیم سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تو ندیم نے اپنے محبت نامے واپس مانگ لیے۔

"تم اپنے محبت نامے واپس کیوں لینا چاہتے ہو؟" شبنم نے حیرت سے پوچھا۔

"کیا تمہیں ڈر ہے کہ میں ان خطوط کے ذریعے تمہیں بلیک میل کروں گی؟"

"نہیں! مجھے ایسا کوئی خوف نہیں ہے' دراصل میں نے وہ محبت نامے ایک معروف ادیب سے بھاری معاوضے پر لکھوائے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی میرے کام آتے رہیں۔ کم از کم یہ احساس تو ہو کہ پیسے وصول ہو گئے۔" ندیم نے قدرے ہچکچاہٹ کے بعد جواب دیا۔

غلط ہجے

دو دوست احمر اور ندیم رازدار بھی تھے۔ احمر بلیڈ سے اپنے بازو پر اپنی گرل فرینڈ کا نام لکھ رہا تھا۔ خون بہہ رہا تھا۔ ندیم اپنے دوست احمر کی تکلیف برداشت کرنے کے حوصلے پر متاثر ہو رہا تھا۔ جب نام لکھا جا چکا تو احمر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

ندیم نے کہا "تم نے کتنی تکلیف برداشت کی' اب نام لکھا جا چکا ہے تو کیوں رو رہے ہو۔"

احمر نے روتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس نام کے ہجے غلط لکھ دیے ہیں۔"

اعتراف

ایک عمر رسیدہ دیہاتی جوڑا پہلی بار شہر آیا۔ ایک فیشن ایبل علاقے سے گزرتے وقت بڑے میاں ہر راہ چلتی عورت کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ آخر بڑی بی نے ٹہوکا دیا۔ "خیر دین' کچھ تو شرم کرو۔ کوئی دیکھے گا تو کیا سوچے گا؟ شاید یہی کہ تم نے زندگی میں کبھی عورت نہیں دیکھی۔"

بڑے میاں ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔ "کوئی اور تو کیا سوچے گا۔۔۔ میں تو خود اس وقت یہی سوچ رہا ہوں۔"

تائب

دو دوستوں کی کافی عرصے بعد ملاقات ہوئی تو ایک نے دوسرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ "کچھ بدلے بدلے دکھائی دے رہے ہو' کیا بات ہے؟"

"دراصل میں نے شراب' جوا اور عورتوں کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دیا ہے۔" دوسرے دوست نے بتایا۔

"اوہ۔۔۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اس کا مطلب ہے تم بہت زبردست قوت ارادی کے مالک ہو۔۔۔" پہلے دوست نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ حرکتیں چھوڑنے کے لیے بڑی قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"قوت ارادی کا تو مجھے پتا نہیں۔۔۔ مجھے تو یہ حرکتیں اس لیے چھوڑنا پڑیں کہ میرے پاس پیسے ختم ہو گئے تھے۔" پہلے دوست نے سادگی سے جواب دیا۔

شکوہ

رات کو گرمئ گفتار نے سونے نہ دیا
بیوی آزار ہے آزار نے سونے نہ دیا
لوڈ شیڈنگ سے تڑپتا رہا بسمل کی طرح
مچھروں کی مجھے یلغار نے سونے نہ دیا
ٹیکے بھر بھر کے لگائے کسی دشمن کی طرح
اف مسیحا نے تیرے بیمار کو سونے نہ دیا
لیپا پوتی کے بغیر کل جو اسے دیکھ لیا
آہ پھر جلوۂ دلدار نے سونے نہ دیا

تسنیم شریف

سرورق کی شخصیت

ماڈل ..... ماریہ رضوی اور دیاشاہ
میک اپ ..... روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی ..... محسن رضا

شگفتہ جاہ

عجب خوش رنگ باتوں والے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"انسان کے بدن کے (تین سو ساٹھ جوڑوں میں سے) ہر جوڑ میں اس دن کا صدقہ واجب ہے، جس میں سورج طلوع ہوتا ہے اور لوگوں کے درمیان انصاف کرنا بھی ایک صدقہ ہے۔

تشریح:۔ یعنی جو صدقہ واجب ہے وہ لوگوں کے درمیان عدل کرنے سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر یہ بھی ہے کہ لوگوں کے درمیان انصاف کیا جائے۔ یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہی ہے جس کے نتائج بہت دور رس ہوتے ہیں، اسی لیے آپس میں میل ملاپ کرا دینے کو نفل نماز اور نفلی روزہ سے بھی زیادہ اہم عمل بتایا گیا ہے۔

حضرت امام باقرؒ نے فرمایا،

- اللہ تعالیٰ دنیا اپنے دوست و دشمن دونوں کو دیتا ہے مگر دین صرف دوستوں کو دیتا ہے
- چار قسم کے لوگوں کو دوست نہ بناؤ، احمق، بخیل، بزدل اور دروغ گو۔
- جب تم سے جسارت اور زیادتی کی جائے تو بردباری سے کام لو۔
- جس عالم کے علم سے نفع اٹھایا جائے وہ عالم ستر ہزار عابدوں سے افضل ہے۔
- خبردار! دشمنی نہ کرنا کہ اس سے دل فاسد ہوتا ہے اور باعث نفاق ہے۔
- آج کا دن غنیمت سمجھو — کل کا دن کس کے لیے ہوگا؟ یہ تم کو کیا معلوم۔
- اللہ تعالیٰ نے تمام برائیوں کو مقفل کر دیا ہے اور اس کی چابی شراب کو قرار دیا۔
- اپنے واقف کار کے علاوہ کسی کے ساتھ سفر نہ کرو۔
- دعا عبادت ہے۔
- بندے کے دل کو سخت ہونے کی سزا سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں ہے۔

سیدہ نسیت زہرا۔ کہروڑ پکا

صفائی،

جہاں پر ہر بار اپنی باتوں کی صفائی دینی پڑے
وہاں پر رشتے کبھی بھی گہرے نہیں ہوتے۔

مدیحہ نورین مہک۔ برنالی

تکلیف،

تکلیف آتی ہے
ہمارے اعمال کی وجہ سے
ہماری وسعت برداشت کے مطابق
اللہ کے حکم سے
ہر تکلیف ایک پہچان ہے اور یہ ایک بڑی تکلیف سے بچانے کے لیے آتی ہے۔

(واصف علی واصف)

نوال افضل گھمن۔ لاہور

آخرت کی پہچان،

حضرت سدید بن عمرو فرماتے ہیں کہ ان کے شہر میں ایک عبادت گزار خاتون تھیں۔ رات میں وہ بہت کم سوتی تھیں۔ جب ان سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا۔

"قبر کی نیند بہت لمبی اور گہری ہے۔"

وہ خاتون سخت گرمی میں بھی برابر روزے رکھتی

تھیں جس کی وجہ سے ان کے چہرے کا رنگ کالا پڑ گیا تھا۔ جب ان سے روزہ رکھنے میں کمی کرنے کے لیے کہا گیا تو فرمایا۔

"اب میری آسودگی اور میرابی تو آخرت میں ہی ہوگی۔"

حضرت محمد بن نصرؒ اور ان کے ساتھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور پردے کے پیچھے بیٹھ کر آخرت کی باتیں کرتے۔ کچھ دیر بات چیت کے بعد وہ بزرگ خاتون فرماتیں۔

"اب اٹھ جاؤ، بات وہیں اچھی لگے گی، جہاں نہ کوئی غم ہوگا، نہ موت ہوگی اور نہ کوئی تھکن ہی ہوگی۔"

(صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی، ص 126 ج 3)

باپ کی خوشنودی

علامہ تاج الدین سبکیؒ نے اپنی کتاب (طبقات) میں ذکر فرمایا ہے کہ

ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ اپنے دونوں شہزادوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے ساتھ حرم کعبہ میں حاضر تھے کہ درمیانی رات میں ناگہاں یہ سنا کہ ایک شخص بہت ہی گڑگڑا کر اپنی حاجت کے لیے دعا مانگ رہا ہے۔ اور زار زار رو رہا ہے۔

آپؓ نے حکم دیا کہ اس شخص کو میرے پاس لاؤ۔ وہ شخص اس حال میں حاضر خدمت ہوا کہ اس کے بدن کی ایک کروٹ فالج زدہ تھی اور وہ زمین پر گھسٹتا ہوا آپ کے سامنے آیا۔

آپؓ نے اس کا قصہ دریافت فرمایا تو اس نے عرض کیا: "امیر المومنین! میں بہت ہی بے باکی کے ساتھ قسم قسم کے گناہوں میں دن رات منہمک رہتا تھا اور میرا باپ جو بہت ہی صالح اور پابند شریعت مسلمان تھا۔ وہ بار بار مجھے ٹوکتا اور گناہوں سے منع کرتا تھا۔ میں نے ایک دن اپنے باپ کی نصیحت سے ناراض ہو کر اس کو مارا اور میری مار کھا کر میرا باپ رنج و الم میں ڈوبا ہوا حرم کعبہ آیا اور میرے لیے بددعا کرنے لگا۔ ابھی اس کی دعا ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ بالکل ہی اچانک میری ایک کروٹ پر فالج کا اثر ہو گیا اور میں زمین پر گھسٹ کر چلنے لگا۔ اس غیبی سزا سے مجھے بڑی عبرت حاصل ہوئی اور میں نے رو رو کر اپنے باپ سے اپنے جرم کی معافی طلب کی۔ میرے باپ نے اپنی شفقت پر وری سے مجبور ہو کر مجھ پر رحم کھایا اور مجھے معاف کر دیا اور کہا۔

"بیٹا چل! جہاں میں نے تیرے لیے بددعا کی تھی اسی جگہ اب میں تیرے لیے صحت و سلامتی کی دعا مانگوں گا۔"

چنانچہ میں اپنے باپ کو اونٹنی پر سوار کر کے مکہ مکرمہ لا رہا تھا کہ راستے میں بلکہ ناگہاں اونٹنی ایک مقام پر بدک کر بھاگنے لگی۔ اور میرا باپ اس کی پیٹھ پر سے گر کر دو چٹانوں کے درمیان ہلاک ہو گیا۔ اور اب میں اکیلا ہی حرم کعبہ میں آ کر دن رات رو رو کر رب تعالیٰ سے اپنی تندرستی کے لیے دعائیں مانگتا رہتا ہوں۔

امیر المومنین علی المرتضیٰؓ نے ساری سرگزشت سن کر فرمایا۔

"اے شخص! اگر واقعی تیرا باپ تجھ سے خوش ہو گیا تھا تو اطمینان رکھ کہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے خوش ہو گیا ہے۔"

اس نے کہا: "اے امیر المومنین! میں بحلف شرعی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا باپ مجھ سے خوش ہو گیا تھا۔"

امیر المومنین حضرت علیؓ نے اس شخص کی حالت زار پر رحم کھا کر اس کو تسلی دی اور دو رکعت نماز پڑھ کر اس کی تندرستی کے لیے دعا مانگی پھر فرمایا۔

"اے شخص! اٹھ کھڑا ہو جا۔"

یہ سنتے ہی وہ بلا تکلیف اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چلنے لگا۔

آپؓ نے فرمایا: "اے شخص! اگر تو نے قسم کھا کر یہ نہ کہا ہوتا کہ تیرا باپ تجھ سے خوش ہو گیا تھا تو میں ہرگز تیرے لیے دعا نہ کرتا۔"

باغِ جبران کے چند پھول

- الفاظ زمانے کی قیود سے آزاد ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ تحریر یا تقریر کے وقت یہ حقیقت پیش نظر رہے۔
- میں چلنے والوں کے ساتھ چلوں گا لیکن کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ گزرنے والوں کے جلوس کا تماشا دیکھنے کے لیے بے حس و حرکت کھڑا ہو جاؤں۔
- وہ پردے جو تمہاری آنکھوں کے اوپر پڑے ہوئے ہیں وہ تم ہی نے ڈالے ہیں اور ان پردوں کو تم ہی ہٹا سکتے ہو۔

(انتخاب:۔ روحِ جبران)

شائستہ اکبر۔ گڈو کالونی

صبر و شکر

مشہور تابع حضرت عروہؓ بن زبیر مصائب و تکالیف پر بہت صبر کرنے والے اور استقامت کے پیکر تھے۔ ایک مرتبہ ولید بن یزید سے ملنے دمشق روانہ ہوئے تو راستے میں چوٹ لگ کر پاؤں زخمی ہو گیا۔ درد کی شدت سے چلنا دوبھر ہو گیا۔ سخت تکلیف کے باوجود ہمت نہیں ہاری اور دمشق پہنچ گئے۔

ولید نے فوراً طبیبوں کو بلوا بھیجا۔ انہوں نے زخم کا بغور جائزہ لینے کے بعد پاؤں کاٹنے کی رائے پر اتفاق کیا۔

حضرت عروہ کو جب اس کی اطلاع کی گئی تو انہوں نے منظور کر لیا مگر پاؤں کاٹنے سے پہلے بے ہوشی کے لیے نشہ آور دوا کے استعمال سے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ میں کوئی لمحہ خدا کی یاد سے غفلت میں نہیں گزار سکتا۔

چنانچہ اسی حالت میں آرا گرم کر کے ان کا پاؤں کاٹ دیا گیا اور انہوں نے کسی قسم کی تکلیف کا اظہار نہ کیا۔ پھر اپنا کٹا ہوا پاؤں سامنے رکھ کر فرمایا۔

"کیا غم ہے اگر مجھے ایک عضو کے بدلے میں آزمائش میں ڈال کر باقی اعضاء کے سلسلے میں امتحان سے بچا لیا گیا ہے۔"

ابھی وہ اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ انہیں خبر ملی ان کا ایک بیٹا چھت سے گر کر انتقال کر گیا۔

انہوں نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھی اور فرمایا۔

"اے اللہ تیرا شکر ہے تو نے ایک جان لی اور کئی جانوں کو سلامت رکھا۔" (کیونکہ باقی بیٹے سلامت تھے۔)

اس واقعے کے بعد ولید کے پاس قبیلہ عبس کے کچھ لوگ آئے جن میں ایک بوڑھا اور آنکھوں سے اندھا شخص بھی تھا۔ ولید نے اس سے اس کا حال پوچھا اور اس سے بینائی کے ختم ہونے کا سبب دریافت کیا تو وہ بتانے لگا۔

"میں اپنے اہل و عیال اور تمام مال و اسباب لیے ایک قافلے کے ساتھ سفر میں نکلا۔ اہل قافلہ میں سے شاید ہی کسی کے پاس اتنا مال ہو جتنا میرے پاس تھا۔ ہم نے ایک پہاڑ کے دامن میں رات گزارنے کے لیے پڑاؤ ڈالا۔ آدھی رات کے وقت جب سب میٹھی نیند سو رہے تھے، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اچانک سیلاب آ گیا جو انسان، حیوان، مال و اسباب میں سے سوائے ایک اونٹ اور میرے چھوٹے بچے کے علاوہ کچھ نہ بچا۔ میں ابھی اس ناگہانی آفت سے سنبھلنے بھی نہ پایا کہ میرا اونٹ بھاگ گیا۔ میں اس کے پیچھے گیا تو یکدم بچے کے چیخنے چلانے نے قدموں کو روک لیا، الٹے پاؤں واپس بچے کے پاس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بھیڑیے نے میرے معصوم لخت جگر کو اپنے خونی جبڑوں میں دبوچا ہوا ہے اور وہ معصوم اس کے بے رحم جبڑوں میں زندگی کی بازی ہار چکا ہے۔

یہ دلخراش منظر دیکھنے کے بعد میں پھر اس اونٹ کے پیچھے ہو لیا۔ جب اس کے قریب پہنچا تو اس نے مجھے دولتی دے ماری جس کی وجہ سے میری بینائی چلی گئی۔ اس طرح میں مال و عیال کے ساتھ ساتھ آنکھوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔"

اس کی یہ داستان غم سن کر ولید کی آنکھیں پرنم ہو گئیں اور اس نے کہا۔

"جاؤ عروہ ابن زبیر سے کہہ دو تمہیں صبر و شکر مبارک۔ اس لیے کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں، جو تم سے زیادہ غموں اور مصیبتوں کے مارے ہیں۔"

خالدہ جیلانی

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

ثمینہ اکرم _____ لیاری کراچی

جائز تھی یا نہیں، تیرے حق میں تھی مگر
کرتا تھا دل جو کبھی وہ وکالت تمام شد

نخبہ اکرم _____ گاؤں گولیکی

یہاں ہر طرف ہے عجب سماں، سب ہی خود پسند، سب ہی خود نما
دل بے سکون کو نہ مل سکا کوئی چارہ گر، بڑی دیر تک
مجھے زندگی ہے عزیز تر، اسی واسطے میرے ہم سفر
مجھے قطرہ قطرہ پلا زہر، جو کرے اثر بڑی دیر تک

ارم کمال _____ فیصل آباد

احوال غم ذات سنانے سے رہا میں
اب خود کو تماشا بنانے سے رہا میں
ہر بار میں تذلیل انا کر نہیں سکتا
ہر بار اسے جا کے منانے سے رہا میں

یاسمین کنول _____ پسرور

ایک دھڑکا سا دل کو رہتا ہے
زندگی ہے کہ ناگہانی ہے

سحرش مصطفیٰ _____ میانوالی

غم دو، خوشی دو، گلہ نہیں کرتے
بنجر زمین پہ گل کھلا نہیں کرتے
چاہو تو چھوڑ دو ہم کو، مگر یاد رہے
ہم سے لوگ پھر کبھی ملا نہیں کرتے

عابدہ مغل _____ مانسہرہ

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

نمرہ افراء _____ کراچی

وہ کہانیاں ادھوری، جو نہ ہو سکیں گی پوری
انہیں میں بھی کیوں سناؤں انہیں تم بھی کیوں سناؤ

گڑیا شاہ _____ کہروڑ پکا

عداوت ہی عداوت ہے، محبت بھول بیٹھا ہوں
چلو کوئی تو رشتہ ہے اسے پھر یاد کرنے کو

کوثر خالد _____ چڑانوالہ

تیرے انکار سے ہم کہیں مر ہی نہ جائیں
ذرا پلکوں کی چلمن کو ہاں میں گرا دو ناں

فائزہ بھٹی _____ پتوکی

قافلے راکھ ہوئے دشت جنوں میں کتنے
کاش خوشیوں کی طرح درد بھی ہجرت کرتے

فوزیہ ثمر بٹ _____ گجرات

ہم سے زندگی کی حقیقت نہ پوچھ وصی
بہت پُرخلوص لوگ تھے جو تنہا کر گئے

سیدہ لوبا سجاد _____ کہروڑ پکا

یہ اور بات ہے کہ دور ہوا ہے آج مگر
وہ میرا دوست تھا کل تک، اسے برا نہ کہو
نہ جانے کون سی مجبوریوں کا قیدی ہو
وہ ساتھ چھوڑ گیا ہے تو بے وفا نہ کہو

سیدہ نسبت زہرا _____ کہروڑ پکا

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی، دردِ لا دوا پایا

مائدہ رانا _____ نندپور

وقت بدل گیا اور ہم وہیں کھڑے رہے
بہت مشکل ہوتا ہے وقت کے ساتھ چلنا

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر _____ کراچی

ان چڑیوں سے کہہ دو نشیمن پہ نہ اتریں
اس دور کا ہر شخص عقابوں کی طرح ہے

تبسم شام _____ آفیسرز کالونی

فرصت قلیل اور کہانی طویل ہے
باتیں تو ہیں ہزار مگر جانے دیجیے

فائزہ بھٹی _____ پتوکی

کسے کہتے ہو کوئی یاد نہیں خاور
شام ہوتے ہی کبھی دیکھو ذرا صورت اپنی

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع - 37 - اردو بازار، کراچی۔
Email: shuaa@khawateendigest.com

آپ کے خط اور ان کے جواب کے ساتھ حاضر ہیں۔
آپ کی عافیت صحت اور سلامتی کے لیے دعائیں۔
رب کریم آپ کو ہم کو ہمارے پیارے وطن کو دشمنوں کی سازشوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

پہلا خط دراہن کلاں ڈیرہ اسماعیل خان سے ثمر کاظمی کا ہے لکھتی ہیں

گڑیا گڑیا کھیلتے کب بچپن گزرا پتا نہیں چلا اور آٹھویں جماعت سے ہمیں جو ڈائجسٹ پڑھنے کا چسکا لگا وہ آج بی اے کرنے کے بعد بھی جاری ہے گو کہ ہماری طرف رسالے پڑھنا معیوب سمجھا جاتا ہے مگر ہم نہ مانے۔ جھولا جھولتے ہوئے ہاتھ میں آپ کو شعاع نظر آئے گا۔ اپلے تھاپنے ہوں یا دال صاف کرتی ہو شعاع ساتھ ساتھ گھومتا ہے۔ گرمیوں کی لمبی لمبی دوپہروں میں ٹاہلی تلے چارپائی ڈال کر میں اور میری کزن ام لبابہ مطالعے میں غرق ہوتی ہیں۔ جون 2017ء کا شعاع 2 تاریخ کو بڑی منتوں کے بعد محسن سے منگوایا۔ مجھے ٹائٹل سادہ اچھے لگتے ہیں۔ ماڈل کے سوٹ کی کڑھائی اچھی لگی۔ حرا اور مانی کا بندھن تو بہت بار پڑھ چکے اب عائزہ خان اور دانش تیمور کا ہو جائے۔ جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے' زبردست سلسلہ ہے۔ خواب شیشے کا۔ مہواہ کی حالت دیکھ کر مجھے تو رونا آجاتا ہے بس ذرا سا احساس' حنا بشریٰ نے اچھا لکھا' بہو کوئی کام کرنے کی مشین نہیں ہوتی۔ "لباس" ام اقصیٰ نے زبردست لکھا۔ لوجی اس دفعہ می رقصم کا اینڈ ہو ہی گیا۔ یارم اور اس میں بہت ساری چیزیں مشترک ہیں آخر میں منال کا مان جانا عجیب لگا۔ ڈورس کی تبدیلی کچھ ہضم نہ ہوئی۔ بہت جلدی میں سمیٹا گیا۔ سلویٰ سیف اللہ وہی ہیں نا جنہوں نے دل کے راستے دشوار بہت تھے لکھا تھا۔ ناول کی ابتدا اچھی ہے معصومہ اقبال کا افسانہ ٹاپ پر تھا۔ مجھے سنوار دو گھر پلو ہلکی پھلکی کہانی دل میں اتر گئی "کہاں کا ذکر" فرزانہ کھرل بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ احمر وانیہ کو طلاق دیتے وقت رویا کیوں؟ مجھے پورا شعاع پسند آیا مگر تہمینہ چودھری کا ناولٹ اچھا نہیں لگا۔ عبدالباری یا تو بہت معصوم یا آنکھوں میں موتیا تھا جو جان بوجھ کر مہواہ کو پسند کیا خیر۔ میں نے تین ماہ پہلے ایک افسانہ بھیجا تھا بانو کے نام اس کا کیا فیصلہ ہوا؟

ج: پیاری ثمر! شعاع خواتین سے محبت آپ کے مفصل تبصرے سے ظاہر ہے گاؤں میں رہتے ہوئے ہر ماہ شعاع منگوانا آسان نہیں ہے پھر ایسی صورت میں تو اور بھی مشکل ہو جاتا ہے جب گھر والے پڑھنے کے مخالف ہوں۔

احمد کیوں رویا؟ یہ تو شاید خود احمر کو بھی پتا نہیں ہو گا۔ دراصل انسان کو سمجھنا آسان نہیں ہے۔ دوسرے تو کیا کبھی کبھی انسان خود بھی اپنے آپ کو سمجھ نہیں پاتا۔

تہمینہ چودھری کے ناولٹ میں آپ کو عبدالباری کا مہواہ کو قبول کرنا اچھا نہیں لگا۔ عبدالباری کی آنکھوں میں موتیا نہیں اس کی مہواہ کے لیے محبت تھی جس کی وجہ سے اسے مہواہ کی برائی نظر نہیں آئی۔ بقول اشفاق احمد محبوب وہ ہے جس کا ناخوب بھی خوب نظر آئے۔

اس افسانے کے لیے تو معذرت مگر آپ کچھ اور لکھ کر بھیجیں۔ آپ میں صلاحیت ہے' لکھ سکتی ہیں۔

مقدس آصف نے رائے ونڈ ضلع لاہور سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

میں پچھلے پندرہ سال سے خاموش قاری ہوں۔ کتنی بار دل چاہا کہ خط لکھوں لیکن ہمت نہیں ہوئی۔ سب سے پہلے حمد و نعت سے دل کو منور کیا۔ پیارے نبی کی پیاری باتیں یہ سلسلہ ہمیں بہت پسند ہے۔ انٹرویو سب اچھے تھے۔ سب سے پہلے اپنی فیورٹ رائٹر رفعت جی کو پڑھا۔ رفعت جی بہت اچھا لکھتی ہیں۔ حنا بشریٰ نے بہت اچھا لکھا اور ایمل رضا کی تو بات ہی الگ ہے۔ اتنا منفرد انداز ہے ان کا' منال کا کردار بہت اچھا تھا اور اس کے پاپا کا ۔واقعی کوئی باپ اپنی بیٹیوں سے اتنی محبت کر سکتا ہے۔ شازیہ جی نے بہت اچھے موضوع پہ لکھا ہے۔ یہ تو اب ہر گھر کی کہانی لگتا ہے۔ مجھے سنوار دو کہانی اچھی تھی دیل ڈن عابدہ جی۔ احساس بہت اچھی سٹوری تھی۔ شکر ہے کہ شوہر صاحب کو اپنی غلطی کا احساس تو ہوا۔

فرزانہ کھرل نے بہت اچھا لکھا۔ بیٹیوں کو دیتے ہوئے پتا نہیں باپ بھائیوں کو کیا ہوتا ہے۔ جبکہ شریعت نے اس کا حکم دیا ہے۔ "میرا مہمان تو" مہاہ کی ہمت اچھی لگی۔ باقی مستقل سلسلہ بھی بہت اچھے ہیں۔

ج : پیاری مقدس! ہمیں بہت سی قارئین لکھتی ہیں کہ ان کا دل خط لکھنے کو چاہتا ہے مگر ہمت نہیں ہوتی۔ پیاری بہنوں! نہ تو ہم اتنے ڈراؤنے ہیں اور نہ ہی کرخت مزاج کہ آپ کو دل کی بات لکھتے ہوئے ہمت کو آواز دینا پڑے۔ یہ سلسلہ شروع ہی آپ سے بات چیت کے لیے کیا ہے۔ پرچے کے متعلق اپنے خیالات' فرمائش بے دھڑک لکھ دیا کریں۔ ہمیں اچھا لگے گا اگر ہماری خامیوں اور کوتاہیوں کی بھی نشان دہی کریں گی۔ ویسے ڈر ڈر میں آپ نے پندرہ سال گزار دیے مگر چلیں' خوشی ہے کہ آپ محفل میں آئیں تو سہی۔

اقراء راجہ منصور والا سے لکھتی ہیں

میرے سلام کا جواب اتنی زور سے دیں کہ مجھ تک آواز آئے میں جو بیٹھی ہوں یہاں ڈی جی خان کے ایک گاؤں منصور والا میں۔ یہاں سے اگر ہم کراچی آئیں تو چوبیس گھنٹے لگ جاتے ہیں۔

سب سے پہلے کرن کرن روشنی پڑھا۔ رمضان شریف کے بارے میں جو کنفیوژن تھی وہ دور ہو گئی اللہ آپ کو اس کی جزا دے گا۔ (آمین)

اس کے بعد حمد و نعت سے دل منور کیا اور بھاگے بھاگے رقصم تک آئے دل بھی رقص کرنے لگا خوشی ہوئی آخری قسط ہے۔ "رقصم" بہت ہی انٹرسٹنگ "یارم" یاد آگیا۔ ڈورس کو صحیح سزا ملی۔ ثریا کوثر نے محبت کو بدنام نہیں ہونے دیا اور معتبر ہو گئی۔

ایمل جی آپ کا پیال ساز مجھے ابھی تک نہیں بھولا۔ اور "کال جیسا کھی" میرا خیال ہے آپ کو اس پر ایوارڈ ملنا چاہیے اتنا اچھا افسانہ لکھنے پر۔ میرے لیے یہ اردو کا بہترین افسانہ ہے جسے ہر کسی کو پڑھنا چاہیے کم از کم سال میں ایک بار۔

"خواب شیشے کا" عفت جی بہت بہت شکریہ۔ جب یہ پتا چلا کہ "شہرزاد" نہیں ہے تو دل ٹوٹے ٹوٹے ہو گیا کتنا انتظار تھا اف ... بہت دکھ ہوا۔ لیکن ہم صائمہ آپی کی صحت کے لیے دعا گو ضرور ہیں۔ اس کے بعد "خط آپ کے" پڑھے۔ اتنے مزیدار خط پڑھ کر انسان غموں سے چھٹکارا پا جاتا ہے لیکن اس میں سولہ چاند لگانے کے لیے میرا خط ضرور لگانا پڑے گا ورنہ میرے دل کی آہ... سارے بلب بجھا دے گی۔

مجھے چند سوال پوچھنے ہیں۔

ناول اور ناولٹ میں کیا فرق ہے؟

شازیہ چوہدری کی ڈینٹو کیسے ہوئی تھی اور بنت سحر کا اصل نام کیا ہے اور کافی عرصے سے ان کے افسانے کیوں نہیں آرہے بنت سحر آجاؤ پلیز)

اور آپ ہر کسی سے یہ کیوں کہتی ہیں "ابھی آپ کے افسانے پڑھے نہیں" آپ کیوں نہیں جلدی پڑھتیں اور سمیرا حمید اور سائرہ رضا سب سے مختلف اور سب سے اچھا لکھتی ہیں اور مریم (بھانجی) کہہ رہی ہے بریانی کی ریسپی بتائیں۔

ج : پیاری اقرا! آپ کو آواز سنائی دے یا نہ دے، ہم ہر بہن کو جو ہمیں سلام لکھتی ہیں جواب ضرور دیتے ہیں۔ ثریا کوثر کی محبت اور معتبر؟ منال کی مجرم سکندر احمد سے زیادہ ثریا کوثر تھیں ان کی خود غرضانہ محبت نے کتنے ہی انسانوں کی زندگی کو ابتلا میں مبتلا رکھا۔ اور خطوط کی اشاعت کے لیے اب تک تو جذباتی بلیک میلنگ کا سہارا لیا جاتا تھا اب بددعائیں بھی... خدا خیر کرے۔

پیاری اقرا ہم دن بھر میں پچاس سے زیادہ افسانے پڑھتے ہیں۔ پرچے کی تیاری الگ' اکثر آنکھیں دکھنے لگتی ہیں۔ پانی بہتا ہے' خارش ہوتی ہے پھر سننے کو ملتا ہے

"پڑھتی کیوں نہیں۔" ناول تیس سے چالیس پچاس صفحات پر مشتمل ہوتا ہے اس سے کم صفحات کی تحریریں ناولٹ کے درجے میں آتی ہیں۔ شازیہ چودھری کی موت ٹریفک حادثے میں ہوئی تھی۔ بنت سحر کے اصلی نام کا ہمیں علم نہیں۔ ہمارے پاس اسی نام سے افسانے آتے تھے۔ اب کافی عرصے سے ان کی کوئی تحریر موصول نہیں ہوئی۔ وجہ وہ خود ہی بتا سکتی ہیں۔

کراچی سے تسنیم کوثر نے لکھا ہے

ایمل رضا کے رقصم کا اختتام ہوا۔ اسٹوری تو مناسب تھی مگر اس نے زیادہ متاثر نہیں کیا۔ اس کے برعکس "خواب شیشے کا" دلکش ہوتا جا رہا ہے اور پڑھنے میں بہت لطف آرہا ہے۔ سنہری دھوپ سلوی سیف اللہ بٹ کا ناول پڑھا۔ اس کی کہانی ملتی جلتی ایک ہی ٹائپ کی لگی۔ سوری مزہ نہیں آیا عابدہ احمد نے مجھے سنوار دو ہلکے پھلکے انداز میں نہایت خوب صورت اور جامع لکھا ہے۔ دل سے پسند آیا۔ اس طرح "بس ذرا سا احساس" حنا بشریٰ نے بھی بہت کمال کا لکھا ہے۔ اور ایسا ہی ملتا جلتا احساس ہاجرہ ریحان کا افسانہ بھی اچھا لگا۔ باقی افسانوں میں لباس اور معصومہ اقبال کا "میرے ہمراہی ذرا چل" بہت نایاب افسانے تھے۔ اور آل جون کا شمارہ بہت زبردست رہا۔

ج : پیاری تسنیم! آپ کا تبصرہ پڑھ کر ہمیں بہت مزہ آیا۔ واضح اور دو ٹوک انداز میں آپ نے تعریف اور تنقید کی اور اپنی رائے کا اظہار کیا۔ بہت شکریہ۔ ہم آپ کی تعریف اور تنقید متعلقہ مصنفین تک پہنچا رہے ہیں۔

اقرا الیاس، مرید کے ضلع شیخوپورہ سے، لکھتی ہیں

پیارے نبی کی پیاری باتیں رمضان شریف کے متعلق احادیث پڑھ کر اچھا لگا "جب مجھ سے ناتا جوڑا" امیزنگ سلسلہ ہے مگر جواب میں آپ انہیں اچھے مشوروں اور تسلی سے نوازیں تو اور بھی بہتر رہے گا کیونکہ جتنا میں ان ڈائجسٹ کو پڑھ چکی ہوں میں یہ یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ کوئی لڑکی انہیں پڑھ کر متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتی اور ان میں موجود رائٹرز کے موضوع اور سب سے بڑھ کر ان کے الفاظ پوری توجہ سے پڑھ کر ان پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتی ہے جیسے کہ نمرہ احمد کا "نمل" "جنت کے پتے" اور عمیرہ احمد کا پیر کامل ہے۔

ایمل رضا ویل ڈن لاسٹ قسط پڑھ کر کافی مزا آیا۔ "مجھے سنوار دو" عابدہ احمد عابی کا ناول قطعاً اچھا نہیں لگا۔ مہو ہیروئن کی چیپ حرکتیں سرمد صاحب اور بلال صاحب کا لوفرانہ انداز۔ ہمارے مذہب نے بہت سی پابندیاں لگا رکھی ہیں جس میں بہت سی مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ محرم اور نامحرم کا فرق۔ کزن ریلشن شپ ان ڈائجسٹوں کو کچے ذہن کی لڑکیاں بھی پڑھتی ہیں جن کا شعور ابھی بیدار ہو رہا ہوتا ہے۔ سوچوں کا رخ غلط سمت مڑ جائے تو بہت کچھ غلط ہو جاتا ہے۔ وہ "مہربان" تہمینہ چودھری کا ناول پہلے تو کافی الجھن کا شکار لگا۔ مگر آخر سمجھ آ ہی گئی۔ اسٹوری سبق آموز تھی۔ اچھی لگی۔ افسانوں میں لباس بہترین لگا۔

ج : پیاری اقرا! سبق آموز کہانیاں دینے کا مقصد یہی ہے کہ زندگی کے نشیب و فراز سے اپنی نوعمر قارئین کو آگاہ کیا جائے۔ جو حدود و قیود ہمارا دین اور ہمارا معاشرہ ہم پر عائد کرتا ہے اس سے باہر نکلنے کے نتائج کتنے بھیانک ہوتے ہیں اس سے آگاہ کرنے کا مطلب ڈرانا نہیں بلکہ سیدھے راستے کی جانب ان کی راہ نمائی کرنا ہے تاکہ زندگی سہل ہو۔

فی الحال آپ کہانیاں لکھنے کے بجائے پڑھنے پر ہی توجہ دیں۔

ثانیہ مرید راجڑ نے منصور والا ڈی جی خان سے لکھا ہے

حمد و نعت سے مستفید ہونے کے بعد ماہ رمضان کے بارے میں احادیث پڑھیں اور بہت سے سوالوں کے جواب مل گئے۔ بندھن میں پلیز عمر گل (کرکٹر) کو لائیں اور دستک میں صنم بلوچ کو جگہ دیں۔ ویسے سائرہ شہروز کو جان کر اچھا لگا۔ "جب مجھ سے ناتا" میں آمنہ کو پڑھ کر لگا دنیا میں خوشیاں باقی ہیں اور نصرت کی دکھوں بھری زندگی جان کر دکھ ہوا۔ مجھے خوشی ہوئی انہوں نے گاؤں میں رہ کر اپنی بیٹیوں کو پڑھایا۔ "خواب شیشے کا" آغا جان جیسے لوگوں کو اللہ ہدایت دے "شہرزاد" کی کمی محسوس ہوئی۔ رقصم میں نے پڑھا نہیں ہے۔ مکمل ناول میں سنہری دھوپ کا آئندہ ماہ دیکھ کر ہم نے بھی آئندہ ماہ پڑھنے پر چھوڑ دیا۔ "وہ مہربان" بہت اچھا مہربان تھا عبدالباری۔ عزم جیسے خبیثوں کو اللہ غارت کرے۔ "کہاں کا ذکر سفر" نہ جانے کہاں کی زبان ہے۔ اتنی مشکل ہم جیسے کم عقل کیا اعلا تعریف کر

سکتے ہیں۔ ماشاء اللہ فرزانہ کھرل۔ "مجھے سنوار دو" نے ہماری ہنسی کو سنوار دیا۔ ہانی بالکل میری طرح زیادہ کھاتی ہے افسانوں میں سب سے زیادہ اچھا "لباس" لگا۔ باقی بھی سبق آموز تھے "بس ذرا سا احساس" اور "احساس" ملتے جلتے تھے۔ "میرے ہمراہی ذرا" ہمیں احساس دلا گیا زکوۃ کا اور صدقات کا۔ مجھے رانیہ جیسی لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔ واقعی شام اور کشمیر کے حالات بُرے ہیں ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔ "شکست" صبا ساری زندگی شکست کھاتی رہی اور اتنے عرصے بعد اس کی جیت ہوئی۔ بنت سحر کے افسانے میں شوق سے پڑھتی ہوں (وہ کہاں کم ہیں) سائرہ رضا' سمیرا حمید' بنت سحر اور منشاء محسن علی بہت اچھا لکھتی ہیں اور بنت حوا کوئی افسانہ تم بھی لکھو۔ میں نے حنا میں تمہارا افسانہ "دشت بے یقینی" پڑھا ہے تم اچھا لکھتی ہو۔

میں (ثانیہ)' مریم (کزن)' نازیہ (بہن)' جویریہ (خالہ)' عائشہ (کزن) اور شبانہ' رفعت' سائمہ اور ثمائلہ سب (جو یہ ڈائجسٹ شوق سے اور لڑ لڑ کر پڑھتی ہیں) آپ کو سلام کہہ رہی ہیں۔

ج : پیاری ثانیہ! کم عقلی پر اتنا اچھا تبصرہ لکھا ہے تو عقل ہونے پر تو آپ کیا ہی غضب ڈھاتیں۔ اپنی دوست کی کہانیاں بھجوا دیں۔ پڑھنے کے بعد ہی کچھ کہہ سکیں گے۔ پاک آرمی پر ساجدہ حبیب بہت اچھا لکھتی تھیں۔ اب تو مدت ہوئی انہوں نے لکھنے کو خیرباد ہی کہہ دیا شاید۔

سارہ خان زادہ نے خیسورہ جنوبی وزیرستان سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

مجھے 100 فیصد یقین ہے کہ ہمارے علاقے سے اس سے پہلے کسی نے بھی لیٹر نہیں لکھا۔ میں نے شعاع میں بہنوں کے گلے شکوے پڑھے کہ ہمارے لیٹر ردی کی ٹوکری کھا گئی تو میں نے سوچا کہ ردی کی ٹوکری تو مجھے دیکھتے ہی ہڑپ کر لے گی۔ میری بہن بسمہ عالم' بھابھی شبانہ' فرینڈ گوہر' حلیمہ اور سمیرا تو اتنے دیوانے ہیں شعاع کے کہ میں' بھابھی اور میری بہن الگ الگ شعاع' خواتین خریدتے ہیں' کیونکہ ہم سے صبر نہیں ہوتا۔ ثوبیہ نور نے جو "کشن گڑھ" سے لکھا تھا کہ یہاں جو موسم آتا ہے اور پھر جانے کا نام نہیں لیتا' وہ ہے گرمی کا' تو ثوبیہ جی! آپ ہمارے ہاں آجاؤ' یہاں پر تینوں موسموں سے آپ کا واسطہ پڑے گا۔ یعنی (سردی' بہار' خزاں) لیکن گرمی کا تو نام و نشان نہیں ہوتا اور یہاں کا موسم شہروں کے موسم کے بالکل برعکس ہے۔ ابھی بھی بہار کا موسم ہے۔ بارش کے بعد میں اپنے باغ میں خوبانی کے درخت کے نیچے چیئر پر بیٹھ کر لیٹر لکھ رہی ہوں۔ ساری رائٹر میری فیورٹ ہیں۔ خاص طور پر صائمہ اکرم اور ایمل رضا اور عمیرہ احمد اینڈ نمرہ احمد۔ شعاع اور خواتین میں لکھا ہوا ایک ایک لفظ بہت قیمتی اور سبق آموز ہوتا ہے۔ آخر میں میرے پیارے بھائی شفیع کے لیے تھینک یو کہنا چاہوں گی۔ جس نے مجھے سپورٹ کیا اور لیٹر پوسٹ کرتے ہیں۔ پیاری آپی! لوگ کہتے ہیں کہ ڈائجسٹ پڑھنا اچھی بات نہیں لیکن میں ان لوگوں کو فقط اتنا ہی کہنا چاہوں گی کہ وہ ایک بار غور سے ڈائجسٹ پڑھیں' پھر بتائیں' یہ ڈائجسٹ ہمیں اچھائی کا سبق دیتے ہیں۔ اس میں حدیث اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں بھی ہوتی ہیں۔ تو اس میں برائی کہاں؟

ج پیاری سدرہ! آپ کا خط پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ آپ کا اندازہ صحیح ہے' خیسورہ جنوبی وزیرستان سے یہ پہلا خط ہے جو ہمیں ملا ہے۔ جس وقت آپ کا خط موصول ہوا۔ ہماری ردی کی ٹوکری پیٹ بھر کے کھانے کے بعد سو رہی تھی ورنہ آپ کے خیالات جان کر ضرور ناراض ہوتی۔ شعاع کی اتنی قدردان ہیں' فرمائشیں صرف "شہرزاد" کے حوالے سے کی ہیں۔ پورے شمارے پر تبصرہ کیوں نہیں لکھا؟ آپ کے بھائی' بہنوں' دوستوں سب کی محبت کے لیے شکر گزار ہیں۔

راہی حمید نے کوہاٹ کے پی کے سے شرکت کی ہے۔ لکھتی ہیں

ہم پانچ بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ میں سب سے بڑی ہوں۔ ایف اے پاس ہوں میرا تعلق شرعی پردے سے آراستہ فیملی سے ہے۔ ہم تمام بہنیں پردہ پابندی سے کرتی ہیں اور پانچ وقت کی نمازی ہیں۔

موبائل اور دوسری خرافات سے ہمارا گھرانہ دور ہے میری امی بچاری شوگر کی مریضہ ہیں اور ایک تعلیمی پرائیویٹ ادارے میں کینٹین کرتی ہیں اور ابو اسی کالج میں چوکیداری جن کی تنخواہ چھ ہزار ماہوار ہے۔ مجھے آپ کے یہ تینوں رسالے اتنے اچھے لگتے ہیں کہ میں کیا بتاؤں۔ ان رسالوں کے ذریعے ہی تو مجھ میں صبر' شکر' اخلاص' حیا'

محبت' احترام جیسی اچھی عادتیں پیدا ہوئیں' اچھے برے کی تمیز کا پتا چلا ہے۔ میں آپ کو ایک بات بتاؤں میں یہ رسالے باسی روٹی کے ٹکڑے جو ہوتے ہیں ان کو جمع کر کے اپنے ابو کو دیتی ہوں کہ وہ یہ بیچ کر میرے لیے یہ رسالے لے کر آتے ہیں۔ ان سے رسالے کے پیسے نہیں لے سکتی کیوں کہ ان پر بہت زیادہ ذمہ داریاں ہیں۔ خالی صرف ہمارے گھر کا کرایہ دس ہزار ہے۔ آپ کو پتا ہے میرے ابو شادی کے بعد امی کو یہ رسالے وغیرہ پڑھنے کے لیے نہیں چھوڑتے تھے مگر اب اتنے سالوں بعد وہ میرے لیے خود رسالے لے کر آتے ہیں۔

فرزانہ جی کا مکمل ناول واقعی ایک حساس موضوع پر تھا آج خود میری ممانی ہم سے ناراض ہے کہ امی نے اپنا جائز حق ماموں سے کیوں مانگا۔ تہمینہ جی کا ناولٹ بھی اچھے موضوع پر تھا۔ میری عمر کی لڑکیوں کو میک اپ اور اچھے اچھے کپڑوں کا شوق ہوتا ہے۔ اور میں صرف ان رسالوں کے لیے پاگل ہوتی ہوں۔ میری بہنیں میری عادتوں پر حیران ہوتی ہیں۔

ج : پیاری بہن! آپ کا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ مشکل حالات کا بڑی بہادری سے مقابلہ کر رہی ہیں۔ ہر مشکل۔ کے ساتھ آسانیاں بھی ہوتی ہیں انسان حوصلہ ہار دے تو آسانیاں اسے نظر نہیں آتیں۔ آپ کے والد بہت اچھے ہیں جو آپ کی خوشی کا خیال رکھتے ہیں۔

تفصیلی تبصرہ بہت اچھا لگا۔ آئندہ بھی شرکت کرتی رہیے گا۔

جویریہ ندیم گوجرانوالہ سے شریک محفل ہیں

رمضان کا مہینہ جہاں اپنے ساتھ برکتیں اور رحمتیں لے کر آتا ہے وہاں بچوں کا فرمائشی پروگرام بھی عروج پر ہوتا ہے میاں صاحب تو ہمارے اتنے اچھے ہیں کہ سکنجبین اور کھجور یہ ہی خوش ہو جائیں لیکن ہمیں بچے کچن میں گھسائے رکھتے ہیں۔ دادی اماں کہتی تھیں کہ جو عورتیں روزے رکھ کر گرمی میں اپنے بچوں اور شوہر کے لیے اہتمام کرتی ہیں ان کے لیے بہت اجر ہے۔

ٹائٹل بس سو سو ہی لگا۔ "پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں" معلومات میں اضافہ ہوا۔ دودھ پلانے والی اور حاملہ کے لیے رعایت ـــ ہوتی ہے ورنہ ہم نے تو دونوں حالتوں میں روزے رکھے کیونکہ ہم سے بڑوں نے کہا کہ روزہ کسی بھی حالت میں نہیں چھوڑتے۔ "بندھن" حراجی 'مانی کے لیے کچھ زیادہ ہی ایموشنل ہیں۔ پڑھ کے عجیب لگا کہ "مانی کے علاوہ مجھے کوئی مرد' مرد نہیں لگتا۔ مجھے صرف مانی ہی مرد لگتا ہے۔ مانی ایسا نیلسنٹ ہے کہ اس کو سمجھنے کے لیے دماغ چاہیے۔" مانی صاحب نہ ہو گئے نیوننز لاء ہو گیا۔

"مجھے سنوار دو" اتنی چٹوری اور موٹی ہیروئن چار سموسوں والی بات ہضم کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ کہاں چار سموسے کھانا۔ اللہ کی پناہ۔

"میرے ہمراہی ذرا" ویری نائس بہت اچھا افسانہ جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ "رقصم" اس کا اینڈ مجھے بہت اچھا لگا۔ کہانی میں شروع سے لے کر اینڈ تک دلچسپی برقرار رہی۔

"سنہری دھوپ" اچھا ناول لگ رہا ہے۔ "شہرزاد" ایک ماہ یعنی 30 دن کے انتظار کے بعد شمارے میں قسط کا غائب ہونا' ذرا سوچیے ہمارے دل پہ کیا گزری ہو گی۔ ہم معصوم لوگوں پر رحم کیا کیجیے۔

ج:۔ پیاری جویریہ! اشرقی بیویاں اپنے شوہروں کے لیے ایسی ہی دیوانی ہوتی ہیں۔ حرا کی باتوں پر حیران نہ ہوں۔ ویسے آپس کی بات ہے نیوننز لا تو پھر بھی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ مگر ان بیویوں کی منطق کو سمجھنا اف۔۔۔

رہی رحم کی بات تو "مجبور ہیں اف اللہ' کچھ کہہ بھی نہیں سکتے۔"

جویریہ مریم لکھتی ہیں

شعاع پہلے جیسا نہیں رہا بہت بدل گیا ہے۔ اس کے بہت سے ساتھی اس کی طرف آنا ہی بھول گئے ہیں۔ مثلاً "عمیرہ احمد (آنکھیں محو انتظار ہیں) عرصہ بیتا کوئی ناولٹ' مکمل ناول نظر ہی نہیں آیا اور آمنہ رشید' بینا رضا' ایم سلطانہ فخر' آمنہ حق اور بھی بہت سی رائٹرز جن کی کہانیاں پڑھ کر ہنس ہنس کر جبڑے دکھنے لگتے ہیں۔

ج : پیاری جویریہ! وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ انسان بدل جاتے ہیں۔ موسم بدل جاتا ہے۔ دنیا بدل جاتی ہے تو بیچارے شعاع کا کیا قصور ہے کہ وہ نہ بدلے۔ جہاں بہت ساری رائٹرز ٹی وی کو پیاری ہو گئی ہیں۔ وہیں ہمیں نئی رائٹرز بھی ملی ہیں جنہوں نے بہت جلد قارئین کو اپنا

گرویدہ بنالیا ہے۔ تبدیلی مثبت ہو تو اسے قبول کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔

ایم سلطانہ فخراب دنیا میں نہیں۔ آمنہ رشید نے کبھی بھی شعاع میں نہیں لکھا۔ نہ ہی آمنہ حق کی کوئی تحریر کبھی شائع ہوئی ہے۔ بینا رضا نے تو نہیں البتہ روبینہ رضا نے ایک دو افسانے لکھے ہیں۔

یاسمین کنول نے پسرور سے لکھا ہے

آج موسم کے حوالے سے خوب صورت بنیے میں زبردست ٹوٹکے پڑھنے کو ملے۔ "بس ذرا سا احساس" منا بشری کا بہترین افسانہ تھا۔ کامی شاہ کی غزل زیادہ اچھی لگی۔ مسکراہٹیں اچھی لگیں۔ رقصم اچھا جارہا ہے۔ مجھے سنوار دو بھی اچھی کاوش ہے۔

جب تجھ سے ناتا جوڑا میں نصرت بانو کی ازدواجی زندگی کچھ کچھ اپنی زندگی سے مشابہ لگی۔ کتنی دردناک زندگی ہے ناں مگر زندگی تو ہے ناں۔

آمنہ زاہد نے اچھا لکھا۔ جب تجھ سے ناتا جوڑا اب تصویروں کے بغیر ہوتا جارہا ہے۔ تصویر ضروری لگتی ہے 'دیکھ کر انسان کو تصور کا حقیقت کا روپ ڈھال لینا' اچھا لگتا ہے۔ اصل نہیں تو خیال ہی بنا دیا کریں۔

ج:۔ یاسمین! زندگی اسی کا نام ہے۔ ہم جیسے تیسری دنیا کے لوگوں کی زندگی میں دکھ زیادہ ہیں۔ سکھ کم ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم نے اپنی نفرت' جلن اور حسد کے ہاتھوں زندگی کو مزید کٹھن بنالیا ہے۔ غربت' بیماری' بھوک' افلاس' بڑھاپا اپنی جگہ بڑی آفتیں ہیں لیکن ہم تنگ دل لوگ کسی کو ایک مسکراہٹ بھی نہیں دے سکتے۔ مسکراہٹ دینا تو دور ہم تو کسی کو مسکراتا بھی نہیں دیکھ سکتے۔ جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے سلسلہ پڑھ کر تو معاشرے کی یہی تصویر سامنے آرہی ہے۔

تصویر کی تجویز اچھی ہے۔ اسی ماہ سے عمل کر رہے ہیں۔

کنیز فاطمہ نے جڑانوالہ سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

26 اپریل کا دن ہمارے لیے بہت کڑا ثابت ہوا اس دن ہم ہمیشہ کے لیے اپنے ابو کے سایہ شفقت سے محروم ہو گئے۔ جون کا شعاع 6 کو ملا۔ دوپٹہ لیے ہوئے ماڈل دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ "خواب شیشے کا" بہت سسپنس کری ایٹ کر رہا ہے۔ بہت عرصے بعد اتنا اچھا ناول پڑھنے کو ملا ہے۔ اس دفعہ افسانے سارے ہی زبردست رہے۔ لباس میں توام اقصیٰ نے دریا کو کوزے میں بند کردیا۔ سنہری دھوپ کا اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ رائٹر فرزانہ کھرل میری فیورٹ رائٹرز میں شامل ہوتی جارہی ہیں۔ ان کی تحریر کی پختگی مجھے بہت بھاتی ہے وہ مہربان بھی ثمینہ چودھری کی اچھی کاوش رہی۔

ج: آپ کے والد کی وفات کا جان کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔ آمین۔ اشعار کے سلسلے میں ہماری قارئین بہنیں ہمیں بہت کم اشعار بھیجتی ہیں اور جو اشعار موصول ہوتے ہیں وہ بھی معیاری نہیں ہوتے اس لیے ہم نے اس کے صفحات کم کردیے ہیں۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

نورین فیاض' منڈی بہاؤالدین سے شریک محفل ہیں۔ لکھا ہے

جون کا شمارہ ہاتھ میں آتے ہی سرورق پر نظر پڑی تو دل باغ و بہار ہو گیا۔ اس کے علاوہ مستقل سلسلے اچھے تھے۔

کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ "پیارے نبی کی پیاری باتوں" میں چند احادیث اس کے متعلق بھی بیان کرتیں کہ روزہ کن حالات میں توڑنا جائز ہے۔

تاریخ کے جھروکے میرے شوہر صاحب کا پسندیدہ سلسلہ ہے میں تو تب ہی پڑھتی ہوں جب پڑھنے کو اور کچھ نہ ہو۔

"جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" کیا بات ہے اس سلسلے کی بھئی ہر بندہ مصنف بن گیا ہے اور ہمیں چٹ پٹی اور سچی کہانیاں پڑھنے کو مل رہی ہیں۔ یہ سلسلہ جلدی بند نہیں کرنا میں بھی اس میں شرکت کرنا چاہتی ہوں۔

اور مجھے اختلاف ہے نصرت بانو جی سے کہ ان کے سسرالی دیہاتی تھے اس لیے بیٹیوں کی قدر نہیں کرتے تھے۔ میری شادی بھی گاؤں میں ہوئی ہے لیکن میرے شوہر اور جیٹھ' بیٹیوں سے ہی نہیں بھانجیوں اور بھتیجیوں سے بھی بہت محبت کرتے ہیں۔ میری بیٹی ڈیڑھ سال کی ہے اور میرے جیٹھ اس کو گود میں بٹھا کر اس کے منہ میں نوالے ڈالتے ہیں اور یہ تو بتائیں ساس اور نندوں کو بولنے کا موقع کب ملے گا؟

اب بات ہو جائے کہانیوں کی تو خواب شیشے کا زبردست جا رہا ہے۔ ایمل رضا کو رقصم جیسا بہترین ناول مکمل کرنے پر مبارک باد۔ "سنہری دھوپ" شروعات تو اچھی ہیں آگے دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ "مجھے سنوار دو" بس ٹھیک ہی تھا۔ کوئی نیا پن نظر نہیں آیا۔

فرزانہ کھرل عمدہ موضوعات پر اور بہت عمدہ لکھتی ہیں لیکن آغاز سے کہانی اور کرداروں کی کچھ سمجھ نہیں آتی۔ کیا ہی اچھا ہو اگر آپ آغاز میں ہی کرداروں کا تھوڑا تھوڑا تعارف بھی لکھ دیں۔ "میرا مہربان تو" میں مصنفہ نے ٹھیک ہی لکھا کہ کچھ واقعات زندگی کا مفہوم بدل دیتے ہیں اور شاید ترجیحات بھی۔ افسانے سب ہی اچھے تھے لیکن شکست بہترین تھا اور ہاں مجھے سنوار دو میں ہیرو اپنی ہونے والی بیوی کو کہتا ہے "او میری ماں!" کتنا غلط طرز تخاطب ہے۔ ہماری مصنفین کو خیال رکھنا چاہیے۔

ج : پیاری نورین! کبھی کبھی دل کی بات سن بھی لینی چاہیے اور اطمینان رکھیں ہمیں جب تک آپ کا "نانا جوڑا ہے" نہیں موصول ہو گا ہم اسے بند نہیں کریں گے۔ ساس نندیں فی الحال اپنا شوق گھر میں ہی پورا کر لیں۔ آپ کا مئی کا خط پڑھ لیا ہے اور آپ کی رائے واقعی ہمارے لیے اہم ہے آپ نے اس کا خیال رکھا شکریہ۔

اور گاؤں یا شہر کی بات نہیں اچھے برے لوگ ہر جگہ ہی ہوتے ہیں۔ ہر شخص کی اپنی فطرت ہوتی ہے۔ بہت سے پڑھے لکھے اعلا تعلیم یافتہ شہری لوگ تنگ نظر اور جاہل ہوتے ہیں جبکہ بہت سے معمولی تعلیم یافتہ سمجھ دار اور کشادہ ذہن رکھتے ہیں۔

فائزہ بھٹی نے پتوکی سے محفل کو رونق بخشی ہے، لکھتی ہیں

ٹائٹل سادہ پروقار سادل کو چھو گیا، رمضان کی حرمت میں دوپٹہ لیے لڑکی اچھی لگ رہی تھی۔ حمد و نعت اور احادیث کو خراج پیش کرتے آگے کی جانب رواں ہوئے۔ شعاع آنے سے پہلے وہ ہی مسئلہ زیر بحث تھا کہ روزے میں مسواک کرنا جائز ہے کہ نہیں شعاع کے آتے ہی مسئلہ حل ہو گیا۔ (جزاک اللہ) "خواب شیشے کا" طلال کم ظرف نہ ہو تو تزئین بھگتو اب (یہ عشق نہیں آساں) اوہ عمیر آفندی سامنے آتے ہو یا پھر ہم لوگ آئیں۔ ہر دو، تین ماہ بعد کسی نہ کسی نے دغا دی ہوتی ہے۔ ایسے تو نہیں چلتا نا۔ "رقصم" پہلی قسط میں لگا رقصم کے معنی ایمل رضا کی ایجاد کی ہوئی اصطلاح میں "باپ کو تگنی کا ناچ نچانا" کے ہیں۔ مگر بعد میں اندازہ ہوا۔ باپ ضروری نہیں بلکہ اپنے سے وابستہ ہر رشتے کو نچانا۔

پہلے پہل لگا شاید ایک نیا "یارم" ایمل رضا کے ہاتھوں پایہ تکمیل تک پہنچے گا۔ مگر ایمل رضا نے تھوڑا بہت رد و بدل کر دیا۔ اچھا ہے جلدی ختم ہو گئی۔ نہیں تو ہم لوگوں نے یارم کی رٹ لگا کر اسے یارم بنا کر چھوڑنا تھا "سنہری دھوپ" رابعہ کہتی ہے یہ سلوی بٹ ہے۔ ہنس ہنس آگے دیکھو سیف لکھا ہوا ہے۔ مجھے پکا یاد ہے یہ اس کے میاں کا نام ہے۔ چلو ہم مان گئے۔ کافی عرصے بعد آئی ہیں۔

"کہاں کا ذکر سفر" فرزانہ کھرل کا نام پڑھا، دھوم مچا دی، "چھپا کے چھپی" "پیار کا دوسرا شہر" "کوئی وقت بخش غروب سا" "کہاں کا ذکر سفر" چوتھا بہترین ناول، ہر بار حیران کر چھوڑتی ہیں۔

ان کی کہانی محبت کا ایسا چراغ جس میں وہ وفا، خلوص، ہمدردی، اقدار کی پاسداری کا ایسا تیل ڈالتی ہیں کہ یقین مانیے ہر لفظ لو دینے لگتا ہے۔ کوئی غیر اخلاقی حرکت نہیں، فحش گوئی نہیں، وضع داری کو لیے ہر کردار اپنی مثال آپ۔ جب ہم چھوٹے تھے اور باجی لوگوں کا زمانہ تھا تو اس دور میں شعاع خواتین کی کہانیاں دھیمے سروں میں چلتی ایک لمبے عرصے تک قاری کو باندھ لیا کرتی تھیں۔ درمیان میں ایک عرصہ گزرا ایسی کہانیوں کا سامزہ نہ آیا۔ مگر اب فرزانہ کو پڑھ کر پھر 2000 والا زمانہ یاد آیا۔ ہر کہانی بیتے دنوں کی یاد دلاتی ہے۔

ارے واہ میرا شعر، یہ اپنی خالدہ جیلانی کو ذرا ہولے سے چٹکی تو کاٹیے گا۔ کہیں نیند میں نہ ہوں۔ کہاں تو منتیں کر کے دیکھ لیں۔ اور کہاں اتنی مہربانیاں۔ "خط آپ کے" بہت اچھے بہترین تبصرہ نگار سامنے آ رہی ہیں۔ میں نوٹ کر رہی ہوں۔ آج کل قاری بہنوں کو اپنی لکھائی کے بارے میں بڑا خبط ہے۔ ہر بار کوئی نہ کوئی اپنی لکھائی صاف نہ ہونے کی بات کر رہی ہوتی ہے۔

ج : پیاری فائزہ! آپ کی باتوں میں آ کر ہم خالدہ کو چٹکی کاٹ تو لیتے مگر خالدہ کے بھاری ہاتھ سے ڈر لگتا ہے۔

الیاس احمد جیسے بندے کو کوئی خریدے گا تو پاپڑ کھائیں گی نا آپ اور صرف لکھائی ہی نہیں ہر دو سرا بندہ اپنے پیپرز کے حوالے سے ہم سے دعا کی درخواست کرتا ہے۔ آپ لوگوں کی اتنی عقیدت دیکھ کر اب تو ہمیں بھی لگنے لگا ہے کہ ہم "بابے" ٹائپ کوئی چیز ہیں۔ یہی حال رہا تو ان شاء اللہ جلد ہی کوئی آستانہ بھی کھول لیں گے۔

ویسے فائزہ! آپ نے ہر کہانی پر بڑا عمدہ تبصرہ کیا ہے۔ تہہ دل سے شکریہ۔

کائنات اصغر نے بوزوار سے لکھا ہے

"شہرزاد" کو نہ پا کر حلق تک کڑوا ہو گیا۔ یہ وہی تو سلسلہ وار ناول ہیں جو میں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ پڑھتی ہوں۔ "خواب شیشے کا" ویل ڈن عفت سحر' آپی! پلیز اب ناول کو سسپنس سے نکال دیں۔

"رقصم" کی آخری قسط پڑھ کر مزہ نہیں آیا۔ وہی سب جو ہمیشہ سے کہانیوں کا خاصہ رہا ہے۔ ناولٹ دونوں پڑھے' اچھے تھے۔ "مجھے سنوار دو" ہلکے پھلکے مزاح کے ساتھ دلچسپ لگا۔

آنٹی! ہماری پرانی رائٹرز کہاں ہیں؟ انہیں بلائیں۔ ان کے بغیر تو شعاع و خواتین بالکل خالی' خالی لگتے ہیں۔ یا آپ ہی لکھ دیں۔ آپ مجھے دکھ نہیں رہیں اگر دیکھ لیں (میری معصومیت) تو ضرور لکھ ڈالیں گی۔

ج : پیاری کائنات! اگر لکھنے کی بنیاد معصومیت ہی ہوتی تو روزانہ ہم اپنی شکل دیکھتے ہیں۔ اس حساب سے تو روز ایک ناول لکھ لیتے۔ یہ الگ بات کہ سوائے فوزیہ شرمٹ کے ہمیں کوئی معصوم سمجھتا نہیں۔ تفصیلی تبصرے کے لیے بہت شکریہ۔

آسیہ فرید نے جیوے والا ملتان سے شرکت کی ہے

لکھتی ہیں

مانی اور حرا کا انٹرویو پڑھا۔ حرا کی باتیں' سادگی اچھی لگی۔ شہرزاد ناول کی کمی محسوس ہوئی۔

افسانہ لباس بہت اچھا لگا عورت کو بس عزت ہی کی تو ضرورت ہوتی ہے۔ معصومہ کامیرے ہمراہی ذرا بھی عمدہ تحریر لگی۔

ج : پیاری آسیہ! صرف عورت کو ہی نہیں بنیادی ضروریات کے بعد ہر بشر کو عزت کی ضرورت ہے۔ مگر انسان ایسی مخلوق ہے جو جینے پر یقین رکھتی ہے۔ دینے پر نہیں۔ پرچے کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

مسرت الطاف نے کراچی سے لکھا ہے

اس بار پورا شعاع قابل تعریف اور پرفیکٹ تھا۔ "خواب شیشے کا" یہ قسط سپرڈوپر تھی۔ اس بار "شہرزاد" کو غائب دیکھ کر بہت مس کیا۔ "رقصم" کی لاسٹ ایپی سوڈ قابل تعریف تھی۔ "سنہری دھوپ" پہلی قسط لاجواب تھی۔ "کہاں کا ذکر سفر" آؤٹ اسٹینڈنگ تحریر تھی۔ موضوع بہت جان دار تھا۔ "مجھے سنوار دو" بہت ہی نائس اسٹوری تھی۔ لڑکیوں کی گیدرنگ' صابرہ اور نصرت بیگم کی نوک جھونک کمال کی لگی' اوپر سے عاقلہ خاتون کی انٹری' ہانیہ کا ندیدہ پن اس امیزنگ' یہ ناولٹ پڑھ کر سیروں خون بڑھ گیا۔ افسانوں میں "بس ذرا سا احساس" بہت تکلیف دہ لگا اور حقیقت کے قریب تر۔ "لباس" بھی قابل تعریف تھا۔ "شکست" اتنے عرصے تک صبا کی خاموشی پسند نہیں آئی۔

ج ۔ پیاری مسرت! تبصرہ ہمیشہ کی طرح بہت جامع اور بے ساختہ ہے۔ اچھا لگا۔ ام رومان کو پہلی سالگرہ مبارک ہو اور ان کی والدہ سمیعہ زین کو بھی۔

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور اوارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما' ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

دستک دستک دستک

شاہین رشید

تحریم منیبہ

تحریم منیبہ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ معروف نعت خواں اور پروفیسر منیبہ شیخ صاحبہ کی بیٹی ہیں۔ حال ہی میں منیبہ شیخ صاحبہ بہت سی یادیں چھوڑ کر ملک عدم کو روانہ ہوئیں۔۔۔ ان کے بارے میں ان کی بیٹی سے کچھ باتیں ہوئیں۔۔۔ آپ بھی پڑھیے۔

"کیا حال ہے تحریم۔۔۔ اور آپ کی اماں اور ہم سب کی پسندیدہ نعت خواں منیبہ شیخ صاحبہ اب ہمارے درمیان نہیں ہیں۔۔۔ اچانک رخصت ہوئیں یا کچھ ٹائم بیمار رہیں؟"

"امی کو تقریباً" دس پندرہ سال سے شوگر تھی' امی بیمار نہیں تھیں۔ ان کی شوگر بھی کنٹرول میں تھی۔۔۔ ہم لوگ عمرہ پہ گئے ہوئے تھے 17 تاریخ کو ہماری واپسی ہوئی۔۔۔ امی کی خوراک اچانک بہت کم ہو گئی اور انہیں نیند بہت آنے لگی۔ پھر انہیں کھانسی بہت ہونے لگی تو ہم نے ڈاکٹر صاحب کو گھر بلایا۔۔۔ ان کے کچھ ٹیسٹ ہوئے' رپورٹس آئیں تو پتا چلا کہ ان کی شوگر شدید ہائی ہے۔ اسپتال میں داخل کرایا۔ ایک دن کے بعد ڈاکٹر نے بتایا کہ ان کی کڈنیز بھی متاثر ہوئی ہیں شوگر کی وجہ سے۔ تو انہیں آئی سی یو میں رہنا پڑے گا۔۔۔ دس دن امی آئی سی یو میں رہیں اور بس پھر ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں۔ ایک دم سے ان کے گردے فیل ہوئے ان کے پھیپھڑوں میں پانی بھر گیا۔ انہیں نمونیہ بھی ہو گیا۔ بس ان کے جانے کے بہانے بنتے گئے۔۔۔ اصل میں تھا انہیں کچھ بھی نہیں۔۔۔ عمرے پہ ہم جو چودہ پندرہ دن رہے' ہمیں بہت مزہ آیا۔ بہت اچھے دن گزرے بہت گھومے پھرے' بہت باتیں کیں ہمیں احساس بھی نہیں تھا کہ امی کی جدائی کے دن قریب آ رہے ہیں۔۔۔ ایک بات میں نے نوٹ کی کہ بیمار ہونے سے کچھ دن پہلے امی یہ ضرور کہتی تھیں کہ میرے بعد تم یہ لے لینا۔۔۔ تم یہ کر لینا۔۔۔ تو مجھے ان باتوں سے بہت ڈر لگتا تھا اور میں کہتی تھی کہ پہلے تو آپ نے ایسی کوئی بات نہیں کی تو اب کیوں کر رہی ہیں

۔۔۔ مگر لگتا ہے کہ انہیں کچھ احساس ہو گیا تھا اور یقین جانیے کہ امی کو زندگی میں نزلہ زکام کے کبھی کچھ ہوا بھی

نہیں تھا۔۔۔ بس بہانہ بنا اور وہ رخصت ہو گئیں۔"

"اللہ نے تمہیں بھی خوب صورت آواز دی ہے۔ تو کیا اپنی ماں کے مشن کو آگے بڑھاؤ گی؟ اور امی کے ساتھ زندگی کیسی گزری؟"

"یہ بات درست ہے کہ اللہ نے مجھے جو کچھ بھی دیا۔ اچھی آواز' اچھی شکل۔۔۔ یہ سب اس کا احسان ہے۔ لیکن میری تمام خوبیوں کو پالش کرنے والی میری امی ہیں۔ اور زندگی میں میں جتنے بھی اچھے کام کروں گی اس کا ثواب میری امی کو ضرور ملے گا' ان شاء اللہ۔۔۔ امی کی طرح نعت خوانی کو آگے بڑھانے کی اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے۔۔۔ مگر جو معیار منیبہ شیخ صاحبہ کا رہا ہے اسے برقرار رکھنا بہت مشکل کام ہے۔۔۔ امی کی زندگی میں' میں نے بہت بے فکری کی لائف گزاری ہے۔۔۔ مجھے معلوم تھا کہ امی کا نعت خوانی میں بہت بڑا نام ہے تو میں نے اپنا نام پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یعنی اپنے کام کے ذریعے۔۔۔ کیونکہ امی تک تو میں پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔۔۔ کمپیئرنگ میں' میزبانی میں۔۔۔ مذہبی پروگرام کی میزبانی میں اور ٹی وی پروگرام کی پروڈکشن میں میں نے بہت کام کیا اور الحمد للہ مجھے بہت پذیرائی ملی۔۔۔

نعت تو میں اس وقت سے پڑھ رہی ہوں جب میں ڈھائی سال کی تھی۔ میں تلاوت کرتی تھی۔ جب میں بہت کم عمر تھی۔۔۔ اور یہ سب امی کے طفیل ملا۔ بڑے ہونے کے بعد میں نے نعت خوانی کم کر دی' محافل میں نہیں جاتی تھی اور نہ ہی ٹیلی وژن پہ زیادہ نعت خوانی کی' کیونکہ مجھے لگتا تھا کہ لوگوں نے نعت خوانی کو کمرشل ازم میں ڈھال دیا ہے۔ اس لیے احتجاجاً" سب کچھ چھوڑ دیا۔ بس نعت خوانی اور تلاوت ذاتی محفلوں تک محدود کر دی۔"

"والدہ کے انتقال کے بعد کس بات کا بہت شدت سے احساس ہوا کہ مجھے کیا کرنا ہے؟"

"امی کا انتقال ہوا تو مجھے یہ احساس نہیں تھا ان کے جانے کے بعد مجھے شدت سے احساس ہوا کہ اگر میں اماں کی نعت خوانی کو لے کر آگے نہ چلی یا ان جیسی نعت خوانی کی کوشش نہ کروں تو مجھ سے یہ سوال ضرور ہو گا کہ آپ کو ایک توفیق' ایک طاقت' ایک مرتبہ' ہر چیز دی گئی تھی' آپ نے کیا کیا؟ تو ان شاء اللہ امی کے کام کو ان کے مشن کو ضرور آگے بڑھاؤں گی۔"

"منیبہ شیخ کی تربیت کے بارے میں کیا کہیں گی؟"

"امی نے میری پرورش الحمد للہ ایسے کی کہ نہ ان کی زندگی میں مجھے کسی کی داد (تعریف) کی ضرورت پڑی اور نہ اب پڑے گی۔ صرف دو چیزوں کی ضرورت رہی مجھے کہ امی مطمئن ہوں' امی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ہو' اور اللہ تعالیٰ راضی ہو مجھ سے۔ زندگی میں بس دو معیار رہے۔ ہر کام کو کرنے سے پہلے صرف دو چیزیں میں نے سوچیں' ایک یہ کہ "امی کیا سوچیں گی" اور دوسری یہ کہ "اللہ تعالیٰ اسے کس طریقے سے لے گا۔ قبول کرے گا یا نہیں کرے گا۔" اور ان شاء اللہ یہی معیار برقرار رہے گا۔"

"تعریف تو ہر انسان کی کمزوری ہوتی ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ داد کی ضرورت نہیں پڑی؟"

"داد یا تعریف کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ تعریف matter نہیں کرتی اور امی کے لیے تو بالکل بھی نہیں کرتی تھی۔ داد میٹر کرتی تو منیبہ شیخ مرحومہ کا کوئی معیار نہ ہوتا' وہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ان کے معیار کے کلام پڑھتیں۔۔۔ ان کا اپنا ایک معیار تھا جو وہ مجھے وراثت میں دے کر گئی ہیں الحمد للہ۔"

"اپنی امی کے ساتھ ساری زندگی گزاری کوئی ایک یاد تم قارئین سے شیئر کرنا چاہو گی؟"

"کوئی ایک یاد۔۔۔ ایک بڑی عجیب سی بات میں آپ کو بتاتی ہوں۔۔۔ کہ امی اور میں کبھی آپس میں بہت لمبی چوڑی بات نہیں کرتے تھے۔۔۔ بہت کم ایسا ہوا کہ ہم دونوں ساتھ بیٹھے ہوں اور ہماری کوئی بیٹھک لگی ہو' کوئی گپ شپ ہوتی ہو' کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ ان کو میری ساری باتیں پتا ہوتی تھیں' مجھے ان کی ساری باتیں پتا ہوتی تھیں۔۔۔ انہیں کیا چاہیے مجھے معلوم ہوتا تھا۔ مجھے کیا چاہیے انہیں

معلوم ہوتا تھا۔۔۔ ہمیں کبھی اپنے جذبات ظاہر کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔۔۔ میرے حلقے میں جتنے بھی لوگ مجھے جانتے ہیں۔ وہ الحمد للہ مجھے میرے وقت کی سب سے مضبوط لڑکی کہتے ہیں ہر طرح سے ۔۔۔ اور اس کا سارا کریڈٹ میری امی کو جاتا ہے۔ خود مختاری' اپنے فیصلے خود کرنا۔۔۔ خود انحصاری' تقویٰ۔۔۔ عشق رسول کے لیے جو ایک انسان میں ضروری ہے' وہ سب میری اماں نے مجھے سکھایا۔۔۔ میرے پاس ان کی یہی یادیں ہیں۔"

"بہت اداس ہو رہی ہو۔۔۔ کچھ ادھر ادھر کی باتیں ہو جائیں تم سے۔۔۔ کیا مصروفیات ہیں آج کل۔۔۔ اور کس چینل کے لیے کام کر رہی ہو؟"

"کسی چینل کے لیے آج کل کچھ نہیں کر رہی۔۔۔ ایک چینل کے ساتھ کنٹریکٹ سائن کیا تھا۔ مگر پھر امی کی علالت کے باعث اور پھر ان کے انتقال کے بعد میں نے منع کر دیا۔۔۔ بلکہ علالت کے دوران ہی میں نے منع کر دیا تھا کہ کوئی پروگرام نہیں کروں گی۔۔۔ امی کے انتقال کے بعد میں نے کوئی پروگرام نہیں کیا۔۔۔ امی کے انتقال کے بعد میڈیا اور پریس کسی سے کوئی بات نہیں کی' میں نہیں چاہتی تھی کہ امی کے انتقال پہ کوئی میڈیا کوریج ہو۔۔۔ کیونکہ امی ایک خاتون تھیں اور حکم خداوندی ہے کہ عورت کا جنازہ پردے میں ہی رہنا چاہیے۔۔۔ اور جم غفیر اکٹھا کرنے کا مجھے کوئی شوق نہیں تھا۔۔۔ اور انہوں نے زندگی جس وقار کے ساتھ گزاری تھی ان کی آخری رسومات بھی اسی وقار کے ساتھ ہونی چاہیے تھیں۔ اس لیے میں نے میڈیا کو دور رکھا۔ ہاں "ہم ٹی وی" سے امی کے لیے ایک تعزیتی پروگرام ہوا جس میں میں نے شرکت کی۔۔۔ اور اب مزید کوئی پروگرام نہیں کروں گی۔ "ہم ٹی وی" والے صحیح معنوں میں امی سے محبت کرتے ہیں۔ اس لیے میں نے ان کے ساتھ پروگرام کیا۔ خیر تو ٹی وی کے کسی بھی چینل کے لیے کچھ نہیں کر رہی۔ کیونکہ پروگرام کرنے کے لیے انسان کو اپنے حواس میں ہونا پڑتا ہے۔ ٹھیک ٹھاک ہونا پڑتا ہے اور یہ دونوں چیزیں اس وقت میرے پاس نہیں ہیں۔ نہ حواس' نہ صحت اور نہ ہی طاقت۔"

"گزشتہ دنوں تم بھی کافی بیمار رہیں۔۔۔ کیا ہوا تھا تمہیں؟"

"جی۔۔۔ میں بیمار تھی اور اصل میں میرا "روٹ کنال" ہوا تھا۔۔۔ اور کیس خراب ہو گیا تھا۔۔۔ اس کے بارے میں آپ رہنے دیں۔۔۔ جو ہوا سو ہوا۔۔۔ اب اللہ کا شکر ہے کہ کوئی مسئلہ نہیں صحت کا۔"

"اور کچھ کہنا چاہو گی؟"

"ہاں۔۔۔ میں یہ کہنا چاہوں گی۔۔۔ نعت لکھنا' نعت پڑھنا اور نعت سننا ہر ایک کی قسمت میں نہیں ہوتا۔۔۔ اگر نعت کسی نے لکھی ہے۔ پڑھی ہے یا سنی ہے تو اسے اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس کا انتخاب کیا تھا۔ صرف اچھی آواز ہونا' دو ردیف قافیے کو ملا دینا اور کسی محفل میں پہنچنے کی استعداد رکھنا کافی نہیں ہوتا۔۔۔ نعت کے لیے دل میں عشق رسول' آداب محبت کا پتا ہونا اور قرآن پاک کی رُو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کرنے کے آداب کے بارے میں معلومات ہونا بہت ضروری ہے اور فرض ہے۔"

"بے شک۔۔۔ جو تم میں سادگی' انکساری اور دھیما لہجہ ہے یہ یقیناً" منیبہ شیخ کی تربیت کا ہی نتیجہ ہو گا؟"

"بہت زیادہ سادگی منیبہ شیخ صاحبہ میں بدرجہ اتم موجود تھی۔۔۔ پیشے سے پروفیسر اور دل سے عاشق رسول تھیں اور دنیائے اسلام کی پہلی نعت خواں خاتون۔ جو صرف نعت خوانی کرتی رہیں۔ امی پہلی نعت خواں ہیں جنہیں تمغہ حسن کارکردگی برائے "نعت خوانی" ملا ہے۔ امی نے کبھی نعت خوانی کو پیشہ نہیں بنایا۔۔۔ کیونکہ عشق بیچا نہیں جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں بھی گھروں میں میلاد نہیں پڑھتی اور ٹی وی اسکرین پہ نظر نہیں آتی۔۔۔ میرا پیشہ کمپیئرنگ' میزبانی اور پروڈکشن ہے تو آج میں جو کچھ ہوں اپنی امی منیبہ شیخ کی بدولت۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے اور مجھے صبر۔۔۔ آمین"۔

☆

واصفہ سہیل

آپ جائیں

نعرہ

گلوکار ابرار الحق اور عطاء اللہ خان عیسیٰ خیلوی کے بعد اب جواد احمد بھی سیاست میں قدم رکھ رہے ہیں۔ (نہیں۔۔۔ نہیں بھئی وہ یہ۔۔۔ وہ اور ان کی پارٹی میں نہیں جا رہے' بلکہ) اس کے لیے انہوں نے ایک نئی سیاسی جماعت بنائی ہے۔ (ممبر کون کون ہے؟) اور الیکشن کمیشن میں رجسٹریشن کے لیے درخواست بھی جمع کرا دی ہے۔ (پہلے والی پارٹیاں کیا اس قابل نہ تھیں جو نئی۔۔۔ پارٹی بھئی۔) اس بارے میں جواد کا کہنا ہے کہ وہ برابری کا ایجنڈا (کس کی؟) لے کر عوام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ (کیا جھاڑو پونچھا کریں گے یا کھانا پکائیں گے۔ عوام کی خدمت کے لیے بھئی اور کیا؟) ہم چاہتے ہیں کہ عوام کو تعلیم' روزگار اور صحت کے حقوق برابری کی بنیاد پر دیے جائیں۔ (قصے! ایک بھی لعوبیا نہیں ہے۔)

جواد احمد اس سے قبل یہ دعوا بھی کر چکے ہیں کہ ان کو بڑی سیاسی جماعتوں نے اپنے ساتھ شامل کرنے کی دعوت دی ہے' جس کو وہ مسترد کر چکے ہیں۔ (اب وہ خود کس کو دعوت دیتے ہیں' یہ دیکھنا ہے۔)

احساس

فواد خان بیٹے کے ساتھ ساتھ گزشتہ دنوں ایک بیٹی کے باپ بھی بن چکے ہیں۔ فواد خان اس بارے میں کہتے ہیں کہ۔۔۔

"ہر بچے کی پیدائش کے بعد مرد پر ذمہ داریوں کا زیادہ بوجھ آجاتا ہے۔ اپنے بچے کی بہتر پرورش کے لیے تمام ضروری وسائل مہیا کرنے ہوتے ہیں۔ (فواد! یہ احساس ذمہ داری ہر کسی میں نہیں ہوتا) میرے لیے اپنے بیٹے ایان کی پیدائش ایک خوب صورت اور سنسنی خیز تجربہ تھی۔ لیکن بیٹی کا باپ بننے کا تجربہ میرے لیے اور بھی زیادہ خوشیاں لے کر آیا ہے اور

اب مجھے زیادہ دیر اپنے بچوں سے دور رہنا مشکل ہوتا ہے۔"

تنبیہہ

مقبول و معروف فن کاروں کے نام کا اکثر لوگ فائدہ اٹھا لیتے ہیں' لیکن پچھلے دنوں تو حد ہی ہو گئی' نادیہ حسین کا نام استعمال کرتے ہوئے نوجوان لڑکیوں کو غلط راستے پر لگایا جارہا ہے۔ نادیہ حسین نے اس بارے میں لوگوں اور خاص طور پر نوجوان لڑکیوں کو واضح پیغام دیا ہے کہ ان کا اس سب سے کوئی تعلق نہیں ہے اور میں ماڈلنگ' شوبز میں لڑکیوں کو کوئی چانس نہیں دیتی' نہ دلوا سکتی ہوں' اگر کوئی ان سے بے ہودہ تصاویر منگواتا ہے اور فحش گفتگو یا ڈیمانڈ کرتا ہے تو نادیہ حسین کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لڑکیوں کو خود بہت محتاط رہنا چاہیے کہ اگر کوئی میڈیا میں چانس دے رہا ہے تو وہ غلط ڈیمانڈ کیوں کرے گا۔

نادیہ حسین نے واضح کیا ہے کہ نہ تو وہ بیرون ملک کوئی فیشن شو آرگنائز کراتی ہیں' نہ یہاں ان کی کوئی ماڈلنگ ایجنسی ہے۔ اگر کسی لڑکی سے کوئی ان کے نام سے رابطہ کرتا ہے تو وہ اس پر یقین نہ کرے۔ نادیہ اس سلسلے میں قانون سے بھی مدد لینا چاہتی ہیں۔ (مگر۔۔۔؟)

تبدیلی

پچھلے دنوں ماہرہ خان نے دبئی میں ہونے والی گلوبل ٹیچرز پرائز کی تقریب میں شرکت کی' اس میں انہوں نے کہا کہ جذبہ اور یقین خود پر کہ آپ تبدیلی لا سکتے ہیں۔ (ہیں تبدیلی تو۔۔۔) تو ہی آپ اچھے نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔ استاد کلاس میں اس سوچ کے ساتھ جائے کہ وہ تبدیلی کا سبب بنیں گے۔ بچوں کو آپ کی آنکھوں میں محبت نظر آنی چاہیے۔ تب ہی وہ آپ پر اعتماد کرتے ہیں۔ آپ کو بچوں کا اعتماد جیتنا ہے۔ آپ کے کندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ بچوں کا دماغ بہت حساس ہوتا ہے۔ (ویسے حساس تو ہمارا دماغ بھی ہے جو آپ کی ایسی باتوں پر گھوم گیا ہے۔) اس لیے آپ کو بہت احتیاط کے ساتھ علم کو ان تک پہنچانا ہے۔ (دراصل یہ ماہرہ کی والدہ کے خیالات تھے جو انہوں نے ماہرہ کے ساتھ شیئر کیے اور ماہرہ نے۔۔۔؟)

کچھ ادھر' ادھر سے

☆ نواز شریف کسی بند کمرے یا بند گلی میں داخل نہیں ہوئے۔ وہ سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت آگے بڑھ رہے ہیں۔ ساڑھے تین دہائیوں پر مشتمل میرا مشاہدہ گواہ ہے کہ میاں نواز شریف نہایت خوش قسمت انسان ہیں۔ وہ مقدر کے سکندر ہیں۔ مشرف کی پھانسی سے انہیں محض مقدر نے بچایا تھا۔

(ڈاکٹر صفدر محمود۔۔۔ صبح بخیر)

☆ کسی کو گاڈ فادر کہنا اور کسی کو مسلی کی مافیا سے تشبیہ دینا مناسب بات نہیں ہے۔ عدالت کا اور عدالت سے متعلق حمایت کا ایک وقار ہوتا ہے۔ ایک ادب ہوتا ہے۔ اسے بہرحال برقرار رہنا چاہیے۔ اب ہم آپ کو یہ بھی بتا دیں کہ گاڈ فادر ناول کو معیاری ادب میں شمار نہیں کیا جاتا' ایسے ناولوں اور افسانوں کو پلپ فکشن کہا جاتا ہے۔

(مسعود اشعر۔۔۔ آئینہ)

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

شیر خرما

ضروری اجزا :

دودھ	ایک لیٹر
سویاں (چورا کرلیں)	آدھا کپ
بادام	30 گرام
پستے	30 گرام
گھی	4-3 کھانے کے چمچے
چاندی کا ورق	سجاوٹ کے لیے
چینی	آدھا کپ
چھوٹی الائچی	دو عدد
لونگ	ایک عدد
چھوہارے	6-4 عدد

ترکیب :

پتیلی میں گھی گرم کرکے اس میں چھوٹی الائچی اور لونگ ڈال کر کڑکڑائیں۔

کشمش، ناریل، بادام، پستے چھوہارے اور سویاں ڈال کر بھونیں۔

اس کے بعد اس میں دودھ اور چینی ڈال کر پکائیں ابال آنے تک مسلسل چمچہ چلائیں۔ اس کے بعد درمیانی آنچ پر آمیزے کے ہلکا گاڑھا ہونے تک پکائیں مزیدار شیر خرما تیار ہے۔

سرونگ ڈش میں نکال کر چاندی کا ورق لگائیں اور بادام پستے سے سجا کر پیش کریں۔

رس ملائی

ضروری اجزا :

دودھ	ایک لیٹر
ملک پاؤڈر	ایک کپ
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
انڈا	ایک عدد
چینی	آٹھ کھانے کے چمچے
گھی (جما ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
الائچی	چار عدد
پستہ (کٹے ہوئے)	5-4 عدد

ترکیب :

دودھ میں چینی اور الائچی ڈال کر ابال لیں۔ ملک پاؤڈر لیں اس میں بیکنگ پاؤڈر اور انڈا ڈال کر گھی کے ساتھ گوندھ لیں۔ اب ہاتھ پر ہلکا سا گھی لگا کر اس کی چھوٹی چھوٹی گولیاں بنالیں۔ جب دودھ ابل جائے تو اس میں یہ گولیاں ڈال دیں اب اسے درمیانی آنچ پر رکھ کر 10-8 منٹ تک پکائیں۔ تھوڑی دیر میں یہ پھول جائیں گی۔ پتیلی کو وقفے وقفے سے ہلاتے رہیں۔ جب تھوڑا سا دودھ گاڑھا ہو جائے تو اتار لیں اور ٹھنڈا کرلیں اس کے بعد پستہ وغیرہ چھڑک کر پیش کریں۔

دودھ دلاری

ضروری اجزا :

دودھ	ایک لیٹر
رنگین سویاں (ابال لیں)	سو گرام
کنڈینس ملک	آدھا کپ
چینی	چھ کھانے کے چمچے
رس گلے چھوٹے والے	حسب پسند
چاول (پسے ہوئے)	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

دودھ گرم کرکے اس میں رنگین سویاں، چینی، پسے ہوئے چاول ڈال کر 15-10 منٹ تک پکائیں اس کے بعد اس میں گلاب جامن اور کنڈینس ملک ڈال کر سرونگ ڈش میں نکال لیں اور خوب ٹھنڈا کرکے مزیدار دودھ دلاری سرو کریں۔

چکن بالز املی سوس کے ساتھ

ضروری اجزا :

چکن بالز کے لیے

مرغی کا قیمہ	ایک پاؤ
لہسن کے جوے	دو عدد (باریک کٹے ہوئے)
چاول کا آٹا	دو چائے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
فش ساس	دو چائے کے چمچے
تیل	تین کھانے کے چمچے
بند گوبھی	ایک کپ (باریک کاٹ لیں)
مرغی کی یخنی	ایک چوتھائی کپ
سیلوری (چوپ کرلیں)	آدھا کپ
شملہ مرچ	ایک عدد
ہری پیاز	ایک عدد
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچے

ساس تیار کرنے کے لیے

املی کا گودا	ایک کھانے کا چمچہ
شکر	تین چائے کے چمچے
چاول کا آٹا	ایک کھانے کا چمچہ
فش س	دو چائے کے چمچے

ترکیب :

ساس تیار کرنے کے لیے املی کا گودا، شکر، چاول کا آٹا اور فش ساس ایک پیالے میں ڈال کر مکس کرلیں۔ چکن بالز تیار کرنے کے لیے ایک پیالے میں قیمہ، نمک، آدھا لہسن اور چاول کا آٹا مکس کرلیں۔ قیمے کے گول بالز بنالیں۔ فرائنگ پین میں 2 کھانے کے چمچے تیل گرم کرکے بالز فرائی کرلیں۔ بالز کی رنگت سنہری ہوجائے تو نکال کر الگ ڈش میں رکھیں۔ اسی فرائنگ پین میں دوبارہ 1 کھانے کا چمچہ تیل ڈالیں۔ بقیہ بچا ہوا لہسن اور بند گوبھی ڈال کر فرائی کریں۔ فرائی کی ہوئی بالز، یخنی، باریک کٹی ہوئی سیلوری، شملہ مرچ، ہری پیاز، ہرا دھنیا فش ساس اور املی کا رس شامل کرکے 2 منٹ تک پکائیں گرم گرم سرو کریں۔

شاہی ملائی کباب

ضروری اجزا :

قیمہ	آدھا کلو
ڈبل روٹی سلائس	چھ عدد
دودھ	ایک کپ
پیاز	دو عدد (باریک کٹی ہوئی)
ہری مرچیں (کٹی ہوئی)	چار عدد
ہرا دھنیا	آدھا گٹھی
فریش کریم	دو کھانے کے چمچے
لال مرچ پاؤڈر	آدھا کھانے کا چمچہ
انڈا	ایک عدد
تکہ مصالحہ	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت
نمک	حسب ضرورت

ترکیب :

ڈبل روٹی کے کنارے کاٹ کر سلائس کو دودھ میں بھگودیں۔ قیمہ میں پیاز، ہری مرچیں، ہرا دھنیا، لال مرچ پاؤڈر، انڈا، نمک اور تکہ مصالحہ مکس کریں۔ بھیگے ہوئے سلائس ہاتھ سے نچوڑ کر قیمے میں ملائیں اور کریم بھی مکس کریں۔

اس کے کباب بنا کر تیل میں گولڈن براؤن کرلیں۔ مزیدار شاہی ملائی کباب تیار ہیں۔

ورماسلی کسٹرڈ کونافہ (ترکش ڈش)

ضروری اجزا :

دودھ	آدھا لیٹر
چینی	آدھا کپ
ونیلا کسٹرڈ	دو کھانے کے چمچے
سویاں	ایک پیکٹ
چینی	آدھا کپ
پانی	دو کپ
الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ

گھی	دو کھانے کے چمچے
جیلاٹن پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
کھویا، پستہ، بادام، کشمش، ناریل، سجاوٹ کے لیے	

ترکیب :

1 ۔ دودھ کو گرم کر کے اس میں چینی اور کسٹرڈ پاؤڈر ڈال کر کسٹرڈ تیار کرلیں۔

2 ۔ گرم گھی میں سویاں ہلکی سی فرائی کرلیں اور چینی، پانی، الائچی ڈال کر پکالیں اور ایک طرف رکھیں۔

3 ۔ کسی گول سانچے یا دیگچی میں آدھی سویاں پھیلائیں۔ تیار کسٹرڈ میں جیلاٹن کو پانی میں حل کر کے ڈالیں اور مکس کرلیں اور سویوں پر ڈال دیں۔ تھوڑی دیر فریج میں رکھیں، کسٹرڈ سیٹ ہوجائے تو باقی سویاں اس پر پھیلادیں۔ جب سیٹ ہوجائے تو سرونگ پلیٹ میں الٹ دیں۔ کھوئے، پستہ، بادام، ناریل سے سجاوٹ کر کے پیش کریں۔

نوابی شاہی ٹکڑے

ضروری اجزا :

ڈبل روٹی (بڑی)	ایک عدد
دودھ	ایک لیٹر
چینی	آدھا کپ
کھویا	آدھا
الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
بادام، پستے	حسب ذائقہ
چاندی کا ورق	سجاوٹ کے لیے
زرد رنگ	ایک چٹکی
گھی	حسب ضرورت

ترکیب :

ڈبل روٹی کے کنارے علیحدہ کر کے تکون کاٹ لیں۔ فرائی پین میں گھی گرم کر کے ڈبل روٹی کو سنہرا تل کر نکال لیں۔ ایک کھلے منہ کی دیگچی میں دودھ کو اتنا ابالیں کہ وہ تہائی حصہ رہ جائے۔ اس میں چینی، الائچی پاؤڈر اور زرد رنگ شامل کر کے دو منٹ پکا کر کھویا ڈال دیں اور مکس کردیں۔

ایک سرونگ ڈش میں تلی ڈبل روٹی کے سلائس ترتیب سے رکھ کر اوپر سے تیار دودھ ڈال دیں۔ تھوڑا ٹھنڈا ہوجائے تو پستے، بادام، کھویا اور چاندی کے ورق سے سجا کر فریج میں رکھ دیں اور ٹھنڈا ہونے پر پیش کریں۔

فرائیڈ چکن بائیٹ

ضروری اشیاء :

چکن (لمبائی میں کاٹ لیں)	آدھا کلو
نمک	حسب ضرورت
کیچپ	دو کھانے کے چمچے
سیاہ مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
زیرہ (کٹا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
سرکہ	ایک چائے کا چمچہ
تیل	تلنے کے لیے
اسٹکس	حسب ضرورت

ترکیب :

ایک بڑے پیالے میں چکن میں نمک، کیچپ، سیاہ مرچ، لہسن، ادرک، زیرہ اور سرکہ لگا کر آدھے گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں۔ تاکہ مسالا اس میں رچ جائے چکن کو اسٹکس میں پرو کر تل لیں اور پلیٹ میں نکال کر کیچپ چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

امتہ الصبور

تاریخ کے جھروکوں سے

بہادر شاہ اور پھول والوں کی سیر
مسلمانوں کی رواداری

حوادث زمانہ کے دلی کا چمن پائمال ہو چکا تھا اور باد مخالفت کے جھونکوں سے سلطنت مغلیہ کی شوکت واقتدار کے بڑے بڑے شمنے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے' پھر بھی کسی بڑی سے بڑی طاقت کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اس برائے نام بادشاہ کو تخت سے اتار کر دلی کو اپنی سلطنت میں شریک کر لے۔

مرہٹوں کا زور ہوا' پٹھانوں کا زور ہوا' جاٹوں کا زور ہوا' انگریزوں کا زور ہوا مگر دلی کا بادشاہ دلی کا بادشاہ ہی رہا' اور جب تک دلی بالکل تباہ نہ ہوئی' اس وقت تک کوئی نہ کوئی تخت پر بیٹھنے والا نکلتا ہی رہا۔ دلی کے ریذیڈنٹ نے بہت چاہا کہ بادشاہ کے اعزاز و احترام میں کمی کر دے۔ گورنر جنرل نے بڑی کوشش کی کہ شاہی خاندان کو قطب میں منتقل کر کے قلعے پر قبضہ کر لے کورٹ آف ڈائریکٹرز نے بہت زور مارا کہ دلی کی بادشاہت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ مگر بورڈ والے اس پر کسی طرح تیار نہ ہوئے۔ وہ جانتے تھے کہ دلی کا بادشاہ کیا ہے اور اس کے اثرات کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں۔

بڑے بڑے مباحثے ہوئے۔ نوجوانوں نے بہت کچھ جوش و خروش دکھایا۔ مگر انگلستان کے جہاں دیدہ بڈھوں کے سامنے ایک نہ چلی۔ جب بورڈ میں مسٹر ملکر نے کھڑے ہو کر کہا۔

"عزیزو! میں پچاس سال ہندوستان میں رہا ہوں۔ میں وہاں کے رنگ سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ دلی کا قلعہ کیا ہے۔ اس کی بنیاد اگر ایک طرف کابل تک گئی ہے تو دوسری طرف راس کماری تک۔ اس جانب آسام تک ہے تو دوسری جانب کاٹھیاواڑ تک۔ ذرا قلعے کو ہاتھ لگایا تو وہ زلزلہ آئے گا کہ سارا ہندوستان ہل جائے گا۔ یہ برائے نام بادشاہت جس طرح چل رہی ہے اسی طرح چلنے دو۔"

آخر بورڈ میں بڈھے جیتے اور جوان ہارے۔ دلی کے بادشاہ کا اقتدار ضرور کم ہو گیا مگر جو عقیدت رعایا کو بادشاہ سے تھی اس میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ اور جو محبت بادشاہ کو رعایا سے تھی' وہ جیسی تھی ویسی رہی۔ رعایا کی وہ کون سی خوشی تھی جس میں بادشاہ حصہ نہ لیتے ہوں' اور بادشاہ کا وہ کون سا رنج تھا جس میں رعایا شریک نہ ہوتی ہو۔ بات یہ تھی کہ دونوں جانتے اور سمجھتے تھے کہ جو ہم ہیں وہ یہ ہیں' اور جو یہ ہیں وہ ہم ہیں۔

شاہ عالمگیر ثانی کے قتل کا واقعہ اس کا عکاس ہے کہ ہندو مردوں عورتوں کو بھی بادشاہ سے کیسی محبت تھی' اور خود بادشاہ اس محبت کی کیسی قدر کرتے تھے۔ عالمگیر ثانی کو فقیروں سے بڑی عقیدت تھی' جہاں سن پاتے کہ کوئی فقیر آیا ہوا ہے' اس کو بلاتے' نہ آتا تو خود اس کے پاس جاتے' اس سے ملتے' بہت کچھ دیتے اور فقیر نوازی کو توشہ آخرت سمجھتے۔

غازی الدین خاں اس زمانے میں دلی کا وزیر تھا۔ خدا جانے اس کو بادشاہ سے کیوں دلی نفرت تھی۔ قلعے میں تو ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہ پڑی' دھوکے سے بادشاہ کو مارنے کا جال پھیلایا۔ قلعے میں مشہور کر دیا کہ پرانے کوٹلے میں ایک بزرگ آئے ہوئے ہیں' بڑے صاحب کرامات ہیں' بڑے خدا رسیدہ ہیں' مگر نہ کہیں خود جاتے ہیں نہ کسی کو آنے دیتے ہیں۔ ادھر بادشاہ کو

ملنے کا شوق ہوا ادھر لوگوں نے شاہ صاحب کی کرامتوں کے اور پل باندھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن بادشاہ تن تنہا قلعہ سے نکل کر کوٹلے پہنچے۔ ادھر ادھر کھنڈروں میں تلاش کی۔ یہاں تو پہلے ہی سے دشمن لگے ہوئے تھے۔ چار نمک حراموں نے ایک برج میں سے نکل کر بادشاہ کو شہید کردیا اور لاش جمنا کی ریتی میں پھینک دی۔

ادھر سے ایک برہمن عورت رام کنور آرہی تھی، اس نے جو لاش پڑی دیکھی تو ذرا ٹھٹکی۔ بھاگنے کا ارادہ کیا، پھر ذرا غور کیا تو کیا دیکھتی ہے کہ "ہیں! یہ تو بادشاہ سلامت کی لاش ہے۔" رات بھر ان کا انتظار بے کس شہید کا سر زانو پر لیے بیٹھی روتی رہی، صبح جمنا جی کے اشنان کو لوگ آئے، انہوں نے بھی لاش کو دیکھ کر پہچانا۔ تمام شہر میں کھلبلی پڑ گئی۔ اور ان کی لاش دفن ہوئی۔ شاہ عالم ثانی بادشاہ ہوئے۔ انہوں نے رام کنور کو بلایا، بہت کچھ انعام و اکرام دیا اور اس برہمنی کو اپنی منہ بولی بہن بنالیا۔

تھوڑے دنوں میں راکھی کا تہوار آیا۔ بھائی کے لیے بہن موتیوں کی راکھی لے کر پہنچی۔ بادشاہ نے خوشی خوشی راکھی بندھوائی۔ بہن کو جوڑا دیا۔ اس کے رشتے داروں کو خلعت دیے۔ بیچنے راکھی بندھن کی رسم قلعے کی رسموں میں شریک ہوگئی۔ جب تک قلعہ آباد رہا، اس برہمنی کے خاندان اور قلعہ والوں میں بھائی چارہ رہا۔ ہر سال راکھیاں آتیں، بادشاہ اور شہزادوں کے باندھی جاتیں۔ جوڑے دیے جاتے۔ یہ سلسلہ اس وقت ٹوٹا جب بادشاہ سے قلعہ چھوٹا۔

بادشاہ کا ایک عجیب خواب

تاریخ ابن خلکان میں رکن الدولہ بن بویہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اس کی کسی دشمن سے لڑائی ہوئی اور فریقین میں خوراک کی اس قدر تنگی ہوئی کہ دونوں نے اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کرنا شروع کردیا اور رکن الدولہ کی حالت تو یہ ہوگئی کہ اگر اس کا بس چلتا تو شکست قبول کرلیتا۔ چنانچہ اس نے اپنے وزیر ابوالفضل بن العمید سے مشورہ کیا کہ آیا جنگ جاری رکھی جائے یا گریز کیا جائے؟

وزیر نے جواب دیا کہ آپ کے لیے سوائے خدا تعالیٰ کی ذات پاک کے اور کوئی جائے پناہ نہیں۔ لہٰذا آپ مسلمانوں کے لیے خیر کی نیت رکھیں اور حسن سیرت اور احسان کرنے کا پختہ ارادہ فرمالیں۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ فتح حاصل کرنے کی تمام تدابیر جو ایک انسان کے قبضہ قدرت میں تھیں، وہ سب ختم ہوچکیں لہٰذا اگر ہم لڑائی سے جان بچا کر بھاگنے پر کمر باندھ لیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن ہمارا تعاقب کرکے ہم کو قتل کردیں گے۔ کیونکہ ان کی تعداد ہم سے بہت زیادہ ہے۔

بادشاہ نے وزیر کی یہ تقریر سن کر فرمایا کہ اے ابو الفضل! میں تو یہ رائے تم سے پہلے ہی قائم کرچکا تھا۔

ابو الفضل وزیر کا بیان ہے کہ میں اس کے بعد رکن الدولہ کے پاس سے اٹھ کر اپنے ٹھکانہ پر آگیا لیکن جب تہائی رات باقی رہ گئی تو رکن الدولہ نے مجھے بلا بھیجا اور کہا کہ

"ابھی میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ

سانحہ ارتحال

معروف مصنفہ شبانہ شوکت کے شوہر راجہ شوکت علی جنجوعہ طویل علالت کے بعد قضائے الٰہی سے ۔۔ وفات پاگئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

دکھ کی اس گھڑی میں ہم بہن شبانہ شوکت کے ساتھ اور ان کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل دے۔

لگانے سے چہرہ بھدا لگے گا۔ اس لیے اسے لگاتے ہوئے ذرا احتیاط کیجیے۔ بلش آن کا انتخاب کرتے ہوئے قدرتی رنگوں کو اہمیت دیجیے۔ سرخ یا تیز گلابی رنگ بہت برا تاثر دیتے ہیں۔ ان کے بجائے قدرتی رنگوں کا انتخاب کریں تو یہ مناسب ہوگا۔

ہائی لائٹر

رات کی تقریب میں جانے کے لیے ہائی لائٹرز کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چہرے کے ابھار مثلاً گالوں کی ابھری ہوئی ہڈی' ناک اور ٹھوڑی پر ہلکے ہاتھوں سے ہائی لائٹر یا شائنر لگانے سے چہرہ چمک اٹھے گا۔ ہائی لائٹرز کا استعمال بھی احتیاط سے کیجیے اسے لگانا بھی مہارت کا کام ہے۔

آنکھوں کا میک اپ

اس میں دن اور رات کے میک اپ کا خیال رکھا جاتا ہے۔ رات کے لیے کیے جانے والے پارٹی میک اپ میں ہمیشہ گہرے یا اسموکی رنگوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ تاہم دن کی تقریب میں ہلکے اور ٹھنڈے رنگوں کے آئی شیڈز استعمال کرنا چاہئیں۔ کپڑوں کی رنگت کی مناسبت سے بھی آئی شیڈ کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔ جو ایک رنگ یا دو رنگوں پر بھی مشتمل ہو سکتا ہے۔ آنکھوں کے پپوٹوں پر من چاہا شیڈ لگانے کے بعد کافی دیر تک بلینڈ کریں۔ شیڈ لگانے کے بعد دن کی تقریب میں براؤن رنگ کا لائنر لگائیں۔ نچلی پلکوں پر کاجل لگایا جاسکتا ہے۔ یہ بھی اچھا تاثر دیتا ہے۔

مسکارا لگائیں

مسکارا' آئی میک اپ میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ مسکارا لگانے سے آنکھوں کی دلکشی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایک بار مسکارا پلکوں پر برش کی مدد سے لگائیں۔ جب سوکھ جائے تو برش کو اوپر کی جانب خم دیتے ہوئے دوسرا کوٹ کریں۔ اس طرح پلکیں گھنی اور نوکیلی بنیں گی۔ آج کل ہر رنگ کے مسکارے آسانی سے دستیاب ہیں۔ اپنی پسند یا اپنے لباس کی مناسبت سے اپنی آنکھوں پر مسکارا لگائیں یا پھر سیاہ رنگ کا مسکارا بھی لگایا جاسکتا ہے۔ بہرحال مسکارا بہت احتیاط سے لگائیں۔

لپ اسٹک کا انتخاب

کسی بھی میک اپ میں سب سے آخری مرحلہ ہونٹوں کے میک اپ کا ہوتا ہے۔ لپ اسٹک کا انتخاب اپنے لباس کے رنگ کی مناسبت سے کیا جائے تو بہتر رہے گا۔ لیکن ہلکا براؤن یا ہلکا گلابی رنگ ہمیشہ سے خواتین کا پسندیدہ رنگ رہا ہے۔ لپ اسٹک لگانے سے قبل ہونٹوں پر ہلکی سی لپ بام لگانے سے نمی برقرار رہتی ہے' اب فاؤنڈیشن کی تہہ لگا کر لپ پنسل سے آؤٹ لائن بنائیں۔ موٹے ہونٹوں پر قدرے اندر اور پتلے ہونٹوں پر قدرے باہر کی جانب لپ پنسل کی مدد سے لائن بنائیں۔ اب لپ پنسل کے مقابلے میں تھوڑی ہلکی رنگت والی لپ اسٹک احتیاط سے لگائیں تاکہ لائن خراب نہ ہو۔ آج کل خواتین اور نوجوان لڑکیاں لپ جیل کا استعمال کرنا پسند کرتی ہیں۔ آپ بھی استعمال کرکے دیکھیں۔

آخری بات

عید میک اپ مکمل کرنے کے بعد' آخر میں اپنے میک اپ کا تنقیدی جائزہ لیں اور دیکھیں کہیں کوئی خامی یا کمی تو نہیں رہ گئی۔ اگر چاہیں تو اپنے چہرے پر پاؤڈر کا ہلکا سا ٹچ دیں۔ میک اپ زیادہ اچھا ہو جائے گا۔ بس اس بات کا خیال رکھیں کہ گرمی کا موسم ہے اور میک اپ گرمی کی مناسبت سے ہلکے رنگوں کا ہونا چاہیے تاکہ گرمی کا اثر کم سے کم ہو۔ میک اپ مکمل کرنے کے بعد اپنے بالوں کو اپنی پسند اور موسم کی مناسب سے سنواریں۔ دلکش انداز سے سنوارے گئے بال اور سلیقے سے کیے جانے والے میک اپ سے شخصیت کی دلکشی اور خوب صورتی کے ساتھ وقار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔